الخیر الکثیر

شرح

الفوز الکبیر

تصنیف: امام اکبر مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ

تعریب: محدث کبیر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

تشریح: حضرت مولانا مفتی محمد امین بن یوسف صاحب پالن پوری زید مجدہم

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

الخیر الکثیر

شرح

الفوز الکبیر

تصنیف

امام اکبر مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ

تعریب

محدث کبیر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

تشریح

حضرت مولانا مفتی محمد امین بن یوسف صاحب پالن پوری زید مجدہم

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

مولانا محمد امین پالنپوری صاحب کی اجازت سے طبع شدہ

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : جولائی ۲۰۰۷ء علمی گرافکس

ضخامت : 504 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park, London E12 5Qa
Tel : 020 8911 9797, Fax : 020 8911 8999
Email : sales@azharacademy.com,
Website : www.azharacademy.com

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست مضامین

☆☆☆

إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ،
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ (البروج۔۱۱)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے بہشت کے ایسے
باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ بڑی کامیابی ہے!

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ؛ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ
فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ۔۲۶۹)

اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں دین کا فہم عطا فرماتے ہیں
اور جس کو دین کا فہم مل جاوے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از: مفسر قرآن، محدث کبیر، فقیہ النفس، خطیب العصر، جلیل القدر صاحب قلم
حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

قرآن کریم کتاب تلاوت ہی نہیں، کتاب ہدایت بھی ہے اور اس کی ہدایت کا دائرہ مخصوص لوگوں تک محدود نہیں، بلکہ وہ تمام لوگوں کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۸۵ میں ماہ رمضان کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد پاک ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ، وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ

ماہِ رمضان: وہ ہے جس میں قرآن کریم اتارا گیا ہے، جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت کی واضح دلیلیں ہیں اور حق و باطل میں فیصلہ کن کتاب ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ:

"اس میں پہلی امتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں، اس میں آئندہ رونما ہونے والے حوادث کی آگہی ہے اور زمانۂ حال کے مسائل کا حل ہے، وہ فضول بات نہیں ہے، بلکہ حکمت بھرا نصیحت نامہ ہے، وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے، صراطِ مستقیم ہے اور اس کی اتباع خیالات کو کجی سے محفوظ رکھتی ہے" (مشکوٰۃ، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر ۲۱۳۸)

دوسری حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کا عروج و زوال قرآن کریم سے وابستہ ہے، ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے بہت سوں کو اونچا کریں گے، اور بہت سوں کو نیچے گرائیں گے" (مشکوۃ حدیث نمبر ۲۱۱۵) یعنی مسلمان اگر قرآن مجید کو اپنا راہ نما بنائیں گے اور اس کی تابعداری کریں گے تو وہ دنیا و آخرت میں سربلند ہوں گے، اور اگر قرآن کریم سے انحراف اور اس کے احکامات سے سرکشی کریں گے تو وہ اگر آسمان کی بلندی پر بھی ہوں گے تو نیچے گرادیئے جائیں گے، مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ اس حدیث کی صداقت کی گواہ اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کی آئینہ دار ہے۔

دور اول میں شہر کوفہ کی، جو چھاؤنی کے طور پر بسایا گیا تھا، قرآن مجید کے تعلق سے صورت حال کیا تھی؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے جو ابن ماجہ میں مروی ہے: قَرَظَۃُ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں کوفہ کی طرف بھیجا اور رخصت کرنے کے لئے ہمارے ساتھ چلے۔ آپ مقام صِرَار تک ہمارے ساتھ چلتے رہے، پھر فرمایا: جانتے ہو میں آپ لوگوں کے ساتھ کیوں چلا ہوں؟ لوگوں نے جواب دیا: ہمارے صحابی اور انصاری ہونے کے حق کی وجہ سے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلکہ میں تمہارے ساتھ چلا ہوں، ایک خاص بات کہنے کے لئے۔ وہ بات میں آپ حضرات سے کہنا چاہتا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ تم میری بات کو یاد رکھو میرے تمہارے ساتھ چلنے کی تقریب سے (اور وہ بات یہ ہے کہ) آپ لوگ ایک ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جن کے سینوں میں قرآن کی گڑگڑاہٹ ہانڈی کی گڑگڑاہٹ کی طرح ہے، پس جب وہ تم کو دیکھیں گے تو وہ تمہاری طرف اپنی گردنیں لمبی کریں گے اور کہیں گے: اللہ کے نبی کے صحابہ آئے! پس تم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرنا، پھر (جاؤ) میں تمہارا شریک ہوں (ابن ماجہ، مقدمہ باب ۳ حدیث نمبر ۲۸)

پھر چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسی شہر کوفہ میں تبدیلی رونما ہوئی، آپ کے تلمیذ حضرت حارث اعور رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار مسجد کوفہ میں کچھ لوگوں کو تلاوت قرآن چھوڑ کر فضول باتوں میں مشغول پایا۔ میں نے جاکر صورت حال کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع کی۔ آپ نے پوچھا: کیا واقعی انھوں نے ایسا کیا؟ (یعنی تلاوت چھوڑ کر فضول باتوں میں لگ گئے؟) حارث نے کہا: جی ہاں! اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے ایک دن ارشاد فرمایا: آگاہ ہو جاؤ، ایک بڑا فتنہ آنے والا

ہے (یعنی لوگوں میں بڑے اختلافات واقع ہوں گے، اور بڑے بڑے مذاہب نکلیں گے) حضرت علی ﷺ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس فتنہ کے شر سے بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی کتاب (ذریعہ نجات ہے) پھر آپ ﷺ نے قرآن کریم کے وہ مناقب بیان فرمائے جس کا کچھ حصہ مع حوالہ اوپر آیا ہے کہ اس میں تم سے پہلی امتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں الخ

پھر دن بدن صورت حال بگڑتی چلی گئی اور قرآن کریم کے فہم و تدبر سے امت مسلمہ کا تعلق بس برائے نام رہ گیا۔ ہندوستان کی صورت حال تو، عربی زبان ملکی زبان نہ ہونے کی وجہ سے، اور بھی ابتر ہوگئی تھی۔

ہندوستان کی سرزمین میں قرآن کریم کے فہم و تدبر کو عام کرنے کی تحریک علمائے ہند کے سرخیل حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے زور و قوت کے ساتھ شروع کی، آپ نے فارسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا، اس پر مختصر تفسیری حواشی لکھے اور فارسی ہی میں، جو اس زمانہ میں ملک میں مادری زبان کی طرح رائج تھی، اصول تفسیر میں مایۂ ناز کتاب الفوز الکبیر لکھی، تاکہ عوام بھی قرآن کی ہدایات اور تعلیمات سے براہ راست فیض یاب ہوسکیں، نیز عوامی درس قرآن کا سلسلہ دہلی کی بعض مساجد میں شروع کیا۔

آپ کے بعد آپ کے گرامی قدر فرزندوں نے فہم قرآن کی اس تحریک کو آگے بڑھایا، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے اپنے تفسیری درس واملاء (فتح العزیز) کے ذریعہ فہم قرآن کا ایک نیا باب کھولا۔ حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہما اللہ نے اردو تراجم قرآنی کے ذریعہ ہندوستانی عوام کے لئے معانیٔ قرآن تک رسائی آسان بنادی، ان حضرات نے دہلی کی بعض مساجد میں درس قرآن کے عوامی حلقے بھی قائم کئے، اس سے اہالیان دہلی میں فہم قرآن کا ذوق پیدا ہوا۔

اسی طرح ملک کے طول و عرض میں خاندان ولی اللہی کے، فیض یافتگان پھیلے اور اپنی اپنی جگہوں میں فہم قرآن کی شمعیں روشن کیں اور اس سلسلہ کو آگے بڑھایا، بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (تلمیذ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب) نے "تفسیر مظہری" جیسی عدیم المثال عربی میں دس جلدوں میں تفسیر لکھی۔ یہ سلسلہ اسی طرح بڑھتا رہا تا آنکہ ۱۸۵۷ھ کے بعد مدارس

عربیہ کے قیام کا سلسلہ تیزی سے شروع ہوا اور دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ دارالعلوم دیوبند کے فرزند اول حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ نے اسارت مالٹا کے زمانہ میں شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ کے ترجمۂ قرآن کو بنیاد بنا کر نیا ترجمۂ قرآن تیار کیا۔ اور اس پر تفسیری حواشی لکھنے کا سلسلہ شروع کیا، جس کی تکمیل شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ نے کی۔ اس ترجمہ، قرآن اور تفسیری حواشی کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی شہرت و قبولیت سے نوازا، مگر بایں ہمہ جب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ مالٹا کی اسارت سے رہا ہو کر دیوبند تشریف لائے تو علماء کے ایک خاص مجمع میں ارشاد فرمایا کہ:

"مالٹا جیل کی خلوتوں میں ہمیشہ یہ مسئلہ سامنے آیا کہ آج کل پوری دنیا میں مسلمانوں کی ذلت و پستی اور ہر جگہ مصائب و آفات میں مبتلا ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ مسلسل غور و فکر کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس کے اسباب دو ہیں: اول: مسلمانوں کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوم: آپس میں لڑنا۔ اور فرمایا کہ میں مالٹا کی جیل سے یہ سبق لے کر آیا ہوں کہ اپنی پوری توانائی ان دو کاموں میں صرف کرنا ہے۔ ایک تو قرآن کو گاؤں گاؤں، محلے محلے اور گھر گھر عام کرنا کہ کم از کم اس کی لفظی تعلیم سے کوئی مرد و عورت، بچہ بوڑھا خالی نہ رہے، اور بڑی مسجدوں میں درس قرآن جاری کئے جائیں، جن میں آسان تفسیر قرآن عوام کو پڑھائی جائے۔ دوسرے آپس کی لڑائی جھگڑوں کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے، اجتہادی مسائل کے اختلاف کو جنگ و جدل اور باہمی آویزش کا رنگ دینے سے انتہائی گریز کیا جائے"

گو یہ بات درست ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور برصغیر میں قائم ہونے والی اس کی شاخوں کی شبانہ روز محنتوں کی وجہ سے قرآن کریم کے فہم و تدبر کا دائرہ اور علوم قرآنی کا حلقہ بہت وسیع ہوا ہے، چودہویں صدی ہجری میں اردو زبان میں قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر کا اتنا بڑا ذخیرہ وجود میں آیا ہے جس کی نظیر کسی اور زبان میں تو کیا خود عربی زبان میں بھی ملنی مشکل ہے۔ ایک بیان القرآن ہی دسیوں تفسیروں پر بھاری ہے، اور یہ ثمرہ ہے مدارس عربیہ کے نصاب میں تفسیر اور اصول تفسیر کو خاص اہمیت دینے کا، مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ ہنوز تفسیر قرآن کا جو حق ہے وہ اس کو نہیں دیا جا سکا ہے، علوم عالیہ تین ہیں، ایک: تفسیر اور اصول تفسیر دوم: حدیث اور

اصول حدیث، سوم: فقہ اور اصول فقہ۔ تینوں کے عربی نصاب پر نظر ڈالیں آپ کو سب سے کمزور نصاب تفسیر اور اصول تفسیر کا نظر آئے گا۔ ماضی قریب تک تفسیر میں صرف جلالین شریف اور بیضاوی سورۂ بقرہ پڑھائی جاتی تھی اور اصول تفسیر میں صرف الفوز الکبیر پڑھائی جاتی تھی اور وہ بھی جلالین کے بعد رواروی میں۔ اور اب اللہ کا شکر ہے کہ جلالین سے پہلے سال دو سال میں ترجمۂ قرآن کریم پڑھایا جاتا ہے اور دار العلوم دیوبند میں الفوز الکبیر کو مستقل گھنٹہ دیا گیا ہے، تاکہ بہ امعان نظر اس کو پڑھایا جاسکے مگر اس کے بدل بیضاوی سورۂ بقرہ کو نصاب سے ساقط کر دیا گیا ہے۔ اس لئے حساب گویا برابر ہو گیا ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ دار العلوم دیوبند میں دورۂ تفسیر بھی تو پڑھایا جاتا ہے؟ تو اس سلسلہ میں تین باتیں عرض ہیں:

پہلی بات: یہ ہے کہ دورۂ تفسیر تمام مدارس عربیہ میں نہیں پڑھایا جاتا، جس طرح دورۂ حدیث پڑھایا جاتا ہے۔ میرے علم میں صرف دار العلوم دیوبند میں اس کا نظم ہے۔ دوسرے مدارس اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

دوسری بات: دار العلوم کا دورۂ تفسیر، جس میں بیضاوی، ابن کثیر اور مظہری کی مدد سے قرآن کریم کی مکمل تفسیر پڑھائی جاتی ہے، یہ دورۂ تفسیر کچھ زیادہ کامیاب نہیں۔ اور ناکامی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ تفاسیر اتنی طویل ہیں کہ ان کے پانچ پانچ پارے بھی ایک ایک گھنٹہ میں کما حقہ نہیں پڑھائے جاسکتے علاوہ ازیں ذی استعداد طلبہ از خود ان کا مطالعہ کر سکتے ہیں، انہیں ایک سال لگانے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر دورۂ حدیث شریف عمدۃ القاری، فتح الملہم، بذل المجہود اور معارف السنن کی مدد سے پڑھایا جائے یعنی متون حدیث پڑھانے کے بجائے یہ شروح حدیث پڑھائی جائیں تو دورۂ حدیث بھی پھیکا پڑ جائے گا۔ دورۂ تفسیر میں بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ متن قرآن کریم کو بنیاد بنا کر شیخ الحدیث اور اساتذۂ حدیث شریف کی طرح متخصصین تفسیر قرآن کریم کا درس دیں اور تمام تفاسیر سے استفادہ کریں اور خلاصہ بیان کریں تو دورۂ تفسیر کی شان پیدا ہو سکتی ہے۔

تیسری بات: دورۂ تفسیر فراغت کے بعد پڑھایا جاتا ہے۔ اس لئے جو طلبہ پڑھنا چاہتے بھی ہیں، ان کو ان کے سرپرست موقع نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم فارغ ہو گئے اب پڑھنے کی کیا

ضرورت ہے ؟ کام میں لگو! پھر وہ ایسے کام میں لگتے ہیں کہ از خود مطالعہ بھی نہیں کرتے۔

غرض اصل نصاب میں تفسیر اور اصول تفسیر کی طرف توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے۔ دورۂ تفسیر پڑھانے سے مقصد بر آری نہیں ہوتی۔ اور فضلاء کو بھی چاہئے کہ وہ زندگی بھر قرآن کریم کا مطالعہ جاری رکھیں، اور جگہ جگہ درس قرآن کے حلقے قائم کریں تاکہ عام مسلمان بھی قرآن کریم سے نزدیک آئیں۔

☆ ☆ ☆

الفوز الکبیر فی أصول التفسیر: امام الطائفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ملکی زبان کی رعایت سے فارسی زبان میں تصنیف فرمائی تھی، تاکہ عام لوگ بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔ مگر چونکہ حضرت شاہ صاحب نغز نویس ہیں، ان کی تمام نگارشات ایجاز واختصار کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ الفوز الکبیر میں بھی یہی انداز تحریر ہے۔ اس لئے یہ فارسی رسالہ بھی تدریس کا محتاج تھا، اور اپنے زمانہ میں شاہ صاحب خود یہ رسالہ طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے، پھر جب مدارس عربیہ کا دور آیا، اور ہندوستان میں فارسی زبان کمزور ہوگئی تو کسی ہندوستانی عالم نے اس کو عربی کا جامہ پہنایا، اور داخل درس کرلیا گیا۔ چوتھائی صدی پہلے جب میں نے اس کی عربی شرح العون الکبیر لکھی تو ترجمہ کو اصل فارسی سے ضرورت کی جگہوں میں ملایا جگہ جگہ ترجمہ میں یا تعبیر میں سقم نظر آیا۔ اس وقت تو صحیح ترجمہ میں نے شرح میں درج کیا، اصل متن میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ مگر گذشتہ سال جب العون الکبیر کو کمپیوٹر پر لانے کا پروگرام بنا تو کتاب پر نظر ثانی کی، تو مزید بہت سی جگہیں قابل اصلاح نظر آئیں۔ اور اساتذۂ کرام نے بھی تسہیل، ترمیم اور تہذیب واضافۂ عناوین کا مطالبہ کیا۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اصل عربی ترجمہ کی تہذیب کی جائے اور اس کو سنوارا جائے۔ چنانچہ میں نے یہ خدمت انجام دی اور پوری کتاب میں ضروری عناوین کا اضافہ کیا، جب کتاب تیار ہوئی تو دارالعلوم دیوبند کے مخلص مہتمم حضرت اقدس مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم نے اس کو دارالعلوم کی مجلس شوری میں پیش کیا۔ موقر مجلس شوری نے اس کی تدریس منظور کی، اب یہ جدید ترجمہ داخل نصاب کرلیا گیا ہے، اور اب وہی دارالعلوم دیوبند میں اور دیگر مدارس عربیہ میں پڑھایا جاتا ہے۔

اس صورت حال میں اس کی اردو شرح کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔ کیونکہ جو شرحیں پہلے

سے موجود تھیں ان سے استفادہ اب مشکل تھا، مجھے بے حد خوشی ہے کہ برادر مکرم جناب مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری زید مجدہم نے اس طرف توجہ مبذول فرمائی۔ موصوف دار العلوم دیوبند میں درجہ علیا کے استاذ ہیں، اور عرصہ سے الفوز الکبیر پڑھاتے ہیں، اس لئے شرح لکھنے کا ان کو بجا طور پر حق پہنچتا ہے۔ موصوف نے ایک انوکھے انداز پر یہ شرح مرتب کی ہے۔ پہلے معنی خیز واضح عنوان قائم کیا ہے، پھر مسئلہ کی اُس طرح تقریر کی ہے جس طرح اساتذہ سبق میں کیا کرتے ہیں۔ تقریر میں مسئلہ کی وضاحت کے لئے مثالیں وغیرہ بھی بڑھائی ہیں اور مسئلہ کو خوب منقح کر دیا ہے، پھر عربی عبارت ضروری اعراب کے ساتھ رکھی ہے۔ پھر درسی انداز کا ترجمہ کیا ہے، کیونکہ کتاب فہمی کے لئے یہ ترجمہ بامحاورہ ترجمہ سے زیادہ مفید ہے۔ پھر مشکل لغات کو حل کیا ہے، کہیں ضروری فائدہ بھی بڑھایا ہے۔ غرض کتاب حل کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ میں نے یہ شرح از اول تا آخر حرف بہ حرف پڑھی ہے اور وثوق کے ساتھ میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ نئے ڈھنگ پر مرتب کردہ یہ شرح ان شاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگی، اللہ نے چاہا تو طلبہ اور اساتذہ کے لئے یہ کتاب بے حد نفع بخش ثابت ہوگی اللہ تعالیٰ موصوف کی محنت کو قبول فرمائیں اور امت کو اس سے فیض یاب فرمائیں، وما ذلك على الله بعزيز، والحمد لله رب العالمين وصلى الله على النبي الكريم، وعلى آله وصحبه اجمعين۔

کتبہ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دار العلوم دیوبند

۱۱-۸-۱۴۲۰ھ = ۲۰-۱۱-۱۹۹۹ء
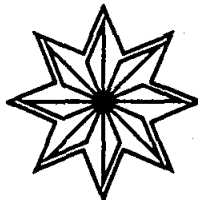
حرف آغاز

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ، وَلَمْ یَجْعَلْ لَہٗ عِوَجًا؛ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْہُ، وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا حَسَنًا؛ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الَّذِیْ اَرْسَلَہٗ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا، وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا، وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَعُلَمَاءِ اُمَّتِہِ الَّذِیْنَ فَسَّرُوْا الْقُرْآنَ تَفْسِیْرًا، وَفَازُوْا فَوْزًا کَبِیْرًا.

امابعد: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جن بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں سب سے بڑی نعمت قرآن کریم ہے، جس میں قیامت تک آنے والے لوگوں اور قوموں کے لئے ہدایت، اور دنیاو آخرت کی ترقی اور راحت ہے، اسی لئے مفسرین عظام نے قرآن کریم کی ہدایات وتعلیمات کو واضح کرنے، اور مراد خداوندی سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے چھوٹی بڑی بہت سی تفسیریں لکھی ہیں، اور اسی مقصد کے لئے آج تمام مدارس عربیہ اور جامعات میں قرآن کریم کی متعدد تفسیریں پڑھائی جاتی ہیں، مگر خاطر خواہ فائدہ نظر نہیں آتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ پڑھنے والے تفسیر کے اصول وقوانین اور آداب سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ اگر ان کو تفسیر کی کوئی کتاب پڑھانے سے پہلے تفسیر کے اصول وقوانین اچھی طرح سمجھادیئے جائیں، تو ان شاء اللہ خاطر خواہ فائدہ ہوگا۔

اصول تفسیر میں سب سے عمدہ اور مختصر کتاب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی مشہور ومعروف کتاب "الفوز الکبیر" ہے، جو عام طور پر مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے، مگر اکثر وبیشتر طلبہ اس کی اہمیت اور افادیت کا ادراک نہیں کرپاتے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شاہ صاحب نے "الفوز الکبیر" دراصل فارسی زبان میں لکھی ہے، اور آج اکثر وبیشتر طلبہ فارسی زبان سے نابلد ہیں، اس لئے وہ شاہ صاحب کی کتاب سے نہ استفادہ کرسکتے ہیں، نہ اس کی افادیت کا ادراک کرسکتے ہیں، اور اسی بناء پر آج فارسی کے بجائے عربی الفوز الکبیر پڑھی اور پڑھائی جاتی

ہے، لیکن جن صاحب نے "الفوز الکبیر" کو فارسی سے عربی میں منتقل کیا ہے، ان کی تعریب میں بہت سی خامیاں تھیں، اور ان ہی خامیوں کے پیش نظر ایک ندوی فاضل نے اس کی از سرنو تعریب کی ہے، اور یہ تعریب ندوہ میں داخل نصاب ہے مگر اس میں الفاظ کی پابندی کے ساتھ ترجمہ کے بجائے مضمون کتاب کی ترجمانی پر اکتفا کیا گیا ہے، نیز اس میں بغلی عنوانات بھی بہت زیادہ ہیں، جن کی وجہ سے تدریس میں دشواری پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اصل فارسی کتاب اور سابقہ رائج تعریب سے بہت دور ہو گئی ہے، چنانچہ مدارس عربیہ نے عام طور پر اس تعریب کو نصاب میں شامل نہیں کیا، جبکہ "الفوز الکبیر" کی افادیت میں کوئی کلام نہیں، چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں کہ:

"اصول تفسیر پر کوئی چیز عام طور پر نہیں ملتی، صرف چند اصول و قواعد تفاسیر کے مقدمہ میں، یا اپنا طرز تصنیف بیان کرنے کے لئے بعض مصنفین چند سطروں میں لکھ دیتے ہیں۔ شاہ صاحب کی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" بھی اگرچہ مختصر ہے، لیکن پوری کتاب سراسر نکات وکلیات ہے، درحقیقت ایک جلیل القدر عالم کی، جس کو فہم قرآن کے مشکلات کا علمی تجربہ ہے، ایک قیمتی اور نادر بیاض ہے، اس کی قدر وہ ہی لوگ جان سکتے ہیں، جن کو ان مشکلات سے واسطہ پڑا ہو، بعض بعض اصول جو شاہ صاحب نے اپنے ذوق و وجدان اور فہم قرآن کی بناء پر لکھ دیئے ہیں، دوسری کتابوں کے سینکڑوں صفحات کے مطالعہ سے نہیں حاصل ہو سکتے .... بہر حال اس کتاب کا ہمارے ہاتھوں میں ہونا، خدا کی ایک نعمت، اور اس کا ہمارے نصاب درس میں عام طور پر داخل نہ ہونا، اس نعمت کی ناقدری اور ناواقفیت، یا بدمذاقی ہے

(الفرقان بریلی کا شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۴۱ و ۳۴۲)

جب حضرت نے یہ مقالہ لکھا تھا، اس وقت عام طور پر مدارس عربیہ میں "الفوز الکبیر" داخل درس نہیں تھی، اب اکثر و بیشتر مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے، مگر عام طور پر اتنی مفید اور اہم کتاب کو "جلالین شریف" کے بعد اس وقت پڑھایا جاتا ہے، جب عزیز طلبہ سالانہ امتحان کی تیاری میں مصروف ہو جاتے ہیں، اور اسباق سے زیادہ آموختہ کی طرف ان کی توجہ مبذول ہو جاتی ہے، اس لئے دارالعلوم دیوبند کے ارباب انتظام نے تین سال قبل یہ فیصلہ فرمایا کہ "الفوز الکبیر" کو سال کے آغاز میں پڑھایا جائے، تاکہ پڑھنے والے اس کو اچھی طرح سمجھیں اور فرزندان دارالعلوم قرآن فہمی کے اصول و ضوابط سے واقف ہو کر علم تفسیر میں کمال حاصل کریں۔

دارالعلوم دیوبند کے ارباب انتظام کا یہ اقدام نہایت مفید ثابت ہوا، دوسرا مفید قدم بعض

اساتذہ کرام نے یہ اٹھایا کہ دار العلوم دیو بند کے درجۂ علیا کے استاذ حدیث، اور الفوز الکبیر کی عربی شرح لکھنے والے بہترین صاحب قلم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم سے "الفوز الکبیر" کی تعریب قدیم کی تہذیب کی درخواست کی، موصوف نے اساتذہ کرام کی درخواست قبول فرما کر یہ فریضہ انجام دیا۔ اور سابقہ تعریب میں جو خامیاں تھیں ان کو دور فرما کر کتاب کو اصل فارسی کے مطابق بنادیا۔ اور ضروری عناوین بڑھا کر کتاب کی افادیت واہمیت میں چار چاند لگادیئے، علامات ترقیم اور مفید حواشی سے کتاب کو مزین فرما کر فہم مراد کو آسان کر دیا، یہ موصوف کا اساتذۂ کرام اور عزیز طلبہ پر بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ آں محترم کو دارین میں اس کا بہترین بدلہ عنایت فرمائیں! آمین!

ان ہی خوبیوں کی بناء پر دار العلوم دیو بند میں اور دیگر بہت سے مدارس عربیہ میں "الفوز الکبیر" کی یہ نئی تعریب داخل نصاب ہو چکی ہے، اس لئے احقر نے اس کی اردو شرح لکھنے کا ارادہ کیا۔ اور اللہ جل شانہ نے محض اپنے فضل وکرم سے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

آخیر میں اس شرح کے بارے میں چند باتیں جان لینی چاہئیں، تا کہ اس سے استفادہ کرنے میں آسانی ہو، اس شرح کا انداز عام شرحوں سے ذرا مختلف ہے، عام طور پر پہلے عبارت پھر اس کا ترجمہ، اس کے بعد حل لغات اور عبارت کی تشریح کی جاتی ہے۔

(۱) مگر میں نے اس شرح میں درس کا انداز اپنایا ہے، یعنی پہلے عنوان قائم کر کے شاہ صاحب کی بات کو اپنے الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی ہے، اور جہاں ضرورت محسوس کی گئی وہاں شاہ صاحب کے بیان کردہ نکات کو مثالوں سے واضح کیا ہے، اس کے بعد عبارت پھر عبارت کا ترجمہ کیا ہے، پھر مشکل لغات کے معانی بیان کئے ہیں، اور بعض جگہ آخیر میں عبارت کے تعلق سے کوئی فائدہ ذکر کیا ہے، البتہ دوسرے باب کی چوتھی فصل میں چونکہ نہایت آسان مثالیں ہیں اس لئے پہلے عبارت پھر اس کا مطلب خیز ترجمہ کیا ہے ـــــ یہ انداز میں نے دو وجہ سے اپنایا ہے۔

اولاً: اس وجہ سے کہ جب مبتدی طالب علم مشکل عبارت دیکھتا ہے، تو گھبرا جاتا ہے، اور یہ خیال کرتا ہے کہ یہ عبارت میری سمجھ سے بالاتر ہے، یہ خیال اس کے لئے نہایت مضر ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے پہلے مسئلہ کو آسان کر کے سمجھایا ہے۔ تا کہ مبتدی طالب علم جب مسئلہ اور بحث سمجھ کر عبارت پڑھے تو اس کو اجنبیت محسوس نہ ہو۔

ثانیاً: اس وجہ سے کہ جو سعادت مند طالب علم اپنے ساتھیوں کو تکرار کرانا چاہتا ہے، وہ یہ

اندازا پنا کر اپنی تکرار کو کامیاب بنائے، اور درس کا طریقہ سیکھے۔

(۲) میں نے الفوز الکبیر کی سابقہ تمام شرحوں کا مطالعہ کیا ہے، اور "العون الکبیر" سے خوب استفادہ کیا ہے۔ مگر اردو شروحات میں جو باتیں قابل اعتراض تھیں، ان پر کوئی تنقید نہیں کی، بلکہ جو بات صحیح تھی اسی کو بیان کیا ہے۔

(۳) یہ شرح مبتدی قُرّاء کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس لئے اس میں لمبی تفصیلات سے احتراز کیا گیا ہے، جو مبتدی طلبہ کی سمجھ سے بالاتر ہیں، مگر شاہ صاحب کی بات چاہے کتنی ہی دقیق ہو سمجھانے کی پوری کوشش کی گئی ہے، لہٰذا جو حضرات مزید تفصیلات دیکھنا چاہیں۔ وہ استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کی عربی شرح "العون الکبیر" کا مطالعہ کریں۔

(۴) میں دار العلوم دیوبند میں تقریباً دس سال سے "الفوز الکبیر" پڑھا رہا ہوں، اس لئے مبتدی طالب علموں کو جو اشکالات ہو سکتے ہیں، ان کو حل کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ لہٰذا پوری بحث پڑھنے کے بعد آپ کے ذہن میں کوئی شبہ باقی رہے، تو پوری بحث کو دوبارہ غور سے پڑھئے، ان شاء اللہ آپ کا شبہ دور ہو جائے گا۔

(۵) الفوز الکبیر میں جہاں پہلے ایک بات اجمالی طریقہ پر بیان کی گئی ہے، پھر آگے اس کی تفصیل ہے، وہاں شرح میں اجمال کی صرف وضاحت کی گئی ہے، پھر جہاں شاہ صاحب نے اجمال کی تفصیل بیان فرمائی ہے، وہاں شرح میں تفصیل کی وضاحت کی گئی ہے۔ اگر آپ اس بات کو ذہن میں رکھیں گے، تو ان شاء اللہ کوئی اشکال اور شبہ باقی نہیں رہے گا۔

(۶) اس شرح کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو صاحب تعریب حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم نے از اول تا آخر دیکھا ہے، اور اس کی نوک پلک کو خوب سنوارا ہے، فجزاهم الله احسن الجزاء

(۷) میں نے الفوز الکبیر کی اس شرح کا نام الخیر الکثیر اس امید پر رکھا ہے کہ اگر آپ نے اس شرح کے ذریعہ الفوز الکبیر کو حل کر لیا۔ اور الفوز الکبیر میں ذکر کردہ اصول و نکات سے قرآن کریم کی تفسیر میں پورا استفادہ کیا، تو اللہ تعالیٰ آپ کو "خیر کثیر" سے نوازیں گے، اور بہت بڑی کامیابی نصیب فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز الکریم

محمد امین بن یوسف پالن پوری غفرلہ ولوالدیہ

خادم حدیث و فقہ دار العلوم دیوبند

۱۹ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۹۹ء بروز جمعہ

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کے مصنف: امام اکبر محدث اعظم مفسر قرآن، اصول تفسیر اور اسرار شریعت کے موجد ومدون، مجدد وقت، مفکر ملت، حکیم الامت، جامع شریعت وطریقت، آیۃ من آیات اللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فاروقی محدث دہلوی ہیں۔

ولادت باسعادت اور نام

آپ کی ولادت باسعادت عظیم مغل بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر رحمہ اللہ کی وفات سے چار سال قبل ۱۴ر شوال ۱۱۱۴ھ بدھ کے دن طلوع آفتاب کے وقت قصبہ "پُھلت" ضلع مظفر نگر (یو، پی) میں ہوئی ــــــ آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب کو شیخ قطب الدین احمد بختیار کاکی اُوشی قدس سرہ نے خواب میں ایک نیک صالح لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دی تھی، اور یہ وصیت کی تھی کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام میرے نام پر "قطب الدین احمد" رکھنا، مگر جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے والد صاحب وصیت بھول گئے، اور آپ کا نام "ولی اللہ" رکھ دیا، پھر ایک مدت کے بعد جب بختیار کاکیؒ کی وصیت یاد آئی، تو دوبارہ آپ کا نام "قطب الدین احمد" رکھا، اس لئے آپ کا پورا نام "ولی اللہ قطب الدین احمد" ہے اور تاریخی نام "عظیم الدین" کنیت "ابو عبد العزیز" اور "ابو الفیاض" ہے ــــــ آپ کے والد ماجد کا نام "عبد الرحیم" اور کنیت "ابو الفیض" اور دادا کا نام "وجیہ الدین" ہے، آپ کا سلسلۂ نسب والد ماجد کی طرف سے فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک، اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کاظم رحمہ اللہ تک پہنچتا ہے۔

والدین ماجدین کا تعارف

آپ کے والد شاہ عبد الرحیم صاحب فقہ حنفی کے جید عالم اور دہلی کے بڑے مشائخ میں سے

تھے۔معقولات کے ماہر اور علامہ میر زاہد ہروی کے شاگرد تھے، بچپن ہی سے سنتوں کا اہتمام اور دنیا کی دولت و عزت سے نفرت اور آخرت کی فکر کرنے والے صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے —— آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ فخر النساء بھی، جو شیخ محمد پھلتی کی صاحبزادی ہیں، علوم دینیہ میں خوب مہارت اور آداب طریقت و اسرار شریعت سے اچھی واقفیت رکھتی تھیں، صوم وصلوٰۃ کی پابند نیک پارسا خاتون تھیں۔

تعلیم وتربیت

پانچ سال کی عمر میں آپ نے تعلیم شروع کی، اور سات سال کی عمر میں قرآن کریم کی تکمیل فرمائی، ساتویں سال کے آخر میں آپ نے فارسی اور عربی کے ابتدائی رسائل پڑھنا شروع کئے، اور ایک سال میں ان کو مکمل کیا، اس کے بعد آپ نے صرف ونحو کی طرف توجہ فرمائی، اور دس سال کی عمر میں نحو کی معرکۃ الآراء کتاب شرح جامی تک پہنچ گئے، صرف ونحو سے فراغت کے بعد علوم عقلیہ اور نقلیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور پندرہ سال کی عمر میں تمام متداول درسی علوم سے فارغ ہوکر درس وتدریس کا آغاز فرمایا، اس عرصہ میں آپ نے اکثر و بیشتر کتابیں اپنے والد حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب سے پڑھیں۔ اور ان ہی سے بیعت ہوکر سترہ سال کی عمر میں بیعت وارشاد کی بھی اجازت حاصل کی، اور ۱۱۴۳ھ تک اپنے والد حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب کی مسند درس وارشاد کو سنبھالا اور خلق خدا کو فائدہ پہنچایا۔

زیارت حرمین شریفین

پھر ۱۱۴۳ھ میں جبکہ آپ کی عمر تیس سال کے قریب تھی، حرمین شریفین کی زیارت کا شوق آپ پر ایسا غالب ہوا کہ راستہ کی بدامنی کے باوجود حجاز مقدس کا سفر کیا، ۱۵ر ذیقعدہ ۱۱۴۳ھ کو مکہ مکرمہ پہنچے، اور فریضہ حج ادا کیا، پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی سے بخاری شریف کی سماعت فرمائی۔ اور صحاح ستہ (بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف) موطا امام مالک، مسند دارمی اور امام محمد کی کتاب الآثار کے اطراف ان کے سامنے پڑھے۔ اور بقیہ کتابوں کی ان سے اجازت حاصل کی، پھر مکہ مکرمہ آئے، دوسرا حج کیا، اور شیخ وفد اللہ مالکی مکی سے موطا امام مالک پڑھی، اور شیخ تاج الدین

حنفی قلعی مکی، جو بخاری شریف کا درس دے رہے تھے، ان کے درسوں میں چند دن شریک ہوئے، اور ان سے صحاح ستہ وغیرہ کتابوں کے اطراف سنے، اور مذکورہ کتابوں کے مشکل مقامات حل کئے، اور ان سے تمام کتب حدیث کی اجازت حاصل کی۔

الغرض حجاز مقدس میں چودہ ماہ قیام اور دو حج کرنے اور حرمین شریفین کے محدثین عظام سے خاطر خواہ استفادہ کرنے کے بعد ۱۱۴۵ھ کے اوائل میں ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے، پورے چھ ماہ سفر میں گذرے، اور ۱۴ ر رجب ۱۱۴۵ھ جمعہ کے دن بصحت وعافیت دہلی پہنچے، چند دن آرام کرنے کے بعد پھر سے درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اور تیس سال تک تصنیف و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

خودنوشت سوانح

شاہ صاحب نے اپنے حالات وسوانح میں ایک مختصر رسالہ **الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف** کے نام سے فارسی زبان میں لکھا ہے، مولانا محمد منظور نعمانی قدس سرہ نے الفرقان بریلی کے شاہ ولی اللہ نمبر میں اس کا خلاصہ پیش کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

بتاریخ ۱۴ ر شوال ۱۱۱۴ھ چہار شنبہ کے دن طلوع آفتاب کے وقت یہ فقیر پیدا ہوا، تاریخی نام عظیم الدین نکالا گیا، ولادت سے پہلے خود والدین ماجدین اور چند اور صلحاء نے میرے بارے میں بہت سے بشارتی خواب دیکھے، جن کو بعض دوستوں نے مستقل رسالہ **القول الجلی** میں بھی جمع کر دیا ہے ——— عمر کے پانچویں سال مکتب میں بٹھادیا گیا، ساتویں سال والد ماجد نے نماز روزہ شروع کرایا، اور اس سال "رسم سنت" عمل میں آئی۔ اور جیسا کہ یاد رہ گیا ہے اسی ساتویں سال میں قرآن پاک ختم ہوا۔ اور فارسی تعلیم شروع ہوئی، یہاں تک کہ دسویں سال شرح ملا جامی پڑھ لی۔ اور مطالعہ کتب کی استعداد پیدا ہوگئی ——— چودھویں ہی برس میں شادی کی صورت پیدا ہوگئی، اور والد ماجد نے اس معاملہ میں انتہائی عجلت سے کام لیا، اور جب سسرال والوں نے والد ماجد کے تقاضوں کے جواب میں سامان شادی تیار نہ ہونے کا عذر کیا، تو آپ نے ان کو لکھ بھیجا کہ میری یہ "جلد بازی" بے وجہ نہیں ہے، بلکہ اس میں کوئی راز ہے، لہٰذا یہ مبارک کام بلا تاخیر ہی ہو جانا چاہئے، چنانچہ والد بزرگوار کے اصرار سے اسی سال یعنی عمر کے چودھویں ہی برس میں شادی ہوگئی، اور وہ راز بعد میں اس طرح ظاہر ہوا کہ نکاح سے تھوڑے ہی دن بعد میری

خوش دامن کا انتقال ہو گیا، اُس سے چند ہی روز بعد میری اہلیہ کے نانا نے وفات پائی، پھر چند ہی دنوں میں عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے صاحب زادے شیخ فخر عالم نے رحلت فرمائی، اور یہ صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ میرے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ ماجدہ نے (یعنی آپ کے والد ماجد شیخ عبدالرحیم کی پہلی بیوی نے) داغ مفارقت دیا، ان صدمات کے ساتھ ہی والد ماجد پر ضعف اور مختلف قسم کے امراض کا غلبہ ہوا، اور دیکھتے دیکھتے آپ کی وفات کا سانحۂ عظیم بھی پیش آگیا —— ان حوادث کے پیہم گذر جانے پر معلوم ہوا کہ شادی کے متعلق والد ماجد کی عجلت فرمائی میں کیا راز تھا؟ درحقیقت اگر اُس وقت یہ کام اس طرح عجلت سے انجام نہ پاتا، تو ان حوادث کی وجہ سے پھر مدتوں بھی اس کا موقع نہ آسکتا تھا۔

شادی سے ایک سال بعد پندرہ سال کی عمر میں والد ماجد کے ہاتھ پر میں نے بیعت کی، اور مشائخ صوفیہ بالخصوص حضرات نقشبندیہ کے اشغال میں لگ گیا۔ اور توجہ اور تلقین اور آداب طریقت کی تعلیم و خرقہ پوشی کی جہت سے میں نے اپنی نسبت کو درست کیا —— اسی سال بیضاوی کا ایک حصہ پڑھ کر گویا ان دیار کے مروجہ نصاب تعلیم سے فراغت حاصل کی، والد ماجد نے اس تقریب میں بڑے پیمانے پر خواص و عوام کی دعوت کی، اور مجھے درس کی اجازت دی، جن علوم و فنون کا درس اس ملک میں مروج ہے، ان میں ذیل کی کتابیں میں نے سبقاً سبقاً پڑھیں۔

حدیث میں پوری مشکوٰۃ شریف، سوائے کتاب البیوع سے کتاب الآداب تک کے تھوڑے سے حصہ کے، اور صحیح بخاری کتاب الطہارت تک، اور شمائل ترمذی کامل —— اور تفسیر میں، تفسیر بیضاوی اور تفسیر مدارک کا ایک حصہ، اور حق تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت مجھ پر یہ ہوئی کہ کامل غور، فکر اور مختلف تفاسیر کے مطالعہ کے ساتھ والد ماجد کے درس قرآن میں مجھے حاضری کی توفیق ملی، اور اس طرح کئی بار میں نے حضرت سے متن قرآن پڑھا، اور یہی میرے حق میں "فتح عظیم" کا باعث ہوا۔ والحمد للّٰه علی ذلك۔

اور علم فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ پوری پڑھیں، اور اصول فقہ میں حسامی اور توضیح تلویح کا کافی حصہ، اور منطق میں شرح شمسیہ (قطبی) پوری اور شرح مطالع کا کچھ حصہ، اور کلام میں شرح عقائد مع حاشیہ خیالی اور شرح مواقف کا بھی ایک حصہ —— اور سلوک و تصوف میں عوارف اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ، اور علم الحقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، لوائح، مقدمہ

شرح لمعات اور مقدمہ نقد النصوص، اور فن خواص اسماء و آیات میں والد ماجد کا خاص مجموعہ، اور طب میں موجز، اور فلسفہ میں شرح ہدایت الحکمت وغیرہ، اور نحو میں کافیہ اور اس کی شرح از ملا جامی، اور علم معانی میں مطول اور مختصر المعانی اس قدر جتنے پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے، اور ہیئت و حساب میں بھی بعض مختصر رسالے پڑھے —— اور الحمد للہ کہ اسی تحصیل کے زمانہ میں ہر فن سے خاص مناسبت پیدا ہو گئی، اور اس کے خاص مسائل اور اہم مباحث میرے ذہن کی گرفت میں آ گئے۔

میری عمر کے سترہویں سال والد ماجد مریض ہوئے اور اسی مرض میں واصل برحمت حق ہو گئے، اور اس مرض وفات ہی میں مجھے بیعت وارشاد کی اجازت مرحمت فرمائی، اور اس اجازت میں کلمہ مبارکہ یَدُہٗ کَیَدِیْ (اس کا ہاتھ گویا میرا ہی ہاتھ ہے) مکرر ارشاد فرمایا۔

خدا تعالیٰ کا ایک بڑا احسان یہ ہے کہ حضرت والد ماجد جب تک رہے اس فقیر سے بے حد راضی رہے، اور اسی رضامندی کی حالت میں اس دنیا سے تشریف لے گئے، حضرت والد کو جیسی توجہ میرے حال پر رہی ایسی ہر باپ کو اپنے بیٹوں کے ساتھ نہیں ہوتی، میں نے کوئی باپ، کوئی استاذ اور کوئی مرشد ایسا نہیں دیکھا جو اپنی اولاد یا اپنے کسی شاگرد یا مرید کی طرف اس قدر توجہ اور شفقت رکھتا ہو، جو حضرت والد ماجد کو میرے ساتھ تھی۔ **اللھم اغفِرلِیْ ولوالدیَّ وارْحَمْھُمَا کما رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا، وجَازِھما بکل شفقۃٍ ورحمۃٍ ونعمۃٍ منھما عَلَیَّ ماۃ الفِ اَضْعَافِھَا، انک قریبٌ مجیبٌ۔**

پھر حضرت کی وفات کے بعد بارہ سال تک کتب دینیہ اور معقولات کے درس میں اشتغال رہا، اور ہر علم و فن میں غور کرنے کا موقع ملا، اور مذاہب اربعہ کی فقہ اور ان کے اصول فقہ کی کتابوں، اور ان احادیث کے غائر مطالعہ کے بعد جن سے وہ حضرات اپنے مسائل میں استناد فرماتے ہیں، نورِ غیبی کی مدد سے "فقہائے محدثین" کا طریقہ دلنشین ہوا۔

غرض والد ماجد کی وفات سے ۱۲ برس اس طرح گزرنے کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا، اور آخر ۱۱۴۳ھ میں یہ فقیر حج سے مشرف ہوا، اور ۱۱۴۴ھ میں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی مجاورت، اور شیخ ابو طاہر قدس سرہ و دیگر مشائخ حرمین شریفین سے اخذ روایت حدیث کی سعادت حاصل ہوئی —— مدینہ منورہ کے دوران قیام میں روضہ مقدسہ سرور عالم ﷺ میری توجہ کا خاص مرکز رہا، اور الحمد للہ کہ مجھ فقیر پر اس قدسی دربار سے فیوض و برکات کی بے پایاں

بارش ہوئی ــــــ نیز اس سفرِ مبارک میں حرمین شریفین اور عالم اسلامی کے بہت سے علمائے کرام کے ساتھ خوب رنگین صحبتوں کا موقع ملا، حضرت شیخ ابوطاہر مدنی قدس سرہ کی طرف سے تمام طرق صوفیہ کا جامع خرقہ بھی اسی بابرکت سفر میں عنایت ہوا ــــــ پھر ۱۱۴۴ھ کے آخر میں حج سے مکرر مشرف ہوکر اوائل ۱۱۴۵ھ میں وطن کی طرف واپسی ہوئی، اور بتاریخ ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ ٹھیک جمعہ کے دن بفضلہ تعالیٰ صحیح سلامت وطن مالوف دہلی پہنچ گیا۔

بہ تعمیل ارشاد ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ بعض خاص الخاص انعامات الٰہیہ کا بھی تذکرہ کرتا ہوں، حق تعالیٰ کا عظیم ترین انعام اس ضعیف بندہ پر یہ ہے کہ اس کو "خلعت فاتحیت" بخشا گیا ہے، اور اس آخری دورہ کا افتتاح اس سے کرایا گیا ہے، اس سلسلہ میں جو کام مجھ سے لئے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ: فقہ میں جو "مرضی" ہے اس کو جمع کیا گیا، اور فقہ حدیث کی از سرِنو بنیاد رکھ کر اس فن کی پوری عمارت تیار کی گئی، اور آنحضرت ﷺ کے تمام احکام و ترغیبات، بلکہ تمامی تعلیمات کے اسرار و مصالح کو اس طرح منضبط کیا گیا کہ اس فقیر سے پہلے کسی نے یہ کام اس طرح نہیں کیا تھا ــــــ نیز سلوک کا وہ طریقہ جس میں حق تعالیٰ کی مرضی ہے، اور جو اس دورہ میں کامیاب ہو سکتا ہے مجھے اس کا الہام فرمایا گیا ہے، اور میں نے اس طریق کو اپنے دو رسالوں "ہمعات" اور "الطاف القدس" میں قلم بند کردیا ہے۔

ایک کام مجھ سے یہ لیا گیا کہ متقدمین میں اہل سنت کے عقائد کو میں نے دلائل و براہین سے ثابت کیا، اور "معقولیوں" کے شکوک و شبہات کے خس و خاشاک سے ان کو قطعی پاک کردیا، اور ان کی تقریر الحمد للہ ایسی کی جس کے بعد کسی بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی، علاوہ ازیں کمالات اربعہ (۱) ابداع (۲) خلق (۳) تدبیر (۴) اور تدلی کی حقیقت اور نفوس انسانیہ کی استعدادات کا علم مجھے عطا فرمایا گیا، اور یہ دونوں ایسے علم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کسی نے ان کے کوچہ میں قدم بھی نہیں رکھا۔

اور حکمت عملی (کہ اس دورہ (زمانہ) کی صلاح و فلاح اسی سے وابستہ بلکہ اسی میں منحصر ہے) مجھے بھرپور دی گئی، اور کتاب و سنت و آثار صحابہ سے اس کی تطبیق و تفصیل کی توفیق بھی نصیب ہوئی ــــــ اس سب کے سوا مجھے وہ ملکہ عطا فرمایا گیا، جس کے ذریعہ سے میں یہ تمیز کرسکتا ہوں کہ دین کی اصل تعلیم، جو فی الحقیقت آنحضرت ﷺ کی لائی ہوئی ہے وہ کیا ہے؟ اور وہ کون کون باتیں ہیں جو بعد میں اس میں ٹھونسی گئی ہیں، یا جو کسی بدعت پسند فرقہ کی تحریف کا نتیجہ ہیں۔

اپنے یہ حالات اور حق تعالیٰ کے یہ انعامات بیان فرمانے کے بعد حضرت شاہ صاحب اپنی اس تحریر کو ان الفاظ پر ختم فرماتے ہیں:

وَلَوْ اَنَّ لی فی کل مَنْبِتِ شَعْرَةٍ لسانا لما استوفیتُ واجبَ حَمْدِہٖ
والحمد للہ رب العالمین.

وفات حسرت آیات

حرمین شریفین سے مراجعت کے بعد آخر عمر تک آپ تدریس و تصنیف میں مشغول رہے، اور ۲۹؍ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ مطابق ۲۰؍ اگست ۱۷۶۲ء ہفتہ کے دن ظہر کے وقت انتقال فرمایا، اور اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے مزار سے متصل دہلی کے مشہور قبرستان ''مہندیان'' میں آپ کے جسد خاکی کو سپرد خاک کیا گیا، اللہ تعالیٰ آپ کی اور آپ کے والدین کی مغفرت فرمائیں! درجات بلند فرمائیں! اور قبروں کو منور فرمائیں! آمین یارب العالمین!

اولاد کا تذکرہ

حضرت شاہ صاحب کی پہلی اہلیہ محترمہ یعنی آپ کے ماموں شیخ عبید اللہ صاحب پھلتی کی صاحب زادی کے بطن سے ایک صاحب زادے شیخ محمد، اور ایک صاحب زادی سیدہ امۃ العزیز تھیں، اور دوسری اہلیہ محترمہ یعنی شاہ ثناء اللہ صاحب کی صاحبزادی کے بطن سے چار صاحب زادے تھے، ان میں سب سے بڑے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی، پھر شاہ رفیع الدین صاحب پھر شاہ عبدالقادر صاحب پھر شاہ عبدالغنی صاحب تھے، جو شاہ اسماعیل شہید کے والد محترم ہیں، شاہ صاحب کی وفات کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب آپ کے جانشین ہوئے اور اپنے تینوں بھائیوں اور شاہ اسماعیل شہید کی تربیت کی، مگر تینوں بھائی شاہ عبدالعزیز صاحب کی حیات میں وفات پاگئے، اور مولانا اسماعیل شہید بعد میں سکھوں سے لڑتے ہوئے اپنے پیرو مرشد سید احمد بریلویؒ کے ساتھ شہید ہوئے، یہ سب حضرات اپنے زمانہ میں علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب اور نامور فضلاء تھے۔

شاہ صاحب کا زمانہ

شاہ صاحب کے زمانہ میں ہندوستان کی حالت ہر لحاظ سے ابتر تھی، اورنگ زیب عالم گیر

علیہ الرحمہ کے بعد شاہان وقت اپنے اسلاف کی دولت رقص وسرود کی محفلوں اور حسن وجمال کے بازاروں میں لٹا رہے تھے، اور مغلیہ سلطنت پر سادات بارہہ (شیعوں) کا مکمل تسلط ہو چکا تھا، وہ جسے چاہتے بادشاہ بناتے، جسے چاہتے قتل کروا دیتے تھے، رعایا بد حال پریشان، غربت وافلاس کے ہاتھوں برباد، اور ستم گروں کے مظالم سے پامال تھی، عوام کی اخلاقی حالت نہایت درجہ گری ہوئی تھی، اور دینی اعتبار سے مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی، حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی قدس سرہ کے الفاظ میں اس وقت ہندوستان کا حال یہ تھا:

"مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا، مسلمانوں میں رسوم وبدعات کا زور تھا، جھوٹے فقراء اور مشائخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے، مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق وحکمت کے ہنگاموں سے پرشور تھا، فقہ وفتاوی کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی، مسائل فقہ میں تحقیق وتدقیق، مذہب کا سب سے بڑا جرم تھا، عوام تو عوام خواص تک قرآن پاک کے معانی ومطالب اور احادیث کے احکام وارشادات اور فقہ کے اسرار ومصالح سے بے خبر تھے"

اصلاحی اور تجدیدی کارنامے

حرمین شریفین سے مراجعت کے بعد آپ نے مسلمانوں کی یہ صورت حال دیکھ کر ان کی اصلاح کی طرف کامل توجہ فرمائی، اس زمانہ کے طریقۂ تعلیم اور نصاب کو بدلا، دین میں جو بدعات وخرافات اور بے سروپا باتیں شامل کر دی گئی تھیں، ان کو الگ کیا، اور دین کو نکھار کر لوگوں کے سامنے اصلی شکل میں پیش کیا شیعہ عقائد کی تردید کی، عقل ونقل دونوں اعتباروں سے دین اسلام کو مطابق فطرت ثابت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، عجمی تصوف اور اس کی بے سروپا باتوں کا خوب رد کیا، مختلف مکتب فکر کے لوگوں میں ہم آہنگی اور اتفاق پیدا کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی۔ قرآن کریم سے لوگوں کو قریب کرنے کے لئے رائج الوقت فارسی زبان میں قرآن کریم کا مطلب خیز ترجمہ کیا، تفسیر کے اصول وضوابط وضع کئے، اسرار شریعت سے لوگوں کو آگاہ فرمایا۔ اور احادیث نبویہ سے ہندی مسلمانوں کو آشنا کیا، الغرض آپ نے تقریر وتحریر اور تصنیف وتدریس کے ذریعہ جو عظیم خدمات انجام دیں وہ رہتی دنیا تک فراموش نہیں کی جا سکتیں۔

مشہور تصانیف کا تعارف

"حیات ولی" کے مصنف کی تحقیق کے مطابق شاہ صاحب کی جو تصانیف چھپی ہوئی ہیں، وہ پچاس کے قریب ہیں (مگر یہ بات تحقیق طلب ہے) چند مشہور تصانیف کا تعارف حسب ذیل ہے:

(۱) **فتح الرحمٰن فی ترجمة القرآن**: یہ قرآن کریم کا فارسی زبان میں نہایت عمدہ اور مطلب خیز ترجمہ ہے، ترجمہ کے ساتھ جابجا فوائد بھی ہیں، جو نہایت مختصر اور جامعیت وافادیت میں بے مثل ہیں —— شاہ صاحب کے زمانہ میں اکثر علماء اور بیشتر مشائخ کا یہ خیال تھا کہ قرآن کریم اخص الخواص کے مطالعہ، غور وفکر اور فہم وتفہیم کی کتاب ہے، اس کو عوام کے سامنے لانا، عوام کو براہ راست اس کے پڑھنے اور سمجھنے کی دعوت دینا سخت خطرناک ہے، عوام کو ذہنی انتشار میں مبتلا کرنا ہے اور خود رائی اور علماء سے بے نیازی بلکہ بغاوت وسرکشی کی دعوت دینا ہے —— جبکہ امت میں پھیلے ہوئے الحاد وزندقہ، بدعات وخرافات اور احکام شریعت سے بے اعتنائی کا خاتمہ، اور دین کی صحیح سمجھ، جذبۂ عمل، خوف خدا، فکر آخرت، بدعت سے نفرت اور سنت سے محبت پیدا کرنے کا سب سے بڑا مؤثر ذریعہ قرآن کریم ہی ہے، اس لئے شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کی عام فہم فارسی زبان میں قرآن کریم کا یہ ترجمہ کیا ہے —— اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوستان، پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش، اور دیگر بلاد عجم میں قرآن فہمی کا چرچا آج جو کچھ نظر آرہا ہے، یہ اردو، انگریزی، گجراتی، بنگالی اور پنجابی زبانوں میں جو بیسوں ترجمے شائع ہوچکے ہیں، یہ سارے چراغ اسی چراغ سے روشن ہیں۔

(۲) **الفوز الکبیر فی اصول التفسیر**: یہ رسالہ بھی فارسی زبان میں ہے، اور اسی مقصد کے پیش نظر فارسی زبان میں لکھا ہے، جس مقصد کے پیش نظر قرآن کریم کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا ہے، اس میں قرآن فہمی اور تفسیر کے نادر اصول وضوابط اور مفسرین کی تفسیروں کے بارے میں نہایت مفید نکات ہیں، اس کی مختلف حضرات نے تعریب کی ہے، سب سے بہتر تعریب حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم محدث کبیر دار العلوم دیوبند کی ہے، موصوف نے اس کی عربی شرح بھی لکھی ہے، جس کا نام "العون الکبیر" ہے۔ الفوز الکبیر کی پرانی تعریب کی متعدد حضرات نے اردو شرحیں بھی لکھی ہیں، پہلے العون الکبیر بھی پرانی رائج تعریب کی شرح تھی،

اب وہ بھی نئی تعریب کے مطابق کر دی گئی ہے اور طبع ہو گئی ہے اور اس تعریب جدید کی جو دار العلوم دیوبند اور دیگر معاہد عربیہ میں شامل درس کر لی گئی ہے یہ پہلی اردو شرح ہے جو الخیر الکثیر کے نام سے آپ کے مبارک ہاتھوں میں ہے۔

③ فتح الخبیر بمالابد من حفظه في علم التفسیر: یہ درحقیقت الفوز الکبیر کا پانچواں باب ہے، جس کو شاہ صاحب نے مستقل رسالہ کی حیثیت دی ہے، مگر یہ فارسی کے بجائے عربی میں ہے، اس میں اسباب نزول، قرآن کریم کے غریب الفاظ کی تشریحات، اور مشکل آیتوں کی توجیہات جمع کی گئی ہیں، جو بخاری، ترمذی اور حاکم کی تفسیروں سے ماخوذ ہیں۔

④ تاویل الاحادیث: یہ عربی زبان میں ہے، اس میں انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے قصے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں، اور جن کو عام طور پر خرق عادت خیال کیا جاتا ہے، ان کی تاویلات و توجیہات کی گئی ہیں، اور ان کے مخفی اسباب بیان کئے گئے ہیں۔

⑤ مُصَفّٰی شرح موطا: شاہ صاحب نے پہلے موطا امام مالک کی تلخیص کی ہے، پھر اس کی یہ فارسی زبان میں عمدہ شرح لکھی ہے، جو شاہ صاحب کے درس کا نمونہ ہے۔

⑥ مُسَوّیٰ شرح موطا: یہ موطا امام مالک کی عربی زبان میں مختصر شرح ہے، اور شاہ صاحب حدیث کے درس کا جو طریقہ رائج کرنا چاہتے تھے اس کا بہترین نمونہ ہے۔

⑦ حجة الله البالغة: یہ شاہ صاحب کی نہایت معرکۃ الآراء عربی تصنیف ہے، اور دو جلدوں میں ہے، اس میں فقہ الحدیث اور اسرار شریعت کا نہایت عمدہ بیان ہے، بہت سے جامعات میں داخل درس ہے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

> "شاہ صاحب کی یہ مایۂ ناز تصنیف آنحضرت ﷺ کے ان معجزات میں سے ہے، جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے امتیوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے، اور جن سے اپنے وقت میں رسول اللہ ﷺ کا اعجاز نمایاں ہوا، اور اللہ کی حجت تمام ہوئی"

اس کے چار اردو ترجمے ہوئے ہیں، مگر کتاب نہایت دقیق ہے، اس لئے صرف ترجمہ کافی نہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ کے مضامین کی دقت کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے المصالح العقلية للأحكام النقلية کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

”اس مبحث میں (یعنی مصالح عقلیہ کے بیان میں) ہمارے زمانہ سے کسی قدر پہلے زمانہ میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ لکھ چکے ہیں، سنا ہے کہ ترجمہ اس کا بھی ہو چکا ہے، مگر عوام کو اُس کا (یعنی صرف ترجمہ کا) مطالعہ مناسب نہیں کہ (اصل کتاب) غامض زیادہ ہے (اس لئے صرف ترجمہ سے حل نہیں ہو سکتی)“

اس لئے شرح کی شدید ضرورت تھی، امت کے ذمہ ڈھائی سو سال سے یہ قرض باقی چلا آرہا تھا۔ الحمد للہ اب حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم اس کی رحمۃ اللہ الواسعۃ کے نام سے اردو میں شرح لکھ رہے ہیں۔ موصوف دارالعلوم دیوبند میں ایک عرصہ سے حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیتے ہیں۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے علوم و معارف کے بہترین شارح ہیں۔ امید ہے کہ آپ کی شرح کتاب کو ہر عام و خاص کے لئے قابل استفادہ بنادے گی۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی عمر میں برکت فرمائیں اور شرح کی تکمیل وطباعت کے اسباب پیدا فرمائیں (آمین)

⑧ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء: حجۃ اللہ البالغہ کی طرح یہ بھی شاہ صاحب کی دوسری معرکۃ الآراء فارسی تصنیف ہے، اس میں آپ نے خلفاء راشدین کی خلافت کا برحق ہونا قرآن کریم، احادیث شریفہ، کتب تفسیر اور تاریخ کے حوالوں سے ثابت کیا ہے، شیعہ و سنی اختلاف کو نہایت عدل وانصاف سے حل کیا ہے، جس سے شیعوں کی غلط فہمیاں اور شدت تعصب دور ہو سکتا ہے، اس کتاب میں اثبات خلافت کے ساتھ ساتھ سیرت، تاریخ اور سیاست و خلافت کے بارے میں بیش بہا نکات بھی بیان فرمائے ہیں، انداز بیان نہایت شگفتہ اور سلیس ہے، حضرت مولانا عبد الحئی صاحب فرنگی محلی فرماتے ہیں کہ: اس موضوع پر پورے اسلامی لٹریچر میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں۔ اور مولانا فضل حق خیر آبادی کا تاثر یہ ہے کہ: ”جس نے یہ کتاب لکھی ہے، وہ تو ایک بحر بیکراں ہے، جس کے ساحل کا پتہ نہیں چلتا“

⑨ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین: یہ بھی فارسی زبان میں ہے، اس میں صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا بڑے حسین انداز میں بیان ہے، اور حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہما کے فضائل و مناقب کا تذکرہ ہے۔

⑩ سرور المحزون: ابن سید الناس نے سیرت نبوی پر ایک ضخیم کتاب عیون الاثر فی

فنون المغازی والشمائل والسِیَر لکھی تھی، پھر اس کا جامع خلاصہ نور العیون فی تلخیص سِیَر الامین والمامون کے نام سے کیا تھا۔ شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کے شیخ مرزا مظہر جانِ جاناں دہلوی کے اصرار پر اس کا فارسی میں خلاصہ کیا ہے۔ یہ سیرت کے موضوع پر نہایت عمدہ رسالہ ہے۔

⑪ التفہیمات الالٰہیة: یہ شاہ صاحب کا کشکول ہے، اس میں زیادہ تر تصوف وسلوک کی باتیں ہیں، اور بعض مقامات پر اپنے زمانہ کی خرابیوں اور لوگوں کے عیوب ونقائص کی نشاندہی کی ہے، اور معاشرہ کے ہر طبقہ کو مخاطب کر کے اصلاح پر ابھارا ہے، اس کے بعض مضامین عربی میں اور بعض فارسی میں ہیں۔

⑫ فیوض الحرمین: اس میں قیام حرمین کے دوران جو فیوض وبرکات بصورت خواب یا بطریق الہام آپ کو حاصل ہوئے ہیں ان کا تذکرہ ہے، بعض جگہ پیشین گوئیاں علم تصوف کے حقائق اور دیگر مسائل بھی ہیں، یہ کتاب عربی میں ہے اور اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

⑬ الخیر الکثیر: اس میں شاہ صاحب نے علم سلوک اور تصوف کے معارف وحقائق عربی زبان میں بیان کیے ہیں۔

⑭ البدور البازغة: یہ نہایت دقیق کتاب ہے، اس میں حجۃ اللہ البالغہ کے بعض ابواب کا خلاصہ اور تصوف کے حقائق ومعارف کا بیان ہے۔

⑮ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف: یہ رسالہ عربی میں ہے، اس میں صحابہ کرام، تابعین عظام اور ان کے بعد ائمہ مجتہدین کے درمیان دینی مسائل میں جو اختلاف رونما ہوا اس کا راز اور اس کی مفصل تاریخ بیان کی گئی ہے، حجۃ اللہ البالغہ کی قسم اول کے آخر میں تتمة کے عنوان سے یہ پورا رسالہ شامل کر لیا گیا ہے۔

⑯ عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید: یہ رسالہ بھی عربی میں ہے، اس میں تقلید اور عدم تقلید شخصی پر محققانہ کلام کیا گیا ہے اور تقلید شخصی کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

⑰ اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم: یہ سرکار عالم ﷺ کی مدح میں عربی قصیدہ ہے۔

⑱ الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین: یہ رسالہ عربی میں ہے، اس میں ان بشارتوں کا تذکرہ ہے، جو آپ کو اور آپ کے بزرگوں کو بارگاہ رسالت سے ملی ہیں۔

(۱۹) انفاس العارفین: اس میں شاہ صاحب نے اپنے بزرگوں کے احوال فارسی زبان میں قلم بند فرمائے ہیں۔

(۲۰) الجزء اللطیف: اس میں شاہ صاحب نے خود اپنے احوال فارسی زبان میں تحریر فرمائے ہیں، جس کا خلاصہ پہلے گذر چکا ہے۔

(۲۱) المقالة الوضیة فی الوصیة و النصیحة: یہ شاہ صاحب کا فارسی میں وصیت نامہ ہے۔

طرز تحریر اور تصنیفی خصوصیات

آپ کی تحریروں میں تحقیقی اور علمی نکات کے ساتھ ساتھ سوز و اخلاص اور خیر خواہی کے جوہر پائے جاتے ہیں، جس کے باعث وہ تحقیقی تصانیف ہونے کے ساتھ ایک دینی مصلح کا پیغام اور اخلاقی معلم کا درس بن گئی ہیں —— آپ کی تصانیف نہایت پرفتن و پُر آشوب زمانہ کی ہیں، لیکن اکثر و بیشتر تصانیف میں اس کی کہیں جھلک نظر نہیں آتی۔ بلکہ نہایت توازن و اعتدال کے ساتھ قلم کو رواں رکھا ہے، اور مرکزی نقطۂ خیال سے تجاوز نہیں فرمایا۔ علامہ سید سلیمان ندوی آپ کی اسی خصوصیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"شاہ صاحب کی تصنیفات کے ہزاروں صفحے پڑھ جایئے، آپ کو یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ یہ بارھویں صدی ہجری کے پُر آشوب زمانہ کی پیداوار ہیں، جب ہر چیز بے اطمینانی اور بدامنی کی نذر تھی، صرف یہ معلوم ہوگا کہ فضل و علم کا ایک دریا ہے، جو کسی شور و غل کے بغیر سکون و آرام کے ساتھ بہہ رہا ہے، جو زمان و مکان کے خس و خاشاک کی گندگی سے پاک صاف ہے"

اس کے علاوہ آپ ایک نئے اسلوب اور جداگانہ طرز کے بانی و موجد ہیں، جو جامعیت، زور بیان، تحکم و اعتماد، اور فصاحت و بلاغت میں نبی کریم ﷺ کے طرز تکلم سے مشابہ ہے، مولانا مناظر احسن گیلانی اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"عربی زبان میں انھوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں ان میں ایک خاص قسم کی انشاء کی جو ان کا مخصوص اسلوب ہے پوری پابندی کی ہے، شاہ صاحب پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اپنی عبارتوں میں زیادہ تر جوامع کلم النبی الخاتم ﷺ کے طرز گفتگو کی پیروی کی ہے، حتی الوسع وہ اس کی

کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدعا کا اظہار ان ہی لغات اور ان ہی محاورات سے کریں جو لسان نبوت اور زبان رسالت سے خاص تعلق رکھتے ہیں"

نیز باوجود عجمی نژاد اور ہندوستانی ہونے کے آپ نے عربی فصاحت و بلاغت کا ایسا بے نظیر نمونہ پیش کیا ہے کہ جس کی عظمت کے اہل زبان بھی معترف ہیں، مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ:

"شاہ ولی اللہ صاحب پہلے ہندوستانی مصنف ہیں، جن کی عربی تصانیف میں اہل زبان کی سی روانی و قدرت، اور عرب کی سی عربیت ہے، اور وہ ان بے اعتدالیوں سے پاک ہیں، جو عجمی علماء کی عربی تحریر میں پائی جاتی ہیں"

منظوم کلام

شاہ صاحب جس طرح نثر نگاری میں یکتائے زمانہ تھے، اسی طرح عربی اور فارسی نظم کہنے میں بھی قادر الکلام شاعر تھے، عربی نظم میں اطیب النغم کے نام سے نبی کریم ﷺ کی مدح و نعت میں ایک بسیط قصیدہ ہے، جس کا پہلا شعر یہ ہے:

كَأنَّ نُجومًا أَوْمَضَتْ في الغَيَاهِب عيونُ الأفاعي او رؤسُ العقارب

اس کے علاوہ تین قصیدے اور ہیں، آپ کا عربی دیوان بھی ہے، جس کو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی نے جمع کیا ہے اور شاہ رفیع الدین صاحب نے مرتب کیا ہے، اور فارسی میں بھی آپ کی چند غزلیں اور رباعیاں ہیں، جو "کلمات طیبات" اور "حیات ولی" میں موجود ہیں، فارسی میں آپ "امین" تخلص فرماتے تھے۔

آپ کیا تھے؟

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری فرماتے ہیں کہ:

"حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ سرزمین ہند کے ان اکابر میں سے ہیں، جن کی نظیر نہ صرف اپنے عصر میں اور نہ صرف ہندوستان میں، بلکہ بہت سے قرون اور ممالک اسلامیہ میں ڈھونڈھنے سے نہیں ملتی، حضرت موصوف بقول حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب

نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند: ان افراد امت میں سے ہیں کہ سر زمین ہند میں اگر صرف شاہ ولی اللہ ہی پیدا ہوتے، تو ہندوستان کے لئے یہ فخر کافی تھا (الفرقان کا شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۶۰)

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں: آيةٌ من آيات الله، ومعجزةُ نبيّه الكريم صلى الله عليه وسلم: شاہ صاحب اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اس کے نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہیں (ظفر المحصلين ص ۶۰)

نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی اتحاف النبلاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اگر وجود او در صدر اول در زمانہ ماضی می بود امام الائمۃ و تاج المجتہدین شمردہ می شد (حوالہ بالا)	اگر شاہ صاحب کا وجود گذشتہ زمانہ میں صدر اول میں ہوتا، تو امام الائمۃ اور تاج المجتہدین شمار ہوتے

علامہ شبلی فرماتے ہیں: ابن تیمیہ اور ابن رُشد کے بعد بلکہ انھیں کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا، اس کے لحاظ سے یہ امید نہ تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا، لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ اخیر زمانہ میں شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا، جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رُشد کے کارنامے ماند پڑ گئے (حوالہ بالا)

مفتی عنایت احمد کاکوروی فرماتے ہیں کہ: حضرت شاہ ولی اللہ کا حال اس شجرۂ طوبی کا سا ہے جس کی جڑ شاہ صاحب کے گھر میں ہے، اور اس کی شاخیں تمام مسلمانوں کے گھروں میں ہیں، مسلمانوں کا کوئی گھر اور کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اس شجرۂ طوبی کی کوئی شاخ نہ ہو، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اس کی جڑ کہاں ہے؟ (العون الکبیر ص ۱۶)

اور آپ کے مدنی استاذ شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی فرماتے ہیں کہ:

اِنّه لَيُسْنِدُ عَنِّي اللفظَ، وكنت أُصَحِّحُ منه المعنى (العون الکبیر ص ۱۶)	شاہ ولی اللہ مجھ سے الفاظ حدیث کی سند ملاتے تھے اور میں ان سے معنی حدیث کی تصحیح کرتا تھا

یہ تمام احوال اور فضائل الفوز الکبیر کی شرح العون الکبیر، الفوز العظیم، مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی کی ظفر المحصلین اور الفرقان بریلی کے شاہ ولی اللہ نمبر سے ماخوذ ہیں، اور اسی شاہ ولی اللہ نمبر کی ایک نظم پر امام اکبر، محدث اعظم مفسر قرآن، اصول تفسیر اور اسرار شریعت کے موجد و مدون، مجدد وقت، مفکر ملت، حکیم الامت، جامع شریعت و طریقت، آیۃ من آیات اللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فاروقی قدس سرہ کے فضائل کا تذکرہ ختم کیا جاتا ہے۔

مجددِ وقت

تو مُبَلّغ تھا حدیث فخر موجودات کا
تیرے آتے ہی جنازہ اٹھ گیا بدعات کا

تو مفسر بھی، محدث بھی، فقیہ و شیخ بھی
کون اندازہ لگائے تیرے محسوسات کا

تیری فطرت بے نیازِ درگہ شاہ و وزیر
تجھ کو دنیا میں بھروسہ تھا خدا کی ذات کا

میں سمجھتا ہوں، مشیت کا وہی مفہوم تھا
تو نے جو مطلب لیا قرآن کی آیات کا

عقل و مذہب کو سمویا تو نے اس انداز سے
صبح میں جیسے نمایاں ہو دُھندلکا رات کا

تیرے ارشادات میں سامانِ تسکینِ ضمیر
روحِ ایماں نقطہ نقطہ تیرے ملفوظات کا

سادگی اسلام کی پھر سے نمایاں ہو گئی
نور جب پھیلا جہاں میں تیری "تفہیمات" کا

تیرے وارث ہیں تیرے نورِ ہدایت کی شبیہ
اب بھی چرچا ہے جہاں میں تیری تعلیمات کا

(ماہر القادری، حیدر آباد، دکن)

شاہ صاحب کی ایک وصیت

اس تعارف کے آخر میں مجددِ وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی ایک اہم وصیت ذکر کی جاتی ہے، تاکہ آپ اس پر عمل کر کے نزول قرآن اور بعثت رسول کے مقصد کو تقویت اور شاہ صاحب کی روح کو راحت پہنچائیں، وصیت حسب ذیل ہے:

اول وصیت ایں فقیر: چنگ زدن است بکتاب و سنت در اعتقاد و عمل، و پیوستہ بتدبّر ہر دو مشغول شدن، و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن، و اگر طاقتِ خواندن ندارد ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن

(المقالة الوضية فی الوصية)

ترجمہ: اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ: اعتقاد اور عمل دونوں میں کتاب و سنت (قرآن و حدیث) کو نہایت مضبوطی سے پکڑے، اور برابر دونوں میں تدبر (غور و فکر) جاری رکھے، اور ہر روز دونوں کا کچھ حصہ پڑھے، اور اگر پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، تو کسی دوسرے سے کم از کم ایک ورق دونوں کا ترجمہ ہی سن لیا کرے

☆☆☆

صاحب تعریب کا تعارف

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کی یہ جدید تعریب اور قدیم تعریب کی تہذیب و ترتیب اور اضافۂ عناوین کی خدمت جلیل القدر صاحب قلم، دار العلوم دیوبند کے مقبول ترین استاذ حدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے انجام دی ہے، موصوف کے تلامذہ کا حلقہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ آپ کے تلامذہ اور دوسرے حضرات موصوف کے احوال معلوم کرنے کی شدید خواہش رکھتے ہیں، لوگوں نے بار بار آپ سے اصرار کیا، مگر موصوف تواضع کی وجہ سے اپنے حالات کو قابل اشاعت نہیں سمجھتے۔ چونکہ یہ شرح جدید تعریب کی ہے اور اب جدید تعریب ہی داخل درس ہے اس لئے طلباء اور اساتذہ کی قدرتی خواہش یہ ہوسکتی ہے کہ موصوف کے کچھ احوال منظر عام پر آئیں تاکہ شائقین استفادہ کرسکیں، میں چونکہ حضرت موصوف کا اولین شاگرد اور شب و روز کا ساتھی ہوں اس لئے کوشش کرتا ہوں کہ مختصر طور پر کچھ حالات پیش کروں۔

ولادت باسعادت اور نام

آپ کی تاریخ ولادت محفوظ نہیں۔ البتہ والد محترم نے جب آپ ڈیڑھ، پونے دو سال کے تھے، ڈبھاڈ (آپ کا موجودہ وطن) کی زمین خریدی تھی اس کا بیع نامہ موجود ہے اس کی رو سے والد صاحب نے اندازے سے آپ کا سن پیدائش ۱۹۴۰ء کا آخر مطابق ۱۹۹۷ سمت بکرمی مطابق ۱۳۶۰ھ بتایا ہے۔ آپ موضع "کالیڑہ" ضلع بناس کانٹھا (شمالی گجرات) میں پیدا ہوئے۔ بناس ایک ندی کا نام ہے اور کانٹھا گجراتی میں بمعنی کنارہ ہے۔ اور بناس کانٹھا ایک علاقہ کا نام ہے اور اب ایک ضلع ہے، جو بناس ندی کے جنوب میں واقع ہے، اس ضلع کا مرکزی شہر "پالن پور" ہے، جو آزادی سے پہلے مسلمان نواب کی اسٹیٹ تھی، کالیڑہ پالن پور سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر جنوب مشرق میں واقع ہے اور علاقہ پالن پور کی مشہور بستی ہے جہاں ایک عربی مدرسہ "سلم العلوم" کے نام سے قائم ہے، جس میں متوسطات تک کی تعلیم ہوتی ہے۔

آپ کا نام والدین نے صرف ''احمد'' رکھا تھا۔ کیونکہ آپ کے ایک بڑے اخیافی بھائی احمد نامی ہیں، ان کی یاد تازہ کرنے کے لئے والدہ صاحبہ نے آپ کا نام بھی احمد رکھا تھا۔ سعید احمد آپ نے اپنا نام خود رکھا ہے، جب آپ نے مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لیا تو اپنا نام سعید احمد لکھوایا تھا اس وقت سے آپ کی عالمی شہرت سعید احمد کے نام سے ہے، مگر پالن پور میں جو کتابیں آپ کو انعام میں ملی ہیں ان پر ''انعام احمد یوسف کالیڑہ'' لکھا ہوا ہے اور خاندان کے بڑے بوڑھے اب بھی آپ کو ''احمد بھائی'' ہی کہتے ہیں، اگرچہ اب ایسے بوڑھے دو چار ہی رہ گئے ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی ''یوسف'' دادا کا نام ''علی'' ہے جو احتراماً ''علی جی'' کہلاتے تھے۔ آپ کا خاندان ''ڈھکا'' اور برادری ''مومن'' ہے، جس کے تفصیلی احوال ''مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں'' مذکور ہیں۔

تعلیم و تربیت

جب آپ کی عمر پانچ، چھ سال کی ہوئی، تو والد صاحب نے جوڈ بھاڑ کے کھیتوں میں رہتے تھے آپ کی تعلیم کا آغاز فرمایا، لیکن والد مرحوم کھیتی باڑی کے کاموں کی وجہ سے موصوف کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکتے تھے، اس لئے آپ کو اپنے وطن ''کالیڑہ'' کے مکتب میں بٹھا دیا، آپ کے مکتب کے اساتذہ یہ ہیں (۱) مولانا داؤد صاحب چودھری رحمہ اللہ (۲) مولانا حبیب اللہ صاحب چودھری زید مجدہم (۳) اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب جونکیہ دامت برکاتہم، جو گذشتہ سال تک دار العلوم آنند (گجرات) میں شیخ الحدیث تھے، اب فالج کی وجہ سے صاحب فراش ہیں اللہ تعالیٰ ان کو صحت و عافیت عطا فرمائیں۔

مکتب کی تعلیم مکمل کر کے موصوف اپنے ماموں مولانا عبد الرحمٰن صاحب شیرا قدس سرہ کے ہمراہ ''چھاپی'' تشریف لے گئے، اور دار العلوم چھاپی میں اپنے ماموں اور دیگر اساتذہ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں چھ ماہ تک پڑھیں، چھ ماہ کے بعد آپ کے ماموں دار العلوم چھاپی کی تدریس چھوڑ کر گھر آگئے، تو آپ بھی اپنے ماموں کے ہمراہ آگئے، اور چھ ماہ تک اپنے ماموں سے ان کے وطن ''جونی سیندھنی'' میں فارسی کی کتابیں پڑھتے رہے۔

اس کے بعد مصلح امت حضرت مولانا محمد نذیر میاں صاحب پالن پوری قدس سرہ کے مدرسہ

میں جو پالن پور شہر میں واقع ہے داخلہ لیا، اور چار سال تک حضرت مولانا مفتی محمد اکبر میاں صاحب پالن پوری اور حضرت مولانا ہاشم صاحب بخاری رحمہما اللہ سے عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں ـــــ مصلح امت حضرت مولانا محمد نذیر میاں صاحب قدس سرہ وہ عظیم ہستی ہیں، جنھوں نے اس آخری زمانہ میں "مومن برادری" کو بدعات و خرافات اور تمام غیر اسلامی رسوم سے نکال کر ہدایت و سنت کی شاہراہ پر ڈالا، اور "مومن برادری" کی مکمل اصلاح فرمائی، آج علاقۂ پالن پور میں جو دینی فضا نظر آرہی ہے، وہ حضرت مولانا ہی کی خدمات کا ثمرہ ہے۔ اور حضرت مولانا محمد اکبر میاں صاحب آپ کے چھوٹے بھائی اور آپ کے دست راست تھے۔ اور حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری، بخاریٰ سے دار العلوم دیوبند میں تعلیم کے لئے تشریف لائے تھے، فراغت کے بعد پہلے پالن پور پھر امداد العلوم وڈالی گجرات، پھر جامعہ حسینیہ راندیر (سورت) پھر دار العلوم دیوبند میں تدریس کی خدمات انجام دیں، اور آخر میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے، وہیں آپ کا انتقال ہوا، اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

مظاہر علوم میں داخلہ:

شرح جامی تک پالن پور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ نے ۱۳۷۷ھ میں سہارن پور (یو، پی) کا سفر کیا، اور مظاہر علوم میں داخلہ لے کر تین سال تک امام النحو والمنطق حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جموی قدس سرہ سے نحو اور منطق و فلسفہ کی اکثر کتابیں پڑھیں، نیز حضرت مولانا محمد یامین صاحب سہارن پوری، حضرت مولانا مفتی یحیٰی صاحب سہارن پوری، حضرت مولانا عبد العزیز صاحب رائے پوری رحمہم اللہ اور حضرت مولانا وقار علی صاحب بجنوری زید مجدہم سے بھی کتابیں پڑھیں۔

دار العلوم دیوبند میں داخلہ

پھر فقہ، حدیث، تفسیر اور فنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ۱۳۸۰ھ میں دار العلوم دیوبند کا رخ کیا، دار العلوم دیوبند میں داخل ہو کر پہلے سال حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلند شہری مدظلہ العالی سے تفسیر جلالین مع الفوز الکبیر، حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی قدس سرہ سے ہدایہ اولین، اور حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہری رحمہ اللہ سے تصریح

بست باب، "شرح چغمینی" رسالہ فتحیہ اور رسالہ شمسیہ علم ہیئت کی کتابیں پڑھیں، اور دوسرے سال مشکوٰۃ شریف، ہدایہ آخرین تفسیر بیضاوی، وغیرہ کتابیں پڑھیں، اور ۱۳۸۲ھ موافق ۱۹۶۲ء میں جو کہ دار العلوم دیوبند کا سوواں سال ہے دورۂ حدیث کی تکمیل فرمائی، آپ نے دار العلوم دیوبند میں جن حضرات اکابر سے پڑھا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی (۲) حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہری (۳) حضرت مولانا سید حسن صاحب دیوبندی (۴) حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب کیرانوی (۵) حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی (۶) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبندی (۷) حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مراد آبادی (۸) حضرت مولانا محمد ظہور صاحب دیوبندی (۹) فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادی (۱۰) امام المعقول والمنقول حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی (۱۱) مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری (۱۲) شیخ محمود عبد الوہاب محمود صاحب مصری قدس اللہ اسرارہم ونور اللہ قبورہم (۱۳) اور حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب، بلند شہری دامت برکاتہم وعمت فیوضہم۔

اس وقت آپ کے مذکورہ بالا اساتذۂ کرام میں سے صرف دو حضرات بقید حیات ہیں، دار العلوم دیوبند میں شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب مدظلہ اور مظاہر علوم میں حضرت مولانا وقار علی صاحب بجنوری زید مجدہم۔ باقی تمام اساتذہ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ موصوف اپنے بعض احوال اور کتب حدیث کے اساتذہ کرام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:

خاکپائے علماء: سعید احمد بن یوسف بن علی بن جیوا (یعنی یحییٰ) بن نور محمد پالن پوری، گجراتی ثم دیوبندی، تاریخ ولادت محفوظ نہیں، والد ماجد رحمہ اللہ نے اندازے سے ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۲ء بتائی ہے، (والد صاحب کا بتایا ہوا اندازہ وہ ہے جو پہلے گذرا ہے) دار العلوم دیوبند میں داخلہ ۱۳۸۰ھ میں لیا، اور ۱۳۸۲ھ میں فاتحۂ فراغ پڑھا، بخاری شریف حضرت فخر المحدثین سے، مقدمۂ مسلم شریف ومسلم شریف کتاب الایمان وترمذی شریف جلد اول حضرت علامہ بلیاوی سے، اور باقی مسلم شریف حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہری سے، اور ترمذی جلد ثانی مع کتاب العلل وشمائل اور ابو داؤد شریف حضرت علامہ فخر الحسن مراد آبادی سے، نسائی شریف حضرت مولانا محمد ظہور صاحب دیوبندی سے، طحاوی شریف حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوری سے، اور

مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا سید حسن صاحب دیوبندی سے، اور ان کے انتقال کے بعد جلد اول حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب دیوبندی سے، اور جلد دوم حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی سے پڑھی، اس سال موطا مالک حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی اور موطا محمد حضرت مولانا عبد الاحد صاحب دیوبندی کے پاس تھی۔ (مشاہیر محدثین وفقہائے کرام ص ۲۷و۲۸)

اول نمبر سے کامیابی

آپ بچپن سے ہی نہایت ذہین وفطین، کتب بینی اور محنت کے عادی تھے، اس پر مذکورہ بالا اساتذہ کرام کی تعلیم وتربیت نے آپ کی استعداد وصلاحیت کو بائیس سال کی عمر میں ہی بام عروج پر پہنچادیا تھا، چنانچہ دار العلوم دیوبند جیسی عظیم دینی درسگاہ کے سالانہ امتحان میں آپ نے اول نمبر سے کامیابی حاصل کی تھی، جبکہ اس سال بعض پختہ استعداد والے فارغ شدہ فضلاء نے بھی دورۂ حدیث میں محض اس غرض سے داخلہ لیا تھا کہ وہ اول نمبر سے کامیاب ہوں گے، آپ نے کتب حدیث کے سالانہ امتحان میں جو نمبرات حاصل کئے تھے اور اس پر جو انعام پایا تھا وہ حسب ذیل ہے:

نمبر اول: مولوی سعید احمد پالن پوری، بخاری شریف ۵۰، ترمذی شریف ۵۰، ابو داؤد شریف ۵۰، نسائی شریف ۵۰، ابن ماجہ شریف ۵۰، طحاوی شریف ۵۰، شمائل ۵۰، موطا امام مالک ۵۰، موطا امام محمد ۵۰، مسلم شریف ۴۵، عمومی انعام: قرآن مجید مجلد، شرح عقائد نسفی، ملا حسن، خصوصی انعام: تفسیر بیان القرآن مکمل (روئداد ۱۳۸۲ھ)

دار الافتاء میں داخلہ اور آپ کا پہلا شاگرد

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد آپ نے شوال ۱۳۸۲ھ میں تکمیل افتاء کے لئے درخواست دی، یکم ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ کو آپ کا دار الافتاء دار العلوم دیوبند میں داخلہ ہوگیا، اور حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری کی نگرانی میں کتب فتاوی کا مطالعہ اور فتوی نویسی کی مشق کا آغاز فرمایا۔

آپ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑے ہیں، اس لئے دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد اپنے بھائیوں کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، اور راقم الحروف کو ۱۳۸۲ھ میں اپنے ہمراہ دیوبند لائے، اور حضرت قاری کامل صاحب دیوبندی کی درسگاہ میں احقر کو حفظ قرآن

کریم کے لئے بٹھایا، مگر میں اپنی نااہلیت کی وجہ سے قاری صاحب مرحوم سے ٹھیک سے استفادہ نہ کر سکا تو میرے حفظ قرآن کی پوری ذمہ داری آپ نے سنبھالی، اور ڈیڑھ سال میں مجھے حافظ بنادیا —— اسی سال آپ نے سماحۃ الشیخ محمود عبد الوہاب محمود صاحب مصری کے پاس حفظ بھی شروع کیا، جو قرآن کریم کے جید حافظ اور مصری قاری تھے، اور جامعۃ الازہر قاہرہ کی طرف سے دار العلوم دیوبند میں مبعوث تھے۔

الغرض ۱۳۸۲ھ اور ۱۳۸۳ھ میں آپ ایک طرف کتب فتاوی کا مطالعہ، فتوی نویسی کی مشق کرتے تھے، دوسری طرف احقر کو حفظ کراتے تھے اور خود بھی حفظ کرتے تھے، اور ان کاموں میں ایسے مصروف ومنہمک تھے کہ رمضان المبارک میں بھی وطن تشریف نہیں لے گئے، اور میں بھی نہیں گیا۔ رمضان المبارک کے بعد اپنے دوسرے بھائی مولوی عبد المجید زید مجد ہم کو بھی دیوبند بلالیا —— ادھر افتاء کمیٹی نے آپ کی صلاحیتوں کو مزید پروان چڑھانے کے لئے دار الافتاء کے داخلہ میں ایک سال کی توسیع کردی، چنانچہ ۸۴-۱۳۸۳ھ میں آپ بھائی مولوی عبد المجید صاحب کو فارسی کی کئی کتابیں پڑھاتے تھے، مجھے حفظ کراتے تھے، خود ایک طرف حفظ کرتے تھے دوسری طرف فتوی نویسی کی خوب مشق کرتے تھے، اور فتوی نویسی میں اتنی مہارت رکھتے تھے کہ چھ ماہ کے بعد دار العلوم دیوبند کے ارباب انتظام نے آپ کا معین مفتی کی حیثیت سے دار الافتاء دار العلوم دیوبند میں تقرر کردیا، جبکہ اس زمانہ میں معین مفتی رکھنے کا رواج نہیں تھا، جیسا کہ اب ہے، مفتی سید مہدی حسن صاحب اپنی ایک رپورٹ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

> "۱۳۸۳ھ میں میری غیبت میں کمیٹی نے بارہ طلباء کا انتخاب کیا تھا، جن میں پانچ امدادی اور سات غیر امدادی تھے، جن کو میں نے آکر مشق کرائی، اور ان کو رسم المفتی ختم کرائی اور سالانہ امتحان میں کامیاب ہوئے، جن کے نام ذیل میں درج ہیں:
>
> مولوی سعید احمد پالن پوری: یہ وہی طالب علم ہیں جن کو بطور اجیر فتوی نویسی کے لئے رکھا گیا، جو مفتی محمود حسن (نانوتوی) صاحب کے معاون افتاء، اور استخراج جزئیات از کتب فقہ میں معین تھے............ والسلام
>
> سید مہدی حسن غفرلہ خادم دار الافتاء
>
> دار العلوم دیوبند ۵-۱-۸۵ھ

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

۱۳۸۳ھ میں چونکہ مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری بیمار ہو کر اپنے وطن شاہ جہاں پور چلے گئے تھے، اس لئے دارالافتاء میں ایک نئے مفتی حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نانوتوی کا تقرر ہوا تھا اس زمانہ میں موصوف کو مفتی محمود حسن صاحب نانوتوی کا معین بنایا گیا تھا، آپ نے مفتی صاحب کا ایسا تعاون فرمایا، اور اپنی مہارت کا ایسا ثبوت پیش کیا کہ مفتی محمود حسن صاحب نانوتوی قدس سرہ نے ۱۳۸۴ھ کے آخر میں حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام ایک طویل تحریر لکھی، اور آپ کے تقرر کی سفارش فرمائی۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ نے مفتی صاحب کے حسب ایما افتاء کمیٹی کے ممبران کے نام ایک تحریر لکھی، اور دفتر کو روانہ کرنے کے لئے دی تو بعض حضرات نے وہ تحریر رکوادی اور آپ کا مستقل تقرر نہ ہو سکا۔ جب حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہ نے آپ کو اس کی اطلاع دی تو آپ کو قدرتی طور پر صدمہ ہوا اس پر حضرت علامہ نے ارشاد فرمایا کہ: "مولوی صاحب! گھبراؤ نہیں، اس سے اچھے آؤ گے" یہ پیشین گوئی نو سال کے بعد بحمد اللہ حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

راندیر میں آپ کا تقرر

الغرض اللہ جل شانہ وعم نوالہ کی طرف سے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کی تدریس اور فتوی نویسی کی جو راہیں کھلی تھیں، کرم فرماؤں کی کوششوں سے بند ہوگئیں، تو حضرت علامہ بلیاوی قدس سرہ کے توسط سے آپ کا تقرر دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں درجۂ علیا کے استاذ کی حیثیت سے ہو گیا۔

۲۱ر شوال ۱۳۸۴ھ کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند کو خیر باد کہہ کر آپ پہلے گھر تشریف لے گئے، ایک ہفتہ گھر پر قیام کیا، والدین کی زیارت کا شرف حاصل کیا، پھر بھائی مولوی عبد المجید صاحب کو جو احقر سے تقریبا دو سال بڑے ہیں اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کو جو مجھ سے تقریبا سات آٹھ سال چھوٹے ہیں، اور راقم الحروف کو ساتھ لے کر راندیر (سورت) تشریف لے گئے۔ اور دارالعلوم اشرفیہ میں تدریس کا آغاز فرمایا۔

راندیر میں آپ کی خدمات

ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ سے شعبان ۱۳۹۳ھ تک (۹ سال) دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں موصوف نے ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، طحاوی شریف، شمائل، موطین، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف مع الفوز الکبیر، ترجمہ قرآن کریم، ہدایہ آخرین، شرح عقائد نسفی، اور حسامی وغیرہ بہت سی کتابیں پڑھائیں، اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، اسی عرصہ میں موصوف نے ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں، حرمت مصاہرت، العون الکبیر اور مولانا محمد بن طاہر پٹنی قدس سرہ کی "المغنی" کی عربی شرح وغیرہ تصانیف ارقام فرمائیں، جن میں سے پہلی تین تصنیفات شائع ہو چکی ہیں، اور آخری تصنیف ابھی تک شائع نہیں ہوئی، نیز اسی زمانہ میں موصوف نے قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی کتابوں اور علوم و معارف کی تسہیل و تشریح کا آغاز فرمایا۔ ایک مضمون "افادات نانوتوی" کے نام سے اسی زمانہ میں الفرقان لکھنؤ میں قسط وار شائع ہوا تھا، جو نہایت قیمتی مضمون ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر

موصوف کے استاذ محترم حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری نے جو پہلے جامعہ حسینیہ راندیر میں پڑھاتے تھے، پھر دارالعلوم دیوبند میں ان کا تقرر ہو گیا تھا موصوف کو خط سے مطلع کیا کہ دارالعلوم دیوبند میں ایک مدرس کی جگہ خالی ہے، لہٰذا آپ دارالعلوم میں تدریس کی درخواست بھیجیں۔ موصوف نے جناب مولانا حکیم محمد سعد رشید صاحب اجمیری مدظلہ کے مشورہ سے درخواست بھیج دی، اس کے ہمراہ ایک مکتوب حضرت قاری محمد طیب صاحب کے نام ارسال فرمایا۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ نے اس کے جواب میں جو گرامی نامہ بھیجا وہ درج ذیل ہے:

> محترمی و مکرمی زید مجدکم
>
> سلام مسنون، نیاز مقرون، گرامی نامہ باعث مسرت ہوا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب پر کام کرنے کی اطلاع سے غیر معمولی خوشی ہوئی، جو صورت آپ نے اختیار فرمائی ہے وہ مناسب ہے، خود میرے ذہن میں ان کتب کی خدمت کی مختلف صورتوں میں سے ایک

یہ صورت بھی تھی، الفرقان میں پڑھنے کی نوبت نہیں آئی، ان شاء اللہ رسائل منگوا کر مستفید ہوں گا، اور جو رائے قائم ہو گی وہ عرض کروں گا۔
درخواست منسلکہ مجلس تعلیمی میں بھیج رہا ہوں، اس پر وہاں سے کوئی کاروائی ضرور کی جائے گی، اس کی اطلاع دی جائے گی، دعا کی درخواست، قاسم العلوم (کے) میرے پاس دو نسخے تھے، ایک نسخہ اسی ضرورت سے وہاں بھیجا گیا، مگر واپس نہیں ہوا، اب ایک رہ گیا ہے جو صاحب نقل کرنا چاہیں وہ ایک وقت مقرر کر کے میرے کتب خانہ میں ہی بیٹھ کر نقل فرما لیا کریں۔ اور یہاں بحمد اللہ خیریت ہے والسلام

محمد طیب از دیوبند
۷-۷-۹۳ھ

یہ گرامی نامہ ۷/رجب ۱۳۹۳ھ کا لکھا ہوا ہے، اسی سال شعبان میں جب مجلس شوری کا انعقاد ہوا، اور درجات عربیہ کے لئے ایک مدرس کے تقرر کا تذکرہ آیا تو حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی قدس سرہ نے موصوف کا نام پیش کیا اور اسی مجلس میں موصوف کا تقرر ہو گیا، موصوف کو شعبان ہی میں اس کی اطلاع دے دی گئی، رمضان المبارک کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے، اس وقت سے آج تک موصوف دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ موصوف کی عمر میں برکت عطا فرمائیں، اور ان کے فیوض و برکات کو عام اور تام فرمائیں! آمین یا رب العالمین!

دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی خدمات

شوال ۱۳۹۳ھ سے ان سطور کے لکھنے تک موصوف نے دارالعلوم دیوبند میں جو کتابیں پڑھائیں اور پڑھا رہے ہیں ان کی تفصیل سن وار درج ذیل ہے:
۹۳-۹۴ھ میں: مسلم الثبوت، ہدایہ اول، سلم العلوم، ہدیہ سعیدیہ، جلالین شریف نصف اول مع الفوز الکبیر، ملا حسن۔
۹۴-۹۵ھ میں: مسلم الثبوت، شرح عقائد جلالی، ملا حسن، جلالین شریف نصف ثانی مع الفوز الکبیر۔

۹۶-۱۳۹۵ھ میں: مسامرہ، دیوان متنبی، میبذی، تفسیر بیضاوی پارہ ۲۱ تا ۲۵

۹۷-۱۳۹۶ھ میں: دیوان متنبی تفسیر بیضاوی پارہ ۲۶ تا ۳۰، ملاحسن، مشکوٰۃ شریف (عارضی)

۹۸-۱۳۹۷ھ میں: مشکوٰۃ شریف جلد ثانی مع نخبۃ الفکر، حسامی (صرف قیاس) ملاحسن، سبعہ معلقہ۔ ہدایہ ربع ثانی، موطاامام مالک۔

۹۹-۱۳۹۸ھ میں: دیوان حماسہ، سبعہ معلقہ، بیضاوی شریف سورۂ بقرۃ، مشکوٰۃ شریف جلد ثانی مع نخبۃ الفکر، تفسیر مظہری پارہ ۱۶ تا ۲۰، موطاامام مالک، سراجی، نسائی شریف۔

۱۴۰۰ھ میں: مشکوٰۃ شریف جلد ثانی مع نخبۃ الفکر، بیضاوی شریف پارہ ۲۱ تا ۲۵، دیوان حماسہ، سبعہ معلقہ، موطاامام مالک، سراجی۔

۱۴۰۱ھ میں: مشکوٰۃ شریف جلد اول مع نخبۃ الفکر، بیضاوی شریف پارہ ۲۶ تا ۳۰، تفسیر مدارک پارہ ۶ تا ۱۰، سراجی، موطاامام محمد۔

۱۴۰۲ھ میں: ترمذی شریف، بیضاوی شریف سورۂ بقرہ، ابوداؤد شریف، بخاری شریف، جلد ثانی موطاامام مالک، موطاامام محمد۔

۱۴۰۳ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، بیضاوی شریف سورۂ بقرہ، مسلم شریف جلد اول، مقدمہ ابن صلاح، رشیدیہ، ابن ماجہ شریف،

۱۴۰۴ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، بیضاوی شریف سورۂ بقرہ، ہدایہ رابع طحاوی شریف۔

۱۴۰۵ھ میں: ترمذی شریف جلد اول: بیضاوی شریف سورۂ بقرہ۔ ہدایہ ثالث، بخاری شریف جلد اول، طحاوی شریف۔

۱۴۰۶ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، تفسیر القرآن، ہدایہ رابع، طحاوی شریف۔

۱۴۰۷ھ میں: تلخیص الاتقان، ترمذی شریف جلد اول، ہدایہ رابع، طحاوی شریف۔

۱۴۰۸ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، ہدایہ رابع، طحاوی شریف، حجۃ اللہ البالغہ۔

۱۴۰۹ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، ہدایہ رابع، طحاوی شریف، حجۃ اللہ البالغہ۔

۱۴۱۰ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، ہدایہ ثالث، طحاوی شریف، پڑھائیں ——— اور ۱۴۱۱ھ سے ان خدمات کے تذکرہ تک ترمذی شریف جلد اول، طحاوی شریف، اور حجۃ اللہ البالغہ پڑھارہے ہیں۔

دیگر خدمات

مذکورہ بالا تعلیمی و تدریسی خدمات کے علاوہ موصوف نے دارالعلوم دیوبند میں جو خدمات انجام دیں، اور دے رہے ہیں ان کے مفصل تذکرہ کی اس مختصر تعارف میں گنجائش نہیں، صرف چند خدمات کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

① ۱۴۰۲ھ میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب زید مجدہم نے طویل رخصت لے لی تھی، حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہ سہارن پور چلے گئے تھے، اور کچھ مفتیان کرام نے دارالعلوم سے علحدگی اختیار کرلی تھی۔ اس لئے ارباب انتظام نے موصوف اور راقم الحروف کو کتب متعلقہ کی تدریس کے ساتھ شعبۂ افتاء کی نگرانی اور فتوی نویسی کا حکم دیا تھا، جس کو بحسن و خوبی موصوف اور راقم الحروف نے انجام دیا، دونوں حکموں کی نقل درج ذیل ہے:

نقل حکم ۳۵۳۲　برائے دارالافتاء　مورخہ ۴؍۱۰؍۱۴۰۲ھ

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب ناظم شعبۂ دارالافتاء نے طویل رخصت حاصل کی ہے، حضرت موصوف کی عدم موجودگی میں حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری شعبہ کی نگرانی کریں گے، اور تمام جوابات ان کی تصحیح کے بعد ہی روانہ ہوں گے، اس لئے کوئی فتوی بغیر مولانا کے دستخط کے دارالافتاء سے روانہ نہ کیا جائے۔

(مولانا) نصیر احمد
نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

نقل حکم ۳۵۷۲

مولانا مفتی محمد امین صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

سلام مسنون، دارالافتاء میں افتاء کی ڈاک اور جوابات کے کام کے پیش نظر طے کیا گیا ہے کہ آپ روزانہ دو گھنٹہ دارالافتاء میں تشریف لاکر فتوی تحریر فرمادیا کریں۔

(مولانا) نصیر احمد
نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
۶؍شوال ۱۴۰۲ھ

اس سے پہلے ۱۳۹۵ھ میں بھی موصوف کو دار الافتاء دار العلوم دیوبند کی نگرانی سپرد کی گئی تھی، جس کی نقل حسب ذیل ہے:

گرامی خدمت مولانا سعید احمد صاحب مدرس دار العلوم

سلام مسنون، دار الافتاء میں اس وقت نہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب ہیں، اور نہ دوسرے دونوں حضرات ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فارغ اوقات میں آپ دار الافتاء میں تشریف رکھ کر کاموں کی نگرانی فرماویں۔ دار الافتاء میں بھی اس کی نقل ارسال کی جارہی ہے۔

(مولانا) نصیر احمد
نائب مہتمم دار العلوم دیوبند
۱۳۹۵/۲/۷ھ

(۲) جب سے دار العلوم دیوبند میں "مجلس تحفظ ختم نبوت" کا قیام عمل میں آیا ہے، آپ اس کے ناظم اعلی ہیں ۱۴۱۹ھ میں آپ نے اس منصب سے سبکدوش ہونے کی مجلس شوری سے درخواست کی تھی، مگر مجلس شوری نے منظور نہیں فرمائی، اور ایک ہزار روپئے ماہانہ الاؤنس کے طور پر طے فرمائے، مگر موصوف نے الاؤنس لینے سے انکار کر دیا، اور ذمہ داری کو سنبھال رہے ہیں، تجویز کی نقل حسب ذیل ہے۔

مکرمی و محترمی حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدکم

سلام مسنون، مجلس شوری منعقدہ صفر ۱۴۱۹ھ کی منظور شدہ تجویز جناب کے ملاحظہ کے لئے ارسال ہے:

تجویز ۶، باجازت صدر:

جناب مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری کی تحریر تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلی کے منصب کی ذمہ داری سے سبکدوشی کے بارے میں پیش ہوئی —— شوری جناب مولانا موصوف کی اس سلسلہ میں خدمات کو بنظر استحسان دیکھتی ہے، اور شعبہ کی اہمیت اور ضرورت کی بناء پر تحریر کو قبول نہ کرتے ہوئے، جناب مولانا موصوف کی بحیثیت ناظم اعلی شعبہ سے

وابستگی کو برقرار رکھتی ہے، نیز موصوف کو مشغولیت اوقات کی بناء پر مبلغ ایک ہزار روپیہ ماہانہ الاؤنس دیا جانا منظور کرتی ہے۔

(مولانا) نصیر احمد

قائم مقام مہتمم دار العلوم دیو بند

۶/۳/۱۴۱۹ھ

میں نے یہ وظیفہ لینے سے انکار کر دیا ہے

سعید احمد پالن پوری

③ مذکورہ بالا خدمات کے علاوہ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم جو تحریری اور تقریری خدمت موصوف کو سپرد فرماتے ہیں اس کو بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں جس کی تفصیل طویل ہے اس مختصر تعارف میں اس کی گنجائش نہیں۔

تصنیفی خدمات

موصوف کی تصانیف جو شائع ہو کر مشرق و مغرب میں پھیل چکی ہیں، ان کا تعارف درج ذیل ہے:

① تفسیر ہدایت القرآن: یہ مقبول عام وخاص تفسیر ہے، پارہ ۳۰ اور ایک تا ۹ حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی صاحب رحمہ اللہ کے لکھے ہوئے ہیں اور ۱۰ تا ۱۵ موصوف نے لکھے ہیں، آگے کام جاری ہے۔

② الفوز الکبیر کی تعریب جدید: یہ سابقہ تعریب کی تہذیب ہے، دار العلوم دیو بند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے۔

③ العون الکبیر: یہ الفوز الکبیر کی بہترین عربی شرح ہے، پہلے قدیم تعریب کے مطابق تھی، اب جدید تعریب کے مطابق کر دی گئی ہے۔

④ فیض المنعم: یہ مقدمۂ مسلم شریف کی معیاری اردو شرح ہے، جو ترکیب، حل لغات اور فن حدیث کی ضروری بحثوں پر مشتمل ہے۔

⑤ تحفۃ الدرر: یہ نخبۃ الفکر کی بہترین اردو شرح ہے، کتب حدیث پڑھنے والوں خصوصاً

مشکوٰۃ شریف پڑھنے والوں کے لئے نہایت قیمتی سوغات ہے۔

⑥ مبادئ الفلسفہ: اس میں فلسفہ کی تمام اصطلاحات کی عربی زبان میں مختصر اور عمدہ وضاحت کی گئی ہے، دار العلوم دیوبند، اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے۔

⑦ معین الفلسفہ: یہ مبادئ الفلسفہ کی بہترین اردو شرح ہے، اور حکمت و فلسفہ کے پیچیدہ مسائل کی عمدہ وضاحت پر مشتمل معلومات افزا کتاب ہے۔

⑧ مفتاح التہذیب: یہ علامہ تفتازانی کی ''تہذیب المنطق'' کی ایسی عمدہ شرح ہے کہ اس سے ''شرح تہذیب'' جو مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے، خوب حل ہو جاتی ہے۔

⑨ آسان منطق: یہ تیسیر المنطق کی تہذیب ہے، دار العلوم دیوبند اور بہت سے مدارس میں ''تیسیر المنطق'' کی جگہ پڑھائی جاتی ہے۔

⑩ آسان نحو (دو حصے)

⑪ آسان صرف (دو حصے) علم نحو اور علم صرف کی جو کتابیں اردو میں لکھی گئی ہیں، ان میں عام طور پر تدریج کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، جبکہ یہ بات نہایت ضروری ہے، اس نصاب کو اس ضرورت کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے، یہ نصاب نہایت مفید اور بہت سے مدارس میں داخل درس ہے۔

⑫ محفوظات: (تین حصے) یہ آیات واحادیث کا مجموعہ ہے، جو طلبہ کے حفظ کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ بہت سے مدارس و مکاتب میں داخل نصاب ہے۔

⑬ آپ فتویٰ کیسے دیں؟: یہ علامہ محمد امین بن عابدین شامی کی شہرۂ آفاق کتاب ''شرح عقود رسم المفتی'' کی نہایت عمدہ شرح ہے۔

⑭ کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟: یہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی کتاب ''توثیق الکلام'' کی نہایت آسان عام فہم شرح ہے۔

⑮ حیات امام ابو داؤد: اس میں امام ابوداؤد سجستانی کی مکمل سوانح، سنن ابی داؤد کا تفصیلی تعارف، اور اس کی تمام شروحات و متعلقات کا مفصل جائزہ سلیس اور دلنشین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

⑯ مشاہیر محدثین و فقہائے کرام اور تذکرہ راویان کتب حدیث: اس میں خلفاء راشدین، عشرۂ مبشرہ، ازواج مطہرات، بنات طیبات، مدینہ کے فقہائے سبعہ، مجتہدین امت، محدثین کرام،

راویان کتب حدیث، شارحین حدیث، فقہائے ملت، مفسرین عظام، متکلمین اسلام اور مشہور شخصیات کا مختصر جامع تذکرہ ہے۔ حدیث کے ہر استاذ اور طالب علم کے پاس اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔

⑰ حیات امام طحاوی: اس میں امام ابوجعفر طحاوی کے مفصل حالات زندگی، ناقدین پر رد، تصانیف کا تذکرہ، نظر طحاوی کی توضیح اور شرح معانی الآثار کا تفصیلی تعارف ہے۔

⑱ اسلام تغیر پذیر دنیا میں: یہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اور جامعہ ملیہ دہلی کے سمیناروں میں پڑھے گئے چار قیمتی مقالوں کا مجموعہ ہے۔

⑲ نبوت نے انسانیت کو کیا دیا؟: یہ مقالہ جامعہ ملیہ دہلی کے ایک جلسہ میں پیش کیا گیا تھا، پہلے وہ علحدہ شائع ہوا تھا، اب اس کو "اسلام تغیر پذیر دنیا" میں شامل کر دیا گیا ہے۔

⑳ ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں: ناخن تراشنے، بغل کے بال اور زیر ناف لینے، مسواک کرنے، کلی اور ناک صاف کرنے، جسم کے جوڑوں کو دھونے، ختنہ کرنے، پانی سے استنجاء کرنے، بالوں میں مانگ نکالنے، مونچھیں تراشنے اور ڈاڑھی رکھنے کے متعلق واضح احکامات، مسائل، دلائل اور فضائل کا مجموعہ ہے، ڈاڑھی پر ہونے والے اعتراضوں کے جوابات بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔

㉑ حرمت مصاہرت: اس میں سسرالی اور دامادی رشتوں کے مفصل احکام، اور ناجائز انتفاع کا مدلل حکم بیان کیا گیا ہے۔

㉒ تسہیل ادلۂ کاملہ: یہ حضرت شیخ الہند کی مایۂ ناز کتاب "ادلۂ کاملہ" کی نہایت عمدہ شرح ہے اس میں غیر مقلدین کے چھیڑے ہوئے دس مشہور مسائل کی مکمل تفصیل ہے۔ موصوف نے یہ کتاب مجھے املا کرائی تھی میں نے اس کو مرتب کیا ہے، یہ شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔

㉓ حواشی و عناوین ایضاح الادلۃ: ایضاح الادلۃ حضرت شیخ الہند کی شہرۂ آفاق کتاب ہے، اس پر موصوف نے نہایت مفید حواشی ارقام فرمائے ہیں، اور بغلی عناوین بڑھائے ہیں، یہ کتاب بھی شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔

㉔ حواشی امداد الفتاوی: موصوف نے قیام راندیر کے زمانے میں یہ حواشی لکھنے شروع کئے تھے صرف جلد اول پر کام کیا تھا جو طبع ہو گیا ہے باقی جلدوں پر کام نہیں ہوا۔ یہ حواشی بھی اہل علم میں وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

(۲۵) افادات نانوتوی: یہ موصوف کا ایک نہایت قیمتی مضمون ہے، جس کو دارالعلوم اشرفیہ راندیر کی تدریس کے زمانہ میں ارقام فرمایا تھا، اور اسی زمانہ میں الفرقان لکھنو میں قسط وار شائع ہوا تھا۔

(۲۶) افادات رشیدیہ: یہ موصوف کا دوسرا نہایت مفید مضمون ہے، جس کو دارالعلوم دیوبند کی تدریس کے آغاز میں ارقام فرمایا تھا، اور اسی وقت رسالہ دارالعلوم دیوبند میں قسط وار شائع ہوا تھا

یہ موصوف کی وہ تصانیف اور مضامین ہیں جو شائع ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ درج ذیل تصانیف بھی ہیں جو ابھی تک شائع نہیں ہوئیں۔

(۲۷) رحمة اللّٰه الواسعة: یہ حجۃ اللہ البالغہ کی مبسوط اردو شرح ہے، جو زیر تصنیف ہے حجۃ اللہ البالغہ کی تشریح ایک بھاری قرضہ ہے جو ڈھائی سو سال سے امت کے ذمہ باقی چلا آرہا ہے۔ مولانا موصوف عرصہ سے دارالعلوم دیوبند میں حجۃ اللہ البالغہ پڑھاتے ہیں، اب آپ اس کی شرح تحریر فرمارہے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ شرح جلد پوری ہو اور منظر عام پر آئے (آمین)

(۲۸) تہذیب المغنی: المغنی علامہ محمد بن طاہر پٹنی قدس سرہ کی اسماء رجال پر بہترین کتاب ہے، موصوف نے اس کی عربی میں شرح لکھی ہے، مگر ابھی تک شائع نہیں ہوئی، کیونکہ ابھی اس کی تکمیل نہیں ہوسکی ہے، باب الراء تک لکھی گئی ہے۔

(۲۹) زُبدۃ الطحاوی: یہ امام طحاوی کی شہرۂ آفاق کتاب "شرح معانی الآثار" کی عربی تلخیص ہے، مگر جہاں تک عام طور پر طحاوی شریف پڑھائی جاتی ہے وہاں تک کام ہوا ہے اس لئے اس کو شائع نہیں کیا گیا ہے۔

(۳۰) موصوف کے فتاوی: موصوف کے بہت سے فتاوی دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے رجسٹروں میں اور بعض نہایت قیمتی فتاوی حضرت کے ذاتی رجسٹر میں محفوظ ہیں، مگر ابھی تک شائع نہیں ہوئے۔

تبلیغی خدمات

مذکورہ بالا تعلیمی و تدریسی اور تصنیفی مصروفیات کے باوجود آپ ملک و بیرون ملک کے دورے کرتے رہتے ہیں، اور جو حضرات دینی باتیں سننے کے مشتاق ہیں، ان کو اپنی نوا سنجیوں سے نوازتے

رہتے ہیں، اس کی تفصیل نہایت طویل ہے، مختصر یہ کہ آپ دار العلوم دیوبند کی تدریس کو بحسن وخوبی انجام دیتے ہوئے اور تصنیفی کام جاری رکھتے ہوئے، درمیان سال میں وقتاً فوقتاً ملک وبیرون ملک کے مختصر دورے کرتے رہتے ہیں، اور رمضان المبارک کی طویل تعطیل میں کبھی برطانیہ کبھی کناڈا، کبھی افریقہ اور امریکہ تشریف لے جاتے ہیں، ایک دن میں کئی کئی تقریریں کرتے ہیں، سعادت مند سامعین کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت، خوف خدا وفکر آخرت اور اعمال صالحہ پر ابھارتے رہتے ہیں، حرام اور منکر باتوں سے نہایت مؤثر انداز میں باز رہنے کی تلقین فرماتے رہتے ہیں۔

انداز خطابت اور تصنیفی خصوصیات

جس طرح موصوف کا انداز خطابت نہایت مؤثر، درس نہایت مقبول اور عام فہم ہوتا ہے، اسی طرح آپ کی تمام تصانیف نہایت آسان، عام فہم اور مقبول عام وخاص ہیں، آپ کی تقریریں نہایت مبسوط اور علمی نکات سے پُر، اور تحریریں نہایت مرتب، واضح اور جامع ہوتی ہیں، اسی لئے آپ کی کئی تصانیف دار العلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہیں، اور ان ہی خصوصیات کی بناء پر حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب، دامت برکاتہم ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند آپ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

باسمہ سبحانہ وتعالی

محترم المقام حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جزاکم اللہ خیر الجزاء: آپ نے مصطلحات فلسفہ کو یکجا جمع فرمادیا، طالب علم کو ابتداء میں اس سے بڑی مدد ملے گی، ان مصطلحات کو یاد کر لینے اور سمجھ لینے کے بعد ان شاء اللہ اس فن کے مباحث بھی مستحضر ہوسکیں گے، اس کی ضرورت ہے کہ دیگر فنون: علم نحو وصرف وغیرہ کے مبادیات ومصطلحات بھی اسی طرح مختصر انداز میں مرتب فرمادیں، تاکہ اساتذہ ان کو حفظ کرائیں، اور طالب علم کو ان فنون میں بصیرت ہوسکے، میں نے کچھ روز پیشتر مولوی خورشید انور صاحب سے کہا تھا کہ فقہ میں معاملات کی بحث میں بالخصوص جو اصطلاحی الفاظ

آتے ہیں، ان کی تعریفات جمع کر دی جائیں، تاکہ طالب علم ان تعریفات کو سمجھ لینے اور یاد کر لینے کے بعد کتاب میں پڑھتے ہوئے جزئیات کو ان پر منطبق کرتا چلے اور استاذ متنبہ کرتا رہے۔

الحمد للہ سلف صالح رحمہم اللہ سب کام کر گئے، ان کو تتبع اور تلاش کر کے جمع کر دیا جائے، ان شاء اللہ اس سے نفع کثیر کی توقع ہے، آپ جناب والا نے باحسن وجوہ فلسفہ کی اصطلاحات کو جمع فرمایا ہے، ضرورت ہے اس سلسلہ کو آگے بڑھائیں، اور ہر فن کے مبادیات کو جمع فرمادیں، تعلیم و تعلم کے لئے ان شاء اللہ یہ چیز نفع کثیر کا سبب بنے گی، امید ہے کہ اس گذارش کو قبول فرمائیں گے والسلام

ارشد

۷؍۳؍۱۴۱۸ھ

ترقیات کا راز

استاذ محترم کو اللہ جل شانہ وعم نوالہ نے بہت سی خوبیوں اور کمالات سے نوازا ہے، آپ کا ذوق لطیف، طبیعت سادہ اور نفیس ہے، مزاج میں استقلال اور اعتدال ہے، فطرت میں سلامت روی اور ذہن رسا کے مالک ہیں، زود نویس اور خوش نویس ہیں۔ حق و باطل اور صواب و خطاء کے درمیان امتیاز کرنے کی وافر صلاحیت رکھتے ہیں اور حقائق و معارف کے ادراک میں یکتائے زمانہ ہیں۔

اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ موصوف اپنے کاموں میں نہایت چست اور حالات کا جوانمردی سے مقابلہ کرنے والے ہیں، میں نے حضرت اقدس جیسا شب و روز محنت کرنے والا مصروف آدمی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، آپ کے تمام شاگرد جانتے ہیں کہ آپ کا درس کتنا مقبول ہے؟ اور جن حضرات کو آپ کی تصانیف دیکھنے، اور تقاریر سننے کا موقع ملا ہے، وہ جانتے ہیں کہ آپ کی تصانیف اور تقاریر کتنی پر مغز، مرتب اور جامع ہوتی ہیں؟ اور آپ کے خدام جانتے ہیں کہ حضرت اقدس اپنی اور اپنے متعلقین کی کتابوں کی تصحیح و طباعت کا کتنا اہتمام فرماتے ہیں اور اپنے بھائیوں اور اہل و عیال کی تعلیم و تربیت کا کس قدر خیال فرماتے ہیں؟

اجازت بیعت وارشاد

موصوف جس طرح علوم ظاہری میں درک و کمال رکھتے ہیں، اسی طرح علوم باطنی سے بھی

بہرہ ور ہیں، مگر اس کا اس قدر اخفاء فرماتے ہیں کہ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ صرف علوم ظاہری میں مہارت رکھتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ طالب علمی کے زمانہ سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ سے بیعت ہیں، اور دیگر بزرگان دین سے بھی فیض یافتہ ہیں، خاص طور پر حضرت اقدس مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری قدس سرہ کی مجالس میں مظاہر علوم کی طالب علمی کے زمانہ میں شرکت کرتے رہے ہیں۔ اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مظاہری کے مجاز بیعت وارشاد ہیں، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم کی سند اجازت مندرجہ ذیل ہے (جو میں نے مولانا سے بمشکل حاصل کی ہے)

> بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
>
> محترم ومکرم جناب مولانا الحاج المفتی سعید احمد صاحب، استاذ حدیث دار العلوم دیوبند
>
> السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
>
> آپ کو توکلاً علی اللہ قلبی اطمینان اور شرح صدر کے ساتھ اجازت بیعت وتلقین دیتا ہوں، الحمد للہ آپ میں علماً وعملاً ہر طرح سے اس کی صلاحیت واہلیت موجود ہے، جو اجازت کی بناء ہے، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔
>
> حق تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے اصلاح وتربیت اور تعلیم وتلقین کا کام شروع فرمادیں، حضرت تھانویؒ کی تصانیف، مواعظ وملفوظات کا خود بھی مطالعہ فرماتے رہیں، اور کسی وقت پاس بیٹھنے والوں کو سنادیا کریں، دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ آپ کو ترقیات ظاہرہ وباطنہ سے نوازے، احقر کو دعامیں یاد رکھیں، والسلام
>
> مظفر حسین المظاہری ۲۱؍ جمادی الاولی ۱۴۱۸ھ
>
> مدیر الجامعۃ الاسلامیۃ بمظاہر علوم (وقف)
>
> سہارن پور (یو، پی) الہند۔

زیارت حرمین شریفین

موصوف کئی بار زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل کر چکے ہیں، سب سے پہلے ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں اہلیہ محترمہ کے ساتھ پانی کے جہاز سے سفر کیا، اور فریضۂ حج ادا کیا —— پھر

۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں افریقہ سے دوسرا حج کیا، چونکہ آپ پہلے فرض حج ادا کر چکے تھے، اس لئے موصوف نے یہ دوسرا حج آنحضرت ﷺ کی طرف سے حج بدل کے طور پر کیا ہے —— پھر ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء میں سعودی وزارت حج واوقاف کے مہمان کی حیثیت سے تیسرا حج کیا —— اور ایک بار ربیع الاول ۱۴۱۴ھ میں عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔

رحلت والدین ماجدین

جس زمانہ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی اور محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری ڈابھیل میں پڑھاتے تھے، اس وقت والد صاحب ڈابھیل میں پڑھتے تھے۔ اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ کے خادم خاص تھے، مگر گھریلو احوال کی وجہ سے تعلیم مکمل نہیں کر سکے تھے۔ اس لئے اپنے صاحب زادوں کو علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا بدر عالم میرٹھی، اور محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری جیسا عالم بنانے کا عظیم جذبہ رکھتے تھے، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ نے والد صاحب کو یہ وصیت کی تھی کہ:

"یوسف! اگر تم اپنے لڑکوں کو اچھا عالم بنانا چاہتے ہو، تو حرام اور ناجائز مال سے پرہیز کرنا، اور بچوں کو بھی ناجائز اور حرام مال سے بچانا، کیونکہ علم ایک نور ہے، ناجائز اور حرام مال سے جو بدن پروان چڑھتا ہے اس میں یہ نور داخل نہیں ہوتا —— یہ نصیحت حضرت مولانا نے والد ماجد کو اس لئے کی تھی کہ اس زمانہ میں ہماری ساری قوم بنیوں کے سود میں پھنسی ہوئی تھی اسی زمانہ میں ہمارے دادا نے بنیے سے سودی قرض لے کر ایک زمین کرایہ پر لی تھی، والد صاحب اس زمانہ میں ڈابھیل کے طالب علم تھے، والد صاحب نے اس معاملہ میں دادا سے اختلاف کیا تو دادا نے والد صاحب کو الگ کر دیا چنانچہ والد صاحب کو حرام سے بچنے کے لئے مجبوراً تعلیم چھوڑ کر اپنا گھر سنبھالنا پڑا اور تہیہ کیا کہ چاہے بھوکا رہوں گا مگر حرام کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا تاکہ میں نہیں پڑھ سکا تو اللہ تعالیٰ میری اولاد کو علم دین عطا فرمائیں۔

چنانچہ والد صاحب، ناجائز اور حرام مال بلکہ مشتبہ مال سے بھی پرہیز کرتے تھے، اور اپنی اولاد کو بھی بچاتے تھے، اور ان کی تعلیم وتربیت کی طرف پوری توجہ فرماتے تھے، صوم وصلوٰۃ کے ایسے

پابند تھے کہ میرے علم کے مطابق ان کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد والد صاحب نے قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا تھا سات آٹھ پارے حفظ کر لئے تھے، مگر عمر نے وفا نہیں کی، ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ میں ایک رات تہجد کی نماز کے لئے اٹھے، گرمی کا احساس ہوا تو غسل کیا، کپڑے بدل رہے تھے کہ سینہ میں تکلیف شروع ہوئی، بھائی عبدالمجید کو آواز دی، بھائی عبدالمجید جلدی سے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو دیکھا کہ والد صاحب کا پورا بدن پسینہ سے تر ہے، اور والد صاحب سینہ دبا کر چارپائی پر بیٹھے ہوئے ہیں، جب بھائی مولوی عبدالمجید صاحب نے یہ حالت دیکھی تو گھبرا گئے، بھائی عبدالرحمٰن جو ایک آدھ میل کے فاصلہ پر رہتے تھے ان کو اور ڈاکٹر کو بلانے کی فکر کرنے لگے، تو والد صاحب نے فرمایا کہ: ڈاکٹر کو بلانے کی ضرورت نہیں، یہ کہہ کر تھوڑی دیر میں اللہ کو پیارے ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف اور راقم الحروف کی والدہ ماجدہ دین کی ضروری باتوں سے واقف، امور خانہ داری میں ماہر، نہایت سلیقہ مند، نماز روزے کا خوب اہتمام کرنے والی صالحہ عابدہ اور صابرہ شاکرہ خاتون تھیں، ۱۰ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ کو عاشورہ کا روزہ رکھ کر اپنے سب سے بڑے بھائی حضرت مولانا ولی محمد صاحب زید مجدہم کی زیارت کا شرف حاصل کیا، جو حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کے ڈابھیل کے زمانہ کے شاگرد ہیں، اور اب تک بقید حیات ہیں، مغرب کے وقت روزہ افطار کیا، نماز پڑھی۔ پھر سب نے کھانا کھایا، اور سب آرام کرنے کے لئے چارپائی پر دراز ہو گئے۔ جب عشاء کا وقت ہوا تو والد صاحب کو اور بھائی مولوی عبدالمجید کو آواز دے کر اٹھایا اور نماز کے لئے روانہ کیا ہماری چھوٹی بہن سارہ خاتون اپنی بچی کو لے کر لیٹی ہوئی تھیں ان کو اٹھایا تاکہ عشاء کی نماز پڑھیں وہ اٹھ کر نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئیں۔ جب عشاء کی نماز پڑھ کر والد صاحب تشریف لائے تو دیکھا کہ والدہ ماجدہ کے بال چارپائی سے نیچے لٹک رہے ہیں، والد صاحب نے دو تین مرتبہ آواز دی کہ آپ اس طرح کیوں سو رہی ہیں؟، مگر والدہ ماجدہ نے کوئی جواب نہیں دیا، والد صاحب نے بالوں کو درست کرنے کے لئے ہاتھ لگایا تو معلوم ہوا کہ روح پرواز کر چکی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ والدین ماجدین کی بال بال مغفرت فرمائیں! جنت الفردوس کا مکین بنائیں! اور ان کی قبروں کو نور سے بھر دیں! آمین یارب العالمین۔

اس حادثۂ عظیمہ پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ نے برادر

محترم کے نام جو تعزیتی خط ارسال فرمایا تھا وہ حسب ذیل ہے:

۲۴/۱/۹۹ھ ۷۸۶

مکرم و محترم مولانا سعید احمد صاحب

سلام مسنون، آپ کے خط سے والدہ ماجدہ کے اچانک حادثۂ ارتحال کی اطلاع سے ملال ہوا، اناللہ وانا الیہ راجعون، والدین کا سایہ حقیقتاً ایک غنیمت کبریٰ اور سعادت عظمیٰ ہے، اس سے محرومی پر جتنا بھی قلق اور رنج ہو کم ہے، تاہم مشیت الٰہی پر راضی ہونے اور صبر کرنے کے بارہ میں آپ کے سامنے کیا عرض کیا جائے، حق تعالیٰ مرحومہ کو وہاں کی راحتیں عطا فرمائیں۔ اور متعلقین واہل خاندان کو ان کی حسنات وبرکات کا صحیح وارث بنائے، دارالعلوم میں ختم قرآن وایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، ہم سب کی طرف سے مضمون تعزیت اہل خاندان تک پہنچادیں۔ والسلام

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

بھائیوں کی تعلیم وتربیت

موصوف کے ایک اخیافی (ماں شریک) چار حقیقی بھائی اور چار حقیقی بہنیں ہیں، اخیافی بھائی کا نام احمد ہے، جو آپ سے بڑے ہیں، اور حقیقی بھائی بہنوں میں آپ سب سے بڑے ہیں، پھر بھائی عبدالرحمٰن، پھر بھائی مولوی عبدالمجید، پھر راقم الحروف، پھر بھائی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ہیں جب آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اس وقت بھائی عبدالرحمٰن کی عمر پندرہ سال سے زیادہ ہو چکی تھی، راقم الحروف اور بھائی عبدالمجید مکتب میں پڑھ رہے تھے، اس لئے پہلے احقر کو اپنے ہمراہ دیوبند لائے، پھر ایک سال کے بعد بھائی عبدالمجید کو بھی بلالیا۔ اور فتوی نویسی کی مشق اور کتب فقہ کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ ہم دونوں بھائیوں کو پڑھاتے رہے —— جب آپ مدرس ہو کر راندیر (سورت) تشریف لے گئے تو ہم دونوں اور سب سے چھوٹے بھائی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، جو اس وقت دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں ترمذی شریف وغیرہ کتابیں پڑھاتے ہیں، سب کو اپنے ہمراہ راندیر لے گئے، اور دارالعلوم اشرفیہ کی تدریس کے ساتھ ساتھ ہم تینوں بھائیوں کو پڑھاتے رہے، یہ موصوف کی عجیب مصروفیت کا زمانہ تھا، ہم تینوں بھائی

چونکہ آپ ہی کے پاس پڑھتے تھے، اس لئے دوپہر کو جب پڑھا کر اپنی قیام گاہ پر آتے تھے، تو ہم تینوں بھائیوں کا پچھلا سبق سنتے تھے، آگے سبق پڑھاتے تھے، اور سب کے لئے سالن خود ہی پکاتے تھے، مگر ہفتہ میں صرف دو مرتبہ، روٹیاں کبھی آپ کبھی بھائی عبد المجید پکالیا کرتے تھے، پھر جب ہم نے عربی کی کتابیں شروع کیں، تو دار العلوم اشرفیہ میں ہمارا داخلہ کردیا، اور آپ کا بوجھ قدرے ہلکا ہوا، اس کے بعد تمام بھائیوں کی فراغت تک نگرانی کرتے رہے، **فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔**

اہل وعیال کی تعلیم وتربیت

آپ کا رشتہ ازدواج اور عقد مسنون آپ کے ماموں حافظ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب شیرا کی بڑی صاحب زادی سے ۱۳۸۴ھ کے اواخر میں ہوا، جو قرآن کریم کے جید حافظ تھے، اور اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد اکثر وبیشتر ۲۴ گھنٹہ میں ایک قرآن کریم ختم کرکے والدہ ماجدہ کو اس کا ثواب پہنچاتے تھے۔ مگر جوانی کے عالم میں دو صاحب زادیاں اور ایک صاحب زادے کو چھوڑ کر انتقال کرگئے تھے، ان کے انتقال کے بعد ان کے بچوں کی، بچوں کے دادا اور ہمارے نانا صاحب نے اور ماموں عبد الرحمٰن صاحب شیرا نے پرورش فرمائی، اور ان کی شادیاں کیں۔

موصوف کی اہلیہ محترمہ (اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائیں!) نہایت صابرہ شاکرہ اور عابدہ زاہدہ خاتون ہیں، قرآن کریم کی جید حافظہ ہیں اور اپنے اکثر بچوں کی حفظ قرآن میں استاذ ہیں، محترمہ نے نکاح کے بعد امور خانہ داری کو خود انجام دیتے ہوئے حضرت مولانا ہی سے پورا قرآن کریم حفظ کیا ہے، حفظ کے دوران اور حفظ کی تکمیل کے بعد اپنے صاحب زادوں اور صاحب زادیوں کو حفظ کرایا اور کرارہی ہیں ——— ان ہی نیک پارسا خاتون کے بطن سے موصوف کے گیارہ صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں پیدا ہوئیں، جن میں سب سے بڑے صاحب زادے ایک حادثہ میں شہید ہوگئے، اور ایک صاحب زادی بچپن میں انتقال کرگئی، دس صاحب زادے اور دو صاحب زادیاں بقید حیات ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمریں دراز فرمائیں! اور سب کو علم وعمل میں اپنے والد ماجد کا جانشین بنائیں۔

مولانا کے صاحب زادوں اور صاحب زادیوں کے نام مع تاریخ ولادت ومختصر احوال درج

ذیل ہیں:

① جناب حافظ مولوی مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ ولادت ۴ر جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۰ر ستمبر ۱۹۶۶ء وفات ۵ر شوال ۱۴۱۵ھ مطابق ۷ر مارچ ۱۹۹۵ء، فراغت کے بعد آپ نے ایک سال راندیر میں جامعہ حسینیہ میں متوسطات پڑھائی تھیں۔

② جناب حافظ سعید احمد صاحب سلمہ (یہ صاحب زادے بالکل آپ کے ہم نام ہیں) ولادت یکم ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ مطابق یکم فروری ۱۹۶۸ء آپ نے ہدایہ تک پڑھ کر تعلیم چھوڑ دی ہے، اور اب سورت میں رام پورہ کے دار العلوم میں حفظ کے استاذ ہیں۔

③ جناب حافظ مولوی وحید احمد صاحب سلمہ۔ یہ دار العلوم دیوبند کے فاضل ہیں اور دیوبند میں مکتبہ وحیدیہ کے مالک ہیں، ولادت ۱۷ر جمادی الاولی ۱۳۸۹ھ مطابق ۲ر اگست ۱۹۶۹ء میں ہوئی۔

④ مرحومہ عائشہ، ولادت ۱۳ر جمادی الاولی ۱۳۹۱ھ مطابق ۷ر جولائی ۱۹۷۱ء وفات بمقام راندیر ۲۰ر اپریل ۱۹۷۳ء مطابق ۱۶ر ربیع الاول ۱۳۹۳ھ بروز جمعہ۔

⑤ جناب حافظ مولوی حسن احمد صاحب سلمہ: ولادت ۱۴ر محرم ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۸ر فروری ۱۹۷۳ء آپ دار العلوم دیوبند کے فاضل ہیں، اور گھر میں کمپیوٹر آپریٹر ہیں، یہ کتاب وہی کمپوز کر رہے ہیں۔

⑥ جناب حافظ مفتی مولوی حسین احمد صاحب سلمہ: ولادت ۲ر جمادی الثانیہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۴ر جون ۱۹۷۴ء بروز پیر، فاضل دار العلوم دیوبند ہیں، فراغت کے بعد دو سال راندیر میں دار العلوم اشرفیہ میں پڑھایا، پھر تعلیم چھوڑ کر دار الافتاء کی تکمیل کی۔ اب امروہہ کی جامع مسجد کے مدرسہ میں حدیث شریف کی کتابیں پڑھا رہے ہیں۔

⑦ جناب حافظ مولوی محمد ابراہیم صاحب سلمہ ولادت شعبان ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء: دار العلوم دیوبند کے فاضل ہیں اور اب نافع العلوم کورانہ ضلع غازی آباد میں ہدایہ وغیرہ پڑھاتے ہیں

⑧ حافظ محمد قاسم سلمہ: ولادت ۱۵ر مارچ ۱۹۷۸ء۔ عربی سوم تک پڑھ کر تعلیم سے دل برداشتہ ہو گئے ہیں۔ اب گھر میں بچوں کی تعلیم میں اپنے والد ماجد کے معاون ہیں۔

⑨ حافظہ عائشہ سلمہا: ولادت جنوری ۱۹۷۹ء اس وقت اپنے والد ماجد سے فارسی اور عربی پڑھ رہی ہیں۔

(١٠) حافظ محمد سلمہ: ولادت فروری ١٩٨١ء اس سال دارالعلوم دیوبند میں عربی ششم کے طالب علم ہیں۔

(١١) حافظ احمد سلمہ ولادت ٤؍صفر ١٤٠٣ھ مطابق ٢١؍نومبر ١٩٨٢ء دارالعلوم دیوبند میں عربی سوم کے طالب علم ہیں۔

(١٢) حافظہ فاطمہ سلمہا (تاریخ ولادت نہیں ملی) اپنے والد ماجد سے فارسی اور عربی پڑھ رہی ہیں

(١٣) حافظ عبد اللہ سلمہ (تاریخ ولادت نہیں ملی) اپنے والد ماجد سے فارسی اور عربی پڑھ رہے ہیں

(١٤) حافظ عبید اللہ سلمہ ولادت ٩؍صفر ١٤٠٩ھ مطابق ٢٢؍ستمبر ١٩٨٨ء اس وقت حفظ کر رہے ہیں۔

مولانا نے اور بھاوج صاحبہ نے اپنے بچوں کی کس طرح پرورش اور تربیت فرمائی ہے اس کی تفصیل طویل ہے، ان اوراق میں اس کی گنجائش نہیں، مختصر یہ کہ موصوف کو قرآن کریم سے اس قدر لگاؤ ہے کہ فارغ ہونے کے بعد پہلے خود قرآن کریم حفظ کیا، راقم الحروف کو کرایا، پھر اہلیہ محترمہ کو حافظہ بنایا۔ اور ان ہی کی بدولت اپنے تمام صاحب زادوں اور صاحب زادیوں کو حافظ قرآن بنایا، اور اب بھاوج صاحبہ مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کے صاحب زادوں اور اپنے صاحب زادوں کی دلہنوں کو حافظ قرآن بنا رہی ہیں۔ دو دلہنیں حفظ کر چکی ہیں اور دو کر رہی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں اور کاموں میں برکت فرمائیں (آمین)

حادثۂ فاجعہ

موصوف کے سب سے بڑے صاحب زادے حافظ مولوی مفتی رشید احمد رحمہ اللہ، جن کا نکاح ذی الحجہ ١٤١١ھ میں حضرت مولانا مفتی محمد آدم صاحب بھیلونی زید مجدہم کی سب سے بڑی صاحب زادی سے ہوا تھا، نکاح کے بعد دو صاحب زادے پیدا ہو چکے تھے (١) عزیزم مسیح اللہ سلمہ (٢) عزیزم سمیع اللہ سلمہ، مرحوم کی اہلیہ اپنے میکہ میں تھیں، والد محترم حضرت مولانا سعید احمد صاحب لندن میں تھے کہ ٤؍شوال ١٤١٥ھ کو کسی ضرورت سے مفتی رشید احمد عصر کے بعد مظفر نگر گئے، لوٹنے میں دیر ہو گئی، دیوبند آنے والی آخری بس نہ مل سکی، دیوبند آنے والی سڑک پر کھڑے تھے کہ ایک ٹرک آیا جو دیوبند آرہا تھا، اور اس میں تیزاب کے ڈرم بھرے ہوئے تھے مرحوم کے ساتھ دیوبند آنے والے تیس چالیس آدمی اور تھے، سب نے ٹرک ڈرائیور کو اشارہ کیا، ڈرائیور نے ٹرک

روک کر دیوبند کی تمام سواریاں لے لیں، چونکہ ٹرک میں تیزاب کے ڈرم بھرے ہوئے تھے، اس لئے تمام لوگ ایک طرف کھڑے ہوگئے، ٹرک روانہ ہوا، مگر تمام سواریوں کے ایک طرف کھڑے ہونے کی وجہ سے ٹرک کا توازن صحیح نہیں رہا، تھوڑی دور جاکر ٹرک ایک طرف جھک گیا، جھکتے ہی تمام سواریاں نیچے گر پڑیں، اور تیزاب کے ڈرم ان کے اوپر گرے، گرتے ہی ان کی ڈاٹیں کھل گئیں، اور تمام سواریاں تیزاب سے تربتر ہوگئیں، مظفر نگر کا سرکاری اسپتال چونکہ جائے حادثہ سے بہت قریب تھا، اس لئے تمام زخمیوں کو فوری طور پر اسپتال پہنچایا گیا، اکثر زخمی اسپتال میں پہنچتے ہی مر گئے، مرحوم مفتی رشید احمد صاحب بھی بری طرح زخمی تھے، پھر بھی گھر کا فون نمبر بتایا، رات گیارہ بجے کے قریب فون آیا کہ مولوی رشید احمد صاحب کی حالت نازک ہے، فوراً مظفرنگر سرکاری اسپتال پہنچیں، گھر والوں نے فوراً احقر کو بلایا، اور صورت حال سے آگاہ کیا، احقر فوراً عزیزم حافظ سعید احمد سلمہ، اور حافظ امیر عالم صاحب اور بھائی غیوب کے ہمراہ ٹیکسی کے ذریعہ رات بارہ بجے مظفر نگر پہنچا، تو دیکھا کہ مفتی رشید احمد صاحب کی زبان بند ہوچکی ہے، ڈاکٹر پاس کھڑا ہے، اور دو آدمی مرحوم کو تھامے ہوئے ہیں، ہمیں دیکھتے ہی وہ آدمی اپنے مریضوں کے پاس چلے گئے۔ پورا ہال زخمیوں سے بھرا پڑا تھا، اور تمام زخمی تڑپ رہے تھے، ایک طالب علم بری طرح چلا رہا تھا، اور اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا، قیامت کا منظر بپا تھا، زخمیوں کے مرنے پر ہر طرف آہ و بکا اور گریہ وزاری کا عالم تھا، ہم نے مرحوم کو بلانے کی بہت کوشش کی، مگر مرحوم نے کوئی جواب نہیں دیا، ڈاکٹر نے ہمیں دوائیوں کا ایک پرچہ دیا اور کہا کہ یہ دوائیں جلدی سے لے آؤ، عزیزم سعید احمد اور بھائی غیوب دونوں مرحوم کے پاس رہے، احقر اور حافظ امیر عالم صاحب دونوں بازار دوائیاں لینے کے لئے گئے، لیکن رات آدھی ہوچکی تھی، تمام میڈیکل اسٹور بند ہوچکے تھے، بڑی مشکل سے ایک میڈیکل اسٹور کھلوایا، اور دوائیاں لے کر اسپتال پہنچے تو دیکھا کہ بھائی غیوب اور عزیزم سعید احمد سلمہ دونوں باہر کھڑے ہیں، ہمیں دیکھتے ہی دونوں آب دیدہ ہوکر کہنے لگے کہ: مرحوم اللہ کی رحمت میں چلے گئے، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

احقر نے عزیزم سعید احمد سلمہ اور حافظ امیر عالم صاحب کو گھر بھیجا، تاکہ گھر والوں کو سانحہ ارتحال کی اطلاع کریں اور ان کو سنبھالیں، احقر اور بھائی غیوب دونوں رات بھر ہسپتال میں رہے، صبح گیارہ بجے پوسٹ مارٹم کے بعد جنازہ کو لے کر دیوبند پہنچے، فوراً غسل دیا گیا، اور ظہر کے بعد

احاطہ مولسری میں نماز جنازہ پڑھ کر دار العلوم کے قبرستان میں حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندی کے آغوش میں دفن کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی قبر کو نور سے بھر دیں، ان پر رحمتوں کی بارشیں برسائیں، والدین کو صبر جمیل عطا فرمائیں، اور ان کے دونوں بچوں کو ان کے حسنات وکمالات کا جانشین بنائیں، آمین یارب العالمین!

اس سانحۂ ارتحال پر دار العلوم دیوبند کی مجلس عاملہ نے جو تجویز تعزیت منظور کی وہ مندرجہ ذیل ہے:

باسمہ تعالیٰ

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج بخیر وعافیت ہوں گے، دار العلوم دیوبند کی مجلس عاملہ منعقدہ ۲۳ر ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ نے اپنے اجلاس میں مولانا رشید احمد پالن پوری رحمہ اللہ کے سانحۂ ارتحال پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار فرماتے ہوئے دعائے مغفرت کی، اور تجویز تعزیت منظور کی، جس کی کاپی ہم رشتۂ عریضہ ارسال ہے ـــــ مجلس کی طرف سے جملہ پسماندگان اور اہل خاندان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش فرمادیں، شکر گذار ہوں گا۔ والسلام

(مولانا) مرغوب الرحمٰن عفی عنہ

مہتمم دار العلوم دیوبند، ۵را ر۱۴۱۶ھ

تجویز تعزیت:

جناب مولانا رشید احمد صاحب پالن پوری مرحوم پسر حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم

مجلس عاملہ کا یہ اجلاس جواں سال فاضل دار العلوم دیوبند مولانا رشید احمد پالن پوری مرحوم کے جانگداز سانحۂ وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔ اور بارگاہ خداوندی میں مرحوم کی مغفرت اور ترقیٔ درجات کے لئے دعا گو ہے۔

مولانا رشید احمد پالن پوری مرحوم نے اپنے والد محترم حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم کی تربیت میں علوم دینیہ کی تکمیل کی، اور صرف چھ سال پہلے ۱۴۱۰ھ میں وہ

دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے تھے پھر ایک سال انھوں نے دار الافتاء میں صرف کیا، اسی دوران مرحوم نے بعض درسی کتابوں کی شرح لکھی، جن میں سے کچھ طبع بھی ہوئیں، طبیعت میں علم دوستی، صالحیت اور سلامتی کے جوہر نمایاں تھے، اور امید کی جاتی تھی کہ والد محترم کی زیر تربیت روشنی حاصل کرنے والا یہ جوان مستقبل میں ایک درخشندہ ستارہ بن کر چمکے گا، مگر قضاء وقدر کے فیصلوں میں لب کشائی کی گنجائش نہیں، افسوس کہ مظفر نگر سے دیوبند آتے ہوئے مرحوم ایک جانگداز حادثہ میں جان بحق ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مجلس عاملہ مولانا رشید احمد مرحوم کے حادثہ وفات پر گہرے دلی رنج وغم کا اظہار کرتی ہے۔ اور مرحوم کے اہل خاندان، خصوصا ان کے والد محترم حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتی ہے، اور دعا گو ہے کہ پروردگار عالم مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے، اور تمام اہل خاندان کو صبر جمیل عطا فرما کر اجر جزیل کا مستحق بنائیں۔ آمین۔

مرغوب الرحمٰن عفی عنہ

ایک اہم وصیت جس کا تذکرہ فائدہ سے خالی نہیں

لڑکوں کی موجودگی میں پوتوں کا میراث سے محروم ہونا فرائض کا ایک معروف مسئلہ ہے، اور یہ فرائض کے معروف ضابطہ الأقرب فالأقرب پر متفرع ہے۔ اسی ضابطہ سے باپ کی موجودگی میں دادا محروم رہتا ہے، بھائی کی موجودگی میں دوسرے بھائی کی اولاد محروم رہتی ہے، مگر پوتوں کے مسئلہ کو لے کر بہت سے لوگ اسلامی تعلیمات پر لب کشائی کرتے ہیں کہ یہ کیسا انصاف ہے کہ لڑکے تو میراث پائیں اور پوتے پوتیاں، جو عام طور پر کمزور اور بے سہارا رہ جاتے ہیں، محروم ہو جائیں؟ یہ اعتراض درحقیقت مسلمانوں کے غلط طرز عمل سے پیدا ہوا ہے۔ اسلامی تعلیمات تو ہر طرح کامل ومکمل ہیں، مگر مسلمان ان پر صحیح طریقہ سے عمل نہ کریں تو اس کا کیا علاج؟ اسلام نے تہائی ترکہ میں میت کا وصیت کا حق تسلیم کیا ہے تا کہ وہ ایسی ناگہانی ضروریات میں اس حق کو استعمال کرے، دادا کو چاہئے کہ وہ پہلی فرصت میں پوتوں پوتیوں کے لئے تہائی میں سے وصیت کرے، اور بوقت حاجت ان کے لئے بیٹوں کے حصہ سے زیادہ بھی وصیت کرسکتا ہے۔ اب اگر دادا امروز وفردا کرتا رہے یا مال کی محبت میں وصیت کی ہمت نہ کرے اور اچانک چل بسے اور پوتے پوتیاں محروم رہ جائیں تو یہ اسلامی تعلیمات کا قصور نہیں بلکہ دادا کی کوتاہی اس کا باعث ہے۔ اور شریعت

نے پوتے پوتیوں کا حق اس لئے متعین نہیں کیا کہ دادا اپنے لڑکوں سے زیادہ اگر ضرورت متقاضی ہو تو دے سکے، مسئلہ کی اس ضروری وضاحت کے بعد اب میں حضرت والا کے اس مختصر تعارف کو ان کی ایک وصیت پر ختم کرتا ہوں تاکہ جو لوگ آپ جیسے حالات سے دوچار ہوں وہ موصوف کی طرح اپنے پوتوں پوتیوں کے لئے بروقت وصیت کردیں، لیت ولعل نہ کریں، زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، خدانخواستہ اچانک چل دے اور وصیت نہ کی تو ان بچوں کی پریشانی کے علاوہ دادا کا یہ عمل اسلامی تعلیمات پر اعتراض کا باعث بن جائے گا۔

جب مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کی اچانک شہادت کا قصہ پیش آیا اور وطن سے تمام بھائی بہن اور اعزاء تعزیت کے لئے دیوبند آئے تو بھائی صاحب نے اپنے بیٹوں اور بھائیوں اور بہنوں کے سامنے مرحوم کے بچوں کے لئے یہ وصیت کی کہ:

"جب تک میں زندہ ہوں مرحوم کے دونوں بچوں کی اپنے بچوں کی طرح پرورش کرتا رہوں گا، میری وفات کے بعد میرے ترکہ میں سے مرحوم کے ہر بچہ کو ایک ایک لڑکے کے برابر حصہ ملے گا، کیونکہ دو لڑکوں کی میراث بھی تہائی سے کم رہے گی اور مجھے تہائی میں وصیت کا حق ہے، سب اہل خاندان اس کے گواہ رہیں (مرحوم کی اہلیہ کی دوسری جگہ شادی ہوگئی ہے)

اس وصیت کے بعد موصوف کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا کہ: اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میرا ایک بچہ لے لیا، اور اس کے بدل میں دو بچے عنایت فرمائے، اب میرے بارہ لڑکے ہوگئے (یہ حضرت مولانا کا ایک اشارہ ہے جس کی تفصیل طویل ہے۔ مولانا پندرہ سال سے برابر اپنی اہلیہ صاحبہ سے یہ بات فرماتے رہتے تھے کہ میری قسمت میں لڑکے بارہ ہیں۔ یہ بات اس طرح پوری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے گیارہ میں سے ایک لے لیا اور اس کے دو دیدیئے تو بارہ کی تعداد مکمل ہوگئی) —— اللہ ان کی عمریں دراز فرمائیں، اور سب کو موصوف کی خوبیوں اور نیکیوں کا وارث بنائیں! آمین یارب العالمین!

محمد امین بن یوسف پالن پوری غفرلہ ولوالدیہ

خادم حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند (یو، پی)

۶ر شعبان ۱۴۲۰ھ ۱۵ر نومبر ۱۹۹۹ء بروز پیر

علم تفسیر اور اصول تفسیر کا تعارف

"تفسیر" کے لغوی معنی ہیں: واضح کرنا، کھولنا۔ اس علم میں چونکہ قرآن کریم کے معانی اور مطالب کھول کر بیان کئے جاتے ہیں، اس لئے اس کو "علم تفسیر" کہتے ہیں، قدیم زمانہ میں "تفسیر" کا اطلاق قرآن کریم کے معانی اور مطالب کی توضیح و تشریح پر ہی ہوتا تھا، اسی لئے علامہ زرکشی نے "علم تفسیر" کی یہ تعریف کی ہے:

هو علمٌ يُعْرَفُ بِهٖ فَهْمُ كتابِ الله المُنَزَّلِ عَلٰى نَبِيِّهٖ صلى الله عليه وسلم، وبيانُ معانيه واستخراجُ اَحْكامِهٖ وحِكَمِهٖ (البرهان ج ۱ ص ۱۳)

تفسیر وہ علم ہے جس سے قرآن کریم کا مفہوم، اس کے معانی کی تفصیل اور اس کے احکام اور حکمتوں کی تخریج کی جاسکتی ہے۔

لیکن جب اس نے ایک مدون علم کی صورت اختیار کرلی، اور مختلف پہلوؤں سے اس کی خدمت کی گئی، تو یہ نہایت وسیع اور پہلودار علم بن گیا، اور زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اس میں تفصیلات کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اب "علم تفسیر" جن تفصیلات کو شامل ہے، اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے۔

هوعلمٌ يُبْحَثُ فيه عن كيفيةِ النُطْقِ بألفاظِ القرآنِ، ومدلولاتِها، وأحكامِهَا الإفْرَادِيَّةِ والتركِيبِيَّةِ، ومعانيها التى تُحْمَلُ عليها حالةَ التركيب، وتَتِمَّاتِ لذلك (روح المعانی ج ۱ ص ۴)

تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقوں اور ان کے معانی، اور ان کے انفرادی اور ترکیبی احکام، اور ان معانی سے جن پر الفاظ ترکیب کی حالت میں دلالت کرتے ہیں، اور اس (علم) کے تتموں سے بحث کی جاتی ہے۔

اس تعریف کے پیش نظر "علم تفسیر" میں جن امور سے بحث کی جاتی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے: یعنی الفاظ قرآن کو جتنے طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے، ان کی تفسیر میں وضاحت کی جاتی ہے، اسی لئے بعض مفسرین اپنی تفسیروں میں ہر آیت کے ساتھ اس کی منقول قرأتیں بیان کرتے ہیں، اور اس میں "علم القراءت" سے مدد لیتے ہیں۔

(۲) الفاظ قرآن کے معانی: یعنی الفاظ قرآن کے لغوی معنی بھی تفسیر میں بیان کئے جاتے ہیں، اسی بناء پر تفسیر کی کتابوں میں علمائے لغت کے حوالے اور عربی ادب کے شواہد بکثرت ملتے ہیں، اس کے لئے "علم لغت" سے پوری طرح واقف ہونا ضروری ہے۔

(۳) الفاظ قرآن کے انفرادی احکام: یعنی ہر مشکل اور غریب لفظ کے بارے میں یہ بتانا کہ اس کا مادہ کیا ہے؟ یہ موجودہ صورت میں کس طرح آیا ہے؟ اس کا وزن اور باب کیا ہے؟ اور اس باب اور وزن کے معانی اور خواص کیا ہیں؟ ان باتوں کے لئے "علم صرف" کی ضرورت پڑتی ہے۔

(۴) الفاظ قرآن کے ترکیبی احکام: یعنی ہر لفظ کے بارے میں یہ بتانا کہ وہ دوسرے الفاظ کے ساتھ مل کر کیا معنی دے رہا ہے؟ اس کی نحوی ترکیب کیا ہے؟ اس پر موجودہ حرکات کیوں آئی ہیں؟ اور کن معانی پر دلالت کر رہی ہیں؟ اس کام کے لئے "علم نحو" اور "علم معانی" سے مدد لی جاتی ہے۔

(۵) الفاظ قرآن کے ترکیبی معانی: یعنی تفسیر میں سب سے زیادہ توجہ اس پر دی جاتی ہے کہ ترکیب کی حالت میں الفاظ کس معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور پوری آیت اپنے سیاق وسباق میں کیا معنی دے رہی ہے؟ تفسیر کا یہ بنیادی مقصد ہے، اور اس کے لئے مختلف علوم سے مدد لی جاتی ہے، مذکورہ علوم کے علاوہ کبھی "علم بیان" سے کام لیا جاتا ہے، کبھی "علم حدیث" اور کبھی "علم اصول فقہ" سے مدد لی جاتی ہے۔

(۶) علم تفسیر کے تتمات: یعنی تفسیر میں ناسخ ومنسوخ، اسباب نزول اور قرآن کریم کی تعریضات وغیرہ کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اس غرض کے لئے زیادہ تر "علم حدیث" اور "علم السیر" سے کام لیا جاتا ہے ـــــ اس کے علاوہ تفسیر کا میدان اتنا وسیع وعریض ہے کہ اس میں دنیا کے ہر علم وفن کی معلومات کھپ سکتی ہیں، اور تفسیر کے اس آخری جز میں عقل وتدبر، تجربات ومشاہدات کے ذریعہ انتہائی متنوع مضامین شامل ہو جاتے ہیں (ماخوذ از "علوم القرآن" مصنفہ حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی زید مجدہم)

الحاصل "علم تفسیر" وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقوں ——— ان کے معانی ——— ان کے انفرادی اور ترکیبی احوال ——— کلام خداوندی کی مراد ——— اور اس کے تتموں سے بحث کی جاتی ہے۔

اور علم تفسیر کا موضوع: نظم قرآن کریم ہے، مگر مطلقاً نہیں، بلکہ مراد خداوندی پر دلالت کرنے کے اعتبار سے ——— اور اس کی غرض: مراد خداوندی کو واضح کرنا، اور قرآن کریم کا صحیح فہم حاصل کرنا ہے ——— اور اس کی غایت: صراط مستقیم پر گامزن رہنا، اور سعادت دارین حاصل کرنا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم کا صحیح فہم عطا فرمائیں! اور صراط مستقیم کی ہدایت اور دارین کی سعادت نصیب فرمائیں! آمین! یا رب العالمین!

اصول تفسیر کا تعارف: اصول؛ اصل کی جمع ہے، اور "اصل" کے لغوی معنی ہیں: جڑ، بنیاد، اور عرفی معنی ہیں: قانون اور قاعدہ، اور "اصول تفسیر" کے اصطلاحی معنی ہیں: وہ قوانین و قواعد جن پر علم تفسیر کی بنیاد ہے، لہٰذا "علم اصول تفسیر" کی تعریف اس طرح ہوگی۔

علم اصول تفسیر: وہ علم ہے جس میں قرآن کریم کی تفسیر کے قوانین و ضوابط، اور مفسرین کی تفسیروں کے بارے میں مفید نکات بیان کئے جاتے ہیں ——— اور اس کا موضوع وہی ہے جو علم تفسیر کا ہے۔ یعنی نَظْمُ القرآن الکریم مِنْ حیثُ دلالته علیٰ مراد اللّٰه تعالیٰ ——— اور اس کی غرض: تفسیر کے اصول و آداب سے باخبر ہونا ہے ——— اور اس کی غایت: قرآن کریم کا صحیح فہم حاصل کر کے اس پر عمل کرنا، اور دارین کی سعادت حاصل کرنا ہے۔
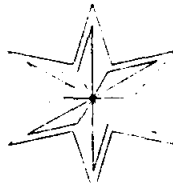
بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقَدِّمَةُ الكِتَابِ

آلاءُ اللّٰه تعالى على هذا العبدِ الضعيفِ لاتُعَدُّ ولاتُحصىٰ؛ وأجَلُّها: التوفيقُ لِفَهْمِ القرآنِ العظيمِ. ومِنَنُ صاحبِ النبوةِ والرسالةِ —— عليه الصلاةُ والسلامُ —— على أحقرِ الأُمَّةِ كثيرةٌ؛ وأعْظَمُها: تبليغُه صلى اللّٰه عليه وسلم الفُرْقانَ الكريمَ؛ لقَّن النبيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم القرآنَ الجِيْلَ الأولَ وهم ابْلَغُوْهُ لِلْجِيْلِ الثاني وهلُمَّ جرًّا، حتى بَلَغَ هذا الضعيفَ أيضًا حظٌّ من رِوايتِه ودِرايتِه.

اللهم صلِّ على هذا النبِيِّ الكريمِ:سيِّدِنا ومولانا وشفيعِنا، أفضلَ صَلَوَاتِكَ، وأيْمَنَ بركاتِكَ وعلى آلِهِ وأصحابِهِ، وعلماءِ أمتِهِ أجمعين، برحمتِكَ يا أرحمَ الراحمين.

دیباچہ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس ناتواں بندے پر بے شمار اور اَنگنت ہیں؛ اور ان (نعمتوں) میں سب سے بڑی نعمت قرآن عظیم سمجھنے کی توفیق ہے، اور صاحب نبوت ورسالت ﷺ کے احسانات کمترین امت پر بہت ہیں؛ اور ان میں سب سے بڑا احسان قرآن کریم کو امت تک پہنچانا ہے، نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بالمشافہ تلقین کیا؛ اور انھوں نے اس کو تابعین عظام تک پہنچایا؛ اس طرح (سلسلہ) چلتا رہا یہاں تک کہ اس ناتواں کو بھی قرآن کریم کے الفاظ ومعانی میں سے وافر حصہ ملا۔

اے اللہ! اس کریم نبی پر ——— جو ہمارے سردار، آقا اور سفارش کرنے والے ہیں ——— اپنی رحمتوں میں سے بہترین رحمت؛ اور اپنی برکتوں میں سے عمدہ ترین برکت نازل فرما؛ اور آپؐ کی تمام آلِ اطہار، صحابہ کرام اور علمائے امت پر بھی؛ اپنے فضل و کرم سے؛ اے مہربانوں میں سب سے زیادہ مہربان!!

لغات:

آلاءٌ: نعمتیں؛ سورۂ رحمٰن میں یہ لفظ بار بار آیا ہے ﴿فَبِاَیِّ آلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ﴾ اس کا واحد تین اوزان پر آتا ہے (۱) اَلْاَلٰی بروزن اَلْهَوٰی (۲) اَلْاِلٰی بروزن اَلْعِدٰی (۳) اَلْاِلْیُ بروزن اَلْحِبْرُ وَالْقِدْرُ .... لاتُعَدُّ: مضارع مجہول سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے؛ عَدَّ (ن) عَدًّا و تَعْدَادًا الشیئَ: شمار کرنا، گننا .... لاتُحْصٰی بھی مضارع مجہول سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے؛ اَحْصَی الشیئَ اِحْصَاءً (باب افعال) شمار کرنا، احاطہ کرنا .... اَجَلُّ (اسم تفضیل) سب سے بڑا، جَلَّ (ن) جَلَالَۃً: بڑے مرتبہ والا ہونا .... التَوْفِیْقُ باب تفعیل کا مصدر ہے، وَفَّقَهُ اللّٰهُ کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کا بندے کی خواہش کے موافق خیر کے اسباب بہم پہنچانا .... مِنَنٌ، مِنَّۃٌ کی جمع ہے: احسان .... لَقَّنَهُ الکلامَ: بالمشافہ سمجھانا ...... الجِیْلُ: لوگوں کا ایک گروہ، ایک زمانہ کے لوگ ج اَجْیَال و جِیْلان؛ یہاں الجِیْل الاول سے صحابۂ کرام ﷺ اور الجِیْل الثانی سے تابعین عظام مراد ہیں .... رِوَایَۃٌ (ض) نقل کرنا، بیان کرنا .... دِرَایَۃٌ (ض) جاننا؛ یہاں ''روایت'' سے نظم قرآنی اور ''درایت'' سے فہم معانی مراد ہے .... حَظٌّ: حصہ، جمع حُظُوْظٌ؛ حَظٌّ میں تنوین تکثیر کے لئے ہے .... اَیْمَنُ (اسم تفضیل) بڑا بابرکت، بڑا مبارک، یَمَنَ (ف، س) یُمْنًا لقومه وعلی قومه: بابرکت ہونا۔ بِرَحْمَتِكَ، صَلِّ سے متعلق ہے۔

هَلُمَّ جَرًّا کی تحقیق: هَلُمَّ اسم فعل ہے بمعنی اِئْتِ (آ) اور اتیان سے اتیان حسی یعنی مشی بالاقدام مراد نہیں ہے بلکہ مداومت اور استمرار علی الشیئ مراد ہے، جیسے اِمْشِ علی هذا الامر میں اِمْشِ سے مشی بالاقدام مراد نہیں ہے، بلکہ دوام اور استمرار علی الامر مراد ہے ——— نیز اس جملہ سے جو بظاہر معنی طلبی مفہوم ہوتے ہیں وہ بھی مراد نہیں ہیں، بلکہ معنی خبری مراد ہیں، لہٰذا اس جملہ کا عطف جملہ خبریہ پر کرنا جائز ہے۔

اور جَرًّا مصدر ہے جَرَّ یَجُرُّ (کھینچنا) کا، یقال جَرَّهٗ اذا جَذَبَهٗ وَسَحَبَهٗ، اور جر سے بھی جَرٌّ حسی مراد نہیں ہے، بلکہ مداومت اور استمرار کے معنی میں مستعمل ہے، اور یہ هَلُمَّ کا مفعول مطلق ہے، من غیر لفظه جیسے قعدتُ جلوسًا، پس اس جملہ کے معنی ہیں: اِسْتَمِرَّ اسْتِمْرَارًا: چلتا رہا۔

☆ ☆ ☆

الفوز الکبیر کی افادیت

"الفوز الکبیر" قرآن فہمی کے اصول و قواعد پر نہایت مختصر مگر بہت مفید اور اہم کتاب ہے، جس میں قرآن کریم کی تفسیر کے تمام بنیادی اصول و قواعد نہایت ربط و ضبط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اگر کوئی طالب علم اچھی طرح ان اصول و قواعد کو یاد کرلے تو قرآن کریم کے سمجھنے کی ایسی صلاحیت اور استعداد پیدا ہوسکتی ہے جو عمر بھر کتب تفسیر کا مطالعہ کرنے اور پوری زندگی مفسرین کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے کے بعد بھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ آزادی کے علمبردار حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"ہم نے امام فخر الدین رازی (محمد بن عمر متوفی ۶۰۶ھ) کی تفسیر پڑھی، نیز جار اللہ زمخشری (محمود بن عمر متوفی ۵۳۸ھ) کی تفسیر کا مطالعہ کیا، ان کے علاوہ معالم التنزیل (از ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی متوفی ۵۱۰ھ) اور تفسیر حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر المعروف بہ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) بھی پڑھی، ان سے ہمیں اپنی استطاعت کے مطابق سوائے تحیر کے کچھ نصیب نہیں ہوا۔ اگر طالب علمی کے عہد میں ہم نے نجم الائمہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ (متوفی ۱۳۳۹ھ) سے چند آیتوں کی تفسیر نہ سنی ہوتی جو کتابوں میں نہیں ملتی، اور ہمارے لئے وہ اطمینان کا ذریعہ بن سکی، اور اس کے ساتھ ہی شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) کے بعض تفسیری جملے ہم نے نہ پڑھے ہوتے تو ہم علم تفسیر کے حاصل کرنے سے قطعاً مایوس ہوجاتے، ہم مانتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں نے انہی کتابوں سے قرآن سمجھا تھا، جب وہ قرآن کی حکومت مجتہدانہ اصول پر قائم کررہے تھے، مگر اس قسم کی تفسیروں سے قرآن فہمی ہمارے لئے ناممکن ہے۔

ہم نے مولانا شیخ الہند قدس سرہ سے "اصول تفسیر" پر کتابیں مانگیں، آپ نے کتاب

الاتقان فی علوم القرآن (از حافظ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ) ہمیں مرحمت فرمائی، میں نے پوری کوشش سے ساری کتاب بارہا پڑھی، سوائے چند اوراق کے مجھے اس میں کوئی چیز دلچسپ نظر نہ آئی؛ جسے اصول کا درجہ دیا جاسکے، یہ زمانہ ایسا تھا کہ میں اصول فقہ سے فارغ ہو کر اس میں ایک مستقل تصنیف لکھ چکا تھا، اُسی زمانہ میں حضرت مولانا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک مختصر سا رسالہ اصول تفسیر میں شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی لکھا ہے، جس کا نام "الفوز الکبیر" ہے۔

جب میں سندھ پہنچا تو مجھے "الفوز الکبیر" کا نسخہ ملا، اس سے پیشتر میں امام رازی کی تفسیر کا مطالعہ کر کے کافی پریشان ہو چکا تھا، فصل اول کا مطالعہ ختم کر لینے کے بعد میں مطمئن ہو گیا کہ ان شاء اللہ علم تفسیر مجھے آسکتا ہے، پھر اس دن سے آج تک میں ان کے مسلک سے باہر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کر سکا۔ (ماہنامہ الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۲۴۷-۲۴۸ جلد ۷ بابت ماہ رمضان، شوال، ذیقعدہ وذی الحجہ ۱۳۵۹ھ)

أما بعدُ: فيقولُ الفقيرُ وَلِيُّ اللهِ بْنِ عبدِ الرحيمِ ـــــ عاملَهما اللّٰهُ تعالى بلُطْفِهِ العظيمِ ـــــ: لَمَّا فتح اللّٰهُ تعالى عليَّ بابا من فَهْمِ كتابِهِ المجيدِ، خَطَرَ بِبَالِي ان أَجْمَعَ وأُقَيِّدَ بعضَ النكاتِ النافعةِ التي تَنْفَعُ الأصحابَ في رسالةٍ مختصرةٍ؛ والمرجُوُّ من لُطفِ اللهِ ـــــ الذي لاانتهاءَ لَهُ ـــــ أن يَفْتَحَ لِطَلَبَةِ العلمِ ـــــ بِمُجَرَّدِ فَهْمِ هذه القواعدِ ـــــ شارعاً واسعًا في فَهْمِ معاني كتابِ الله، بِحَيْثُ لوصَرَفُوْا عُمُرَهم في مُطالَعةِ التفاسيرِ، والقِراءةِ على المفسرين ـــــ على أَنَّهُمْ أقلُّ قليلٍ في هذا الزمانِ ـــــ لم تَتَحَصَّلْ لهم هذه الفوائدُ بهذا الضَّبطِ والرَّبْطِ. وسمَّيْتُها بـ ﴿الفوزِ الكبيرِ في أصولِ التفسيرِ﴾ وما توفيقي إلا باللهِ، عليه توكلتُ، وهوحَسْبِي،ونِعْمَ الوكِيْلُ.

ترجمہ: حمد وصلوٰۃ کے بعد فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم ـــــ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ اپنی عظیم مہربانی کا معاملہ فرمائیں ـــــ کہتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنی بزرگ کتاب کے سمجھنے

کا دروازہ کھولا، تو میرے دل میں خیال آیا کہ بعض مفید نکات جو ساتھیوں کو کار آمد ہو سکتے ہیں؛ ایک مختصر رسالہ میں جمع کروں اور لکھ دوں، اور اللہ تعالیٰ کی نوازش سے —— جس کی کوئی انتہا نہیں —— امید ہے کہ طالب علموں کے لئے صرف ان قواعد کے سمجھ لینے سے ایسی کشادہ شاہراہ کتاب اللہ کے مطالب سمجھنے میں کھل جائے گی؛ کہ اگر وہ اپنی عمریں کتب تفسیر کا مطالعہ کرنے میں اور مفسرین سے پڑھنے میں صرف کریں —— اگرچہ ایسے حضرات اس زمانہ میں بہت ہی کم ہیں —— تب بھی ان کو یہ نفع بخش باتیں اس ربط وضبط کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتیں، اور میں نے اس رسالہ کا نام الفوز الکبیر فی اصول التفسیر رکھا، اور میری (تصنیف کی) درستگی اللہ ہی (کی مدد) سے ہے، اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں، وہ میرے لئے کافی ہیں، اور اچھے کارساز ہیں۔

لغات:

نِکات، نُکْتَۃٌ کی جمع ہے: مشکل مسئلہ جو دقتِ نظر سے حاصل ہو...... اَلْمَرْجُوُّ (اسم مفعول): وہ چیز جس کی امید کی جائے، رَجَا الشیئَ (ن) رَجَاءً وَرَجْوًا: امید کرنا...... شَارِعٌ: شاہراہ جمع شَوَارِعُ...... الحَسْبُ (مصدر): کافی ہونا؛ کہا جاتا ہے: حَسْبُكَ دِرْهَمٌ اور بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ: تمہارے لئے ایک درہم کافی ہے...... اَلْوَكِيْلُ: کارساز جمع وُكَلَاءَ

☆ ☆ ☆

الفوز الکبیر کے ابواب

"الفوز الکبیر" کو شاہ صاحب نے پانچ ابواب پر مرتب فرمایا ہے؛ مگر پانچویں باب کو مستقل رسالہ کی حیثیت دے کر اس کا نام "فتح الخبیر" رکھا ہے، خود شاہ صاحب نے اس کتاب کے دوسرے باب کی پہلی فصل کے بالکل آخر میں اس کی وضاحت فرمائی ہے، اور پانچویں باب کے شروع میں ارقام فرمایا ہے کہ: اس باب کو علحدہ خطبہ سے اس لئے شروع کیا گیا ہے کہ مستقل رسالہ ہو جائے، اگر کوئی چاہے تو اس کو الفوز الکبیر سے جدا کرے، نیز شروع کے چار ابواب شاہ صاحب نے فارسی زبان میں ارقام فرمائے ہیں؛ اور پانچواں باب عربی میں تحریر فرمایا ہے؛ اور اس میں شرح غریب اور شان نزول کے تعلق سے تفسیری روایات کو جمع کیا ہے، یہ تفسیری روایات چونکہ دورۂ حدیث میں طلبہ پڑھتے ہیں اس لئے پانچواں باب الفوز الکبیر کے ساتھ درس میں

شامل نہیں کیا گیا ـــــــ پہلے پانچوں ابواب ایک ساتھ شائع کئے جاتے تھے، مگر پانچواں باب چونکہ داخل درس نہیں ہے اس لئے اب ناشرین نے پانچویں باب کی طباعت موقوف کردی ہے، اور چوتھے باب کی آخری پانچویں فصل جس میں حروف مقطعات کے معانی بیان کئے گئے ہیں وہ بھی درس میں داخل نہیں ہے اس لئے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے اس کی جو تعریب، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہ نے کی ہے اس کو کتاب میں شامل نہیں کیا ہے، البتہ موصوف نے اپنی شرح العون الکبیر (عربی) میں اس کو شامل کیا ہے تاکہ ذی علم حضرات اس سے استفادہ کرسکیں۔

ومقاصِدُ هذه الرِسالةِ منحصِرةٌ في خمسةِ أبوابٍ:

البابُ الأول: في بيان العلومِ الخمسةِ، التي يدلُّ عليها القرآنُ العظيمُ نصًا وكادَ نزولَ القرآن بالإصالةِ كانَ لهذا الغرضِ.

البابُ الثاني: في بيانِ وُجوهِ الخَفَاءِ في معاني نظمِ القرآن ،بالنسبة إلى أهلِ هذا العصرِ، وإزالةِ ذلك الخفاءِ بأوضحِ بيانٍ.

البابُ الثالث: في بيان لطائفِ نظمِ القرآن ،وشرحِ أسلوبِهِ البديعِ، بقدر الطاقةِ والإمكانِ.

البابُ الرابع: في بيان مَناهجِ التفسير، وتوضيحِ الاختلافِ الواقعِ في تفاسيرِ الصحابةِ والتابعين.

البابُ الخامس: في ذكر جُمْلةٍ صالحةٍ من شرحِ غَرِيْبِ القرآنِ، وأسبابِ النزولِ التي يجب حفظُها على المُفَسِّرِ، ويَمْتَنِعُ ويَحْرُمُ الخَوْضُ في كتابِ اللّٰهِ بِدُوْنِهَا

ترجمہ: اس رسالہ کے مقاصد پانچ بابوں میں منحصر ہیں:

پہلا باب: ان پانچ علوم کے بیان میں ہے جن پر قرآن عظیم صراحۃً دلالت کرتا ہے؛ گویا قرآن کریم کا نزول دراصل اسی مقصد کے لئے ہوا ہے۔

دوسرا باب: اپنے زمانہ کے لوگوں کی طرف نظر کرتے ہوئے نظم قرآن کے مطالب (سمجھنے) میں جو دشواری پیش آتی ہے اس کی وجوہات کے بیان میں ہے؛ اور اس دشواری کو نہایت وضاحت کے ساتھ حل کرنے کے بیان میں ہے۔

تیسرا باب: نظم قرآن کے لطائف کے بیان میں ہے؛ اور اس کے انوکھے طرز بیان کی، طاقت وامکان کے بقدر تشریح میں ہے۔

چوتھا باب: تفسیر کے طریقوں کے بیان میں ہے؛ اور اس اختلاف کی تشریح میں ہے جو صحابہ کرام اور تابعین عظام کی تفسیروں میں واقع ہوا ہے۔

پانچواں باب: قرآن کے غریب الفاظ کی شرح کی وافر مقدار، اور اسباب نزول کے بیان میں ہے، جس کو یاد رکھنا مفسر کے لئے ضروری ہے، اور اس کے بغیر کتاب اللہ میں غور وخوض کرنا ممنوع اور حرام ہے۔

لغات:

نَصًّا: صراحۃً؛ نَصَّ الشیئَ (ن) نَصًّا: ظاہر ہونا...... الخَفاء: پوشیدگی، دشواری، خَفِیَ (س) خَفَاءً پوشیدہ ہونا، جو چیز پوشیدہ ہوتی ہے اس کا ادراک دشوار ہوتا ہے اس لئے خفاء کا ترجمہ دشواری کیا گیا ہے...... لطَائِف، لَطِیْفَۃٌ کی جمع ہے: نکتہ جس سے انبساط پیدا ہو...... اُسْلُوْبٌ: انداز بیان، طرز بیان جمع اَسَالِیْبُ...... بَدِیْعٌ: انوکھا، نرالا، بَدُعَ (ک) بَدْعًا وَبَدَاعَۃً: انوکھا ہونا...... مَنَاھِجُ، مَنْھَجٌ، مِنْھَجٌ اور مِنْھَاجٌ کی جمع ہے: کشادہ راستہ، یہاں مَنَاھِج التفسیر سے تفسیر کے وہ طریقے مراد ہیں جو مفسرین نے اپنائے ہیں...... جُمْلَۃٌ صَالِحَۃٌ: وافر مقدار...... الغَرِیْبُ من الکلام: وہ کلام جس کا سمجھنا دشوار ہو، مشکل کلام غَرُبَ الکلامُ (ک) غَرَابَۃً: پوشیدہ ہونا۔ جو لفظ کثیر الاستعمال ہوتا ہے اس کے معنی ظاہر ہوتے ہیں؛ اور جو لفظ قلیل الاستعمال ہوتا ہے اس کے معنی خفی اور پوشیدہ ہوتے ہیں، اور جس کے معنی مخفی ہوں اس کا سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے "غریب" سے ایسا لفظ یا ایسا کلام مراد ہوتا ہے جس کا سمجھنا دشوار ہو، یعنی اس کے معنی معلوم نہ ہوں۔

باب اول

علوم خمسہ جو قرآن پاک میں صراحۃً بیان کئے گئے ہیں

قرآن عظیم میں جس قدر علوم ہیں ان کا احاطہ ناممکن اور محال ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيُثَوِّرِ القرآنَ، فَاِنَّ فِيْهِ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ (رواہ البیہقی فی المدخل)

جو شخص علم چاہتا ہے وہ قرآن کریم میں غور کرے، کیونکہ اس میں اگلوں اور پچھلوں کا علم ہے

کسی شاعر نے خوب کہا ہے

جَمِيْعُ الْعُلُوْمِ فِیْ القرآن لٰكِنْ تَقَاصَرَتْ عنه اَفْهَامُ الرِّجَالِ

تمام علوم قرآن پاک میں موجود ہیں لیکن لوگوں کے ذہن اس کے ادراک سے قاصر ہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک میں بے شمار علوم ہیں، لیکن جو علوم قرآن پاک میں صراحۃً بیان کئے گئے ہیں وہ کتنے ہیں؟ اس میں علمائے کرام کی رائیں مختلف ہیں، قاضی ابو بکر بن العربی کہتے ہیں کہ وہ تین ہیں: (۱) توحید (۲) تذکیر (۳) اور احکام، اور ابن جریر طبری کے نزدیک بھی تین ہیں، مگر وہ تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں: (۱) توحید (۲) اخبار (۳) اور دیانات، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ چار ہیں: (۱) امر (۲) نہی (۳) خبر (۴) اور استخبار، اور کسی نے کہا کہ چھ ہیں: (۱) امر (۲) نہی (۳) خبر (۴) استخبار (۵) وعدہ (۶) اور وعید۔

مگر اس بارے میں سب سے بہتر اور عمدہ بات وہ ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے ارقام فرمائی ہے کہ جو علوم قرآن پاک میں صراحۃً بیان کئے گئے ہیں وہ کل پانچ ہیں: (۱) علم الاحکام (۲) علم الجدل (۳) علم التذکیر بآلاء اللّٰہ (۴) علم التذکیر بأیّام اللّٰہ (۵) اور علم

التذکیر بالموت ومابعدہ

(۱) علم الاحکام: قرآن کریم ایک ایسا نظام حیات پیش کرتا ہے، جس پر عمل کرکے انسان دنیا و آخرت میں امن وسکون اور فلاح وکامیابی پاسکتا ہے، قرآن کریم زندگی کے تمام شعبوں میں بندوں کی رہنمائی کرتا ہے، اور ضروری ہدایات واحکام دیتا ہے؛ خواہ ان احکام کا تعلق عبادات سے ہو؛ یا معاملات سے، خواہ ان کا تعلق تدبیر منزل سے ہو یا سیاست مدینہ سے ——— اس مضمون کی آیتوں کو ''آیات احکام'' کہا جاتا ہے، اور ان کی تفصیلات کے مجموعہ کا نام ''علم الاحکام'' ہے، ان آیتوں کی تشریح کرنا فقہائے کرام کی ذمہ داری ہے۔

(۲) علم الجدَل: قرآن کریم نے یہود ونصاری اور مشرکین ومنافقین کی بہت سی گمراہیوں اور بداخلاقیوں کا رد فرمایا ہے؛ اور اُن کے شبہات کا تشفی بخش جواب دیا ہے——— اس مضمون کی آیتوں کو ''آیات جدَل اور آیات مخاصمہ'' کہتے ہیں، اور ان کی تفصیلات کے مجموعہ کا نام ''علم الجدل'' ہے، ان آیتوں کی مکمل وضاحت کرنا متکلمین کی ذمہ داری ہے۔

(۳) علم التذکیر بآلاء اللّٰہ: قرآن کریم جگہ جگہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلاتا ہے، تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بندے بنیں، نیز قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کا بکثرت تذکرہ کیا گیا ہے، تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح پہچان کر اس کی عبادت شوق ورغبت سے کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں ——— جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور صفات کاملہ کو بیان کیا گیا ہے ان کی تفصیلات کے مجموعہ کا نام علم التذکیر بآلاء اللّٰہ ہے۔

(۴) علم التذکیر بَاَیَّام اللّٰہِ: اَیّام یوم کی جمع ہے اور اَیَّامُ اللّٰہ سے مراد وہ واقعات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اطاعت شعار بندوں کو نوازنے اور نافرمانوں کو سزا دینے کی غرض سے ظاہر فرمایا ہے، مثلاً انبیائے کرام اور ان کی نافرمان قوموں کے قصے، اور دیگر نافرمان اور فرمان بردار بندوں کے واقعات جو قرآن پاک میں بیان کئے گئے ہیں ان کا مقصد تاریخی احوال بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ قرآن پاک ان واقعات سے تذکیر وموعظت کا سامان مہیا کرتا ہے، تاکہ لوگ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں، اور ان لوگوں کی پیروی نہ کریں جو آفت خداوندی میں ہلاک وبرباد ہوئے ہیں، بلکہ ان لوگوں کے نقش قدم پر چلیں جو رحمت خداوندی سے سرفراز ہوئے ہیں ——— جن آیتوں میں یہ واقعات اور قصے بیان کئے گئے ہیں یا جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا

ہے ان کی تفصیلات کے مجموعہ کا نام "علم التذکیر بَاَیَّام اللّٰہ" ہے۔

(۵) علم التذکیر بالموت ومابعدہ: موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات بھی قرآن پاک میں بکثرت ذکر کیے گئے ہیں، مثلاً موت کی سختیاں، جنت کی نعمتیں، دوزخ کی سزائیں اور قیامت کی ہولناکیاں بیان کر کے نصیحت کی گئی ہے —— ان آیتوں کی تفصیلات کا نام "علم التذکیر بالموت ومابعدہ" ہے۔

آخری تینوں علوم کی آیتوں کو "آیات تذکیر" کہا جاتا ہے۔ ان علوم ثلاثہ کی تشریح کرنا، اور ان علوم ثلاثہ سے تعلق رکھنے والی احادیث اور آثار کو ذکر کرنا مذکرین اور واعظین کا کام ہے۔

البابُ الأولُ

فی

بیانِ العلومِ الخَمْسَةِ التی یَدُلُّ علیها القرآنُ العظیمُ نصًّا

لِیُعلَمْ أنَّ معانی القرآنِ المنصوصةَ لاتخرج عن خمسةِ علومٍ:

۱۔ **علمُ الأحکامِ**: وهی الواجبُ والمندوبُ والمباحُ والمکروهُ والحرامُ؛ سواءٌ کانت مِنْ قِسْمِ العباداتِ، أومن قسمِ المعاملاتِ، أومن تَدْبِیْرِ المَنْزِلِ أومِنَ السِّیَاسَةِ المَدَنِیَّةِ؛ وتفصیلُ هذا العلمِ مَنُوْطٌ بِذِمَّةِ الفَقِیْهِ.

۲۔ **علمُ الجَدَلِ**: وهوالمُحاجَّةُ مع الفِرَقِ الأربعِ الضالةِ: مِنَ الیهودِ والنَّصاریٰ والمشرکین والمنافقین؛ وتِبْیَانُ هذا العلمِ مَنُوْطٌ بِذِمَّةِ المُتَکَلِّمِ.

۳۔ **علمُ التذکیرِ بآلآءِ اللّٰهِ**: وهو بیانُ خَلْقِ السَّماواتِ والأرْضِ، وإلْهَامِ العِبَادِ مایحتاجون إلیه، وبیانُ صفاتِ اللّٰه الکاملةِ.

٤۔ **علمُ التذکیرِ بأیَّامِ اللّٰهِ**: وهو بیانُ الوَقَائِعِ التی أحْدَثَها اللّٰهُ سبحانه وتعالی مِنْ قَبِیْلِ تَنْعِیمِ المُطیعین، وتعذیبِ المُجرمین.

٥۔ **علمُ التذکیربالموت وما بعدَه**: مِنَ الحَشْرِ والنَّشْرِ والحسابِ

والميزانِ والجنةِ والنارِ.
وتفصيلُ هذه العلومِ الثلاثةِ ، وذكرُ الأحاديثِ والآثارِ المُتعَلِّقَةِ بها يَرجِعُ إلى الواعِظ والمذكّرِ.

ترجمہ: پہلا باب ان پانچ علوم کے بیان میں ہے جن پر قرآن عظیم صراحۃً دلالت کرتا ہے:
جاننا چاہئے کہ قرآن کریم کے صریح مضامین پانچ علوم سے باہر نہیں نکلتے ہیں
(۱) علم الاحکام: اور احکام سے مراد: واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام ہے، چاہے وہ (احکام) عبادتوں کے قبیل سے ہوں یا معاملات کے قبیل سے، یا تدبیر منزل سے (تعلق رکھتے ہوں) یا سیاست مدنیہ سے، اور اس علم کی تفصیل کرنا فقیہ کی ذات سے وابستہ ہے۔
(۲) علم الجدل: اور وہ چار گمراہ فرقوں کے ساتھ مباحثہ کرنا ہے، یعنی یہود و نصاری اور مشرکین منافقین، اور اس علم کی مکمل وضاحت کرنا متکلم کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے۔
(۳) علم التذکیر بآلاء اللہ: اور وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا بیان، اور بندے جن باتوں کے محتاج ہیں ان کو دل میں ڈالنے کا بیان، اور اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کی وضاحت ہے۔
(۴) علم التذکیر بایام اللہ: اور وہ ان واقعات کی وضاحت ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے فرماں برداروں کو نوازنے اور نافرمانوں کو سزا دینے کے قبیل سے۔
(۵) علم التذکیر بالموت وما بعدہ: یعنی حشر و نشر، حساب، میزان اور جنت و دوزخ (یہ مابعد موت کی تفصیل ہے)
ان تینوں علوم کی تشریح کرنا، اور ان علوم سے تعلق رکھنے والی احادیث اور آثار کو ذکر کرنا واعظ اور مُذَکِّر کی ذمہ داری ہے۔

لغات:

المَنصُوصَۃُ (اسم مفعول واحد مونث): تصریح کردہ، نَصَّ الشیئُ (ن) نَصًّا: ظاہر ہونا۔
فن معاملات: وہ علم ہے جس میں ترقی یافتہ تمدن یعنی شہری زندگی میں تبادلۂ اشیاء، باہمی تعاون اور ذرائع معاش کو وجود میں لانے کی صورتوں سے بحث کی جاتی ہے۔
علم تدبیر منزل: وہ علم ہے جو ترقی یافتہ تمدن میں خاندانی تعلقات کی نگہداشت سے بحث کرتا ہے۔

علم سیاستِ مَدَنِیَّہ: یعنی انتظام مملکت، یہ وہ فن ہے جس میں کسی ایک شہر یا ایک ملک کے لوگوں کے درمیان ربط و تعلق کو محفوظ رکھنے کے طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔

مَنُوْطٌ (اسم مفعول): معلق، وابستہ، کہا جاتا ہے: ھذا مَنُوْطٌ بِہ: یہ اس کے ساتھ وابستہ ہے، نَاطَہٗ یَنُوْطُ نَوْطًا ونِیَاطًا: لٹکانا...... ذِمَّۃٌ: وہ ذات جس کے ساتھ کوئی عہد وابستہ ہو جمع ذِمَم...... اَلْجَدَلُ: جھگڑا، جَدِلَ (س) جَدَلاً: سخت جھگڑالو ہونا، اَلْجَدَل میں دال مفتوح ہے ساکن نہیں ہے اس کا خیال رہے...... حَاجَّہٗ مُحَاجَّۃً: جھگڑا کرنا، مباحثہ کرنا، مناظرہ کرنا...... تِبْیَان (مصدر): بیان کرنا، بَانَ (ض) بَیَانًا وتِبْیَانًا ...... اَلْھَمَہُ اللہُ: سکھانا، دل میں ڈالنا...... اَیَّامُ اللہِ: آفات وانعامات خداوندی...... ذَکَّرَ الشیئَ وَذَکَّرَ بِہٖ تَذْکِیْرًا: یاد دلانا، ذَکَّرَ القومَ: وعظ ونصیحت کرنا...... حَشَرَ (ن، ض) حَشْرًا الناسَ: جمع کرنا...... نَشَرَ اللہ الموتیٰ (ن) نشرا ونُشُوْرًا: زندہ کرنا...... وَاعِظٌ: وعظ ونصیحت کرنے والا جمع وَاعِظُوْنَ، وُعَّاظٌ اور مُذَکِّر کے بھی یہی معنی ہیں۔

☆ ☆ ☆

علوم خمسہ پیش کرنے میں قرآن پاک کا انداز بیان

اللہ تعالیٰ نے سابقہ پانچوں علوم کو پیش کرنے میں قدیم عربوں کا انداز بیان اور اسلوب کلام اختیار فرمایا ہے، متاخرین علماء کے نہج کو نہیں اپنایا ہے، چنانچہ آیات احکام میں اہل متون کی طرح نہ بہت زیادہ اختصار سے کام لیا ہے، نہ اصولیوں کی طرح قواعد کو غیر ضروری قیودات کو حذف کرکے منقح کیا ہے، اور نہ آیات جدل میں منطقیوں کی طرح براہین کی تہذیب وتنقیح کو پسند فرمایا ہے، بلکہ مشہور مسلمہ باتوں اور مقبول عام قضایا اور عام فہم دلائل کے ذریعہ اہل باطل کی تردید فرمائی ہے، تاکہ آسانی سے ہر شخص رد کو سمجھ سکے، اگر منطقیوں کی طرح براہین کی تہذیب وتنقیح کی جاتی تو عوام کے لئے ان کا سمجھنا دشوار ہوتا۔

الغرض علوم خمسہ پیش کرنے میں اللہ تعالیٰ نے متقدمین عربوں کا اسلوب بیان اختیار فرمایا ہے، اس لئے ان علوم کو پیش کرنے میں نہ کسی ترتیب کا لحاظ فرمایا ہے، نہ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہونے میں کسی مناسبت کا خیال فرمایا ہے، جیسا کہ متاخرین مصنفین کا طریقہ ہے، بلکہ جس بات کا بندوں کے سامنے پیش کرنا اہم سمجھا اس کو تقدیم وتاخیر کا لحاظ کئے بغیر ذکر

فرمایا ہے، چنانچہ کہیں علم الاحکام سے سورت کا آغاز فرمایا ہے، تو کہیں علم التذکیر بآلاء اللہ سے سورت کو شروع فرمایا ہے، اسی طرح کہیں احکام کے بعد مخاصمہ کو ذکر فرمایا ہے، تو کہیں احکام سے تذکیر کے مضامین کی طرف انتقال فرمایا ہے، اور اس کی حکمت شاہ صاحب نے تیسرے باب کی تیسری فصل میں بیان فرمائی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن پاک کا انداز بیان اور اسلوب خطابی ہے؛ کتابی نہیں، یعنی خطابوں، تقریروں اور بیانوں میں جو اسلوب اختیار کیا جاتا ہے وہی اسلوب قرآن پاک کا ہے، تصنیف و تالیف کے اسلوب پر قرآن پاک نازل نہیں ہوا ہے، کیونکہ یہ نیا اسلوب ہے جس سے قرآن پاک کے اولین مخاطب واقف نہیں تھے۔

أسلوبُ القرآنِ الكريمِ فی عَرْضِ العُلومِ الخَمْسَةِ

وإنّما وَقَعَ بيانُ هذهِ العلومِ على أسلوبِ العربِ الأولين، لاعلى مِنْهَاجِ العلماءِ المتأخرين، فلم يَلْتَزِمْ سبحانه وتعالى فی آياتِ الأحكامِ اختصارًا يختارُه أهلُ المُتونِ، ولا تنقيحَ القواعدِ مِنْ قيودٍ غيرِضروريةٍ، كما هوصِناعةُ الأصوليين؛ واختارسبحانه وتعالى فی آياتِ المُخاصَمَةِ إلزامَ الخَصْمِ بالمشهوراتِ المُسَلَّمَةِ والخَطابياتِ النافعةِ لا تنقيحَ البراهين على طريقةِ المَنْطِقِيين؛ ولم يُراعِ سبحانه وتعالى المُناسبةَ فی الانتقالِ من موضوعٍ إلى موضوعٍ، كما يُراعيها الأدباءُ المتأخرون؛ بل نَشَرَ كلَّ ما أهمَّ إلقاؤُه على العبادِ، سواءٌ كان مُقَدَّمًا أو مُؤَخَّرًا.

ترجمہ: علوم خمسہ کے پیش کرنے میں قرآن کریم کا انداز بیان: ان علوم (خمسہ) کا بیان متقدمین عربوں کے انداز بیان پر واقع ہوا ہے، نہ کہ متاخرین علماء کے نہج پر، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیات احکام میں ایسے اختصار کا التزام نہیں فرمایا جس کو اہل متون نے اختیار کیا ہے، نہ قواعد کو غیر ضروری قیودات سے نکھارنے کا التزام فرمایا ہے، جیسا کہ وہ اصولیوں کا طریقہ ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آیات مخاصمہ میں مشہور مسلمہ باتوں اور نفع بخش خطابیات کے ذریعہ فریق مخالف کی تردید کو پسند فرمایا ہے منطقیوں کے طریقہ پر براہین کے نکھارنے کو پسند نہیں فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نے ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہونے میں مناسبت کا (بھی) لحاظ نہیں فرمایا، جس طرح متاخرین

مصنفین مناسبت کا لحاظ کرتے ہیں، بلکہ ہر اس بات کو بیان فرمایا ہے جس کا بندوں کے سامنے پیش کرنا اہم سمجھا ہے، خواہ وہ مقدم ہو یا مؤخر۔

لغات:

عَرَضَ الشیئَ (ض) عَرْضًا: پیش کرنا...... مُتُوْنٌ، مَتْنٌ کی جمع ہے، لغت میں مَتْن مضبوط اور قوی چیز کو کہتے ہیں، اور فقہاء کے یہاں "مُتون" سے مراد وہ کتابیں ہیں جن کو فوقیت حاصل ہے، جیسے وقایہ، کنزالدقائق، المختصر القدوری، اور مَجْمَعُ الْبَحْرَیْنِ وغیرہ...... نَقَّحَ الکلامَ تَنْقِیْحًا: درست کرنا، نکھارنا...... صَنَاعَةٌ و صِنَاعَةٌ: پیشہ، کہا گیا ہے کہ صَناعة بالفتح کا استعمال محسوسات میں ہوتا ہے، اور صِناعَةٌ بالکسر کا معانی میں، جمع صَنَاعَات و صَنَائع...... المشهوراتُ المُسَلَّمَةُ: وہ قضایا جو مخالف و موافق سب کے نزدیک مسلم ہوں، جیسے زمین و آسمان کے خالق صرف اللہ تعالیٰ ہیں، کیونکہ اس بات کو مسلمانوں کی طرح مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ بھی تسلیم کرتے تھے...... خَطَابِیات: وہ قضایا اور دلائل جو مقبول یا ظنی مقدمات سے مرکب ہوں جیسے بزرگوں کے اقوال اور ظنی باتیں، اس کا واحد خَطابِیَّة ہے جو خطابی کا مؤنث ہے، اور خَطابی، خَطابَة کی طرف منسوب ہے اور خَطابة مصدر ہے، خَطَبَ (ن) خُطْبَةً وَخَطْبًا وَخَطَابَةً: وعظ کہنا، تقریر کرنا، لیکچر دینا، خَطابَة اور خَطابی میں خاء پر فتح ہے، کسرہ نہیں اور کتابی کے مقابلہ میں جو خِطابی ہے اس کی خا پر کسرہ ہے اس کا خیال رہے...... بَرَاهِیْن، بُرْهَان کی جمع ہے: وہ قیاس جو مقدمات یقینیہ سے مرکب ہو خواہ وہ مقدمات بدیہی ہوں یا نظری...... یُرَاعِ، رَاعیٰ یُراعی مُرَاعَاةً (حفاظت کرنا) سے مضارع معروف کا صیغہ ہے، جس پر لَمْ داخل ہوا ہے اصل میں یُراعی تھا، حرف علت "لَمْ" کی وجہ سے گر گیا ہے...... نَشَرَ الخبرَ (ن، ض) نَشْرًا: افشاء کرنا، پھیلانا، اسی سے ناشر ہے...... اِلْقَاءٌ: ڈالنا، پیش کرنا، یہ باب افعال کا مصدر ہے...... اَهَمَّ الاَمْرُ فُلَانًا: رنجیدہ کرنا، پس مَااَهَمَّ اِلْقَاءُ هٗ کا لفظی ترجمہ ہے: جس کے پیش کرنے نے رنجیدہ کیا، بے چین کیا ـــــ مگر یہ ترجمہ معنی مرادی کو واضح نہیں کرتا، اس لئے سلیس ترجمہ کیا گیا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: مذکورہ عبارت میں شاہ صاحب آیتوں کے درمیان جو باہم ربط اور مناسبت ہے، اس کی نفی کرنا نہیں چاہتے، کیونکہ خود شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن "فتح الرحمٰن" میں آیتوں کے درمیان ربط اور مناسبت کو واضح فرمایا ہے، بلکہ شاہ صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ

جس طرح مصنفین فن کے مباحث کو خاص ترتیب سے بیان کرتے ہیں، اور ایک مبحث سے دوسرے مبحث کی طرف منتقل ہونے میں مناسبت کا پورا خیال کرتے ہیں۔ مثلاً فقہائے کرام فقہ کی کتابوں کا آغاز کتاب الطہارت سے کرتے ہیں، اور طہارت کے احکام بیان کرنے کے بعد نماز کے مسائل ذکر کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کے مسائل بیان نہیں کرتے، کیونکہ طہارت اور نماز کے درمیان مناسبت ہے۔ اور زکوٰۃ کا طہارت سے کوئی تعلق نہیں ہے، پھر نماز کے مسائل بیان کرنے کے بعد زکوٰۃ کے مسائل ذکر کرتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ۳۱ جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے پھر روزوں کا پھر حج کا تذکرہ کرتے ہیں الخ۔ اسی طرح تمام مصنفین فن کے مباحث کو مقدم اور مؤخر ذکر کرنے میں مناسبت کا پورا خیال کرتے ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ نے مباحثِ احکام اور تذکیر کے مضامین کو ذکر کرنے میں مناسبت کا خیال نہیں فرمایا، بلکہ تقدیم و تاخیر کا لحاظ کئے بغیر جو بات اہم سمجھی اس کو بیان فرمایا ہے۔

اسی طرح پہلے شاہ صاحب نے جو فرمایا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے آیات مخاصمہ میں مشہور مسلمہ باتوں اور خطابی دلیلوں سے فریق مخالف کی تردید فرمائی ہے، منطقیوں کی طرح براہین کی تہذیب کو پسند نہیں فرمایا'' ـــــ اس کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ اہل باطل کی تردید براہین سے نہیں کی گئی ہے، صرف مشہورات مسلمہ اور خطابیات سے کی گئی ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ منطقیوں کی طرح براہین کی تہذیب و تنقیح فرما کر شکل اول یا شکل ثانی وغیرہ کی صورت میں پیش کرنے کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ سادہ اور عام فہم انداز میں براہین کو ذکر کیا ہے، تاکہ ہر شخص آسانی سے بات سمجھ سکے، اگر منطقیوں کی طرح براہین کی تہذیب و تنقیح کی جاتی تو قرآن پاک کے اولین مخاطبین کے لئے بات کا سمجھنا دشوار ہو جاتا کیونکہ وہ منطق سے بالکل ناآشنا تھے۔

☆ ☆ ☆

ہر آیت کا شان نزول ضروری نہیں

جمہور مفسرین احکام و مخاصمہ کی آیتوں کو کسی خاص قصے سے جوڑ دیتے ہیں، اور اس قصے کو آیت کا شان نزول قرار دیتے ہیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ قرآن کریم کی آیتیں دو طرح کی ہیں (۱) کچھ آیتیں ایسی ہیں جن کا سمجھنا شان نزول پر موقوف ہے (۲) اور اکثر آیتیں ایسی ہیں

جن کا سمجھنا شان نزول پر موقوف نہیں ــــــ پہلی قسم کی آیتوں کا شان نزول بیان کرنا مفسر کے لئے ضروری ہے، مگر دوسری قسم کی آیتوں کا شان نزول بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، اس لئے کہ نزول قرآن کا مقصد اصلی عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ کی تردید اور دلوں کی تہذیب ہے، پس لوگوں میں عقائد باطلہ کا پایا جانا آیاتِ جدل کے نزول کا سبب ہے، اور اعمال فاسدہ کا پایا جانا اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی کا پایا جانا آیات احکام کے نزول کا سبب ہے، اور آلاء اللہ، ایام اللہ اور موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کو ذکر کئے بغیر لوگوں کا خواب غفلت سے بیدار ہونا مشکل تھا اس لئے آیات تذکیر کو نازل کیا گیا ہے، اور ہر آیت کے ذیل میں جو جزوی قصے مفسرین بیان کیا کرتے ہیں ان کا فہم قرآن میں کچھ بہت زیادہ دخل نہیں ہے۔

البتہ وہ آیات جن میں کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ آیا ہے اور وہاں قاریٔ قرآن اس واقعہ کی تفصیلات کا منتظر رہتا ہے جس کی طرف آیت میں اشارہ آیا ہے تو وہاں بیشک تفصیل کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے علوم خمسہ کی تشریح اس طرح پیش کی ہے کہ اس کی مدد سے آپ جزوی قصوں کے بغیر قرآن کریم کو سمجھ سکتے ہیں۔

لایحتاج کلُّ آیةٍ إلی سَبَبِ النُّزولِ

وقد رَبَطَ عامَّةُ المُفَسِّرِیْنَ کلَّ آیةٍ من آیاتِ الجَدَلِ والأحکامِ بِقِصَّةٍ، وَیَظُنُّوْنَ أنَّ تلك القصةَ هی سببُ نزولِها.

والحَقُّ: أنَّ القصدَ الأصلِیَّ من نزولِ القرآنِ هو تهذیبُ النُّفوسِ البَشَرِیَّةِ، ودَمْغُ العقائدِ الباطلةِ، ونَفْیُ الأعمالِ الفاسدةِ؛ فوجودُ العقائدِ الباطلةِ فی خَواطِرِ المُکلَّفِین سَبَبٌ لنزولِ آیاتِ الجَدَلِ؛ ووجودُ الأعمالِ الفاسدةِ، وشُیوعُ المَظالِمِ فیما بینهم سَبَبٌ لنزولِ آیاتِ الأحکامِ؛ وعدمُ تَیَقُّظِهِمْ وتَنَبُّهِهِمْ بغیر ذِکْرِ آلآءِ اللّٰه، وأیَّامِ اللّٰه، ووَقَائعِ الموتِ وما بعدَه سببٌ لنزول آیاتِ التذکیر.

وأمَّا الأسبابُ الخاصَّةُ والقِصَصُ الجُزئِیَّةُ التی تَجَشَّمَ المفسرون بیانَها فلیس لها مَدْخَلٌ فی ذلك، یُعْتَدُّ به، إلافی بعضِ الآیاتِ الکریمةِ، حَیْثُ وقعتِ الإشارةُ فیها إلی

حادثةٍ من الحوادثِ التی وقعت فی عَهْدِ النبي صلی الله علیه وسلم، أو قبله؛ ولایَزُوْلُ ما یَعْرِضُ لِلسَّامِعِ مِنَ التَّرَقُّبِ والانتظارِ، عند سَماع ذلك التعریض إلاّ بِبَسْطِ القِصَّةِ؛ فَلَزِمَ أن نَشْرَحَ هذه العلومَ بوجهٍ لانحتاج إلی إیرادِ القِصَصِ الجزئیة

ترجمہ: ہر آیت شان نزول کی محتاج نہیں: جمہور مفسرین مخاصمہ اور احکام کی آیتوں میں سے ہر آیت کو کسی قصے کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں، اور گمان کرتے ہیں کہ یہی قصہ اس (آیت) کا شان نزول ہے۔

اور حق بات یہ ہے کہ نزول قرآن کا بنیادی مقصد بشری نفوس کی اصلاح کرنا، اور باطل عقائد کو ناپید کرنا، اور فاسد اعمال کو ختم کرنا ہے، پس باطل عقائد کا احکام شرعیہ کے مخاطبین کے دلوں میں پایا جانا آیات جدل کے نزول کا سبب ہے، اور فاسد اعمال کا پایا جانا اور ظلم وزیادتیوں کا آپس میں پھیلنا آیات احکام کے نزول کا سبب ہے، اور اللہ کی نعمتوں اور آفات وانعاماتِ خداوندی، موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کو ذکر کئے بغیر ان (مکلفین) کا بیدار اور متنبہ نہ ہونا آیات تذکیر کے نزول کا سبب ہے۔

اور خصوصی اسباب نزول اور جزوی قصے جن کو بیان کرنے کی مفسرین نے زحمت اٹھائی ہے ان کا اس (شان نزول) میں ایسا دخل نہیں جس کا اعتبار کیا جائے (یعنی ان جزوی قصوں کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں) مگر بعض آیتوں میں جہاں آیتوں میں اشارہ واقع ہوا ہے ان واقعات میں سے کسی واقعہ کی طرف جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں، یا اس سے پہلے پیش آئے ہیں، اور ختم نہ ہو وہ امید وانتظار جو سننے والے کو اس تعریض کے سننے کے وقت پیش آتا ہے مگر قصے کی وضاحت سے، پس ضروری ہے کہ ہم ان علوم (خمسہ) کی اس طرح تشریح کریں کہ جزوی قصے (یعنی ہر آیت کا شان نزول) ذکر کرنے کی ہمیں ضرورت پیش نہ آئے۔

لغات:

دَمَغَ الحقُّ الباطلَ: نیست ونابود کرنا، ناپید کرنا...... خَوَاطِر؛ خَاطِر کی جمع ہے: دل اور نفس...... مُکَلَّفِیْنَ: احکام شرعیہ کے مخاطبین...... مَظَالِم؛ مَظْلِمَة کی جمع ہے: ظلم وزیادتی...... تَجَشَّمَ الامرَ: مشقت سے کام کرنا...... اَوْرَدَ الشیئَ اِیْرَادًا: ذکر کرنا۔

﴿فائدہ﴾ یہاں تک علوم خمسہ کا اجمالی تعارف تھا، آگے اس کی تفصیل ہے، مگر تفصیل میں شاہ صاحب نے علم الاحکام کی وضاحت سب سے اخیر میں فرمائی ہے، پہلے فصل اول میں علم الجدل کی تفصیل بیان فرمائی ہے، پھر فصل دوم میں پہلے تذکیر کے علوم ثلاثہ کی تفصیل ذکر کی ہے، پھر علم الاحکام کی قدرے تشریح فرمائی ہے، پس شاہ صاحب کے کلام میں لف ونشر غیر مرتب ہے، اور ایسا شاہ صاحب نے اس لئے کیا ہے کہ فقہائے کرام نے آیات احکام کی خاطرخواہ وضاحت فرمادی ہے، مگر متکلمین اسلام نے آیات جدل کی؛ اور واعظین ومذکرین نے آیات تذکیر کی جیسی تشریح کرنی چاہئے تھی نہیں کی —— اگر آپ آیات جدل اور آیات تذکیر کو اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہیں تو آگے شاہ صاحب جو کچھ فرمارہے ہیں اس کو غور سے پڑھیں۔ نہایت قیمتی مضامین ہیں۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ

☆ ☆ ☆

فصل اول

علم الجَدَل کا بیان

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں باطل فرقوں کی بہت سی گمراہیوں کو رد کیا ہے۔ اور گمراہ لوگوں کی بے ہودہ باتوں کا تشفی بخش جواب دیا ہے۔ یہی علم الجدل اور علم المخاصمہ ہے، اور اس مضمون کی آیتوں کو آیاتِ جدَل اور آیات مخاصمہ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آیات جدل میں چار گمراہ فرقوں یعنی مشرکین، یہود ونصاریٰ اور منافقین کے نظریات وخیالات کو دو طریقوں سے رد فرمایا ہے:

(۱) کہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل نظریات اور فاسد خیالات کی صرف قباحت بیان فرمائی ہے، اور ان کا امرِ منکر ہونا بیان فرمایا ہے، دلائل وبراہین سے تردید نہیں فرمائی، مثلاً مشرکین عرب کے اس عقیدے کو کہ "فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں" رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ، سُبْحٰنَهٗ، وَلَهُمْ مَايَشْتَهُوْنَ! وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيْمٌ، يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْءِ مَابُشِّرَ بِهٖ، أَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ

أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ، أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (سورۂ نحل آیت ۵۷-۵۹)

ترجمہ: اور (مشرکین) اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں ــــ وہ اس سے پاک ہے ــــ اور اپنے لئے من پسند چیز! اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے، تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، اور دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے، اور لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے جس چیز کی اس کو خوشخبری دی گئی ہے اس کے عار سے، آیا اس کو ذلت سے قبول کر کے رہنے دے، یا مٹی میں داب دے۔ خوب سن لو! ان کی یہ تجویز بہت ہی بری ہے۔

اسی طرح یہود و نصاریٰ کے اسی قسم کے عقیدے کو رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ: عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ، وَقَالَتِ النَّصَارىٰ: الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ، ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ، يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ، أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ؟! (سورۂ توبہ آیت ۳۰)

ترجمہ: اور یہود نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں، اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں، یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے، یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں، خدا ان کو غارت کرے، یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں؟!

(۲) اور کہیں چاروں گمراہ فرقوں کے بے ہودہ خیالات کو بیان کرنے کے بعد دلائل قطعیہ اور خطابیہ سے ان کی مکمل تردید فرمائی ہے، مثلاً ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ، وَخَلَقَهُمْ﴾ اور لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک ٹھہرایا، حالانکہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے (سورۂ انعام آیت ۱۰۰) اس ارشاد میں دلیل خطابی سے شرک کی تردید کی گئی ہے کہ سبھی لوگ جانتے اور مانتے ہیں کہ شریک اور ساجھی ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو ہم پلہ اور ہم رتبہ ہو، اور جنات اللہ کے ہم پلہ اور ہم رتبہ نہیں ہیں، کیونکہ اللہ خالق ہیں اور وہ مخلوق، لہٰذا جنات کو اللہ تعالیٰ کا شریک وساجھی ٹھہرانا باطل ہے۔

قیاس اقترانی:

اور منطقی انداز کے دلائل قطعیہ بھی قرآن کریم میں موجود ہیں، منطقی دلائل کی سب سے اہم اور کثیر الاستعمال قسم وہ ہے جسے اصطلاح میں "قیاس اقترانی" کہا جاتا ہے۔ اس قیاس میں عام طور

پر ایک کلیہ بیان کیا جاتا ہے، اور اپنے دعوے کو اس پر منطبق کیا جاتا ہے، قرآن کریم میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا، اور ان کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن کر چلنے لگیں، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کچھ خوف محسوس ہوا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں، آپ ہی سربلند رہیں گے۔ یہ لوگ فلاح نہیں پاسکتے، اس لئے کہ:

إِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سَاحِرٍ، وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتٰى (سورۂ طٰہٰ آیت ۶۹)	جو کچھ انھوں نے کیا ہے وہ ایک جادوگر کی ترکیب ہے، اور جادوگر خواہ کہیں چلا جائے، اُسے فلاح حاصل نہیں ہوسکتی۔

یہ قیاس اقترانی کی وہ مثال ہے جس میں صغری اور کبری دونوں موجود ہیں، اور ایسی مثالیں تو بے شمار ہیں جن میں کوئی مقدمہ محذوف ہے، مثلاً کفار کہا کرتے تھے کہ جب انسان کی ہڈیاں خاک بن کر ختم ہو جائیں گی، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قیامت کے دن انہیں دوبارہ زندہ کردیا جائے؛ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهٗ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عین ممکن ہے۔

بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰى اَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهٗ (سورۂ قیامہ آیت ۴)	کیوں نہیں، ہم اس بات پر قادر ہیں کہ انسان کی انگلیوں کے پوروں کو برابر کردیں

یہ صغری ہے، اور کبری محذوف ہے کہ جو ذات پوروں کو برابر کرنے پر قدرت رکھتی ہے، وہ یقیناً ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، کیونکہ پوروں کا برابر کرنا ہڈیوں کو زندہ کرنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔

قیاس استثنائی

منطقی دلائل میں سے دوسری اہم قسم ''قیاس استثنائی'' ہے، یہ دلیل عام طور پر کسی چیز کی نفی کرنے کے لئے لائی جاتی ہے، اور اس کے دو جز ہوتے ہیں، پہلے جز یعنی صغری میں جس چیز کی نفی کرنا مقصود ہوتا ہے، اُسے کسی دوسری چیز پر موقوف کردیا جاتا ہے۔ اور دوسرے جز یعنی کبری میں اس چیز کی نفی کردی جاتی ہے جس پر پہلی چیز کو موقوف کیا گیا تھا، اس قسم کی دلیلیں بھی قرآن کریم میں بہت ہیں، مثلاً شرک کی نفی اور توحید کا اثبات کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (سورۂ انبیاء آیت ۲۲)
اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے، تو دونوں خراب ہو جاتے

یہ صغری ہے، اور کبری محذوف ہے کہ "لیکن زمین و آسمان فاسد نہیں ہوئے" لہٰذا معلوم ہوا کہ زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔

السَّبْر و التقسیم

منطقی دلائل میں سے ایک اہم دلیل "السبر والتقسیم" بھی ہے، جس کے ذریعہ مخالف کے دعوے کو رد کیا جاتا ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مخالف سے یہ کہا جائے کہ تمہارے دعوے کے ثابت ہونے کے لئے اتنے احتمالات میں سے کوئی ایک احتمال پایا جانا ضروری ہے۔ اور یہاں ان میں سے ایک بھی نہیں پایا جا رہا ہے اس لئے تمہارا دعوی باطل ہے۔ قرآن کریم میں اس کی بڑی واضح مثال موجود ہے۔

کفار حلال جانوروں میں سے بسا اوقات نر جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لیا کرتے تھے۔ اور بعض دفعہ ماداؤں کو، اللہ تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے سورۂ انعام میں فرماتے ہیں کہ:
"تمہارے اس حرام قرار دینے کی علت اور وجہ کیا ہے؟ عقلاً صرف چار صورتیں ممکن ہیں، جن کے سوا کوئی پانچویں صورت نہیں ہوسکتی۔ (۱) یا تو تم ان کو مذکر ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیتے ہو، (۲) یا مؤنث ہونے کی بناء پر (۳) یا رحم مادر میں رہنے کی وجہ سے (۴) یا تم اس لئے حرام سمجھتے ہو کہ خدا نے ان کو حرام قرار دیا ہے —— اور ان چاروں باتوں میں سے کسی کو بھی سبب حرمت نہیں بنا سکتے، نر ہونے کو سبب حرمت اس لئے نہیں بنا سکتے کہ تم صرف نر جانوروں کو حرام قرار نہیں دیتے، بلکہ بعض دفعہ ماداؤں کو بھی حرام ٹھہراتے ہو —— اور دوسری بات یعنی مادہ ہونے کو بھی سبب حرمت نہیں ٹھہرا سکتے، کیونکہ تم کبھی نر جانوروں کو بھی حرام سمجھتے ہو —— اور رحم مادر میں رہنا اس لئے سبب حرمت نہیں ہو سکتا کہ تم بعض نر اور بعض مادہ کو حلال سمجھتے ہو، اگر یہ سبب حرمت ہوتا تو تمام نر اور مادہ جانور حرام ہوتے —— اور چوتھی بات بھی سبب حرمت نہیں ہوسکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم نازل نہیں فرمایا ہے، لہٰذا تمہارا حلال جانوروں میں سے کبھی نر کو اور کبھی مادہ کو حرام قرار دینا باطل ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ، وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ، قُلْ: ءَآلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ؟ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا؟ (سورۂ انعام آیت ۱۴۴)

اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے اونٹ میں سے دو، اور گائے میں سے دو۔ آپ پوچھئے کہ دونوں نر حرام کئے ہیں؟ یا دونوں مادہ؟ یا ہر وہ بچہ جس پر دونوں مادہ کے رحم مشتمل ہیں؟ یا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات کا حکم دیا تھا؟

تسلیم

منطقی دلیلوں میں سے چوتھی اہم دلیل "تسلیم" ہے، یعنی مخالف کی کسی بات یا دعوے کو تسلیم کر کے یہ کہنا کہ تمہاری بات مان لینے کے باوجود مقصود حاصل نہیں ہوتا، مثلاً کفار کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس انسان کے بجائے کسی فرشتہ کو پیغمبر بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے کئی طریقوں سے دیا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَجَعَلْنٰهُ رَجُلاً، وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُوْنَ (سورۂ انعام آیت ۹)

اور اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے، تب بھی اُسے مرد کی شکل میں بھیجتے، اور ان کو اسی شبہ میں ڈالتے جس میں اب پڑے ہوئے ہیں۔

یعنی بفرضِ محال اگر تمہاری بات تسلیم کر کے فرشتہ بھیج بھی دیا جاتا، تب بھی تمہارا مقصود حاصل نہ ہوتا، کیونکہ فرشتہ کو اس کی اصلی شکل و صورت میں بھیجا جاتا تو تم اس کو دیکھ نہ سکتے، لہٰذا لامحالہ اُسے مرد کی صورت میں بھیجا جاتا، اور تم کو اس کے پیغمبر ہونے میں وہی اشکال ہوتا جو انسان کے پیغمبر ہونے کی صورت میں ہو رہا ہے۔

الفصلُ الأولُ

فی

عِلْمِ الجَدَلِ

قدوقعتِ المُخاصمةُ فی القرآنِ العظيمِ مع الفِرَقِ الأربعِ الضَّالَّةِ: المشركينَ واليهودِ والنصارى والمنافقينَ؛ وهذه المخاصمةُ على طرِيْقَيْنِ:

الأولُ: ان يَذْكُرَسبحانه وتعالى العقيدةَ الباطلةَ، مع التنصيصِ على شَناعَتِهَا، ويَذْكُرَ اسْتِنكَارَها فَحَسْبُ.

والثاني: أن يُبَيِّنَ شُبُهاتِهِم الواهيةَ ويَذْكُرَحلّها بالأدلةِ البرهانيةِ أو الخَطابية

ترجمہ: پہلی فصل علم الجدل کے بیان میں: تحقیق مخاصمہ واقع ہوا ہے قرآن عظیم میں چار گمراہ فرقوں کے ساتھ، یعنی مشرکین، یہود ونصاریٰ اور منافقین (کے ساتھ) اور یہ مخاصمہ دو طریقوں پر (واقع ہوا) ہے:

پہلا طریقہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ باطل عقیدے کو ذکر فرماتے ہیں اس کی قباحت کی تصریح کے ساتھ، اور صرف اس کا منکر ہونا بیان فرماتے ہیں۔

دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لغو خیالات کو بیان فرماتے ہیں، اور برہان اور خطابی دلیلوں سے ان کا حل پیش فرماتے ہیں۔

لغات:

التَنْصِيصُ (مصدر): تصریح کرنے میں مبالغہ کرنا...... شَنَاعَةٌ: قباحت، شَنُعَ (ک) شَنَاعَةً: قبیح ہونا...... شُبُهَات؛ شُبْهَةٌ کی جمع ہے: جس میں حق وباطل یا حلال وحرام کا اشتباہ ہو، یہاں شُبُهات سے باطل نظریات اور لغو خیالات مراد ہیں...... وَاهِيَةٌ (اسم فاعل مؤنث): کمزور، بودا، وَهَى الشيئُ يَهِى وَهْيًا: کمزور ہونا، بوسیدہ ہونا...... حَلَّ العُقْدَةَ (ن) حلاً: کھولنا، اور اصطلاح میں ”حل“ سوءِ فہم کا منشاء ظاہر کرنے کو کہتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

مشرکین کا تعارف

کسی بھی فرقہ کی تردید کو کماحقہ سمجھنے کے لئے اس کے احوال کا جاننا ضروری ہے، اس لئے شاہ صاحب پہلے مشرکین عرب کے کچھ احوال ذکر فرماتے ہیں:

مشرکین عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین ومذہب کو مانتے تھے، اور اس کے شعائر پر کاربند تھے، اسی لئے وہ اپنے آپ کو ”حُنَفَاء“ کہتے تھے، ”حنیف“ اس کو کہا جاتا ہے جو ملت

ابراہیمی کا پیرو اور اس کے شعائر کا پابند ہو ـــــ نیز مشرکین عرب ملت ابراہیمی میں جو اعمال حسنہ تھے ان کو اچھا، اور جو کام حرام تھے ان کو برا سمجھتے تھے، مگر میدان عمل میں خواہشات نفس کی پیروی کرتے تھے، چنانچہ اکثر مشرکین اعمال صالحہ کے تارک، اور حرام کاموں کے ارتکاب میں بے باک تھے ـــــ نیز مشرکین عرب ملت ابراہیمی کے عقائد کو بھی فی الجملہ تسلیم کرتے تھے، ان پر ان کے اشعار دلالت کرتے ہیں، مگر جمہور مشرکین شکوک و شبہات کی وجہ سے ان عقائد کو بعید سمجھتے تھے، اور طرح طرح کی گمراہیوں اور بداعمالیوں میں مبتلا تھے، یہ مشرکین کا مختصر تعارف ہے، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ذِکرُ المشرکین

وقد کان المشرکون یُسَمُّوْنَ أنفسَہم حُنَفَاءَ ویدَّعُوْنَ التدیُّنَ بِمِلَّۃِ سیدِنا إبراھیمَ علیہ السلام؛ وإنما یقال "الحَنِیْفُ" لِمَنْ تَدَیَّنَ بالملۃِ الإبراھیمیۃِ، وَالْتَزَمَ شِعارَھا.

ترجمہ: مشرکین کا تذکرہ: مشرکین اپنے آپ کو "حنفاء" کہتے تھے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب اپنانے کا دعوی کرتے تھے، اور "حنیف" اسی کو کہا جاتا ہے جس نے شریعت ابراہیمی کو اپنایا ہو، اور اس کے شعائر کو لازم پکڑا ہو۔

لغات:

حُنَفَاء: حَنِیْف کی جمع ہے: ادیان باطلہ کو چھوڑ کر دین حق کی طرف مائل ہونے والا، اور عرف میں "حنیف" اس شخص کو کہتے ہیں جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کو اپنایا ہو، اور اس کے شعائر کا پابند ہو...... تَدَیَّنَ بالمِلَّۃِ: دین اختیار کرنا، مذہب کو اپنانا۔

☆ ☆ ☆

ملت ابراہیمی کے شعائر

شعائر: شَعِیْرَۃ کی جمع ہے، اور شعیرۃ کے لغوی معنی ہیں: علامت، اور شعائر کے اصطلاحی معنی ہیں: وہ امتیازی باتیں جن سے کسی ملت کی پہچان ہو، اور ملت ابراہیمی کے شعائر یہ ہیں: بیت اللہ شریف کا حج کرنا، نماز میں اس کی طرف چہرہ کرنا، جنابت لاحق ہونے پر غسل کرنا، ختنہ

کرنا، مونچھیں پست کرنا، ڈاڑھی رکھنا، مسواک کرنا، کلی کرنا، ناک صاف کرنا، ناخن تراشنا، بدن کے جوڑوں کو دھونا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیرناف کو مونڈنا، پانی سے استنجاء کرنا، قابل احترام مہینوں اور مسجد حرام کی تعظیم کرنا، نسبی اور رضاعی محرمات کو حرام سمجھنا، حلق میں ذبح کرنا، سینہ کے بالائی حصہ میں نحر کرنا، ذبح اور نحر کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنا، خصوصاً ایام حج میں قربانی کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنا وغیرہ۔

شعائرُ المِلّةِ الإبراهيمية:

وشَعائِرُها: حِجُّ البيت الحرامِ، واستقبالُه في الصلواتِ، والغُسلُ من الجنابةِ، والاختتانُ، وسائرُخِصالِ الفطرةِ وتحريمُ الأشْهُرِ الحُرُمِ، وتعظيمُ المسجدِ الحرامِ، وتحريمُ المُحَرَّماتِ النَسَبِيَّةِ والرَّضَاعِيَّةِ، والذَّبْحُ في الحَلْقِ، والنَّحْرُ في اللَّبَّةِ، والتَقَرُّبُ بالذبحِ والنحرِ إلى الله تعالى، لاسِيَّما في أيامِ الحَجِّ.

ترجمہ: ملت ابراہیمی کے شعائر: اور اس (ملت) کے شعائر: بیت اللہ کا حج کرنا، نمازوں میں اس کی طرف چہرہ کرنا، جنابت سے غسل کرنا، ختنہ کرنا، دیگر فطری سنتیں، قابل احترام مہینوں کا احترام کرنا، مسجد حرام کی تعظیم کرنا، نسبی اور رضاعی محرمات کو حرام سمجھنا، حلق میں ذبح کرنا، سینہ کے بالائی حصہ میں نحر کرنا، ذبح اور نحر کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا، خصوصاً ایام حج میں (یہ سب ملت ابراہیمی کے شعائر) ہیں۔

لغات:

اَلْاَشْهُرُ الْحُرُمُ: ادب و احترام کے مہینے یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، اور محرم ...... اَللَّبَّةُ: سینہ کا بالائی حصہ جس پر ہار پڑا رہتا ہے، جمع لَبَّات ...... لَاسِيَّمَا: کلمہ استثناء ہے، اور لائے نفی جنس، سِیٌّ (برابر، مثل) اور ما حرفیہ یا اسمیہ سے مرکب ہے۔

خصال فطرت:

وہ خصوصی صفات اور امتیازی اعمال جو فطرت انسانی اور جبلت بشری کے عین مطابق ہیں ان کو "خصال فطرت" کہا جاتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول

اکرم ﷺ نے فرمایا: دس چیزیں فطرت میں سے ہیں(۱) مونچھیں پست کرنا(۲) ڈاڑھی بڑھانا(۳) مسواک کرنا(۴) ناک میں پانی لے کر اس کی صفائی کرنا(۵) ناخن تراشنا(۶) بدن کے جوڑوں کو دھونا(۷) بغل کے بال اکھاڑنا(۸) زیر ناف کو مونڈنا(۹) پانی سے استنجاء کرنا(۱۰) اور کلی کرنا(مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف) اور بعض احادیث میں ہے کہ (۱۱) ختنہ کرنا(۱۲) اور مانگ نکالنا بھی فطرت میں سے ہیں، اور یہ تمام امور مشرکین عرب میں رائج تھے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب "حجۃ اللہ البالغہ" میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

وَاِنَّ مِنْ أَبْوَابِ الْعِبَادَةِ الطهارةُ، وَمَا زَالَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ سُنَّةً مَعْمُوْلَةً عندهم، وكذلك الخِتَانُ وَسَائِرُ خِصَالِ الفِطْرَةِ (ج ا ص ۱۲۷)

ابواب عبادت میں سے طہارت ہے، اور مشرکین کے یہاں جنابت سے غسل کرنے کا طریقہ رائج تھا، اسی طرح ختنہ اور دیگر خصال فطرت بھی رائج تھے۔

☆ ☆ ☆

ملت ابراہیمی کے احکام اور مشرکین کا طرز عمل

جب یہ بات آپ نے جان لی کہ مشرکین عرب میں ملت ابراہیمی کے تمام شعائر رائج تھے، تو اب یہ بھی جان لینا چاہئے کہ ملت ابراہیمی میں جو کام مشروع تھے یعنی وضو، نماز، زکوٰۃ، اور صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنا، یتیموں اور مسکینوں پر صدقہ کرنا، آفاتِ سماوی میں لوگوں کی مدد کرنا، مسافروں اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرنا، صلہ رحمی کرنا وغیرہ، ان کو اگرچہ اکثر مشرکین نہیں کرتے تھے، مگر ان کو اچھا سمجھتے تھے، اور جو شخص ان کاموں کو کرتا تھا، اس کی تعریف کرتے تھے، اسی طرح ملت ابراہیمی میں جو کام حرام تھے یعنی قتل، چوری، زنا، سود اور غصب وغیرہ، ان کو اگرچہ اکثر مشرکین کرتے تھے، مگر فی الجملہ ان کو برا سمجھتے تھے، اور جو شخص ان کاموں کو کرتا تھا اس کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

"حکمائے عرب بھی وضو کیا کرتے تھے، اور ان میں کچھ لوگ نماز بھی پڑھتے تھے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے تین سال سے نماز

پڑھا کرتے تھے۔اور قُسّ بن سائدہ ایادی بھی نماز پڑھتے تھے۔

اسی طرح ان میں زکوٰۃ کا بھی رواج تھا،اور مہمانوں اور مسافروں کی مہمان نوازی کرنا، بے سہارے کو سہارا دینا،غریبوں اور مسکینوں پر صدقہ کرنا،صلہ رحمی کرنا،اور آفاتِ سماوی میں لوگوں کی مدد کرنا بھی رائج تھا،اور ان امور کی وجہ سے لوگوں کی تعریف بھی کی جاتی تھی،اور مشرکین جانتے تھے کہ انسان کی سعادت وکمال کا مدار ان ہی امور پر ہے،چنانچہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا:"خدائے پاک کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں فرمائیں گے،کیونکہ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں،مہمان نوازی کرتے ہیں،بے سہارا کو سہارا دیتے ہیں اور آفات سماوی میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں"اور ابن دَغِنَہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی ایسا ہی کہا تھا۔

نیز مشرکین میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنے کا بھی رواج تھا،قریش مکہ زمانۂ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے،اسی طرح مسجد میں اعتکاف کرنے کا بھی رواج تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی،اور آنحضرت ﷺ سے اس کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا تھا،اور عاص بن وائل نے وصیت کی تھی کہ میری طرف سے اتنے اتنے غلام آزاد کرنا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اہل جاہلیت مختلف قسم کی عبادتیں کیا کرتے تھے،اور حج بیت اللہ،شعائر حج اور اَشْھُرِ حُرُم کی تعظیم کرنا،تو اس قدر واضح ہے کہ کسی سے پوشیدہ نہیں (حجۃ اللہ ج۱ص ۱۲۷)

نیز حرام کاموں کی مذمت اور برائی بھی فی الجملہ مشرکین عرب میں پائی جاتی تھی،زید بن عَمرو بن نُفَیل،فُساق وفجار کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے

عَجِبْتُ وفی اللیالی مُعْجِبَاتٌ ÷ وفی الایَّامِ یَعْرِفُھَا البَصِیْرُ
بِاَنَّ اللّٰہَ قد اَفْنیٰ رِجَالاً ÷ کثیرًا کَانَ شَأنَھم الفُجورُ

ترجمہ:میں تعجب کرتا ہوں —— حالانکہ راتوں اور دنوں میں بہت سے تعجب خیز امور ہیں جن کو صاحب بصیرت پہچانتا ہے —— اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے جواں مردوں کو فنا کردیا ہے، جن کا شیوہ فسق وفجور تھا۔

شَرَائِعُها

وقدكان الوضوءُ والصلاةُ، والصومُ مَن طلوعِ الفَجْرِ إلى غُروبِ الشمسِ، والصدقةُ على اليتامى والمساكين، والإعانةُ على نوائبِ الحَقِّ، وصلةُ الأرحامِ مشروعةً في أصلِ الملةِ، وكان التَّمَدُّحُ بهذه الأعمالِ شائعا فيما بينهم، إلا أن جُمهورَ المشركين قد تركوها، حتى صارت هذه الأعمالُ في حياتهم العَمَلِيَّةِ كَأنْ لم تكن شيئًا.

وقد كان تحريمُ القتل والسَّرِقَةِ والزنا والربا والغصبِ أيضًا ثابتا في أصل الملةِ؛ وكان استنكارُ هذه الأفعالِ باقيا عندهم في الجُمْلَةِ؛ ولكنَّ جهمورَ المشركين كانوا يرتكبونها، ويَتَّبِعون النفسَ الأَمَّارَةَ فيها.

ترجمہ: ملت ابراہیمی کے احکام: وضو، نماز اور صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنا، یتیموں اور مسکینوں پر صدقہ کرنا، آفات سماوی میں مدد کرنا، اور صلہ رحمی کرنا ملت ابراہیمی میں مشروع تھا، اور ان کاموں کی مدح سرائی ان کے درمیان رائج تھی، مگر اکثر مشرکین ان (کاموں) کو ترک کر چکے تھے یہاں تک کہ یہ کام ان کی عملی زندگی میں کالعدم ہو چکے تھے۔

اور قتل، چوری، زنا، سود اور غصب کی حرمت بھی اصل ملت (ابراہیمی) میں ثابت تھی، اور ان کاموں کی قباحت ایک درجہ میں ان کے نزدیک باقی تھی، لیکن اکثر مشرکین ان (کاموں) کا ارتکاب کرتے تھے۔ اور ان (کاموں) میں نفس امارہ کی پیروی کرتے تھے۔

☆ ☆ ☆

ملت ابراہیمی کے عقائد اور مشرکین کا نظریہ

جس طرح مشرکین عرب ملت ابراہیمی کے احکام کو فی الجملہ (کسی درجہ میں) مانتے تھے۔ اسی طرح ملت ابراہیمی کے عقائد کو بھی فی الجملہ تسلیم کرتے تھے، چنانچہ وہ اللہ کے وجود کو تسلیم کرتے تھے، اور یہ بھی مانتے تھے کہ زمین اور بلند آسمانوں کو اسی نے پیدا کیا ہے، اور وہی بڑے بڑے حوادث کا مدبر ہے، اور پیغمبروں کو بھیجنے اور بندوں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دینے پر قادر

ہے، اسی طرح تقدیر الٰہی کو بھی فی الجملہ مانتے تھے، اور فرشتوں کو اللہ کے مقرب بندے اور لائق تعظیم سمجھتے تھے، چنانچہ جاہلی شعراء کے اشعار ان تمام عقیدوں پر دلالت کرتے ہیں، لیکن اکثر مشرکین ان عقیدوں کو بعید سمجھتے تھے، اور ان کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات میں مبتلا تھے، جاہلی شاعر ابو الصلت بن ابی ربیعہ ثقفی واقعۂ فیل کے بارے میں کہتا ہے

إنَّ آياتِ رَبِّنَا ثَاقِبَاتٌ ÷ لايُمَارِيْ فِيهِنَّ إلاَّ الكَفُورُ
خَلَقَ الليلَ والنَّهارَ فَكُلٌّ ÷ مُسْتَبِيْنٌ، حسابُهُ مَقْدُوْرُ
ثم يَجْلُو النهارَ رَبٌّ رَحِيْمٌ ÷ بِمَهاةٍ شُعاعُها مَنْشُوْرُ
حَبَسَ الفِيْلَ بَالمَغْمَسِ حتّٰى ÷ ظَلَّ يَحْبُو كأنَّهُ مَعْقُوْرُ

ترجمہ: ہمارے رب کی نشانیاں روشن ہیں، ان میں ناشکرے کے علاوہ کوئی بھی شک نہیں کرتا، رات اور دن کو اس نے پیدا کیا، چنانچہ ہر ایک نمایاں ہے، اور اس کا ضابطہ متعین ہے، پھر مہربان رب نے دن کو روشن کیا، ایسے سورج سے جس کی شعائیں (کرنیں) پھیلی ہوئی ہیں اس نے ہاتھی کو مَغْمَسْ میں روک دیا یہاں تک کہ وہ سرین کے بل چلنے لگا گویا اس کے پیر کٹے ہوئے ہیں۔

نوٹ: مَغْمَس طائف کے راستہ میں مکہ مکرمہ سے تقریباً تین فرسخ کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔

عقائدُها:

وقد كانت عقيدةُ إثباتِ الصَّانِع سبحانه وتعالى، وأنه هو خالقُ الأرض والسماوات العُلى، وأنه مدبِّر الحوادثِ العِظَامِ، وأنه قادرٌ على إرْسالِ الرُّسُلِ وجزاءِ العِبادِ بما يعملون، وأنه مقدِّرٌ للحوادثِ العظيمةِ قبلَ وُقوعِهَا، وأن الملائكةَ عِبادُه المقرَّبون، وأنهم يستحقون التعظيمَ، كلُّ ذلك كان ثابتًا عندهم، ويَدُلُّ على ذلك أشعارُهم؛ ولكنَّ جمهورَ المشركين قد وقعوا في شُبُهاتٍ كثيرةٍ تُجاهَ هذه المُعْتَقَداتِ لاسْتِبْعَادِها، وعَدمِ أُلْفَتِهِمْ بإدْراكِها.

ترجمہ: ملت ابراہیمی کے عقائد: خالق کائنات سبحانہ وتعالیٰ کے وجود کا عقیدہ، اور یہ (عقیدہ) کہ وہی بلند آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں۔ اور وہی بڑے بڑے حوادثات کی تدبیر اور انتظام کرنے والے ہیں، اور یہ (عقیدہ) کہ وہ رسولوں کے بھیجنے پر، اور بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ

دینے پر پوری قدرت رکھتے ہیں، اور وہ بڑے بڑے حوادثات کو رونما ہونے سے پہلے فیصل کرنے والے ہیں، اور یہ (عقیدہ) کہ فرشتے اس کے مقرب بندے ہیں، اور تعظیم کے مستحق ہیں، یہ سب عقیدے ان کے نزدیک ثابت تھے، اور اس (کے ثبوت) پر ان کے اشعار دلالت کرتے ہیں، لیکن اکثر مشرکین ان عقیدوں کے پیش نظر بہت سے شکوک وشبہات میں مبتلا تھے، ان کو بعید سمجھنے کی وجہ سے؛ اور ان کے علم وادراک سے الفت ورغبت نہ ہونے کی وجہ سے۔

لغت:

تُجاہ، تِجاہ اور **تَجاہ** کے معنی ہیں: سامنے، مقابل، کہا جاتا ہے: **قَعَدُوْا تُجَاهَهٗ**: وہ لوگ اس کے سامنے بیٹھے، حدیث شریف میں ہے: **اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ**: اللہ کے حقوق کی حفاظت کر، اس کو اپنے سامنے پائے گا (مشکوۃ شریف باب التوکل ص ۴۵۳)

☆　☆　☆

مشرکین کی گمراہیاں

مشرکین عرب اگرچہ حنفاء یعنی ملت ابراہیمی کے پیرو تھے، مگر اس کے باوجود شرک اور تشبیہ کے دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، ملت ابراہیمی میں تحریف اور آخرت کا انکار کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کی رسالت کو بعید اور من گھڑت باتوں کو دین سمجھتے تھے، برے کاموں اور ظلم وزیادتی میں بے باک اور عبادتوں کو ملیا میٹ کرنے والے تھے۔

ضلالُ المشرکین

وكان من ضلالِهِم: الشركُ، والتشبيهُ، والتحريفُ، وجحودُ الآخرة، واستبعادُ رسالةِ النبي صلى الله عليه وسلم، وشيوعُ الأعمالِ القبيحةِ والمظالمِ فيما بينهم، وابتداعُ التَّقَالِيْدِ الباطلةِ، وَانْدِرَاسُ العبادات.

ترجمہ: مشرکین کی گمراہی: اور مشرکین کی گمراہی میں سے تھا (۱) شرک (۲) تشبیہ (۳) تحریف (۴) اور آخرت کا انکار کرنا (۵) نبی کریم ﷺ کی رسالت کو بعید سمجھنا (۶) برے اعمال اور ظلم وستم کا ان کے درمیان پھیل جانا (۷) باطل مذہبی باتوں کو ایجاد کرنا (۸) اور عبادتوں کا مٹ جانا۔

☆　☆　☆

شرک کا بیان

اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات میں سے کسی صفت کو غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا شرک ہے، مثلاً: اسباب و آلات کے بغیر صرف ارادہ سے کائنات میں تصرف کرنا اللہ کی صفت خاصہ ہے، اسی طرح علم ذاتی یعنی عقل و حواس اور خواب والہام وغیرہ اسباب علم کے بغیر حاصل شدہ علم بھی اللہ کی خاص صفت ہے، نیز بیمار کو شفایاب کرنا، کسی کو دنیا و آخرت کی بھلائیوں اور سعادتوں سے محروم کرنا، اورکسی کو دنیا اور آخرت کی بھلائیوں اور سعادتوں سے نوازنا، اللہ جل شانہ کی مخصوص صفات ہیں، ان صفات میں سے کسی صفت کو غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔

بَيانُ الشِرْكْ

والشِرْكُ: ان يُثبِتَ لغيرِ اللّه تعالى شيئاً من الصفاتِ المُختَصَّةِ بِهٖ تعالى كالتَّصرُّفِ فى العالَمِ بالإرادةِ الذى يعبرعنه بـ ﴿كُنْ فيكونُ﴾ أو العلمِ الذاتى الذى لايحصلُ بالاكتسابِ عن طريقِ الحَوَاسِّ ودليلِ العَقْلِ والمَنامِ والإلهامِ ونحوِ ذلك،أو الإيجادِ لِشِفَاءِ المريضِ، أو اللَّعْنِ على شخص والسُّخطِ عليه حتى يُقْدَرَ عليه الزرقُ، أو يَمْرَضَ ، او يَشقى بسببِ ذلك السَّخَطِ، أو الرَحْمَةِ لشخصٍ حتى يُبْسَطَ له الزرقُ، ويَصِحَّ بدنُه،ويَسْعَدَ بسببِ هذه الرحمةِ

ترجمہ: شرک کا بیان: شرک یہ ہے کہ ثابت کرے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ماسوا کے لئے کوئی صفت ان صفات میں سے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، جیسے کائنات میں بالارادہ تصرف کرنا جس کو ﴿كُنْ فيكونُ﴾ سے تعبیر کیا جاتا ہے، یا (جیسے) علم ذاتی، جو حاصل نہیں ہوتا ہے حواس کے ذریعہ کسب کرنے سے، اور عقل کی رہنمائی اور خواب والہام وغیرہ سے کسب کرنے سے، یا بیمار کو شفا بخشنا، یا کسی شخص پر لعنت کرنا، اور اس سے ناراض ہونا یہاں تک کہ اس پر روزی تنگ ہو جائے، یا بیمار ہو جائے، یا بدبخت ہو جائے اس ناراضگی کی وجہ سے، یا کسی شخص پر مہربان ہونا یہاں تک کہ اس کے لئے روزی کشادہ ہو جائے، اور اس کا بدن تندرست ہو جائے، اور وہ نیک بخت ہو جائے اس مہربانی کی وجہ سے۔

لغات:

قَدَرَ (ن، ض) قَدْرًا، وَقَدَّرَ عَلٰى عِيَالِهٖ: اہل وعیال پر نان ونفقہ میں تنگی کرنا...... شَقِيَ (س)

شَقَاوَةً: بد بخت ہونا...... بَسَطَ (ن) بَسْطًا: پھیلانا، کشادہ کرنا...... سَعِدَ (س) سَعَادَةً: نیک بخت ہونا...... الشِرْكُ؛ اَشْرَكَ کا اسم ہے: شریک حصہ، ساجھی، پاٹنر جمع اَشْرَاكٌ؛ اَشْرَكَ بِاللّٰهِ شریک ٹھہرانا، شرک کرنا۔

﴿فائدہ﴾ زیر شرح عبارت میں شاہ صاحب نے شرک فی الصفات کی تعریف کی ہے، کیونکہ مشرکین عرب کا شرک اسی قسم کا تھا ــــــ شرک کی پوری تعریف یہ ہے کہ دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کی ذات میں یا اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے کسی صفت میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک وساجھی ہے ــــــ ذات میں شریک ماننے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرح کسی اور ہستی کو واجب الوجود اور قدیم مانے جیسے آتش پرستوں کا عقیدہ ہے کہ خدا دو ہیں (۱) یَزْدَان (خیر کا خالق) (۲) اور اَهْرَمَنْ (شر کا خالق) ــــــ اور صفات خداوندی میں شریک ماننے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی صفات خاصہ میں سے کسی صفت کو غیر اللہ کے لئے ثابت مانے، مثلاً یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرح فلاں ہستی عبادت کے لائق ہے، یا فلاں بزرگ بارش برسا سکتے ہیں، یا شفایاب کر سکتے ہیں، یا بیٹا بیٹی دے سکتے ہیں، یا مارنا جلانا ان کے قبضۂ قدرت میں ہے، یا یہ اعتقاد رکھے کہ فلاں پیغمبر یا ولی خدا کی طرح غیب کا علم ذاتی رکھتے ہیں، اور کائنات کے ذرہ ذرہ کا ان کو علم ذاتی ہے۔

☆ ☆ ☆

مشرکین عرب کا شرک

مشرکین عرب کائنات کے پیدا کرنے میں، اور عظیم الشان امور کی تدبیر وانتظام میں نہ کسی کو اللہ کا شریک وساجھی مانتے تھے، نہ کسی کے لئے اللہ کے قطعی فیصلہ کو رد کرنے کی قدرت ثابت کرتے تھے، صرف لوگوں کے معاملات میں اور بشری ضرورتوں میں دوسروں کو اللہ کا شریک وساجھی ٹھہراتے تھے۔

مشرکین عرب کا یہ گمان تھا کہ جس طرح ایک عظیم الشان بادشاہ اپنی رعایا کا انتظام خود نہیں کرتا، بلکہ ان کے معاملات کا نظم ونسق مقربین بارگاہ کو سونپ دیتا ہے، اور رعایا پر ان کی اطاعت واجب کر دیتا ہے۔ اور ان کی سفارش ان کے خداموں اور مقربین کے معاملات میں قبول کرتا ہے اسی طرح اللہ جل شانہ نے اپنے بعض مقرب بندوں کو الوہیت کا مرتبہ عطا فرمایا ہے، اور

اپنے دیگر بندوں کے معاملات کا نظم ونسق ان کو سونپ دیا ہے، لہٰذا ان مقرب بندوں کو خوش رکھنا ضروری ہے، تاکہ وقت ضرورت وہ سفارش کریں، اور ان کے توسط سے اللہ جل شانہ تک رسائی آسان ہو جائے۔

ان خیالی باتوں کے پیش نظر مشرکین ان مقرب بندوں کے لئے سجدہ کرنے اور قربانی کرنے کو، نیز ان کی قسمیں کھانے، اور اہم امور میں ان کی قدرت کاملہ سے مدد مانگنے کو جائز سمجھتے تھے —— پھر مشرکین نے ان مقرب بندوں کی طرف متوجہ ہونے کے لئے ان کی مورتیاں بنائیں، اور ان کو قبلۂ توجہ بنایا، مگر رفتہ رفتہ جاہل اور ناسمجھ لوگ ان مورتیوں ہی کو معبود حقیقی سمجھنے لگے، تو عقیدوں میں بہت بڑا فساد اور بگاڑ پیدا ہو گیا۔

ولم يكن هؤلاء المشرِكونَ يُشرِكونَ أحداً في خَلْقِ الجَوَاهِرِ، وتدبيرِ الأمورِ العِظَامِ، ولايُثْبِتُونَ لأحدٍ قدرةَ المُمانَعَةِ إذا أبْرَمَ اللّٰهُ تعالى أمرًا؛ وإنما كان إشراكُهم في أمورٍ خاصَّةٍ ببعضِ العبادِ، ويظنون أن سلطانا عظيما من السلاطين كما يُرْسِلُ عبيدَه المخصوصين إلى نواحي مَمْلِكَتِهِ، ويجعلُهم مختارين مُتَصَرِّفين في أمورٍ جزئيةٍ، إلى أن يَصْدُرَ عنه حكمٌ صريحٌ في أمرٍ خاصٍّ، ولايقوم بشئونِ الرَعِيَّةِ وأمورِهم الجزئيةِ بنفسِه، بل يَكِلُ الرَعِيَّةَ إلى الوُلاةِ والحُكَّامِ، ويَقْبَلُ شَفاعتَهم في حق الذين يَخدِمُونَهم، ويَتَوَسَّلون بهم؛ كذلك قد خَلَعَ المَلِكُ على الإطلاقِ على بعضِ عبادِهِ خِلْعَةَ الألوهية، وجعل سَخَطَهُمْ ورِضاهم مُؤثِرًا في عبادِه الآخرين. فَيَرَوْنَ التَزَلُّفَ إلى أولئك العبادِ المقربين واجبًا لِيَتَيَسَّرَلهم حسنُ القبول في حضرةِ المَلِكِ المُطْلَقِ، وتُقبلُ شفاعتُهم للمتقرِّبين بهم في مَجارى الأمور.
وكانوا يُجَوِّزون نظرًا إلى هذه الأمورِ: أن يُسْجَدَلهم، ويُذْبَحَ لهم، ويُحْلَفَ بهم، ويُسْتَعانَ بِقُدْرَتِهم المطلقةِ في الأمورِ المُهِمَّةِ. ونَحَتُوا صُوَرًا كصُوَرِهم من الحَجَرِ والصُّفرِ وجعلوها قِبْلَةً للتَوَجُّهِ إلى تلك الأرواحِ؛ حتى اعتقد الجُهَّالُ شيئا فشيئًا تلك الصُّورَ معبودةً بِذَوَاتِها؛ فتَطَرَّقَ الفسادُ العظيمُ إلى المُعْتَقَداتِ.

ترجمہ: یہ مشرکین نہیں شریک ٹھہراتے تھے کسی کو کائنات کی چیزوں کے پیدا کرنے میں، اور بڑے بڑے معاملات کی تدبیر وانتظام میں، اور نہیں ثابت کرتے تھے کسی کے لئے روکنے اور رد کرنے کی

قدرت جب اللہ تعالیٰ قطعی فیصلہ فرمادیں کسی کام کا، اور بیشک ان کا شرک ایسے معاملات میں تھا جو بعض بندوں کے ساتھ خاص ہیں، اور وہ گمان کرتے تھے کہ بادشاہوں میں سے ایک عظیم الشان بادشاہ جس طرح اپنے مخصوص بندوں کو اپنی سلطنت کے اطراف وجوانب میں بھیجتا ہے، اور ان کو جزوی معاملات میں مختار ومتصرف بنادیتا ہے، اس (عظیم الشان بادشاہ) کی طرف سے صریح حکم صادر ہونے تک کسی خاص معاملہ میں، اور وہ (بادشاہ) رعیت کے معاملات اور ان کے جزوی کاموں کو خود انجام نہیں دیتا، بلکہ رعیت (کے معاملات) سرداروں اور حاکموں کو سپرد کردیتا ہے، اور ان کی سفارش ان لوگوں کے حق میں قبول کرتا ہے، جو ان (حکام) کی خدمت کرتے ہیں، اور ان کو وسیلہ بناتے ہیں۔ اسی طرح شہنشاہ کامل (یعنی اللہ تعالیٰ) نے اپنے بعض بندوں کو الوہیت کا مرتبہ عطا فرمایا ہے، اور ان کی ناراضگی اور رضامندی کو اپنے دوسرے بندوں کے حق میں مؤثر بنایا ہے، پس وہ (مشرکین) ان مقرب بندوں کے تقرب کو ضروری خیال کرتے ہیں، تاکہ آسانی سے ان کو اچھی مقبولیت حاصل ہوجائے شہنشاہ کامل کی بارگاہ میں، اور ان (مقرب بندوں) کی شفاعت روزمرہ کے معاملات میں ان لوگوں کے لئے قبول کی جائے جو ان کے وسیلہ سے قرب خداوندی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ان خیالی باتوں کے پیش نظر وہ (مشرکین) جائز سمجھتے تھے ان کے واسطے سجدہ کرنے کو، اور ان کے لئے قربانی کرنے کو، ان کی قسم کھانے کو اور اہم معاملات میں ان کی قدرت کاملہ سے مدد مانگنے کو، اور ان مشرکین نے ان (مقرب بندوں) کی شکل وصورت جیسی پتھر اور پیتل کی مورتیاں تراش رکھی تھیں، اور ان (مورتیوں) کو ان (مقرب بندوں) کی ارواح کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ بنایا تھا، یہاں تک کہ نادانوں نے رفتہ رفتہ ان مورتیوں ہی کو حقیقی معبود مان لیا، پس عظیم بگاڑ نے عقیدوں تک پہنچنے کی راہ پالی۔

لغات:

جَوَاهِر؛ جَوْهَرٌ کی جمع ہے: وہ چیز جو قائم بالذات ہو، اور اپنے وجود میں محل کی محتاج نہ ہو، اس کا مقابل "عرض" ہے؛ یہاں جواہر سے مراد کائنات کی مادی چیزیں ہیں...... اَبْرَمَ الْاَمْرَ: مضبوط کرنا، اٹل فیصلہ کرنا...... نَوَاحِیْ؛ نَاحِيَةٌ کی جمع ہے: جانب، جہت...... قَامَ بالاَمْرِ یقوم قِیَامًا: انتظام کرنا...... وَكَلَ يَكِلُ وَكْلاً وَوُكولاً إليه الامرَ: سپرد کرنا...... وُلَاة؛ وَالِي کی جمع ہے: حاکم شہر...... خِلْعَةٌ: کپڑے جو عزت کے طور پر ملیں، مجازاً عزت ومرتبہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے خَلَعَ علیه ثَوْبًا (ف) خَلْعًا: خلعت دینا...... تَزَلُّف: تقرب...... مَجَارِیْ؛ مَجْریٰ کی جمع ہے، اور مَجَاری

الامور سے آئے دن پیش آنے والے امور مراد ہیں...... نَحَتَ (ن، ض) نَحَتَا الحجرَ: پتھر کو تراش کر ہموار کرنا...... الصُفرُ: پیتل، سونا...... تطرَّقَ الیه: راستہ پالینا۔

☆ ☆ ☆

تشبیہ کا بیان

تشبیہ یہ ہے کہ بشری صفات میں سے کسی صفت کو اللہ جل شانہ کے لئے ثابت کیا جائے مثلاً شکل وصورت اور جسم والا ہونا، یا بیٹا بیٹی والا ہونا بشری صفات ہیں، ان صفات میں سے کسی صفت کو اللہ جل شانہ کے لئے ثابت کرنا تشبیہ ہے۔

مشرکین عرب کی تشبیہ یہ تھی کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے، اور اُن کا یہ بھی خیال تھا کہ جس طرح ایک عظیم الشان بادشاہ اپنی مرضی کے خلاف بڑے بڑے امراء کی بات مان لیتا ہے اسی طرح اللہ جل شانہ اپنے مقرب بندوں کی سفارش قبول کرتے ہیں، چاہے وہ اللہ کی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، نیز مشرکین عرب اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے باری تعالیٰ کی صفات سمع وبصر اور علم کو اپنی صفتوں پر قیاس کرتے تھے کہ جس طرح ہم دیکھنے، سننے اور جاننے میں آنکھ کان وغیرہ اعضاء کے محتاج ہیں، اسی طرح باری تعالیٰ بھی آنکھ کان وغیرہ اعضاء کے محتاج ہیں، اور وہ اسی کوتاہ فہمی کی وجہ سے اس گمراہی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ شکل وصورت اور جسم والے ہیں۔ اور متحیز ومتمکن ہیں۔ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

وَمُعَظَّمُ الْخَطَاِ شَيْئَانِ: اَنْ يُعْتَقَدَ فى الواجِبِ صفاتُ المخلوقِ، او يُعْتَقَدَ فى المخلوق صفاتُ الواجبِ، فالأوَّلُ هو التشبيهُ، ومَنْشَؤُهُ قياسُ الغائب عَلَى الشاهِدِ، والثانى هو الاشراكُ وَمَنْشَؤُهُ رُؤيَةُ الآثارِ الخارِقَةِ من المخلوقين فيظن أَنَّها مُضافَةٌ اليهم بمعنى الخلق وأَنَّها ذاتيةٌ لهم (ج ۱ ص ۵۷)

دو گمراہیاں بہت بڑی ہیں: (۱) واجب تعالیٰ میں مخلوق کی صفات مان لینا (۲) یا مخلوق میں صفات خداوندی تسلیم کرنا، اول تشبیہ ہے، اور اس کا منشا غائب کو حاضر پر قیاس کرنا ہے، اور دوسری شرک ہے۔ اور اس کا منشا مخلوقات سے خرق عادت امور وآثار کا مشاہدہ کرنا ہے، پس یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان امور وآثار کے خالق یہی ہیں، اور یہ ان کے ذاتی آثار ہیں

بيانُ التَشْبِيْهِ

والتشبيهُ: عبارةٌ عن إثباتِ الصفاتِ البشريةِ للّٰه تبارك وتعالى، فكانوا يقولون: إن الملائكةَ بناتُ اللّٰهِ ، وإنه تعالى يَقْبَلُ شفاعةَ عبادِهِ، وإن لم يرضَ بها، كما يفعل الملوكُ أحيانًا مِثْلَ ذلك مع الأمراء الكِبَارِ؛ ولَمَّا لم يستطيعوا إدراكَ علمِه تعالى وسَمْعِهِ وبَصَرِهِ، كما يليق بشأنِ الألوهيةِ، قاسوها على علمِهم وسمعِهم وبصرِهم، فوقعوا في عقيدةِ التَجْسيم، ونسبوا التَحَيُّزَ إلى اللّٰه تعالى شأنُه.

ترجمہ: تشبیہ کا بیان: تشبیہ کے معنی ہیں: بشری صفات کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ثابت کرنا، چنانچہ مشرکین کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اور یہ (بھی کہتے تھے) کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی سفارش قبول کرتے ہیں، اگرچہ وہ اس (شفاعت) سے خوش نہ ہوں، جیسا کہ سلاطین بڑے بڑے حکام کے ساتھ کبھی کبھی ایسا کرتے ہیں، اور جب مشرکین اللہ تعالیٰ کے علم اور سمع وبصر کا ـــــ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں ـــــ ادراک نہ کر سکے، تو انھوں نے ان (صفات خداوندی) کو اپنے علم اور سمع وبصر پر قیاس کیا، پس وہ تجسیم کی گمراہی میں مبتلا ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف تحیز کی نسبت کی (یعنی اللہ تعالیٰ کو متحیز ومتمکن مان لیا)

لغات:

تَجْسِيْم: جسم والا سمجھنا، اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ جسم والے ہیں، اور جسم اس کو کہتے ہیں جس میں طول، عرض، اور عمق ہوں...... تَحَيُّز: حیز یعنی جگہ میں ہونا، اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ حیز اور مکان میں ہیں۔ یہ دونوں عقیدے گمراہ کن ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ جسم والے ہیں، نہ کسی حیز میں ہیں۔

☆ ☆ ☆

تحریف کا بیان

مشرکین عرب کی تیسری گمراہی "تحریف" ہے، تحریف کے لغوی معنی ہیں: بدل دینا، ترمیم کرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: دین میں من گھڑت باتیں داخل کر کے شریعت الٰہیہ کو بدل دینا۔

تحریف کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اپنے جد امجد حضرت ابراہیم

علیہ السلام کے دین ومذہب پر گامزن تھی، اور ملت ابراہیمی کے احکامات وعبادات کی پابند تھی، مگر حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے تقریباً تین سو سال پہلے مکہ مکرمہ میں یہ رواج عام ہو چلا تھا کہ جب کوئی شخص سفر میں جاتا تو حرم مکہ کا کوئی پتھر تبرکاً اپنے ساتھ لے جاتا، کچھ لوگ اس پتھر کو مقدس سمجھ کر اس کا طواف بھی کرتے تھے، پھر معاملہ آگے بڑھا تو جو بھی پتھر ان کو پسند آتا اس کو اٹھا لیتے، اور خانہ کعبہ کی طرح اس کا طواف کرنے لگتے ——— اسی اثناء میں عمرو بن لُحَیّ جو بیت اللہ کا دربان تھا اور ملک شام کے بہت سے شہروں کی سیر کر چکا تھا، وہ "مآب" نامی بستی میں پہنچا، جو وادیٔ اردن میں واقع ہے، وہاں قوم عمالقہ آباد تھی، جو بتوں کی پرستش کرتی تھی، عمرو بن لحی نے جب "مآب" میں پتھروں کی مورتیاں دیکھیں تو وہ اسے بہت بھلی معلوم ہوئیں، اس نے ان کے پجاریوں سے پوچھا کہ ان مورتیوں کی حقیقت کیا ہے جن کی تم پرستش کرتے ہو؟ انھوں نے کہا یہ ہمارے معبود ہیں، جو ہماری طلب پر بارش برساتے ہیں، اور ہر کام میں ہماری نصرت ومدد کرتے ہیں، عمرو بن لحی نے ان سے کہا کہ ایک مورتی مجھے دو، تاکہ میں اس کو ملک عرب میں لے جاؤں، انھوں نے عمرو بن لحی کو ایک پتھر کی مورتی دے دی، جس کا نام "ھُبَل" تھا عمرو بن لحی نے اس کو مکہ میں نصب کر دیا، اور لوگوں کو اس کی تعظیم اور پرستش کرنے کی دعوت دینے لگا، چونکہ اہل مکہ پہلے سے پتھروں کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس لئے انھوں نے عمرو بن لحی کی دعوت کو بہت جلد قبول کر لیا، اور دیگر عرب چونکہ اہل مکہ کی پیروی کرتے تھے اس لئے تمام عرب بت پرستی میں مبتلا ہو گئے، جب عمرو بن لحی نے دیکھا کہ لوگ بتوں کی خوب تعظیم کرتے ہیں تو اس نے بتوں کے نام پر مختلف قسم کے جانور چھوڑنے کی رسم ایجاد کی، اور تیروں کے ذریعہ قسمت آزمائی کی بنیاد ڈالی، اس طرح ملت ابراہیمی کو جو تمام ادیان ومذاہب میں سب سے بہتر دین تھا بدل دیا، پھر بعد میں آنے والے اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلنے لگے، اور بت پرستی وغیرہ اعمال شرکیہ کے جواز میں اپنے بزرگوں کی روایات سے استدلال کرنے لگے، اور ان کو دلائل قطعیہ سمجھنے لگے۔

بیانُ التحْریف

وأما التحریفُ فإن قِصَّتَهُ: أن أولادَ سیدِنا إسماعیلَ علیه السلامُ کانوا علی شریعةِ

جدِّهم الكريمِ: سيدِنا إبراهيمَ عليه الصلاة والسلام،حتىٰ جاء عصرُ عمروبنِ لُحَيٍّ ـــــ لَعَنَهُ اللّٰهُ ـــــ فوَضَعَ لهم الأصنامَ، وَشَرَعَ لهم عبادتَها، واخترع لهم تحريرَ البَحائِرِوالسَّوائِبِ والحَامِي،والاستقسامَ بالأزلامِ، وأمثالَ هذه الطُّقوس.وقدكان هذا الحادثُ قبلَ بعثةِ النبى صلى الله عليه وسلم بقُرابةِ ثلاثِ مائةِ سنةٍ ،وكانوا يتمسكون فى هذا الباب بآثارِ آبائهم، ويرونها من الحُجَجِ القاطعةِ.

ترجمہ: تحریف کا بیان: رہی تحریف تو اس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اپنے شریف وسخی دادا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت پر تھی، یہاں تک کہ عمرو بن لُحی کا زمانہ آیا ـــــ اللہ کی لعنت ہو اس پر ـــــ پس اس نے ان کے لئے بت نصب کئے، اور بنو اسماعیل کے لئے ان کی عبادت کو جائز کیا، اور اسی نے ایجاد کیا ان کے لئے بحیرہ، سائبہ اور حام کے آزاد چھوڑنے کو، اور تیروں کے ذریعہ قسمت آزمائی کرنے کو اور ان دینی رسموں کے مانند دیگر باتوں کو، اور یہ واقعہ پیش آیا نبی کریم ﷺ کی بعثت سے تقریباً تین سو سال پہلے، اور وہ (بنو اسماعیل) اس باب میں (یعنی بت پرستی اور من گھڑت دینی باتوں کے جواز کے بارے میں) اپنے آباء واجداد کی روایات سے استدلال کرتے تھے، اور ان (روایات و آثار) کو دلائل قطعیہ میں سے سمجھتے تھے۔

لغات:

بَحَائِرُ، بَحِيْرَةٌ کی جمع ہے: وہ اونٹنی یا بکری جس کے کان اچھی طرح چیر دیئے گئے ہوں...... مشرکین کی یہ رسم تھی کہ جب کوئی اونٹنی یا بکری مسلسل دس مادہ بچے جنتی تو دسویں بچے کو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے، اور نشانی کے لئے اس کے کان چیر دیتے۔

سَوَائِبُ ، سَائِبَةٌ کی جمع ہے: آزاد چھوڑی ہوئی اونٹنی یا بکری...... مشرکین کی یہ بھی رسم تھی کہ جو اونٹنی یا بکری مسلسل دس مادہ بچے جنتی اس کو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے، نہ اس پر سوار ہوتے تھے، نہ اس کی اون کاٹتے تھے، نہ اس کے دودھ کو سوائے اس کے بچے اور مہمان کے کوئی پیتا تھا، اور گھاس پانی وغیرہ سے بھی اس کو نہیں روکا جاتا تھا...... اور بعض حضرات کے نزدیک سائبہ اس اونٹنی یا بکری کو کہا جاتا ہے جو کسی مرض سے شفایاب ہونے پر، یا کسی مقصود کے پورا ہونے پر بتوں کے نام آزاد چھوڑ دی جاتی تھی۔

اَلْحَامِیْ (اسم فاعل از حَمٰی (ض) حِمْیَةً وَحِمَایَةً: روکنا، پرہیز کرنا): نر اونٹ یا بکرا جس کو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیا گیا ہو............ مشرکین کی یہ بھی رسم تھی کہ جس اونٹ یا بکرے کی جفتی سے مسلسل دس مادہ بچے پیدا ہوتے اور درمیان میں کوئی نر نہ ہوتا اس سے پرہیز کرتے، نہ اس پر سوار ہوتے، نہ اس پر بوجھ لادتے، نہ اس کی اون کاٹتے، نہ اس کو چارے پانی سے روکتے، بلکہ سانڈ کے مانند اس کو آزاد چھوڑ دیتے۔

اِسْتِقْسَام بالاَزْلاَمِ، اِسْتِقْسَام کے معنی ہیں: قسمت آزمائی کرنا، اور اَزْلاَم؛ زَلَمٌ کی جمع ہے: وہ تیر جس میں پر نہ ہوں، پس اِسْتِقْسَام بالاَزْلاَم کے معنی ہیں: تیروں کے ذریعہ قسمت آزمائی کرنا، یعنی خیر و شر معلوم کرنا............ مشرکین کی یہ بھی رسم تھی کہ جب کوئی اہم کام در پیش ہوتا جیسے سفر، جنگ، تجارت یا نکاح وغیرہ تو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ اُن تیروں کے ذریعہ کرتے تھے، جو خانۂ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے، ان میں سے کسی پر اَمَرَنِیْ رَبِّیْ (میرے رب نے مجھے حکم دیا) اور کسی پر نَهَانِیْ رَبِّیْ (میرے رب نے مجھے منع کیا) لکھا ہوا تھا، اور کسی پر کچھ لکھا ہوا نہیں تھا، ان تیروں کو کعبہ کا دربان کسی تھیلے میں رکھ کر قسمت آزمائی کرنے والے کے ہاتھ میں دے دیتا، وہ اس کو گھماتا پھر اس میں سے ایک تیر نکالتا اگر حکم دینے والا تیر نکلتا تو اس کام کو کرتا، اور منع کرنے والا تیر نکلتا تو اس کام سے باز رہتا، اور اگر خالی تیر نکلتا تو پھر تھیلے کو گھما کر دوبارہ تیر نکالتا یہاں تک کہ امر یا نہی والا تیر نکل آئے۔

طُقُوْس؛ طَقْسٌ کی جمع ہے: طریقہ خصوصاً دینی اور مذہبی طریقہ اور رسم...... اَلْقُرَابَةُ: قریب...... آثار؛ اَثَرٌ کی جمع ہے: نشانِ قدم، روایت۔

☆ ☆ ☆

انکار آخرت

انبیائے سابقین نے حشر و نشر اور قیامت کے احوال بیان کئے تھے، مگر اتنی تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ بیان نہیں کئے تھے، جتنی تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ قرآن عظیم میں مذکور ہیں، اس لئے اکثر مشرکین حشر و نشر اور قیامت کے احوال سے بہت کم واقف تھے، اور اسی عدم واقفیت کی وجہ سے طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا تھے، اور دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن اور محال سمجھتے تھے، چنانچہ وہ کبھی یہ شبہ پیش کرتے کہ ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد کون ان کو

زندہ کرے گا؟ ﴿مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ؟﴾ (سورہ یس آیت ۷۸) اور کبھی یوں سوال کرتے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے اور فقط ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جائیں گے تو ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ ﴿ءَ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ إِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ (سورۃ الصّٰفّٰت ۱۶) اور کبھی دعوی کرتے کہ ہمارے لئے یہی دنیوی زندگی ہے، اور ہم کو دوبارہ زندہ کرکے نہیں اٹھایا جائے گا ﴿إِنْ هِيَ إِلاَّ حَيَاتُنَا الدُّنْيَا، وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ (سورہ انعام ۱۹)

جحودُ الآخرةِ

وقد بَيَّنَ الأنبياءُ السالفون الحشرَ والنشرَ؛ ولكن لم يكن ذلك البيانُ بشرحٍ وبَسْطٍ مثلَ ما تَضَمَّنَه القرآنُ العظيمُ، ولذلك كان جمهورُ المشركين قليلي الاطلاعِ عليه، وكانوا يستبعدون وقوعَه.

ترجمہ: آخرت کا انکار: اور گذشتہ انبیائے کرام نے یقیناً حشر و نشر کی وضاحت فرمائی ہے، لیکن وہ وضاحت ایسی تشریح و تفصیل کے ساتھ نہیں تھی جیسی تشریح و تفصیل پر قرآن عظیم مشتمل ہے، اسی وجہ سے اکثر مشرکین اس سے کم واقف تھے، اور اس کے وقوع کو بعید سمجھتے تھے

☆ ☆ ☆

نبی کریم ﷺ کی رسالت کو مستبعد سمجھنا

مشرکین عرب کے لئے نبوت و رسالت کوئی انوکھی چیز نہیں تھی، وہ اپنے اجداد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نبوت کے قائل تھے، بلکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو بھی تسلیم کرتے تھے، جبکہ وہ ان کے ابنائے عم (بنی اسحاق) میں سے تھے اور چونکہ بنی اسرائیل، بنو اسماعیل کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، اس لئے باہم تنافر بھی تھا، تاہم مشرکین عرب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو مانتے تھے، مگر وہ خود اپنی برادری کے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت و رسالت کو دو وجہ سے مستبعد (بعید از قیاس) سمجھتے تھے: ایک: بشری صفات کا حجاب، تسلیم نبوت کی راہ میں مانع بنتا تھا دوسری وجہ: اس حکمت کو نہ سمجھنا تھی جو بعثتِ انبیاء میں ملحوظ ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) بشری صفات ہمیشہ لوگوں کے لئے اعتراف کمال کی راہ میں مانع بنتی رہی ہیں، لوگ گذشتہ بزرگوں کے تو قائل ہوتے ہیں، مگر زندہ بزرگوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ نبی کریم ﷺ بھی چونکہ دیگر انبیاء کی طرح ایک انسان تھے، کوئی فرشتہ نہیں تھے، اس لئے آپؐ بھی بشری صفات کے ساتھ متصف تھے۔ کھانے پینے کی حاجتیں اور دیگر انسانی ضروریات رکھتے تھے اس لئے یہی بشری صفات آپ کی نبوت کے جمال کامل کے لئے حجاب بن گئیں۔ مشرکین عرب کے اذہان کو اس بات نے پراگندہ کر دیا تھا کہ جو عام انسانوں کی طرح چلتا پھرتا، کھاتا پیتا اور حاجتیں رکھتا ہو وہ نبی کیونکر ہو سکتا ہے؟ ان کے خیال میں نبی کے لئے مافوق الفطرت ہستی ہونا ضروری تھا۔ اس لئے وہ گذشتہ انبیاء کی نبوت کو تسلیم کرنے کے باوجود آپ ﷺ کے نبی ہونے کو مستبعد خیال کرتے تھے۔

(۲) مشرکین کی رائے میں رسول (بھیجے ہوئے) اور مرسل (بھیجنے والے) میں مماثلت (یگانگت) ضروری تھی ان کے خیال میں رسول اور نبی وہی ہو سکتا ہے جو خدائی اوصاف و کمالات کا حامل ہو، اور بشری صفات سے پاک ہو، اور سرکار دو عالم ﷺ نہ خدائی اوصاف و کمالات کے مالک تھے، نہ بشری صفات سے بالاتر تھے، اس لئے وہ پہلے انبیائے کرام کی رسالت و نبوت کو تسلیم کرنے کے باوجود سرکار دو عالم ﷺ کی رسالت و نبوت پر حیرت زدہ تھے، اور کہتے تھے کہ: یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا ہے، اور بازاروں میں پھرتا ہے؟ ﴿وَقَالُوْا مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْأَسْوَاقِ﴾ (سورۃ الفرقان ۷) کبھی کہتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟ اور کبھی کہتے کہ: ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے؟ ﴿لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰۤئِكَةُ﴾ (سورۃ الفرقان ۲۱) اسی طرح کے لچر شکوک و شبہات پیش کرتے رہتے تھے، اور اس حکمت خداوندی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے جو بعثت انبیاء میں مضمر ہے۔

بعثت انبیاء میں مضمر حکمت:

حکمت خداوندی کا تقاضا یہ ہے کہ رسول ان ہی لوگوں میں سے ہو جن کی طرف اس کو بھیجا گیا ہے، وہی لوگوں کے احوال اچھی طرح سمجھ سکتا ہے، اور ان اسباب و علل کو جان سکتا ہے جن سے ان کے عقائد و اعمال میں فساد اور خلل واقع ہوتا ہے، ایسا رسول لوگوں کی جتنی عمدہ

اصلاح کرسکتا ہے دوسرا کوئی نہیں کرسکتا، نیز لوگوں کے لئے اپنی قوم کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے استفادہ آسان ہوتا ہے، اسی حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰئِكَةٌ يَمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُوْلًا (بنی اسرائیل آیت ۹۵)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر زمین میں تمہاری طرح فرشتے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر بھیجتے

اس کے علاوہ اور بہت سی حکمتیں ہیں جن کی وجہ سے انسانوں کی طرف انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا جاتا ہے، کسی فرشتے کو رسول بنا کر نہیں بھیجا جاتا، لیکن مشرکین ان حکمتوں کو نہیں جانتے تھے اس لئے ناقابل سماعت شکوک وشبہات پیش کرتے رہتے تھے، اور سرکار دو عالم ﷺ کی رسالت ونبوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

استبعادُ رسالةِ النبيِ صلى الله عليه وسلم

وهؤلاء الجماعةُ وإن كانوا معترفين بنبوةِ سيدِنا إبراهيمَ وسيدِنا إسماعيلَ عليهما السلام؛ بل بنبوةِ سيدنا موسى عليه السلام أيضًا ولكن كانت الصفاتُ البشريةُ ـــــ التي هي حجابٌ لجمالِ الأنبياء الكاملِ ـــــ تُشَوِّشُهم تشويشًا؛ وكذلك لمّا لم يعرفوا حقيقةَ تدبيرِ اللّٰهِ الذي هو مقتضِي بعثةَ الأنبياء، اسْتَبْعَدُوا الرسالةَ، لاعتقادِهم أن الرسولَ ينبغي أن يكون مِثْلَ المُرسِل، فكانوا يوردون لأجلِ ذلك شبهاتٍ واهيةً، غيرَ مسموعةٍ، فيقولون مثلاً: كيف يكون النبي محتاجًا إلى الطعام والشراب؟ ولما ذا لم يُرْسِلِ اللّٰهُ مَلَكا رسولاً؟ ولماذا لايُوحى إلى كلِ أحدٍ على حِدَةٍ؟ وعلى هذا الأسلوبِ.

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کی رسالت کو بعید از قیاس سمجھنا: یہ (مشرکین کی) جماعت اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نبوت کا اعتراف کرتی تھی، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا بھی، لیکن بشری صفات نے ـــــ جو انبیائے کرام کے جمال کامل کے لئے حجاب (پردہ) ہیں ـــــ ان لوگوں کو سخت تشویش میں ڈال رکھا تھا، اسی طرح جب وہ اس

تدبیر الٰہی کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے جو انبیاء کی بعثت کو چاہنے والی ہے تو وہ آپ کی رسالت کو بعید سمجھنے لگے، اس لئے کہ ان کا خیال تھا کہ رسول، مرسَل کے مشابہ ہونا چاہئے، اسی وجہ سے وہ لچر اور ناقابل سماعت شبہات پیش کرتے تھے، مثلاً وہ کہتے تھے کہ: نبی کھانے پینے کا محتاج کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟ اور اللہ تعالیٰ نے ہر شخص پر الگ الگ وحی کیوں نہیں بھیجی؟ اور اسی انداز پر (دیگر شبہات پیش کرتے تھے)

لغات:

شَوَّشَ الْاَمْرَ: مضطرب بنانا، تشویش میں ڈالنا...... مُقْتَضِیٌ (اسم فاعل): چاہنے والا...... وَاهِيَةٌ (اسم فاعل مؤنث) کمزور، لچر، وَهِيَ وَوَهيَ يَهِي وَهْيًا: کمزور ہونا...... جمال کامل سے مراد وصف نبوت ہے۔ یہی وصف انبیائے کرام کے لئے باعث افتخار وصف ہے۔

☆ ☆ ☆

مشرکین کا نمونہ

مشرکین عرب کے جو احوال و اعمال اور عقائد و نظریات ماقبل میں پیش کئے گئے ہیں، اگر ان کو آپ اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہیں اور صحیح صورت حال سے واقف ہونا چاہتے ہیں، تو اس زمانہ کے جاہل اور ناخواندہ مسلمانوں کے احوال و اعمال اور خیالات و نظریات میں غور کریں خصوصاً ان مسلمانوں کے خیالات اور اعمال کو ملاحظہ کریں جو ایسی بستیوں میں رہتے ہیں جہاں اسلامی شعائر و احکام رائج نہیں ہیں، اور دینی تعلیم سے لوگ نا آشنا ہیں۔

مشرکین عرب انبیائے سابقین کی رسالت و نبوت کو تسلیم کرنے کے باوجود سرکار دو عالم ﷺ کی رسالت و نبوت پر حیرت زدہ تھے جس طرح آج جاہل اور ناخواندہ مسلمان اولیاء متقدمین کی ولایت کا اعتراف کرتے ہوئے بھی اپنے زمانہ کے بزرگوں اور اولیاء کی ولایت کو تسلیم نہیں کرتے ـــــ مشرکین بتوں کو سجدہ کرتے تھے، اور آج جاہل مسلمان بزرگان دین کی قبروں پر اپنی پیشانیاں رگڑتے ہیں ـــــ مشرکین ان ہستیوں کو جن کے نام پر بت بنائے گئے تھے حاجت روا، مشکل کشا اور مختار سمجھتے تھے، اسی طرح آج جاہل مسلمان انبیائے کرام اور اولیاء عظام کو حاجت روا، مشکل کشا، اور مختار کل کہتے ہیں اور یا غوث المدد، یا خواجہ المدد کے نعرے

لگاتے ہیں ——— نیز مشرکین عرب نے ملت ابراہیمی میں من گھڑت باتیں داخل کر کے اس کو مسخ کردیا تھا، اسی طرح آج کے بدعتیوں نے بھی دین اسلام میں من گھڑت باتیں داخل کر کے دین اسلام کے حسین چہرے کو داغ دار بنادیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مشرکین کی گمراہیوں میں سے کوئی گمراہی ایسی نہیں ہے جو آج مسلمانوں میں نہ پائی جاتی ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں ان گمراہیوں سے محفوظ رکھیں! آمین یارب العالمین!

نَموذَجُ المشركين

وإن كنتَ غيرَ مُهتدٍ في تصويرحالِ المشركين وعقائدِهم وأعمالِهم، فانظرإلى حال المُختَرِقين من أهلِ عصرِنا، لاسيما الذين يقطُنون منهم بأطراف دارِالإسلام ماهي تَصَوُّرَاتُهم عن "الولايةِ "؟ فمع أنهم يعترفون بولايةِ الأولياء المتقدمين، يرون وجودَ الأولياء في هذا العصرِمن قَبيْلِ المُستَحِيْلاتِ، ويذهبون إلى القبور والعَتَبَاتِ، ويرتكبون أنواعًا منْ الشركِ؛ وكيف تَطرَّق إليهم التشبيهُ والتحريفُ؟ ونرى طَبَقَ الحديثِ الصحيحِ: "لتتبِّعُنَّ سَنَنَ من كان قبلكم"أنه ما من بَلِيَّةٍ من البَلايا إلا وطائفة من أهل عصرنا يرتكبونها، ويعتقدون مِثْلَهَا، عافانا الله سبحانه وتعالى من ذلك.

ترجمہ: مشرکین کا نمونہ: اگر آپ راہ پانے والے نہیں ہیں مشرکین کے احوال اور ان کے عقائد واعمال کی تصویر کشی میں، تو ہمارے زمانہ کے پیشہ ور مسلمانوں کے احوال دیکھیے، خاص طور پر اُن پیشہ وروں کو دیکھیے جو دارالاسلام کے اطراف وجوانب میں سکونت پذیر ہیں، ولایت کے بارے میں ان کے خیالات کیا ہیں؟ اس کے باوجود کہ وہ اولیائے متقدمین کی ولایت کا اعتراف کرتے ہیں، اس زمانہ میں اولیاء کے وجود کو از قبیل محال سمجھتے ہیں، اور قبروں اور آستانوں کی طرف جاتے ہیں، اور طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور ان تک تشبیہ اور تحریف نے کیونکر راہ پائی ہے؟ اور اس حدیث صحیح کے مطابق کہ "تم ضرور اگلے لوگوں کے طریقہ پر چلوگے" ہم دیکھتے ہیں کہ ان آفتوں میں سے کوئی آفت نہیں ہے، مگر ایک گروہ ہمارے زمانہ کے لوگوں میں سے اس آفت میں مبتلا ہے، اور اُسی جیسی گمراہی کا اعتقاد رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان آفات سے بچائیں!

لغات:

صَوَّرَ الْاَمْرَ تَصْوِیْرًا: منظر کشی کرنا، صورت حال کو اچھی طرح بیان کرنا...... مُحْتَرِف (اسم فاعل): پیشہ ور، کاروبار کرنے والا، اِحْتَرَفَ اِحْتِرَافًا: پیشہ اختیار کرنا...... قَطَنَ (ن) قُطُوْنًا فی المکان وبہ: اقامت کرنا، وطن بنانا...... عَتَبَاتٌ، عَتَبَةٌ کی جمع ہے: چوکھٹ، آستانہ...... تَطَرَّقَ الیہ: راستہ پالینا، گھس آنا...... سَنَنٌ: طریقہ، کہا جاتا ہے: اِسْتَقَامَ فَلَانٌ علیٰ سَنَنٍ واحدٍ: فلاں ایک ہی طریقہ پر قائم رہا، اِمْضِ علی سَنَنِكَ: تم اپنے طریقہ پر چلے چلو۔

﴿فائدہ﴾ متن میں مذکور حدیث بخاری شریف میں اس طرح ہے: عَنْ ابی سعید الخدری عَنِ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ: لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ (کَانَ) قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا وَ ذِرَاعًا ذِرَاعًا (شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ) حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ، قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! الیهودُ والنصاریٰ؟ قَالَ: فَمَنْ؟ (ج ۲ ص ۱۰۸۸)

ترجمہ: تم ضرور اگلے لوگوں کے طریقہ پر چلو گے برابر سرابر ٹھیک یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے، ہم نے پوچھا: یارسول اللہ! اگلے لوگوں سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: پھر کون؟! یعنی وہی مراد ہیں۔

☆　☆　☆

ملت ابراہیمی کی تجدید

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عرب ملت ابراہیمی کو مانتے تھے مگر ملت ابراہیمی میں بہت سی من گھڑت باتیں داخل کر کے اس کو مسخ کر دیا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے سرکار دو عالم ﷺ کو ان میں مبعوث فرمایا۔ اور آپؐ کو ملت ابراہیمی کے سیدھا کرنے کا حکم دیا، یعنی مشرکین عرب نے اپنی طرف سے ملت ابراہیمی میں جو باتیں داخل کر دی تھیں ان کو رد کرنے کا حکم دیا۔ اور قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے ان سے مباحثہ اور مجادلہ فرمایا، اور مجادلہ میں ان کے مسلمات سے استدلال کیا، یعنی مشرکین عرب ملت ابراہیمی کی جن باتوں کو مانتے تھے ان سے ان کی گمراہیوں کو رد فرمایا، تاکہ الزام اچھی طرح ثابت ہو جائے۔

وبالجُملة: فإن اللّٰه تعالى بعث سيدَ الأنبياءِ صلى اللّٰه عليه وسلم ـــ بفضله ورحمته ـــ فى العَرَبِ، وأمره بإقامةِ الملةِ الحنيفيةِ، وخاصمهم فى القرآنِ العظيمِ، واستدل فى المخاصمةِ بمسلّماتِهم التى هى من بَقايا الملّةِ الحنيفيةِ، ليتحققَ الإلزامُ.

ترجمہ: الحاصل اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور مہربانی سے سید الانبیاء ﷺ کو عربوں میں مبعوث فرمایا، اور آپ کو ملت ابراہیمی کے سیدھا کرنے کا حکم دیا، اور قرآن عظیم میں ان (عربوں) سے مباحثہ اور مجادلہ فرمایا، اور مجادلہ میں ان کے مسلمات سے استدلال کیا، جو ملت ابراہیمی کی باقی ماندہ باتوں میں سے تھے، تاکہ الزام پوری طرح ثابت ہو جائے۔

☆ ☆ ☆

شرک کا رد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں شرک کو چار طریقوں سے رد فرمایا ہے:

پہلا طریقہ: کہیں مشرکین سے دلیل کا مطالبہ کیا ہے، کہ اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو دلیل پیش کرو، لیکن مشرکین کے پاس اپنے آباؤ واجداد کی اندھی تقلید کے سوا کوئی دلیل نہیں تھی، اس لئے تقلید آباء سے استدلال پر نقض وارد کر کے ان سے دلیل قطعی کا مطالبہ کیا گیا ہے مثلاً سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاءُ نَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْئٍ؛ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَأْسَنَا؛ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا؛ إِنْ تَتَّبِعُوْنَ إِلاَّ الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلاَّ تَخْرُصُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام ۱۴۸)

یہ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو نہ ہم شرک کرتے، نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کرتے، اسی طرح جھٹلاتے رہے ان سے اگلے لوگ یہاں تک کہ انھوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا، آپ فرمادیجئے کہ تمہارے پاس کوئی دلیل ہے کہ اس کو ہمارے سامنے پیش کرو، تم محض خیالی باتوں پر چلتے ہو، اور صرف اٹکل سے باتیں بناتے ہو

دوسرا طریقہ: اور کہیں شرک کے رد میں معبودان باطل اور اللہ تعالیٰ کے درمیان عدم

مساوات کو واضح فرما کر اس بات کو ثابت کیا ہے کہ عبادت یعنی نہایت اعلیٰ درجہ کی تعظیم کے مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اور یہ بندے جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں۔ مثلاً سورۂ فاطر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ، لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (آیت ۳)	اے لوگو! تم پر جو اللہ کے احسانات ہیں ان کو یاد کرو، کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی پہنچاتا ہو؟ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، پھر تم (شرک کر کے) کہاں الٹے جا رہے ہو؟!

یعنی تم مانتے ہو کہ پیدا کرنا اور روزی کا سامان بہم پہنچا کر زندہ رکھنا سب اللہ کے قبضہ اور اختیار میں ہے، پھر معبودیت کا استحقاق کسی دوسرے کو کدھر سے ہو گیا؟ جو خالق و رازق حقیقی ہے وہ ہی معبود ہونا چاہئے (فوائد عثمانی)

تیسرا طریقہ: کہیں شرک کے رد میں تمام انبیائے کرام کا مسئلۂ توحید پر متفق ہونا بیان فرمایا ہے۔ مثلاً سورۂ انبیاء میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ : اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا ، فَاعْبُدُوْنِ (آیت ۲۵)	ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس کے پاس یہ وحی بھیجی ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو۔

یعنی تمام انبیاء و مرسلین کا اجماع عقیدۂ توحید پر رہا ہے، کسی پیغمبر نے کبھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا، ہمیشہ یہی تلقین کرتے آئے کہ ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی نہیں، تو جس طرح عقلی اور فطری دلائل سے توحید کا ثبوت ملتا ہے، اور شرک کا رد ہوتا ہے، ایسے ہی نقلی حیثیت سے انبیائے کرام کا اجماع دعوئے توحید کی حقیقت پر قطعی دلیل ہے (فوائد عثمانی)

چوتھا طریقہ: اور کہیں شرک کے رد میں بت پرستی کی شناعت و قباحت کو واضح فرمایا ہے، اور پتھروں اور بتوں کا مرتبۂ انسانی سے فروتر ہونا ثابت فرمایا ہے کہ جو پتھر اور بت انسانی کمالات سے محروم ہیں وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ مثلاً سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَآ أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ، إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا، وَلَوِاجْتَمَعُوْا لَهُ، وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَايَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ، ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (آیت ۷۳)

اے لوگو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو، اس میں کوئی شک نہیں کہ جن کی تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، اگرچہ سارے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو اسکو اس سے چھڑا نہیں سکتے، عابد و معبود دونوں لچر اور بودے ہیں

اور شرک کے رد کا یہ چوتھا طریقہ صرف ان لوگوں کے سامنے اختیار کیا گیا ہے جو بتوں کو معبود حقیقی سمجھتے تھے، کیونکہ جو لوگ بتوں کو صرف قبلۂ توجہ خیال کرتے ہیں ان کو یہ جواب خاموش نہیں کر سکتا۔

فردُ الإشراكِ

أولاً: بمُطالبتهم بالدليلِ على ما يَزْعَمُوْنَ، ونَقْضِ تَمَسُّكِهم بتقليدِ آبائهم.

وثانيا: بإثباتِ عدمِ التَّسَاوِى بَيْنَ هٰؤلاء العبادِ وبَيْنَ الرَّبِ تَبَارَكَ وتعالى؛ وبيانِ اختصاصِه تعالى باستحقاقِ أقصى غايةِ التعظيمِ، بخلاف هٰؤلاء العباد.

وثالثًا: ببيانِ إجماعِ الأنبياء على هذه المسئلةِ كما قال تعالى: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِن رَّسُوْلٍ إلاَّ نُوْحِيْ إِلَيْهِ: أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إلاَّ أَنَا ،فَاعْبُدُوْنِ﴾

ورابعًا: ببيانِ شناعَةِ عِبادةِ الأصْنامِ، وأنَّ الأحجارَساقطةٌ عن مرتبةِ الكمالِ الإنساني، فكيف يَنالون مرتبةَ الألوهيةِ؟ــــــ وهذاالردُّ مَسُوْقٌ لقومٍ يعتقدون الأصنامَ مَعبودةً لذواتِها.

ترجمہ: پس شرک کی تردید: اولاً: ان سے اس چیز پر جس کا وہ دعوی کرتے تھے دلیل کا مطالبہ کر کے، اور ان کے آباء کی تقلید سے استدلال کو توڑ کر (کی گئی ہے)

اور ثانیاً: ان بندوں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے درمیان عدم مساوات کو ثابت کر کے، اور انتہائی غایت تعظیم کے استحقاق کے ساتھ باری تعالیٰ کے خاص ہونے کو بیان کر کے (کی گئی ہے) برخلاف ان بندوں کے۔

اور ثالثاً: اس مسئلہ (توحید) پر تمام انبیائے کرام کے اجماع اور اتفاق کو بیان کر کے (کی گئی ہے) جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ہم نے آپ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا، مگر اس کے پاس یہ وحی بھیجی ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو۔

اور رابعاً: بت پرستی کی قباحت بیان کر کے، اور اس بات کو واضح کر کے کی گئی ہے کہ پتھر کمال انسانی کے مرتبہ سے گرے ہوئے ہیں —— اور یہ رد پیش کیا گیا ہے ان لوگوں کے لئے جو بتوں کو معبود بالذات سمجھتے ہیں۔

لغات:

اَقْصٰی (اسم تفضیل) زیادہ دور، قَصَا یَقْصُوْ قَصْوًا وقُصُوًّا وقَصًا، وَقَصَا وَقَصِیَ یَقْصٰی قَصًا المکانُ: دور ہونا...... مَسُوْقٌ (اسم مفعول) بیان کیا ہوا، پیش کیا ہوا۔ سَاقَ الحدیثَ یَسُوْقُ سَوْقًا: بیان کرنا۔

☆ ☆ ☆

تشبیہ کا رد

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں تشبیہ کو تین طریقوں سے رد فرمایا ہے:

پہلا طریقہ: کبھی تقلید آباء سے استدلال پر نقض وارد کر کے مشرکین سے دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے، مثلاً سورۂ صٰفّٰت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلَاۤ اِنَّهُمْ مِنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ: وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ، اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ مَالَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ، اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ، اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ، فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (آیت ۱۵۱-۱۵۷)

سنو! یہ لوگ (دلیل کچھ نہیں رکھتے، بلکہ محض) اپنی سخن تراشی سے کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہیں، اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں، کیا اللہ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں زیادہ پسند کیں؟ تم کو کیا ہوگیا؟ کیسے فیصلے کرتے ہو؟ کیا تم سوچ سے کام نہیں لیتے ہو؟ یا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے؟ پس لاؤ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو۔

ان آیتوں میں ان کے باطل عقیدے پر نقض وارد کیا گیا ہے، پھر ان سے دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے، کہ آخر یہ مہمل اور بے تکی بات نکالی کہاں سے؟ عقل و فہم اور علمی اصول سے تو اس کا لگاؤ نہیں،

پھر کیا کوئی نقلی سند اس عقیدے کی رکھتے ہو؟ ایسا ہے تو بسم اللہ وہی دکھاؤ (فوائد عثمانی)

دوسرا طریقہ: کبھی تشبیہ کی نفی کرتے ہوئے اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ اولاد کا والد کے ہم جنس اور مشابہ ہونا ضروری ہے، جو باری تعالیٰ میں مفقود و معدوم ہے، مثلاً سورۂ اخلاص میں ہے:

اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ — اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، اس نے نہ کسی کو جنا، نہ وہ کسی سے جنا گیا اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی ہے (اور جب اس کے جوڑ کا کوئی نہیں تو جورو یا بیٹا کہاں سے ہوا؟!)

تیسرا طریقہ: کبھی تشبیہ کو اس طرح رد کیا ہے کہ جس چیز کے وجود کو لوگ اپنے لئے باعث ننگ و عار سمجھتے ہیں، اس کو پروردگار عالم کے لئے ثابت مانتے ہیں، اس جہالت و حماقت کا کیا ٹھکانہ؟! مثلاً سورۂ صٰفّٰت میں ہے:

أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ (آیت ۱۴۹) — کیا تیرے رب کیلئے بیٹیاں اور ان کیلئے بیٹے ہیں؟!

رد کا یہ طریقہ ان لوگوں کی تردید کے لئے اختیار کیا گیا ہے جو مشہور باتوں اور خیالی توہمات کے خوگر تھے، اور چونکہ مشرکین کی اکثریت کا حال ایسا ہی تھا اس لئے اس کو بھی بیان کر دیا، ورنہ ظاہر ہے کہ اس سے بالکلیہ اولاد کی نفی نہیں ہوتی، جبکہ اللہ تعالیٰ اولاد سے بالکل پاک ہیں۔

وردُّ التَشْبِيْهِ

أولا: بمطالبتهم بالدليلِ على دَعواهم، ونَقْضِ تَمَسُّكِهم بتقليدِ آبائهم.

وثانيا: ببيانِ ضرورةِ التجانُسِ بين الوالدِ والولدِ؛ وهو مفقودٌ بالبَداهَةِ.

وثالثًا: ببيانِ شَناعةِ نسبةِ ما هو مكروهٌ ومذمومٌ لديهم إلى الله تعالى، كما قال تعالى: ﴿أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ؟﴾ ـــــ وهذا الردُّ مَسُوْقٌ لقومٍ اعتادوا المقدماتِ المشهورةَ، والمتوهَّماتِ الشِّعْرِيَّةَ؛ وكان أكثرُهم من هذا القبيل.

ترجمہ: اور تشبیہ کی تردید: اولاً: ان سے ان کے دعوے پر دلیل کا مطالبہ کر کے، اور تقلید آباء سے استدلال پر نقض وارد کر کے (کی گئی ہے)

اور ثانیاً: ولد اور والد کے درمیان مجانست کے ضروری ہونے کو بیان کر کے (کی گئی ہے) جبکہ

وہ (مجانست) معدوم ہے بداہۃً (یعنی بغیر دلیل کے ہر شخص جانتا ہے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان مجانست نہیں ہے)

اور ثالثاً: جو چیز ان کے نزدیک ناپسندیدہ اور بُری ہے اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے کی قباحت کو بیان کر کے (کی گئی ہے) ——— اور یہ رد (کا طریقہ) بیان کیا گیا ہے ان لوگوں کے لئے جو مشہور باتوں اور خیالی توہمات کے عادی ہیں،۔ اور اکثر مشرکین اسی قسم کے تھے۔

لغات:

مُقَدَّمات مَشْهُوْرَة: وہ باتیں ہیں جو کسی قوم کے نزدیک مسلم ہوں، خواہ وہ سچی ہوں جیسے مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ خدا کے سوا خدائی اختیارات کا کوئی مالک نہیں۔ یا وہ باتیں جھوٹی ہوں جیسے مشرکین کا یہ عقیدہ کہ دیوی دیوتا خدائی قوت کے مالک ہیں۔

مُتَوَهَّمَات: وہ قضایا ہیں جو محض وہمی اور جھوٹے ہوں، جیسے ہر موجود چیز اشارہ کے قابل ہے، اور جو چیز اشارے کے قابل ہے وہ جسم والی ہے، پس ہر موجود چیز جسم والی ہے۔

شِعْرِيَّة: وہ قضایا جن کا منشاء خیال محض ہو، خواہ واقع میں سچے ہوں یا جھوٹے، جیسے زید چاند ہے، اور ہر چاند روشن ہوتا ہے، پس زید روشن ہے۔

☆　☆　☆

تحریف کا رد

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تحریف کو دو طریقوں سے رد فرمایا ہے:

پہلا طریقہ: اولاً یہ واضح فرمایا ہے کہ شرک وتشبیہ وغیرہ گمراہ کن باتیں انبیائے کرام سے منقول نہیں ہیں، مثلاً سورۂ احقاف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ، اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (آیت ۴)	میرے پاس کوئی کتاب لاؤ جو اس سے پہلے کی ہو، یا کوئی اور مضمون (جو زبانی) منقول ہوتا چلا آیا ہو، اگر تم (دعوئے شرک میں) سچے ہو۔

یعنی اگر اپنے دعوئے شرک میں سچے ہو تو کسی آسمانی کتاب کی سند لاؤ، یا کسی ایسے علمی اصول سے ثابت کرو، جو عقلاء کے نزدیک مسلم چلا آتا ہو (فوائد عثمانی)

دوسرا طریقہ: ثانیاً یہ ثابت فرمایا ہے کہ یہ سب ایسے لوگوں کی ایجاد کردہ باتیں ہیں جو ضلالت وگمراہی سے معصوم نہیں تھے، مثلاً سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَاسَائِبَةٍ وَّلَاوَصِيْلَةٍ وَّلَاحَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ، وَاَكْثَرُهُمْ لَايَعْقِلُوْنَ (آیت ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے، نہ سائبہ کو نہ وصیلہ کو نہ حام کو، لیکن جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں، اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔

وردُّ التحريفِ

أولا: بِبَيَانِ أنه لم يُؤْثَرْ عن أَئِمَّةِ الْمِلَّةِ الْحَنِيْفِيَّةِ.

وثانيًا: ببيانِ أن ذلك كلّه اختراعاتٌ وابتداعاتٌ مِّمَّنْ ليسوا بمَعْصومِيْنَ.

ترجمہ: اور تحریف کی تردید: اولاً: اس بات کو واضح کر کے کی گئی ہے کہ یہ (تحریف شدہ باتیں) دین حنیف کے اماموں یعنی انبیائے کرام سے منقول نہیں ہیں۔

اور ثانیاً: اس بات کو بیان کر کے کی گئی ہے کہ یہ سب باتیں ایسے لوگوں کی ایجاد کردہ اور گھڑی ہوئی ہیں جو معصوم نہیں تھے۔

☆ ☆ ☆

استبعادِ حشر و نشر کا رد

مشرکین عرب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو بعید از عقل اور ناممکن سمجھتے تھے اور آخرت کا انکار کرتے تھے، اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو طریقوں سے رد فرمایا ہے:

پہلا طریقہ: اولاً حشر و نشر کی مختلف نظیریں پیش کر کے یہ ثابت فرمایا ہے کہ دوبارہ زندہ کرنا ناممکن نہیں ہے بلکہ ہر طرح سے ممکن ہے، اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں، چنانچہ کہیں مردہ زمین کو بارش کے ذریعہ زندہ کرنے کی نظیر پیش فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ: ﴿كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى﴾ (اعراف آیت ۵۷) اسی طرح ہم مردوں کو زمین سے نکالیں گے، اور کہیں پہلی مرتبہ پیدا کرنے کی نظیر پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ﴾ (انبیاء

آیت ۱۰۴)اور کہیں اپنی قدرت کاملہ کو ثابت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

اَوَلَيْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ، بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (یٰسٓ آیت ۸۱)	اور جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے آدمیوں کو پیدا کردے، ضرور قادر ہے، وہ بڑا پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے

دوسرا طریقہ: ثانیاً یہ واضح فرمایا ہے کہ تمام آسمانی کتابوں نے حشر ونشر کی خبر دی ہے، لہٰذا یہ آسمانی کتابوں پر ایمان رکھنے والوں کا اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ ہے، مثلاً سورۂ انبیاء میں ﴿ كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ﴾ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ (آیت ۱۰۵)	ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ بات لکھ دی ہے کہ جنت کی زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

یعنی یہ بات کہ لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے اور جنت میں مؤمنین ہی جائیں گے۔ یہ مضمون صرف قرآن ہی میں نہیں ہے، سابقہ کتابوں میں بھی ہے، غرض حشر ونشر کا عقیدہ تمام آسمانی کتابوں کا اجماعی عقیدہ ہے۔

وردُّ استبعادِ الحَشْرِ والنَشْرِ

أولاً: بالقياسِ على إحياءِ الأرضِ بعد موتِها، وما أشْبَهَ ذلك وتنقيحِ المَنَاطِ الذى هو شمولُ القدرةِ، وإمكانُ الإعادةِ.

وثانيا: ببيانِ موافقةِ أهلِ الكُتُبِ السماوِيَّةِ كلِّهم فى الإخبارِ بِه.

ترجمہ: حشر ونشر کے بعید سمجھنے کی تردید: اولاً مردہ زمین کو زندہ کرنے پر اور اس کے مشابہ چیزوں پر قیاس کرکے (کی گئی ہے) اور حشر ونشر کی علت واضح کرکے کی گئی ہے، جو قدرت کا شامل ہونا، اور اعادہ کا ممکن ہونا ہے۔

اور ثانیاً: حشر ونشر کی خبر دینے میں تمام آسمانی کتابیں ماننے والوں کی موافقت کو بیان کرکے کی گئی ہے۔

لغات:

تَنْقِيح: خالص کو ردی سے جدا کرنا...... مَنَاط: لٹکانے کی جگہ، اور اصطلاح میں اس وصف کو کہتے

ہیں جس پر حکم کا مدار ہوتا ہے یعنی حکم کی علت، اور اس وصف کو متعین کرنا جس پر حکم کا مدار ہے "تنقیح مناط" کہلاتا ہے۔ اور شمول القدرت کے معنی ہیں عموم قدرت باری تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، ہر ممکن چیز ان کے احاطہ قدرت میں ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں) اور معدوم کا اعادہ ممکن ہے، اس میں کوئی عقلی استحالہ نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر کیوں نہیں؟

☆ ☆ ☆

منکرین رسالت کا رد

مشرکین عرب سابقہ انبیائے کرام کی رسالت و نبوت کو تسلیم کرتے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت کے منکر تھے، وہ رسالت و نبوت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے۔ قرآن کریم میں ان کے اس انکار کو تین طرح سے رد فرمایا ہے:

پہلا طریقہ: اولاً یہ بیان کیا ہے کہ پہلی امتوں میں جتنے انبیاء مبعوث ہوئے ہیں وہ سب انسان تھے، فرشتے نہیں تھے، لہٰذا بشریت کو رسالت کے منافی سمجھنا جہالت ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (یوسف آیت ۱۰۹)	اور ہم نے آپؐ سے پہلے مختلف بستی والوں میں سے جتنے (رسول) بھیجے وہ سب مرد ہی تھے کہ وحی بھیجتے تھے ہم ان کو

یعنی پہلے بھی ہم نے آسمان کے فرشتوں کو نبی بنا کر نہیں بھیجا، انبیائے سابقین ان ہی بستیوں کے رہنے والے مرد تھے (فوائد عثمانی)

اور سورۃ الرعد میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا : لَسْتَ مُرْسَلًا، قُلْ: كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ، وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (آیت ۴۳)	اور یہ کافر لوگ یوں کہہ رہے ہیں کہ آپؐ پیغمبر نہیں، آپؐ فرمادیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم ہے کافی گواہ ہیں۔

دوسرا طریقہ: ثانیاً رسالت و نبوت کی حقیقت واضح کی ہے کہ رسول ہونے کا مطلب بس

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو برگزیدہ فرما کر اس کے پاس وحی بھیجیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ: اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰىٓ اِلَيَّ (سورۂ کہف آیت ۱۱۰، حم السجدہ آیت ۶)

آپ فرما دیجئے کہ میں تم ہی جیسا بشر ہوں، بس میرے پاس وحی آتی ہے

پھر وحی کی وضاحت فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی کوئی ناممکن اور محال بات نہیں ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا، اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ، اَوْيُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ، اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (سورۂ شوریٰ آیت ۵۱)

کسی بشر کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے گفتگو کریں مگر اشارہ سے، یا پردہ کے پیچھے سے، یا کسی فرشتے کو بھیجیں کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہو پیغام پہنچائے، وہ بڑے عالیشان اور بڑی حکمت والے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں وحی کے تین بنیادی طریقے بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے کوئی طریقہ بھی ایسا نہیں ہے جو ناممکن اور محال ہو۔

تیسرا طریقہ: مشرکین جن شبہات اور وساوس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے، ان کے جوابات دیئے گئے ہیں، مثلاً وہ کہتے تھے کہ اگر یہ واقعی رسول ہیں تو ہم جن معجزات کی فرمائش کرتے ہیں، وہ کیوں نہیں دکھاتے؟ اگر اللہ تعالیٰ کو رسول بھیجنا ہی ہے تو ہم جس شخص کو تجویز کرتے ہیں اس کو نبوت سے سرفراز کیوں نہیں کیا جاتا؟ اسی طرح وہ کہتے کہ اللہ کے یہاں کروبیوں کی کمی نہیں ہے، پھر انھوں نے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟ ان کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ ہم میں سے ہر شخص کے پاس وحی آنی چاہئے۔ ان سب باتوں کا جواب دیا گیا ہے کہ فرمائشی معجزات کا ظاہر نہ ہونا، لوگوں کے تجویز کردہ شخص کو رسول نہ بنانا، اسی طرح کسی فرشتہ کو رسول بنا کر نہ بھیجنا اور ہر شخص کی طرف وحی نازل نہ کرنا ایک مصلحت کی وجہ سے ہے جو لوگوں کی فہم سے بالاتر ہے۔ چنانچہ فرمائشی معجزات نہ دکھانے کی حکمت و مصلحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۵۹)

ہم کو خاص (فرمائشی) معجزات بھیجنے سے یہی امر مانع ہوا کہ پہلے لوگ ان کی تکذیب کر چکے ہیں۔

یعنی فرمائشی نشان دکھلانا خداتعالیٰ کو کچھ دشوار نہ تھا، لیکن پہلے لوگوں کو اُن کی فرمائش کے مطابق نشان دکھلائے گئے تب بھی نہ مانے، بلکہ سرکشی میں اور ترقی کر گئے، آخر سنت اللہ کے موافق اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالکل نیست ونابود کر دیئے گئے، اب اگر تمہاری سب فرمائشیں پوری کر دی جائیں، اور خدا کے علم میں ہے، بلکہ تمہارے احوال سے بھی ظاہر ہے کہ تم پھر بھی ماننے والے نہیں، تو سنت اللہ کے موافق اس کا نتیجہ وہی استیصال اور اہلاک کلی ہونا چاہئے، جو اس امت کے حق میں خلاف مصلحت وحکمت ہے، خداتعالیٰ کا ارادہ اس آخری امت کی نسبت یہ نہیں کہ گذشتہ اقوام کی طرح عذاب مُستاصِلْ بھیج کر بالکلیہ تباہ کی جائے، پہلی امتوں کو فرمائشی نشان دکھلانا اس بناء پر جائز رکھا گیا کہ ان کی بالکلیہ تباہی خدا کے نزدیک اس قدر لائق التفات نہ تھی، اور آخر میں آنے والی امت کو نمونے دکھلانے تھے، کہ فرمائشی نشان مانگنے والوں کا حشر ایسا ہوتا ہے۔

چنانچہ اس آیت میں ان ہی تاریخی نظائر کی طرف اجمالی اشارہ فرمادیا کہ اگر فرمائشی نشان دیکھنے کے بعد تکذیب کی، (اور یقیناً کروگے) تو جو حشر پہلوں کا ہوا وہی تمہارا ہوگا، لیکن حکمت الٰہیہ مقتضی نہیں کہ تم کو اس طرح تباہ کیا جائے، لہٰذا فرمائشی نشانات کا بھیجنا موقوف کیا گیا (فوائد عثمانی)

اسی طرح مشرکین کے تجویز کردہ شخص کو رسول نہ بنانے، اور ہر شخص کے پاس وحی نہ بھیجنے کی حکمت ومصلحت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام آیت ۱۲۴)	اس جگہ کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جہاں اپنا پیغام بھیجتے ہیں۔

یعنی یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ کون شخص اس کا اہل ہے کہ منصب پیغامبری پر سرفراز کیا جائے۔ اور اس عظیم الشان امانت الٰہیہ کا حامل بن سکے، یہ نہ کوئی کسبی چیز ہے کہ دعا یاریاضت یا دنیوی جاہ وجلال اور مال ودولت وغیرہ سے حاصل ہو سکے، اور نہ ہر کس وناکس کو ایسی جلیل القدر اور نازک ذمہ داری پر فائز کیا جا سکتا ہے۔

نیز فرشتے کو رسول بنا کر نہ بھیجنے کی حکمت ومصلحت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ (انعام آیت ۹)	اور اگر ہم کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے تو وہ بھی آدمی ہی کی صورت میں ہوتا، اور ان کو اسی شبہ میں ڈالتے جس میں اب مبتلا ہیں۔

یعنی اگر فرشتہ اپنی اصل صورت میں آئے تو لوگ ایک منٹ کے لئے اس کا تحمل نہ کرسکیں، اس کے رعب وہیبت سے دم نکل جائے، اور اگر فرشتہ کو انسان کی صورت میں بھیجا جائے تو منکرین کے شبہات کا ازالہ نہیں ہو سکتا، جو شکوک وشبہات رسول کے بشر ہونے پر کرتے تھے، وہ فرشتے کے بصورتِ بشر آنے پر بدستور کرتے رہیں گے۔

والردُّ علی مُنْکِرِی الرِّسالةِ

أولاً: بِبَيانِ وجودِها في الأُممِ المتقدِّمةِ، كما قال تعالى ﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلاَّ رِجَالاً نُّوْحِيْ إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرىٰ﴾ وقال تعالى: ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلاً، قُلْ: كَفىٰ بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ، وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾

وثانيًا: بدَفْعِ الاستبعادِ بِبَيانِ أنَّ الرسالةَ هنا عبارةٌ عن الوَحْيِ، قال تعالى: ﴿قُلْ اِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحىٰ إِلَيَّ﴾ ثم يُفَسِّرُ الوحيَ بمالا يكونُ من المُستحيلاتِ كما قال تعالى: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلاَّ وَحْيًا، أَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ، أَوْيُرْسِلَ رَسُوْلاً فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهِ مَايَشَآءُ، إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾

وثالثًا: ببيانِ أنَّ عدمَ ظهورِ المعجزاتِ التي يقترحونها وعدمَ موافقةِ اللّٰه تعالى إياهم في تعيينِ شخصٍ يتوخون رسالتَه وعدمَ إرسالِه تعالى الملائكةَ رُسُلاً، وعدمَ إيحائِه تعالى إلى كُلِّ شخصٍ، كُلُّ ذلك لمصلحةٍ كليةٍ، يَقْصُرُ عِلْمُهم عن أدراكِها.

ترجمہ: منکرین رسالت کی تردید: اولاً: رسالت کے پہلی امتوں میں ہونے کو بیان کرکے کی گئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور ہم نے آپ سے پہلے بستیوں میں رہنے والوں میں سے جتنے (رسول) بھیجے وہ سب مرد ہی تھے کہ وحی بھیجتے ہیں ہم ان کی طرف" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اور یہ انکار کرنے والے یوں کہہ رہے ہیں کہ آپ ﷺ پیغمبر نہیں، آپ فرمادیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم ہے کافی گواہ ہیں"

اور ثانیاً: یہ واضح کرکے استبعاد کو دور فرمایا ہے کہ رسالت کا مطلب یہاں وحی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "آپ فرمادیجئے کہ میں تم ہی جیسا بشر ہوں کہ وحی آتی ہے میرے پاس"، پھر وحی کی ایسی وضاحت کی گئی جو ناممکنات میں سے نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "کسی بشر کے لئے ممکن

نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے گفتگو کریں مگر اشارہ سے، یا پردہ کے پیچھے سے، یا کسی فرشتے کو بھیجیں کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچادیتا ہے، بیشک وہ بڑے عالیشان بڑی حکمت والے ہیں"

اور ثالثاً: یہ بیان کرکے (تردید کی گئی ہے) کہ اُن معجزات کا ظاہر نہ ہونا جن کی منکرین فرمائش کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا ان کی موافقت نہ کرنا اس شخص کی تعیین میں جس کی رسالت کو یہ چاہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو رسول بنا کر نہ بھیجنا، اور اللہ تعالیٰ کا ہر شخص کی طرف وحی نہ بھیجنا، یہ سب ایک مصلحت کلی کی بناء پر ہے جس کا ادراک کرنے سے ان کا علم و فہم قاصر ہے۔

لغات:

اِقْتَرَحَ علیہ کذا او بکذا: سختی سے اور بغیر سمجھے بوجھے سوال کرنا...... تَوَخَّی الْاَمْرَ: طلب کرنا، چاہنا...... وَحْیٌ اور اِیْحَاءٌ کے لغوی معنی ہیں: اشارہ کرنا، ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا﴾ حضرت زکریا علیہ السلام حجرہ میں سے اپنی قوم کے سامنے تشریف لائے، اور انہیں اشارہ کیا کہ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرتے رہو (مریم آیت ۱۱) اور وحی کے اصطلاحی معنی ہیں: کَلَامُ اللّٰهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰی نَبِیٍّ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ کلام خداوندی جو کسی نبی پر نازل کیا گیا ہے (عمدۃ القاری)

وحی اور ایحاء میں فرق:

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ: "وحی" اور "ایحاء" دونوں الگ الگ لفظ ہیں، اور دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، "ایحاء" کا مفہوم عام ہے، انبیاء پر وحی نازل کرنے کے علاوہ کسی کو اشارہ کرنا، اور کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات ڈالنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے، لہٰذا یہ لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کے برخلاف "وحی" صرف اس الہام خداوندی کو کہتے ہیں جو انبیائے کرام پر نازل ہو، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں لفظ "ایحاء" نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، لیکن لفظ "وحی" کو سوائے انبیاء کے کسی کے لئے استعمال نہیں کیا گیا (فیض الباری ج ۱ ص ۱۹)

☆ ☆ ☆

مضامین بار بار دہرانے کی حکمت

ھادئ عالم ﷺ کی بعثت جن لوگوں کی طرف ہوئی ہے، ان میں اکثر و بیشتر چونکہ مشرکین تھے، جو توحید ورسالت اور حشر ونشر وغیرہ کا انکار کرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان مضامین کو بہت سی سورتوں میں مختلف انداز سے پوری تاکید کے ساتھ ثابت فرمایا ہے۔ اور بار بار دہرانے سے گریز نہیں فرمایا، کیونکہ جاہلوں اور نادانوں کے سامنے ایک بات کو بار بار دہرانا عین حکمت ہے، اور بے وقوفوں اور کم عقلوں کے سامنے تاکیدی کلام پیش کرنا نہایت ضروری ہے۔

ولمّا كان أكثرُ الناسِ الذين بعثَ اللّٰهُ إليهم الرسولَ صلى اللّٰه عليه وسلم مشركين، ذكرهذه المعانى فى القرآن الكريم فى سُوَرٍ كثيرةٍ بأساليبَ مُتَعَدِّدَةٍ وتأكيداتٍ بليغةٍ؛ ولم يتحاشَ عن تكرارها وتَردادها؛ نعم هكذا ينبغى أن تكونَ مخاطبةُ الحكيمِ المطلقِ مع هٰؤلاء الجَهَلَةِ؛ والكلامُ فى مقابلة هٰؤلاء السفهاء جَدِيْرٌ بهذا التأكيدِ البليغِ، ﴿ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾

ترجمہ: اور جب ان لوگوں میں سے اکثر جن کی طرف رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے مشرکین تھے، تو ان (سابقہ) مضامین کو قرآن کریم میں بہت سی سورتوں میں مختلف طریقوں اور پوری تاکیدوں سے ثابت فرمایا ہے، اور ان مضامین کو بار بار بیان کرنے اور دہرانے سے گریز نہیں فرمایا جی ہاں! ایسا ہی ہونا چاہئے حکیم مطلق کا خطاب ان نادانوں کے ساتھ، اور ان بے عقلوں کے مقابلہ میں گفتگو ایسی ہی بلیغ تاکید کے ساتھ کرنا مناسب ہے ــــ یہ زبردست جاننے والے کا اندازہ ہے۔

لغات:

اَسَالِیب؛ اُسْلُوْب کی جمع ہے: انداز بیان، طریقہ...... تَحَاشَى عن الشيئ: پرہیز کرنا، گریز کرنا...... تَرْدَاد: تکرار...... جَدِیْرٌ: لائق، جَدُرَ (ک) جَدَارَةً بکذا: لائق ہونا...... قَدَّرَ الأَمْرَ تَقْدِیْرًا: فیصلہ کرنا۔

یہود کا تذکرہ

یہود تورات پر ایمان رکھتے تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرنے کا دعوی کرتے تھے، مگر اس کے باوجود تورات میں تحریف لفظی اور معنوی کرتے تھے، تورات کی بعض آیتوں کو چھپاتے تھے، من گھڑت باتیں دین میں داخل کرتے رہتے تھے، تورات کے احکام نافذ کرنے اور ان پر عمل کرنے میں کوتاہی اور سستی کرتے تھے، اپنے دین و مذہب کی بیجا حمایت کرتے تھے، اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی رسالت و نبوت کا انکار کرتے تھے، آپ کی شان اقدس میں گستاخیاں کرتے رہتے تھے، اور طعن و تشنیع سے باز نہیں آتے تھے، چنانچہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ جب یہود آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے، تو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ کے بجائے اَلسَّامُ عَلَيْكَ کہتے، اَلسَّامُ کے معنی ہیں: موت، پس اَلسَّامُ علیك کا مطلب ہوا: تو مر!

اسی طرح یہود اللہ تعالیٰ کی شان اقدس میں بھی گستاخیاں کرتے رہتے تھے چنانچہ کبھی کہتے ﴿إِنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ اَغْنِيَاءُ﴾ اللہ تعالیٰ تنگ دست ہیں اور ہم مالدار ہیں (آل عمران آیت ۱۸۱) اور کبھی کہتے ﴿يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ﴾ (مائدہ آیت ۶۴) خدا کا ہاتھ بند ہو گیا ہے یعنی نعوذ باللہ خدا تعالیٰ بخیل ہو گئے ہیں، حالانکہ وہ خود بخل و حرص وغیرہ رذائل میں مبتلا تھے۔ یہود کی ان گمراہیوں کی وضاحت آگے حضرت شاہ صاحب خود کریں گے، اس لئے ہم نے تفصیل سے گریز کیا ہے۔

ذِكرُ اليهودِ

وقد كان اليهودُ، آمنوا بالتوراةِ، وكان من ضلالِهم:

١ ـ تحريفُ أحكامِ التوراة، سواءً كان تحريفاً لفظيا أو تحريفًا معنويا.

٢ ـ وكتمانُ آياتِ التوراةِ.

٣ ـ وإلحاقُ ماليس منها بها، افتراءً منهم.

٤ ـ والتقصيرُ في تنفيذِ أحكامِها.

۵ ـ والعصبيةُ الشديدةُ لِدِيَانَتِهم.
٦ـ واستنكارُ رِسَالَةِ نبينا صلى الله عليه وسلم، وسوءُ الادبِ والطعنُ عليه صلى الله عليه وسلم، بل بالنسبة إلى الربِّ تبارك وتعالى أيضًا.
٧ـ وابتلاؤُهم بالبخلِ والحرصِ ونحوِ ذلك من الرَذائلِ.

ترجمہ: یہود کا تذکرہ: یہود تورات پر ایمان رکھتے تھے، اور ان کی گمراہیوں میں سے چند یہ ہیں:
(۱) تورات کے احکام میں تحریف کرنا، چاہے تحریف لفظی ہو یا معنوی۔
(۲) اور تورات کی آیتوں کو چھپانا۔
(۳) اور ان باتوں کو تورات کے ساتھ ملانا جو اس میں سے نہیں ہیں؛ اپنی طرف سے گھڑ کر۔
(۴) اور تورات کے احکام نافذ کرنے میں کوتاہی کرنا۔
(۵) اور اپنے مذہب کی نہایت بیجا حمایت کرنا۔
(۶) اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی رسالت کا انکار کرنا، اور آپ کی شان میں گستاخی کرنا، اور طعن وتشنیع کرنا، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان میں بھی (گستاخیاں کرنا)
(۷) اور ان کا بخل وحرص وغیرہ بری خصلتوں میں مبتلا ہونا۔

لغات:

اَلْعَصَبِيَّةُ، تعصُّب، بیجا حمایت کرنا...... دِيَانَةٌ: ملت ومذہب جمع دِيَانَاتٌ..... رَذَائِلَ؛ رَذِيْلَةٌ کی جمع ہے: بری خصلت۔

☆ ☆ ☆

تحریف کا بیان

تحریف وتبدیل کی دو صورتیں ہیں: لفظی اور معنوی، پھر تحریف لفظی یعنی لفظی ردوبدل کی تین صورتیں ہیں: (۱) ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دینا (۲) کسی لفظ کو بڑھا دینا (۳) یا کسی لفظ کو کم کر دینا ــــ اور تحریف معنوی یہ ہے کہ راہ حق سے انحراف کرتے ہوئے کسی آیت کی ایسی تفسیر وتشریح کرنا جو مراد خداوندی کے خلاف ہو، یعنی فاسد تاویل اور باطل تفسیر کو تحریف معنوی کہتے ہیں۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تورات میں تحریف معنوی ہوئی ہے، اور تحریف لفظی کے بارے میں تین مذہب ہیں (۱) جمہور کی رائے یہ ہے کہ تورات میں تحریف معنوی کی طرح تحریف لفظی بھی بہت ہوئی ہے (۲) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ توارت میں تحریف لفظی ہوئی ہے، مگر بہت کم، زیادہ تر تحریف معنوی ہوئی ہے، (۳) اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی رائے یہ ہے کہ تورات میں صرف تحریف معنوی ہوئی ہے، تحریف لفظی بالکل نہیں ہوئی، اور شاہ صاحب کے خیال میں یہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

مگر علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ تورات میں صرف تحریف معنوی ہوئی ہے تو قرآن کریم کو بھی محرف ماننا ہوگا، کیونکہ قرآن کریم میں بھی تحریف معنوی کچھ کم نہیں ہوئی، اس لئے میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ تورات میں لفظی تحریف بھی ہوئی ہے، چاہے دانستہ ہوئی ہو یا نادانستہ (فیض الباری ج ۳ ص ۲۹۵)

نیز شاہ صاحب نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف جس قول کی نسبت کی ہے اس کو رد کرتے ہوئے علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ تحریف لفظی کا کیسے انکار کر سکتے ہیں جبکہ واقعہ اس کے برخلاف ہے، اور قرآن کریم بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ یہود اپنے ہاتھوں سے لکھ کر کہتے تھے کہ:

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ — یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔

یہی تو تحریف لفظی ہے، لہٰذا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ یہود بالقصد لفظی تحریف نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے اسلاف نے اپنی فہم کے مطابق تورات کی جو مراد لکھی تھی اس کو بعد میں آنے والوں نے اصل تورات میں داخل کر دیا، اس طرح وہ تفسیر تورات کے ساتھ مخلوط ہو گئی (فیض الباری ج ۴ ص ۵۳۷)

بیانُ التحریفِ

وقد تَحقَّقَ لدی الفقیر أن تحریفَهم اللفظیَّ قد کان فی ترجمة التوراة وأمثالِها، لافی أصلِ التوراةِ؛ وهو قولُ ابن عباسٍ رضی اللّٰه عنهما

والتحريفُ المعنوى: هوتاويلٌ فاسدٌ بِحَمْلِ الآية على غيرِ معناها، بِتَعَسُّفٍ وانحرافٍ عن سَواء السبيلِ.

ترجمہ: تحریف کا بیان: اور فقیر کے نزدیک یہی حق ہے کہ ان کی تحریف لفظی تورات کے ترجمہ وغیرہ میں تھی، نہ کہ اصل تورات میں، اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

اور تحریف معنوی: غلط مطلب بیان کرنا ہے آیت کو اس کے معنی (مرادی) کے علاوہ پر محمول کر کے بے راہ روی سے یعنی سیدھے راستہ سے انحراف کرتے ہوئے۔

لغات:

تَعَسُّف: بے راہ روی، تَعَسَّفَ فی القولِ: بے راہ روی کرنا، بِتَعَسُّفٍ وانحرافٍ میں عطف تفسیری ہے..... اِنْحَرفَ عَنْهُ: ایک جانب کو جھکنا۔ روگردانی کرنا۔

﴿فائدہ﴾ شاہ صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جس قول کا حوالہ دیا ہے اس کو مفسرین نے ﴿وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ آیت ۷۵) کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ:

يسمعون التوراة ويُؤَوِّلُوْها تاويلاً فاسدًا حَسَبَ اَغْراضهم، والى ذلك ذهب ابن عباس رضی اللہ عنہ، والجمهور على ان تحريفها بتبديل كلامٍ من تلقائهم (روح المعانی ج۱ ص۲۹۸)	یہود تورات سنتے تھے، اور اس کی حسب منشأ غلط تفسیر کرتے تھے، اور یہی ابن عباسؓ کا مذہب ہے، اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ تورات کی تحریف اپنی طرف سے کلام الٰہی کو بدل دینا ہے۔

لیکن اس آیت کا تعلق تورات کی تحریف سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق اس واقعہ سے ہے جو کوہِ طور پر پیش آیا تھا، اور "فَرِيْقٌ" سے مراد وہ لوگ ہیں جو کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام الٰہی سننے کے لئے گئے تھے، انھوں نے وہاں سے آکر یہ تحریف کی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ ہم نے تمام کلام کے آخر میں یہ بھی سنا ہے کہ: "ان احکام پر اگر عمل کر سکو تو کرنا، ورنہ ان کے ترک کا بھی تم کو اختیار ہے" پس اس آیت میں تحریف تاویل فاسد کے ہم معنی ہے۔

اور تورات میں جو تحریف ہوئی ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی آیت ۱۳ اور آیت ۴۱

میں بیان فرمایا ہے، مگر وہاں مفسرین نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ذکر نہیں کیا، اس لئے یقین سے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول وہی ہے جو شاہ صاحب نے اختیار فرمایا ہے۔

بلکہ امام بخاری نے کتابُ الشهادة میں باب لایسئل اهل الشرك عن الشهادة وغیرها کے ذیل میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: وقد حدَّثکم اللّٰهُ أن اهل الکتاب بَدَّلُوْا مَا کَتَبَ اللّٰهُ، وغَیَّرُوْا بایدیهم الکتاب فقالوا: من عند اللّٰه لیشتروا به ثمنا قلیلا؟! اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا مذہب وہی ہے جو جمہور کا ہے۔

البتہ امام بخاری نے باب قول اللّٰه تعالیٰ: ﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَحْفُوْظٍ﴾ کے تحت ابن عباسؓ کا یہ اثر نقل کیا ہے: عن ابن عباسؓ یُحَرِّفُوْنَ: یُزِیلون، ولَیْسَ احدٌ یزیل لفظ کتابٍ من کُتُبِ اللّٰهِ، ولکنَّهم یُحَرِّفُوْنَهٗ: یتاوَّلُوْنه علیٰ غیر تاویله، پس ہوسکتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس سے حضرت ابن عباسؓ کا مذہب اخذ کیا ہو، لیکن یہ اثر حضرت ابن عباسؓ کے مذہب پر صراحۃً دلالت نہیں کرتا، کیونکہ ہوسکتا ہے وَلَیْسَ احدٌ یُزِیلُ الخ ابن عباسؓ کا قول نہ ہو، بلکہ امام بخاری کا وضاحتی نوٹ ہو، بلکہ یہی راجح ہے جیسا کہ بخاری کے حاشیہ سے واضح ہے۔
قال المحشی: قوله وَلَیْسَ احدٌ الخ من کلام البخاری ذَیَّلَ بِه تفسیر ابن عباسؓ، ویحتمل ان یکون بقیة کلام ابن عباسؓ فی تفسیر الآیة (بخاری شریف ص ۱۱۲۷)

☆ ☆ ☆

تحریف معنوی کی پہلی مثال

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر مذہب وملت میں کافر اور فاسق کے درمیان فرق بیان کیا ہے کہ کافر یعنی دین ومذہب کا منکر ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، اور فاسق یعنی گناہ گار مؤمن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، انبیاء کی شفاعت سے اس کو دوزخ سے ضرور نکالا جائے گا۔

اور ہر مذہب وملت میں گناہ گار مؤمن کا حکم بیان کرتے وقت ہر مذہب کے پیرو کا مخصوص نام ذکر کیا ہے، چنانچہ یہی حکم —— یعنی گناہ گار مؤمن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، انبیائے کرام کی شفاعت سے اس کو دوزخ سے ضرور نکالا جائے گا —— تورات میں یہود کے لئے، انجیل میں

نصاری کے لئے، اور قرآن کریم میں مسلمانوں کے لئے ثابت فرمایا ہے، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دوزخ سے نجات پانا اور جنت میں جانا کسی فرقہ کی ذاتی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ نجات کا مدار صحیح ایمان اور ہر زمانہ کے نبی کی اطاعت و فرماں برداری پر ہے۔

لیکن یہود کا دعوی یہ ہے کہ جو یہودی اور عبری ہوگا وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، چند دن دوزخ میں رہے گا، پھر انبیائے کرام کی شفاعت سے نجات پا کر ضرور جنت میں جائے گا، چاہے مدار نجات پایا جائے یا نہ پایا جائے یعنی ایمان کی دولت سے بالکل محروم ہو تب بھی دوزخ سے نجات پائے گا اور ضرور جنت میں جائے گا، حالانکہ یہ بات سراسر غلط اور خالص جہالت کا نتیجہ ہے۔

قرآن کریم چونکہ سابقہ کتابوں کے مضامین کا محافظ و نگہبان اور قابل اشتباہ باتوں کی کامل وضاحت کرنے والا ہے، اس لئے اس شبہ کی وضاحت اور یہود کے دعوے کو رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَةً، وَاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓـئَتُهٗ، فَاُولٰٓـئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (سورۃ البقرۃ آیت ۸۱)

(یہود ہمیشہ دوزخ میں) کیوں نہیں (رہیں گے، جبکہ قانون خداوندی یہ ہے کہ) جس نے گناہ کیا؛ اور اس کے گناہ نے اس کو گھیر لیا، سو ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

أمْثِلَةُ التحريفِ المعنوی:

۱۔ **فَمِنْ جُمْلَةِ ذلك:** ان اللّٰهَ تعالیٰ قد بَیَّنَ الفرقَ بین المتدیِّنِ الفاسقِ والکافرِ الجاحدِ فی کلِ ملّة، وتوعَّدَ الکافرَ بالخلودِ فی النارِ والعذابِ الألیمِ، وجوَّزَ خروجَ الفاسقِ من النارِ بشفاعةِ الأنبیاءِ، وصَرَّحَ بذلك فی کُلِّ دِیانةٍ باسمِ المُتَدَیِّنِ بتلك الدِیانةِ، فأثْبَتَ ذلك فیَ التوراة للیهود والعِبریین وفی الإنجیل للنصرانیین، وفی القرآن العظیم للمسلمین؛ ومناطُ الحکم: هو الإیمانُ باللّٰه والیومِ الآخرِ، والإیمانُ بالنبی الذی بُعِثَ إلیهم، والانقیادُ له، والعملُ بشرائع ملتِه، والاجتنابُ عن نواهیها؛ لاتخصیصُ الحکم بفرقةٍ من الفِرَقِ لذاتها.

ولکنَّ الیهودَ زعموا أن کل من کان یهودیا أو عِبْرِیًّا فهو من أهل الجنة،

وتُخلِّصُهُ شفاعةُ الأنبياء من العذابِ، ولا يَمْكُثُ في النار إلا أياماً معدوداتٍ، وإن لم يتحقق ذلك المناطُ، ولم يكن إيمانُه بالله تعالى على الوَجْهِ الصحيحِ ، ولم يُدْرِكْ حظًّا من الإيمانِ بالآخرة، ورسالةِ النبي المبعوثِ إليهم.

وهذاخطأ صِرْفٌ وجَهْلٌ مَحْضٌ ، وقد كَشَفَ القرآنُ العظيمُ هذه الشبهةَ على أتمِّ وَجْهٍ، لِمَا أنه كان مُهَيْمِنًا على الكُتُبِ السابقةِ، مُبِيْنًا لمواضعِ الإشكالِ فيها،فقال تعالى:﴿بَلىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً، وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيْئَتُهُ، فَأُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِهُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ﴾

ترجمہ: تحریف معنوی کی مثالیں:

۱-اس(تحریف معنوی) میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرق بیان کیا ہے دین کی تصدیق کرنے والے نافرمان اور دین کا انکار کرنے والے کافر کے درمیان ہر مذہب میں، اور دھمکی دی ہے کافر کو دوزخ میں ہمیشہ رہنے کی اور دردناک عذاب کی، اور نافرمان کا دوزخ سے نکلنا جائز ٹھہرایا ہے انبیائے کرام کی سفارش سے، اور اس حکم کو بیان کیا ہے ہر مذہب میں اس مذہب کے ماننے والے کے نام سے، چنانچہ یہ حکم ثابت کیا ہے تورات میں یہودیوں اور عبریوں کے لئے، اور انجیل میں نصرانیوں اور عیسائیوں کے لئے، اور قرآن کریم میں مسلمانوں کے لئے، اور حکم کی علت: اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان لانا ہے، اور اس نبی کی تصدیق کرنا ہے جو ان کی طرف بھیجا گیا ہے، اور اس (نبی) کی اطاعت کرنا اور اس کی ملت کے اوامر پر عمل کرنا اور اس (ملت) کے ناجائز امور سے پرہیز کرنا ہے، حکم کو ان فرقوں میں سے کسی فرقہ کی ذات کے ساتھ خاص کرنا (مقصود) نہیں ہے۔

لیکن یہود نے یہ گمان کیا کہ یہودی اور عبری اہل جنت میں سے ہے، اور انبیائے کرام کی شفاعت اس کو عذاب سے نجات دلائیگی، اور وہ دوزخ میں نہیں ٹھہرے گا مگر چند دن، اگرچہ نہ پائی جائے وہ علت، اور نہ ہو اس کا ایمان اللہ تعالیٰ پر صحیح طریقہ پر، اور نہ پایا ہو اس نے کوئی حصہ آخرت اور اس نبی کی رسالت پر ایمان سے جو ان کی طرف بھیجا گیا ہے، یہ سراسر غلط اور خالص جہالت ہے، اور قرآن عظیم نے اس شبہ کو مکمل طریقہ پر واشگاف کیا ہے، اس لئے کہ قرآن پاک نگہبان اور محافظ ہے کتب سابقہ کا، اور ان (کتب سابقہ) میں جو مواقع قابل اشتباہ ہیں ان کو واضح کرنے والا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہے: کیوں نہیں جس نے گناہ کیا اور اس کے گناہ نے اس کو گھیر لیا سو ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں، اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

لغات:

اَلْمُتَدَیِّنُ (اسم فاعل): دین کی تصدیق کرنے والا، مؤمن، تَدَیَّنَ بالملۃ: دین اختیار کرنا...... جَاحِد: منکر، انکار کرنے والا...... مُھَیْمِن (اسم فاعل): نگران، نگہبان ھَیْمَنَ عَلٰی کذا ھَیْمَنَۃً: نگہبان ہونا...... عِبْرِی، عِبْرَانی اور اسرائیلی سب مصداق کے اعتبار سے ایک ہیں، یہود اپنے آپ کو اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسرائیلی کہتے ہیں، اور دوسرے لوگ "عابر" کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو عِبْری اور عِبْرَانی کہتے ہیں، اور عابر "یہود کے جداعلیٰ ہیں، یا دریا عبور کرنے پر دلالت کرتا ہے، اب عِبْری اور عِبْرَانی دونوں لفظ یہودی زبان کے لئے بولے جاتے ہیں (المنجد)

☆ ☆ ☆

تحریف معنوی کی دوسری مثال

اللہ تعالیٰ نے ہر ملت و مذہب میں امت کو ان کے زمانہ کی مصلحتوں کے موافق احکام دیئے ہیں، اور ہر امت کی اچھی عادتوں اور نیک خصلتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے شرعی قانون بنایا ہے، اور ہر امت کو ملت و مذہب اختیار کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے، اور اس پر ہمیشہ عمل کرنے اور اعتقاد رکھنے کی سخت تاکید فرمائی ہے، اور حق کو ہمیشہ کے لئے اس ملت میں منحصر کر دیا ہے، مگر دوام سے دوام حقیقی مراد نہیں بلکہ دوام اضافی اور ظاہری مراد ہے، یعنی جب تک دوسرا نبی اور نئی شریعت نہ آئے تب تک حق اس میں منحصر ہے، لیکن یہود اس کو دوام حقیقی پر محمول کر کے ملت یہودیت کے ناقابل نسخ ہونے کا دعوی کرتے ہیں، یہی تورات کی تحریف معنوی اور سراسر غلط تفسیر ہے۔

نیز یہود کا یہ دعوی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو ملت یہودیت پر ہمیشہ قائم و دائم رہنے کی وصیت کی تھی، جو ملت یہودیت کے ناقابل نسخ ہونے کی واضح ترین دلیل ہے —— اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کا حضرت یعقوب علیہ السلام پر افتراء ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا، بلکہ ان کی وصیت کا مطلب یہ

تھا کہ تم ایمان اور اعمال صالحہ پر مرتے دم تک گامزن رہنا، یہ وصیت یہودیت کے تعلق سے نہیں تھی، عام تھی مگر یہود نے خصوصیت کا اعتبار کرتے ہوئے یہ بات گھڑلی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو ہمیشہ یہودیت پر برقرار رہنے کی وصیت کی ہے۔

۲ ـ **ومن جملة ذلك:** انه تعالى قد بيَّن فی كل ملَّةٍ احكامًا تُناسِبُ مصالحَ ذلك العصرِ. ورُوْعِيَتْ فی التشريع عاداتُ القومِ الصالحةُ، وأكّد الأمرَ بالأخذِبها، وإدامةِ العملِ عليها، والاعتقادِ بها، وحَصْرِ الحَقِّيَّةِ فيها؛ والمرادُ أن الحقَ منحصرٌ فيها فی ذلك العصرِ، وأن المداومةَ عليها إضافيةٌ، لاحقيقيةٌ أی مالم يأت نبیٌّ آخرُ، ومالم يُكْشَفِ السِّتارُ عن وجه رسالته.

ولكن اليهود حملوا ذلك على استحالةِ نَسْخِ اليهوديةِ؛ وكان معنى وصيةِ التَمَسُّكِ بهاهو الوَصَايَةُ بالإيمان بالله والتمسكِ بالأعمال، ولم تكن خصوصيةُ تلك الملة معتبرةً لذاتها؛ ولكن اليهود اعتبروا الخصوصيةَ، فظنوا أن يعقوبَ عليه السلام وصّى بَنِيْهِ بالتمسكِ باليهوديةِ أبدًا.

ترجمہ: اور اس (تحریف معنوی) میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مذہب میں ایسے احکام بیان فرمائے ہیں جو اس زمانہ کی مصلحتوں کے موافق ہیں، اور شرعی قانون بنانے میں قوم کی اچھی عادتوں کی رعایت کی گئی ہے، اور تاکیدی حکم دیا ہے اس ملت کو اختیار کرنے کا، اور اس (ملت) پر ہمیشہ عمل کرنے کا اور اعتقاد رکھنے کا، اور حق کو اس (ملت) میں منحصر کرنے کا، اور مراد یہ ہے کہ حق اس (ملت) میں منحصر ہے اُس زمانہ میں، اور اس (ملت) پر ہمیشہ گامزن رہنا اضافی ہے، حقیقی نہیں، یعنی جب تک نہ آئے کوئی دوسرا نبی، اور جب تک نہ کھولا جائے اس کے روئے رسالت سے پردہ۔

لیکن یہود نے اس کو محمول کیا نسخ یہودیت کے محال ہونے پر، اور اس (ملت یہودیت) کو مضبوطی سے تھامنے کی وصیت کا مطلب تھا اللہ پر یقین کامل رکھنے کی اور اعمال کو مضبوطی سے تھامنے کی وصیت کرنا، اور اس ملت کی ذاتی خصوصیت معتبر نہیں تھی، لیکن یہود نے خصوصیت کا اعتبار کر کے یہ گمان کیا کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو ہمیشہ کے لئے یہودیت کو مضبوطی سے تھامنے کی وصیت کی ہے۔

لغات:

شَرَعَ(ف) شَرْعًا لِلْقَوْمِ، وَشَرَّعَ تَشْرِيعًا: قانون بنانا، شریعت جاری کرنا..... اَلسِّتَارُ: پردہ جمع سُتُرٌ، کہا جاتا ہے: مَدَّ اللَّيْلُ سِتَارَهُ: رات نے اپنے پردہ کو پھیلا دیا، یعنی تاریکی پھیل گئی...... تَمَسَّكَ بِهِ: چمٹنا، مضبوطی سے تھامنا..... اَلْوَصَايَةُ والوِصَايَةُ: وصیت جمع وَصَايَا.

☆ ☆ ☆

تحریف معنوی کی تیسری مثال

اللہ تعالیٰ نے ہر مذہب وملت میں انبیائے کرام اور ان کی کامل اتباع کرنے والوں کو قرب خداوندی پر دلالت کرنے والے معزز اور پیارے خطابوں سے نوازا ہے، اور منکرین ملت کا تذکرہ ذلت آمیز اور قابل نفرت اوصاف سے کیا ہے، اور ان خطابوں میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو ہر قوم میں رائج اور شائع وذائع تھے، پس اللہ تعالیٰ نے محبوب ومقرب کے بجائے کسی کو بیٹا کہہ دیا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ عام بول چال میں محبوب کو بیٹا کہا جاتا ہے، مثلاً کتاب الاستثناء کے چودھویں باب کی پہلی آیت میں ہے:

تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو، تم مردوں کے سبب سے اپنے آپ کو زخمی نہ کرنا، اور نہ اپنے ابرو کے بال منڈوانا (کتاب مقدس)

نیز کتاب الاستثناء کے بیسویں باب کی انیسویں آیت، اور کتاب اَشعیاء کے پہلے باب کی دوسری آیت، اور تیسویں باب کی پہلی آیت، اور تریسٹھویں (۶۳) باب کی آٹھویں آیت، اور کتاب ہوشع کے پہلے باب کی دسویں آیت میں تمام بنی اسرائیل کو ابناء اللہ (خدا کے فرزند) کہا گیا ہے (بحوالہ العون الکبیر)

لیکن یہود ان معزز ومقرب اور پیارے خطابوں کی بناء پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہ اعزاز واکرام اور تقرب وشرافت یہودی، عبری اور اسرائیلی ناموں کے ساتھ خاص ہے، اور وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اس اعزاز واکرام اور تقرب وشرافت کا مدار صرف اطاعت وانکساری اور راہ حق کو اختیار کرنے پر ہے۔

الحاصل اسی قسم کی بہت سی فاسد تاویلیں اور غلط تفسیریں ان کے دلوں میں راسخ ہو چکی تھیں،

جن کو وہ اپنے آباء واجداد سے سنتے چلے آئے تھے، جب قرآن کریم نازل ہوا تو اس نے ان فاسد تاویلوں اور باطل خیالوں کی قلعی کھول دی اور ان کی مکمل تردید فرمائی، مثلاً سورۂ مائدہ میں ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارىٰ: نَحْنُ أَبْنٰؤُا اللّٰهِ وَأَحِبَّاؤُهُ! قُلْ: فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ! (آیت ۱۸)

اور یہود ونصاریٰ دعوی کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، آپ کہئے کہ پھر کیوں سزا دیتے ہیں تم کو تمہارے گناہوں پر؟ بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک معمولی آدمی ہو۔

یعنی جو قوم علانیہ بغاوتوں اور شدید ترین گناہوں کی بدولت یہاں بھی کئی طرح کی رسوائیوں اور عذاب میں گرفتار ہو چکی ہے اور آخرت میں بھی حبس دوام کی سزا کا عقلاً ونقلاً استحقاق رکھتی ہے، کیا ایسی باغی اور عاصی قوم کی نسبت ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی ذی شعور یہ خیال کرسکتا ہے کہ وہ خدا کی محبوب اور پیاری ہوگی، خدا سے کسی کا نسبی رشتہ نہیں، اس کا پیار اور محبت صرف اطاعت اور حسن عمل سے حاصل ہوسکتی ہے —— نیز تم کو خدا کا بیٹا اور پیارا تو درکنار، شریف اور ممتاز انسان بھی نہیں کہا جاسکتا، صرف خدا کے پیدا کئے ہوئے ایک معمولی آدمی کہلائے جاسکتے ہو۔ (فوائد عثمانی)

۳ ـ ومن جملة ذلك: أن الله تعالى شَرَّفَ الأنبياءَ، والتابعين لهم بإحسانٍ، فی کل مِلّة بوَصْفِ المُقَرَّبِ والمحبوبِ، وَوَصَفَ الذین ینکرون الملةَ بالمغضوبِ؛ وَأَطْلَقَ فی هذا الباب لفظاً شائعًا فی کلِ قومٍ، فلا عَجَبَ لوِ اسْتَعْمَلَ کلمةَ "الأبناءِ" مقامَ المحبوبین؛ ولکنْ ظَنَّ الیهودُ أنَّ هذا التشریفَ دائرٌ مع اسمِ الیهودی والعِبْری والإسرائیلی، ولم یعرفوا أنه دائرٌ مع صِفَةِ الإنقیادِ والخُضوعِ، والسَّیْرِ علی الحَقِّ الذی أنزله اللّٰهُ علی الأنبیاءِ لاغیر.

وقَدِ ارْتَکَزَ فی خواطِرِهم کثیرٌ من التأویلاتِ الفاسدةِ من هذا القبیلِ، وتَلَقَّوْها وَتَوَارَثُوْهَا عن آبائِهم وأجدادِهم؛ فَدَحَضَ القرآنُ الکریمُ هذه الشبهاتِ علی أَتَمِّ وجهٍ.

ترجمہ: اور اس (تحریف معنوی) میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعزاز بخشا ہے انبیائے کرام اور ان کی اچھی طرح اتباع کرنے والوں کو ہر ملت میں مقرب اور محبوب کے لقب سے، اور منکرین ملت

کا تذکرہ کیا ہے قابل نفرت وصف کے ساتھ ، اور اس باب میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو ہر قوم میں رائج تھے، پس کوئی تعجب کی بات نہیں اگر اللہ تعالیٰ نے استعمال کیا ہو لفظ ابناء کو محبوبوں کی جگہ میں (کیونکہ عام بول چال میں محبوب کو بیٹا کہا جاتا ہے) لیکن یہود نے گمان کیا کہ یہ اعزاز واکرام دائر وسائر ہے یہودی، عبری اور اسرائیلی کے نام کے ساتھ ، اور وہ یہ نہ جان سکے کہ یہ اعزاز واکرام دائر وسائر ہے تابعداری اور انکساری کے وصف کے ساتھ ، اور صرف اس راہ حق پر چلنے کے ساتھ جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے انبیائے کرام پر۔

اور راسخ ہو گئی تھیں ان کے ذہنوں میں اسی قبیل کی بہت سی فاسد تاویلیں ، اور انہوں نے وہ (تاویلیں) حاصل کی تھیں اور میراث میں پائی تھیں ، اپنے آباء واجداد سے ، پس قرآن کریم نے ان فاسد خیالات کو مکمل طریقہ پر رد فرمایا ہے۔

لغات:

شَرَّفَهُ تَشْرِيفًا: تعظیم کرنا، بزرگی دینا، عزت کرنا...... **سَارَ(ض) سَيْرًا:** چلنا...... **اِنْقَادَ اِنْقِيَادًا لفلانٍ** تابعدار ہونا، فروتنی کرنا، اطاعت کرنا...... **خَضَعَ(ف) خُضُوْعًا:** عاجزی کرنا...... **تَلَقَّى الشيئ منه:** سیکھنا...... **تَوَارَثَ القومُ:** ایک دوسرے کا وارث ہونا، کہا جاتا ہے: **تَوَارَثُوْا الْمَجْدَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ:** انھوں نے اپنے باپ دادا سے بزرگی پائی...... **دَحَضَ الْحُجَّةَ(ف) دَحْضًا و دُحُوْضًا:** باطل کرنا، رد کرنا۔

☆ ☆ ☆

کتمان آیات کی وجہ اور اس کی پہلی مثال

یہود جو کہ دینی سیادت و قیادت کے مالک تھے ، اپنی سیادت و قیادت کو بچانے کے لئے یا بلند رتبہ حاصل کرنے کے لئے تورات کی بعض آیتوں اور اس کے احکام کو چھپاتے تھے ، تاکہ عوام ان سے بدظن نہ ہو جائیں اور ان آیتوں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان کو ملامت نہ کریں ، مثلاً زانی کو رجم (سنگ سار) کرنے کا حکم آج بھی تورات میں موجود ہے ، چنانچہ سِفرِ اَحْبار کے بیسویں باب میں ہے:

اور جو شخص دوسرے کی بیوی سے زنا کرے وہ زانی اور زانیہ دونوں جان سے مار دیئے جائیں

(آیت ۱۱) اور جو شخص اپنی سوتیلی ماں سے صحبت کرے اس نے اپنے باپ کے بدن کو بے پردہ کیا، وہ دونوں ضرور جان سے مارے جائیں، ان کا خون انہی کی گردن پر ہوگا (آیت ۱۲) اور اگر کوئی شخص اپنی بہو سے صحبت کرے تو وہ دونوں ضرور جان سے مارے جائیں، انھوں نے اوندھی بات کی ہے، ان کا خون انہی کی گردن پر ہوگا (آیت ۱۳) (بائبل)

مگر علمائے یہود نے رجم کے بجائے کوڑے مارنے پر اور منہ کالا کرنے پر اتفاق کر لیا تھا، اس لئے وہ آیات رجم کو چھپاتے تھے، تاکہ عوام کے سامنے رسوائی نہ ہو۔

مسلم شریف میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے کچھ لوگ ایک یہودی کو لے کر گذرے، جس کا منہ کالا کر کے کوڑے لگائے گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر پوچھا: کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہی سزا پاتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، پھر آپؐ نے ان کے علماء میں سے ایک عالم کو بلا کر فرمایا: میں تجھے اس خدائے پاک کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتاری ہے، کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہی سزا پاتے ہو؟ اس عالم نے جواب دیا: نہیں، اگر آپ قسم نہ کھلاتے تو میں آپ کو ہرگز نہ بتاتا، حقیقت یہ ہے کہ سزا تو رجم ہی ہے، مگر ہمارے اشراف میں اس کی کثرت ہو گئی، جب ہم کسی شریف کو پکڑتے تو چھوڑ دیتے، اور جب کسی کمزور کو پکڑتے تو اس پر حد جاری کرتے، پس ہم نے کہا: آؤ ہم ایسی بات پر اتفاق کریں جس کو شریف اور حقیر دونوں پر جاری کر سکیں، لہٰذا ہم نے رجم کے بجائے منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کو تجویز کر لیا۔ (مسلم شریف، باب حد الزنا ج ۲ ص ۷۰)

بیانُ كِتمانِ الآياتِ

أما كِتْمَانُ الآياتِ: فهو أنهم كانوا يُخفون بعضَ الأحكامِ والآياتِ للمحافظة على جاهٍ شريفٍ، أو لطلب مَنصبٍ عزيزٍ، لئلا يَتَلاشى إعتقادُ العامَّةِ فيهم، ولا يُلاموا على تَرْكِ العملِ بتلك الآياتِ.

أمثلتُه

١- فمن جملة ذلك: أن حكمَ رَجْمِ الزاني مُصرَّحٌ في التوراة، ولكنهم أهملوه لإجماعِ أحبارهم على إهمالِه، وإقامةِ الجَلْد وتسخيمِ الوَجْهِ مقامَهُ، وكانوا يُخفون تلك الآياتِ خَشيةَ الفضيحةِ.

ترجمہ: کتمان آیات کا بیان: رہا (تورات کی) آیتوں کو چھپانا تو وہ یہ ہے کہ یہود (تورات) کے بعض احکام اور آیتوں کو چھپاتے تھے بلند مرتبہ پر برقرار رہنے کے لئے، یا معزز عہدہ کو حاصل کرنے کے لئے، تاکہ ختم نہ ہو جائے ان کے بارے میں عوام کی عقیدت، اور ان کو ملامت نہ کی جائے ان آیتوں پر عمل نہ کرنے پر۔

کتمان آیات کی مثالیں: چنانچہ اس (کتمان آیات) میں سے ایک یہ ہے کہ زانی کو سنگ سار کرنے کا حکم تورات میں صراحۃً مذکور ہے، لیکن یہود نے اس کو چھوڑ دیا تھا ان کے علماء کے اتفاق کرنے کی وجہ سے رجم چھوڑنے اور کوڑے لگانے اور منہ کالا کرنے کو اس کے قائم مقام کرنے پر، اور وہ ان آیتوں کو چھپاتے تھے رسوائی کے خوف سے۔

لغات:

کَتَمَ (ن)) کَتْمًا و کِتْمَانًا الشیئَ: چھپانا..... جَاهٌ: مرتبہ..... مَنْصَبٌ: حسب وشرافت، عہدہ، رُتبہ جمع مَنَاصِب..... تَلَاشَی تلاشِیًا الشیئُ: معدوم ہونا مضمحل ہونا، اس کا مادہ لَشْوٌ ہے..... اَهْمَلَهٗ اِهْمَالاً: چھوڑ دینا..... اَحْبَار؛ حِبْرٌ و حَبْرٌ کی جمع ہے: نصاری کے نزدیک بڑا عالم، اور یہود کے نزدیک کاہنوں کا سردار..... جَلَدَهٗ (ض) جَلْدًا: کوڑے مارنا..... سَخَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ تَسْخِیْمًا: سیاہ رو کرنا، منہ کالا کرنا۔

☆ ☆ ☆

کتمان آیات کی دوسری مثال

تورات میں ایسی بہت سی آیات آج بھی موجود ہیں جن میں حضرت ھاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں ایک عظیم الشان پیغمبر کے مبعوث ہونے کی بشارت دی گئی ہے، اور ایسی آیات بھی ہیں جن میں ایک ایسی عالم گیر ملت کے وجود کا اشارہ موجود ہے جس کا ظہور اور شہرہ سرزمین حجاز میں ہوگا، جس کی وجہ سے عرفات کی پہاڑیاں صدائے لَبَّیْكَ سے گونج اٹھیں گی، اور اطراف عالم سے لوگ وہاں پہنچیں گے، یہ تمام پیشین گوئیاں آج بھی تورات میں موجود ہیں،

سِفْرِ تکوین (پیدائش) کے باب ۱۷ کی آیت ۲۰ میں ہے:

اور اسماعیل کے حق میں میں نے تیری (دعا) سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا، اور اُسے

برومند کروں گا، اور اسے بہت بڑھاؤں گا، اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے، اور میں اسے بڑی قوم کے لئے بناؤں گا ـــــ "میں اسے بڑی قوم کے لئے بناؤں گا" اس جملہ میں سرکار دو عالم ﷺ کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سید الکونین کے علاوہ کوئی شخص اس شان کا نہیں ہوا ہے۔

اور کتاب استثناء کے باب ۳۳ کی دوسری آیت میں ہے:

فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا، اور اس کے داہنے ہاتھ (میں) ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی ـــــ فاران (جو مکہ مکرمہ کا ایک پہاڑ ہے) کے پہاڑ سے جو نبی جلوہ گر ہوئے وہ سرکار دو عالم ﷺ ہیں، اور آپ ہی فتح مکہ کے وقت دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ شہر مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور اسلام کا جھنڈا بلند کیا، لہٰذا اس پیشین گوئی کا مصداق حضور اکرم ﷺ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

نیز کتاب الاستثناء کے باب ۱۸ کی آیت ۱۸ میں ہے:

میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا ـــــ غور کیجئے کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد بنی اسماعیل کے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟ اگر خود بنی اسرائیل مراد ہوتے تو "ان کے بھائیوں" کے بجائے "ان ہی میں سے" ہوتا، لہٰذا اس آیت میں جس نبی کے برپا کرنے کی بشارت دی گئی ہے اس سے سرکار دو عالم ﷺ ہی مراد ہیں۔

اور کتاب یسعیاہ کے باب ۴۲ میں ہے:

دیکھو! میرا بندہ جس کو میں سنبھالتا ہوں، میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے، میں نے اپنی روح اس پر ڈالی، وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا (آیت ۱) وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا، اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی (آیت ۲) وہ نہ ماندہ ہوگا اور نہ ہمت ہارے گا، جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کر لے، جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے (آیت ۴) دیکھو! پرانی باتیں پوری ہو گئیں، اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں، اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں (آیت ۹) اے سمندر پر گزرنے والو! اور اس میں بسنے والو! اے جزیرو! اور ان کے باشندو! خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ، زمین پر سرتاسر اُسی کی ستائش کرو (آیت ۱۰)

بیابان اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں، سَلَع کے بسنے والے گیت گائیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں (آیت ۱۱) وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں، اور جزیروں میں اس کی ثناخوانی کریں (آیت ۱۲) خداوند بہادر کے مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کے مانند اپنی غیرت دکھائے گا، وہ نعرے مارے گا، ہاں وہ للکارے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا (آیت ۱۳)

ان آیتوں میں سے پہلی دوسری اور چوتھی آیت میں سرکار دو عالم ﷺ کے شمائل و خصائل بیان کئے گئے ہیں، اور نویں آیت میں سابقہ شریعتوں کے منسوخ ہونے کی طرف اشارہ ہے، اور "نئے گیت گاؤ" سے مراد عبادتوں کے وہ نئے طریقے ہیں جو شریعت محمدی میں پائے جاتے ہیں، اور جزیروں، شہروں اور خشکی کے تمام علاقوں کے لئے ان کے عام ہونے سے سرکار دو عالم ﷺ کی نبوت کے عام ہونے کی جانب اشارہ ہے، بالخصوص لفظ "قیدار" اس کی طرف قوی اشارہ ہے کہ محمد ﷺ قیدار بن اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں۔

اور "سَلَع" مدینہ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، جو قدیم زمانہ میں بھی اسی نام سے مشہور تھا، اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی "سَلَع" کے نام سے مشہور و معروف تھا، اور آج بھی اسی نام سے مشہور ہے، اب اس جملہ پر غور کیجیے، "سلع کے بسنے والے گیت گائیں" کون نہیں جانتا کہ سرکار دو عالم آقائے مکی و مدنی جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ منورہ کی بچیاں یہ عربی نغمہ گا رہی تھیں

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ÷ مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

اور لطف کی بات یہ ہے کہ ثنیات الوداع درحقیقت کوہ سلع ہی کے سلسلہ کی گھاٹیاں ہیں، اور "پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں" سے اس خاص عبادت کی طرف اشارہ ہے جو حج کے زمانہ میں ادا کی جاتی ہے، جس میں لاکھوں انسان لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کی صدا لگاتے ہیں، اور بارہویں آیت میں اذان کی طرف اور تیرہویں آیت میں آپ کی فتوحات کی طرف اشارہ ہے۔

یہود اولاً تو یہ تمام آیات چھپاتے تھے، کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتے تھے۔ اور اگر کسی کو ان آیات کی بھنک پڑ جاتی تھی تو یہ تاویل کرتے تھے کہ ان آیات میں صرف اس ملت کے وجود پذیر ہونے کی خبر دی گئی ہے، اس کی اتباع کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ اس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ وہ یہ مقولہ بار بار دہراتے تھے کہ مَلْحَمَةٌ كُتِبَتْ عَلَيْنَا: ایک گھمسان کی لڑائی ہم پر

فرض کی گئی ہے، یعنی جب وہ ملت وجود میں آئے تو ہم پر لازم ہوگا کہ ہم اس کا ڈٹ کر مقابلہ کریں، اور اس کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں۔

مگر یہ تاویل اس قدر لچر اور بودی ہے کہ کوئی ہوشمند اس پر کان نہیں دھر سکتا، اس لئے یہود آپس میں ایک دوسرے کو ان آیتوں کے چھپانے کی وصیت اور تاکید کرتے رہتے تھے، اور ہر کس و ناکس کے سامنے ان کا اظہار مناسب نہیں سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ ان کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَإِذَا خَلاَ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ قَالُوْا: أَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ، لِيُحَاجُوْكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ (سورة البقرة آیت ۷٦)

جب یہود ایک دوسرے سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں: کیا تم بتلا دیتے ہو ان (مسلمانوں) کو وہ باتیں جو اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہیں؟ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ (مسلمان) ان باتوں کو تمہارے خلاف حجت میں پیش کریں گے، (کہ دیکھو یہ باتیں) تمہارے رب کے پاس (سے تمہاری کتاب میں نازل ہوئی) ہیں کیا تم سمجھتے نہیں؟!

بھلا جہالت کی بھی کوئی حد ہے! اللہ تعالیٰ کا حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام پر اس مبالغہ کے ساتھ احسان جتلانا اور تورات میں اس امت کا اس قدر اعزاز کے ساتھ تذکرہ کرنا کیا اس پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ یہ صرف ایک ملت کے وجود کی خبر ہے اور اس میں اس ملت کی اطاعت و اتباع کی کوئی ترغیب نہیں ہے؟! سبحان اللہ! یہ اللہ تعالیٰ پر سنگین بہتان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کا بس یہی مطلب ہے۔

٢- ومن جملة ذلك: أن الآياتِ التي فيها بشارةٌ بِبَعْثَةِ نبيٍّ في أولادِ هاجرَ وإسماعيلَ عليهما السلام، والتي فيها إشارةٌ إلى وجود ملّةٍ، يَتِمُّ ظهورُها وشهرتُها في أرضِ الحِجَازِ وتَمْتَلِئُ بها جبالُ عَرَفَةَ مِنَ التَّلْبِيَةِ، ويَؤُمُّ الناسُ ذلك الموضِعَ من الأقطارِ والأمصارِ؛ وهي ثابتةٌ في التوراة حتى اليومِ؛ فكان اليهودُ يتاولونها بأن ذلك إخبارٌ بوجودِ تلك الملةِ، وليس فيها أمرٌ باتباعها؛ وكانوا يُرَدِّدُوْنَ هذه الكلمةَ: "مَلْحَمَةٌ كُتِبَتْ علينا.

ولِمَا أن هذا التأويلَ الركيكَ لايسمعه أحدٌ، ولايَصِحُّ عند أحدٍ، كانوا يتواصَون

فيما بينهم باخفائها، ولايُسَامِحون بإظهارِها على كل عامٍ وخاصٍ، كما حكى اللهُ تعالى عنهم: ﴿أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ﴾.

ماأجْهَلَهُمْ! هل يُمْكِنُ أن تُحْمَلَ مِنَّةُ الله تعالى على هاجرَو إسماعيلَ ـــ عليهما السلام ـــ بهذه المُبالغةِ، وذكرُهذه الأمة بهذه الفضيلة، على الإخبارِ بوجودِ تلك الملة، ولايكون فيه حَثٌّ وتحريضٌ على اتباع هذا الدينِ؟! سُبْحَانَكَ هٰذَا إِفْكٌ عَظِيمٌ!

ترجمہ: اور یہود جن آیتوں کو چھپاتے تھے ان میں سے وہ آیتیں ہیں جن میں ایک نبی کے مبعوث ہونے کی بشارت ہے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں، اور وہ آیتیں ہیں جن میں ایک ملت کے وجود پذیر ہونے کا اشارہ ہے، اس (ملت) کا ظہور اور شہرہ سرزمین حجاز میں تام ہوگا، اور بھر جائیں گی اس کی وجہ سے عرفات کی پہاڑیاں تلبیہ سے، اور لوگ قصد کریں گے اس جگہ کا دنیا کے کونوں اور شہروں سے، اور یہ آیتیں تورات میں اب تک موجود ہیں، پس یہود ان آیتوں کی یہ تاویل کرتے تھے کہ یہ تو اس ملت کے وجود پذیر ہونے کی خبر دینا ہے، اور ان (آیتوں) میں اس (ملت) کی اتباع کا حکم نہیں ہے، اور وہ بار بار یہ مقولہ دہراتے تھے کہ "ایک گھمسان کی لڑائی ہم پر لکھ دی گئی ہے"

اور چونکہ اس کمزور تاویل کو نہ کوئی سن سکتا ہے، نہ کسی کے نزدیک صحیح ہوسکتی ہے، اس لئے یہود آپس میں ان آیتوں کے چھپانے کی تاکید کرتے تھے، اور ہرکس وناکس کے سامنے ان کا اظہار روا نہیں رکھتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا حال بیان کیا ہے کہ: "تم کیوں بتلا دیتے ہو ان (مسلمان) کو وہ باتیں جو اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ (مسلمان) ان باتوں کو تمہارے خلاف حجت میں پیش کریں گے (کہ دیکھو یہ باتیں) تمہارے رب کے پاس (سے تمہاری کتاب میں نازل ہوئی) ہیں۔

یہود کس قدر جاہل ہیں! کیا اللہ تعالیٰ کے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام پر اس مبالغہ کے ساتھ احسان جتانے کو، اور اس ملت کے اس فضیلت کے ساتھ تذکرہ کرنے کو اس ملت کے وجود پذیر ہونے کی خبر دینے پر محمول کرنا ممکن ہے درآنحالیکہ اس میں اس دین کی اتباع پر ابھارنا اور اکسانا نہ ہو؟! سبحان اللہ! یہ بہت بڑا افتراء ہے!!

لغات:

هَاجَرُ (بفتح الجیم): حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ، ھاجَر اور اسماعیل دونوں عجمی نام ہیں اس لئے غیر منصرف ہیں، اور ھاجَر کی ھاء کو ہمزہ سے بدل کر آجَرُ بھی بولتے ہیں...... اَمَّ(ن) اَمًّا: قصد کرنا...... اَقْطار؛ قُطْرٌ کی جمع ہے: اقلیم، گوشہ، جانب.......... رَدَّدَ القولَ: بار بار دہرانا...... مَلْحَمَةٌ: گھمسان کی جنگ کا موقع، جمع مَلاحِم...... رَکِیْكٌ: کمزور، رَكَّ(ض) رَكًّا: کمزور ہونا...... تَوَاصیٰ تَوَاصِيًا القومُ: ایک دوسرے کو وصیت کرنا.......... سَامَحَهٗ فی الاَمْرِ و بالاَمْرِ: نرم برتاؤ کرنا، چشم پوشی کرنا...... حَثَّ(ن) حَثًّا علی الامر: اُکسانا، ابھارنا...... حَرَّضَهٗ علی الامر: ابھارنا، اکسانا...... الإِفْكُ: جھوٹ، افتراء، گناہ اَفَكَ(ض) اَفْكًا و اُفُوْكًا: جھوٹ بولنا۔

☆ ☆ ☆

افتراء کا بیان

یہود کی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی افتراء ہے، یعنی من گھڑت باتیں دین میں داخل کرنا اور بدعات و خرافات کو دین میں شامل کرنا۔ افتراء کرنا یہود کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے علماء اور مشائخ تعمق اور تشدد پسند تھے، اس لئے وہ ایسے احکام اور عبادات شاقہ اختیار کرتے تھے جن کا شریعت نے ان کو حکم نہیں دیا تھا، نیز ان کے علماء اور مشائخ استحسان سے بھی بعض احکام ثابت کرتے تھے یعنی شارع کی تصریح کے بغیر کسی مصلحت کی وجہ سے بعض احکام تجویز کرتے تھے اور بے ہودہ استنباطات کو ترویج دیتے تھے۔

پھر ان کے متبعین اُن باتوں کو یہ سمجھ کر دین میں داخل کر دیتے تھے کہ بزرگوں کا کسی بات پر اتفاق کر لینا حجت قطعیہ ہے، چنانچہ یہود کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرنے کے سلسلہ میں ان کے اسلاف کے اقوال کے علاوہ کوئی دلیل و سند نہیں تھی، اسی طرح اور بہت سے احکام میں ان کا یہی حال تھا۔

> **بيانُ الافتراء:**
>
> أما الافتراءُ فأسبابُهٗ:
>
> ١۔ دخولُ التعمُّقِ والتشدُّدِ على أحبارِهم ورُهبانِهم.

۲۔ والاستحسانُ أی استنباطُ بعضِ الأحکامِ بناءً علی إدراکِ المَصَالِحِ فیھا، بِدُوْنِ نَصٍّ من الشارِعِ.
۳۔ وترویجُ الاستنباطاتِ الوَاھِیَۃِ.
فأتباعُھم ألحَقُوھا بالأصل زَعمًا منھم أن اتفاق سَلَفِھِمْ علی شیئٍ من الحُجَجِ القاطعۃِ؛ فلم یکن عندھم مستَنَدٌ فی إنکارنبوۃِ عیسی علیہ السلام إلاأقوالَ سَلَفِھم وکذلک کان حالُھم فی کثیرٍ من الأحکامِ.

ترجمہ: افتراء کا بیان: رہا افتراء تو اس کے اسباب ہیں:
(۱) تعمق اور تشدد کا ان کے علماء اور مشائخ میں پیدا ہونا۔
(۲) اور استحسان یعنی شارع کی تصریح کے بغیر بعض احکام کو مستنبط کرنا ان میں کسی مصلحت کا ادراک کرنے کی وجہ سے۔
(۳) اور بے ہودہ استنباطات کو رواج دینا۔
پھر ان کے متبعین نے ان باتوں کو اصل (یعنی تورات یا دین) کے ساتھ لاحق کر دیا یہ گمان کرتے ہوئے کہ ان کے اسلاف کا کسی بات پر اتفاق کرنا دلائل قطعیہ میں سے ہے، چنانچہ ان کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے انکار کرنے میں کوئی مستند دلیل نہیں تھی ان کے اسلاف کے اقوال کے علاوہ، اسی طرح ان کا حال تھا اور بہت سے احکام میں۔

تعمق، تشدد اور استحسان کی وضاحت

تعمق کے لغوی معنی ہیں: گہرائی میں اترنا، معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنا، اور یہاں تعمق سے مراد احکام میں بال کی کھال نکالنا ہے، جس کی تفصیل آگے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت میں آرہی ہے۔
اور تشدد کے لغوی معنی ہیں: کسی کام میں سختی کرنا، اور یہاں تشدد سے مراد یہ ہے کہ ایسی سخت عبادتیں اختیار کرنا جن کا شارع نے حکم نہیں دیا۔
اور استحسان کے لغوی معنی ہیں: اچھا جاننا، اور یہاں استحسان کے معنی یہ ہیں کہ نصوص شرعیہ کے بغیر کسی مصلحت کی وجہ سے بعض احکام کی تخریج کرنا، شاہ صاحب رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں تعمق، تشدد اور استحسان وغیرہ اسباب تحریف کی وضاحت کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

تعمق فی الدین کی حقیقت یہ ہے کہ شارع کسی چیز کا حکم دیتا ہے، یا کسی چیز سے روکتا ہے، ایک امتی اس امر و نہی کو سنتا ہے اور اس کو اپنے خیال کے مطابق سمجھتا ہے، پھر وہ اپنی سمجھی ہوئی وجوہ میں سے بعض وجوہ کی وجہ سے یا علت کے کسی جزء کے پائے جانے کی وجہ سے اس حکم کو منصوص محل کی کسی ہم شکل چیز کی طرف متعدی کرتا ہے یا ہم شکل چیز کے کسی جز کی طرف منتقل کرتا ہے یا اس مشابہ چیز کے مَظان (احتمالی جگہوں) کی طرف یا اس کے دواعی کی طرف متعدی کرتا ہے تو یہ تعمق فی الدین ہے۔

اسی طرح جب روایتوں میں تعارض ہو، اور اصل امر مشتبہ ہو جائے تو سخت ترین امر کو اختیار کرنا، اور اس کو واجب گردانا بھی تعمق ہے نیز رسول کے ہر فعل و عمل کو عبادت پر محمول کرنا بھی تعمق ہے، حالانکہ حق بات یہ ہے کہ رسول کے بعض کام بر بنائے عادت بھی ہوتے ہیں، مگر وہ شخص یہ سمجھ کر کہ ان امور عادیہ کو امر و نہی شامل ہیں، علی الاعلان کہہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، اور اس سے منع فرمایا ہے (یہ بھی تعمق ہے)

مثلاً شارع نے نفس کو مغلوب و مقہور کرنے کے لئے روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، اور روزہ کی حالت میں جماع سے منع فرمایا ہے، اس سے کچھ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ سحری کھانا خلافِ شرع اور ناجائز ہے، کیونکہ یہ قہرِ نفس کے خلاف ہے، اور روزہ دار کے لئے اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور چومنا بھی حرام ہے، کیونکہ یہ جماع کے اسباب و دواعی میں سے ہے، اور جماع کے مشابہ ہے، کیونکہ جس طرح جماع سے خواہش پوری ہوتی ہے اسی طرح بوسہ لینے سے بھی خواہش پوری ہوتی ہے، چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اس قول ورائے کے فساد کو واضح فرمایا اور بتلایا کہ ایسا سمجھنا حکم شرعی کی تحریف ہے۔

اور تشدد کی حقیقت یہ ہے کہ ایسی شاق اور سخت عبادتیں اختیار کرنا جن کا شارع نے حکم نہیں دیا، مثلاً ہمیشہ روزے رکھنا، رات بھر نماز پڑھنا، دنیا سے بالکل بے تعلق ہو جانا، شادی بیاہ سے گریز کرنا، اور سنن و مستحبات کا واجب و فرض کی طرح التزام کرنا۔

جب کبھی اس قسم کا کوئی متشدد اور متعمق شخص قوم کا معلّم اور رہبر بن جاتا ہے تو عام لوگ خیال کرنے لگتے ہیں کہ یہ جو کچھ کر رہا ہے وہ شارع کا حکم ہے، اور شارع کی رضامندی اسی میں ہے، یہ یہود و نصاریٰ کے راہبوں کی بیماری ہے۔

استحسان کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص دیکھتا ہے کہ شارع نے تشریع احکام کی بنیاد

حکمت ومصلحت پر رکھی ہے، تو اس سے یہ شخص بعض اسرار وحکم جن کو ہم نے ذکر کیا ہے جان لیتا ہے، اور جو حکمت ومصلحت اس نے جان لی ہے اس سے شرعی احکام ثابت کرتا ہے، مثلاً یہود نے دیکھا کہ شارع نے حدود کا حکم گناہوں سے روکنے اور اصلاح کی غرض سے دیا ہے، مگر جب انھوں نے دیکھا کہ رجم باہمی اختلاف اور قتل وقتال کو جنم دیتا ہے، اور اس میں سخت ترین فساد برپا ہوتا ہے، تو انھوں نے رجم کے بجائے منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کو اچھا سمجھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ تحریف ہے، اور تورات کے صریح اور منصوص حکم کو اپنی رائے سے ٹھکراتا ہے (باب اِحْکام الدین من التحریف ص ۱۲۰ و ۱۲۱ جلد اول)

تنبیہ: یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ یہ استحسان فقہائے کرام کے استحسان سے بالکل الگ نوعیت کی ایک چیز ہے، کیونکہ فقہائے کرام کے نزدیک جو استحسان حجت شرعیہ ہے وہ درحقیقت قیاس خفی ہے جو قیاس جلی سے بہتر ہوتا ہے، اس لئے اس کو استحسان سے تعبیر کرتے ہیں، علامہ سرخسیؒ مبسوط میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

القیاسُ والاستحسانُ فی الحقیقةِ قیاسانِ: احدُھما: جَلِیٌّ، ضعیفٌ أثَرُہٗ فَسُمِّیَ قیاسًا، والآخرُ: خَفِیٌّ، قَوِیٌّ أثرُہٗ، فَسُمِّیَ استحسانًا ای قیاسًا مُسْتَحْسَنًا (ج ۱۰ ص ۱۴۵ بحوالہ العون الکبیر)

قیاس اور استحسان درحقیقت دو قیاس ہیں: ان میں سے ایک جلی اور واضح ہے، اس کا اثر کمزور ہوتا ہے اس لئے اس کو قیاس کہتے ہیں، اور دوسرا خفی ہے، اس کا اثر قوی ہوتا ہے اس لئے اس کو استحسان کہتے ہیں، یعنی پسند کیا ہوا قیاس۔

الحاصل جو استحسان نصوص شرعیہ سے مستنبط ہو وہ حجت شرعیہ ہے، اور جو نصوص شرعیہ سے مستنبط نہ ہو وہ افتراء فی الدین ہے، اسی طرح جو اجماع نصوص شرعیہ سے ماخوذ ہو وہ حجت قطعیہ ہے اور جو نصوص شرعیہ یعنی قرآن وحدیث کے خلاف ہو اس کی اتباع کرنا اندھی تقلید اور تحریف فی الدین ہے۔

☆ ☆ ☆

تساہل فی الدین اور ارتکاب مناہی کا سبب

یہود تورات کے احکام پر عمل کرنے اور ان کے نافذ کرنے میں تساہل اور سستی کرتے تھے، اور

بخل و حرص میں مبتلا تھے، ظاہر ہے کہ اس کی وجہ نفس پرستی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ باستثنائے قلیل سبھی لوگوں پر نفس پرستی کا غلبہ ہوتا ہے، مگر بنی اسرائیل کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اس بری خصلت کو فاسد تاویلوں کے ذریعہ جائز ٹھہرانے اور شرعی رنگ میں پیش کرنے کی بیجا کوشش کرتے تھے، اس لئے ان کی نفس پرستی بالکل الگ نوعیت کی تھی، اسی طرح جو مسلمان خلاف شرع باتوں کو جائز ٹھہرانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں وہ بھی یہود کے بھائی ہیں۔

سَبَبُ التساهلِ وارتكابِ المَناهي:

وأما التساهلُ في تنفيذِ احكامِ الشريعةِ، وارتكابُ البخلِ والحِرْصِ، فظاهرٌ أنه من مُقتضَيات النفسِ الأمّارةِ، وهي تغلب الناسَ جميعًا إلا من شاء الله ؛ قال تعالى: ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ، إِلاَّ مَارَحِمَ رَبِّيْ﴾

ولكن هذه الرذيلة قد تلوَّنت في أهلِ الكتابِ بلونٍ آخرَ؛ وهو أنهم كانوا يتكلفون تصحيحَها بتأويلِ فاسدٍ، وكانوا يُبرِزونها في صِبْغَةِ الدينِ.

ترجمہ: سستی کرنے اور منہیات میں مبتلا ہونے کا سبب: رہا شریعت کے احکام نافذ کرنے میں سستی کرنا اور بخل و حرص میں مبتلا ہونا تو ظاہر ہے کہ یہ نفس امارہ کے تقاضے ہیں، اور وہ (نفس) تمام لوگوں پر غالب رہتا ہے، مگر جس کو اللہ چاہیں (یعنی محفوظ رکھیں) ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ، إِلاَّ مَارَحِمَ رَبِّيْ (سورۂ یوسف آیت ۵۳) — نفس تو بری ہی بات بتلاتا ہے، بجز اس (نفس) کے جس پر میرے پروردگار مہربانی فرمائیں۔

لیکن یہ بری خصلت اہل کتاب میں ایک اور رنگ اختیار کر چکی تھی، اور وہ (رنگ) یہ ہے کہ اہل کتاب اس کو فاسد تاویل سے صحیح ٹھہرانے کی کوشش کرتے تھے، اور اس کو دینی رنگ میں پیش کرتے تھے۔

لغات:

رَذِيلَةٌ: بری خصلت جمع رَذَائِل...... تَلَوَّنَ الشيئُ: رنگین ہونا...... اَبْرَزَهُ اِبْرَازًا: نکالنا، ظاہر کرنا...... مَنَاهِي: مَنْهِيٌّ کی جمع ہے: ممنوع اور ناجائز کام، مَنَاهِيُ الشرع: شریعت کے ممنوعات، حرام چیزیں۔

☆ ☆ ☆

نبی کریم ﷺ کی رسالت کو مستبعد سمجھنے کی وجوہ

یہود متعدد اسباب کی بناء پر آنحضرت ﷺ کی نبوت کو بعید از قیاس سمجھتے تھے، وہ اسباب درج ذیل ہیں:

۱- کم و بیش نکاح کرنے کے معاملہ میں اور اسی قسم کے دیگر امور میں انبیائے کرام کے احوال و عادات کا اختلاف وجہ استبعاد تھا ــــــ انبیائے بنی اسرائیل میں سے بعض حضرات نے نکاح ہی نہیں کیا، جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام حَصُوْر تھے، اور بعض کی سینکڑوں ازواج تھیں، جیسے داؤد و سلیمان علیہما السلام کی سو، سو بیبیاں تھیں اور اکثر حضرات کی ایک ہی بیوی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے چونکہ اکثر انبیائے بنی اسرائیل کی بہ نسبت زیادہ نکاح کئے تھے، جو ملّی یا ملکی مصالح سے تھے، اس لئے یہود کے لئے یہ چیز باعث اشکال بن گئی کہ یہ کیسا نبی ہے جو دھڑا دھڑ نکاح کرتا ہے؟ اسی طرح جہاد کے معاملہ میں اور جہاد سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کے معاملہ میں انبیاء کے احوال مختلف رہے ہیں، اسلام میں جہاد فرض قرار دیا گیا اور مال غنیمت حلال ٹھہرایا گیا تو یہود نے اس کو بزورِ شمشیر اشاعت دین سمجھا اور منفعت اندوزی کا ذریعہ قرار دیا۔

۲- شریعت مصطفوی سابقہ شرائع سے قدرے مختلف تھی، جس کی حکمت آگے آرہی ہے، انبیائے بنی اسرائیل کی شرائع سے آنحضرت ﷺ کی شریعت کا یہ اختلاف بھی یہود کے لئے وجہ استبعاد بنا۔ انھوں نے خیال کیا کہ اگر یہ شریعت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی تو سابقہ شریعتوں سے مختلف نہ ہوتی۔

۳- انبیاء کے معاملہ میں سنت الٰہی کا مختلف ہونا بھی وجہ استبعاد تھا مثلاً گذشتہ تمام انبیاء و رسل کی بعثت، زمانی، مکانی اور اپنی اپنی اقوام کی طرف ہوتی تھی اور آنحضرت ﷺ کی بعثت آفاقی، ابدی اور تمام جہانوں کے لئے عام تھی، یہ چیز بھی یہود کے لئے وجہ اشکال بنی کہ ساری دنیا کے لئے اور ہمیشہ کے لئے ایک نبی کیسے ہو سکتا ہے؟

۴- آنحضرت ﷺ کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا بھی سبب استبعاد تھا ــــــ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام نبی تھے، ان کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کے صاحب زادے حضرت یعقوب علیہ السلام نبی ہوئے جن کو اسرائیل بھی کہتے ہیں، پھر جتنے

انبیائے کرام مبعوث ہوئے وہ سب بنی اسرائیل میں سے تھے، اور آنحضرت ﷺ بنی اسماعیل میں سے تھے، آپ کے سوا بنی اسماعیل میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا، اس لئے یہود آنحضرت ﷺ کی رسالت ونبوت کو بعید سمجھتے تھے، اور یہ خیال کرتے تھے کہ اگر آنحضرت ﷺ نبیٔ برحق ہوتے تو بنی اسرائیل میں سے ہوتے۔

۵-الحاصل یہ اور اسی طرح کے کچھ اور اسباب تھے جن کی وجہ سے یہود آنحضرت ﷺ کی رسالت ونبوت کو بعید سمجھتے تھے، مثلاً قرآن کریم کا تدریجاً آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک پر اترنا، اور آپ کی زبان مبارک سے اس کا ظاہر ہونا، اور تورات کا یکبارگی نوشتہ کی شکل میں دیا جانا وغیرہ وغیرہ۔

أسبابُ استبعادِ رسالةِ سيدِنا محمدٍ صلى الله عليه وسلم:

وأما استبعادُ رسالةِ سيدِنا محمدٍ صلى الله عليه وسلم ،فأسبابُه:

۱- اختلافُ عاداتِ الأنبياء وأحوالِهم في إكثارِ التزوج والإقلالِ منه، وما أشبه ذلك.

۲- واختلافُ شرائعِهم.

۳- واختلافُ سنةِ الله تعالى في معاملةِ الأنبياءِ

٤- وبعثةُ النبيِّ صلى الله عليه وسلم من بني إسماعيلَ، بَعْدَ ما كان جمهورُ الأنبياءِ من بني إسرائيلَ .

٥ - وأمثالُ هذه الأسبابِ.

ترجمہ: حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کو بعید سمجھنے کے اسباب: رہا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کو بعید سمجھنا، تو اس کے اسباب ہیں:

۱-انبیائے کرام کی عادتوں اور حالتوں کا مختلف ہونا زیادہ نکاح کرنے اور کم نکاح کرنے کے سلسلہ میں، اور اس کے مانند (اور باتوں میں اختلاف)

۲-اور ان (انبیائے کرام) کی شریعتوں کا مختلف ہونا۔

۳-اور انبیائے کرام کے معاملہ میں سنت الٰہی کا مختلف ہونا۔

۴-اور نبی کریم ﷺ کا بنی اسماعیل میں سے مبعوث ہونا، اس کے بعد کہ بیشتر انبیاء، بنی اسرائیل

میں سے تھے۔

۵-اور ان اسباب کے مانند (اور اسباب کی وجہ سے)

☆ ☆ ☆

انبیائے کرام کا طریق اصلاح اور اختلاف شرائع کی مثال

انبیائے کرام کی بعثت دراصل نفوس بشریہ کی اصلاح اور لوگوں کی عادات و عبادات کی تہذیب و تعدیل کی خاطر ہوا کرتی ہے، نیکی اور بدی کے اصول ایجاد کرنے کی غرض سے نہیں ہوتی، اور عبادات، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ میں چونکہ ہر قوم کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں، اس لئے جب کسی قوم میں کوئی نبی مبعوث ہوتا ہے، تو وہ ان کی قدیم عادتوں کو بالکلیہ ختم کر کے جدید اصول وضع نہیں کرتا، بلکہ نبی پہلے قوم کی عادتوں اور رسموں کو غور سے دیکھتا ہے، جو عادتیں اور رسمیں خدا کی مرضی کے مطابق ہوتی ہیں ان کو برقرار رکھتا ہے، اور جو عادتیں اور رسمیں اصل شریعت اور اللہ کی مرضی کے خلاف ہوتی ہیں، ان میں بقدر ضرورت ترمیم کر کے ان کو درست کر دیتا ہے، شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

"جب کوئی رسول اور پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز کو اصل حالت کی طرف لے جائے، چنانچہ وہ پہلی شریعت کے تمام احکام پر نظر ڈالتا ہے، پھر ان شعائر الٰہیہ کو جن میں شرک کی آمیزش نہیں ہوتی، اور عبادت کے ان طریقوں کو اور ان انتظامی امور کو جو شرعی قوانین کے مطابق ہوتے ہیں باقی رکھتا ہے، اور جو امور معدوم ہو گئے ہیں ان کی عظمت واہمیت کو دوبالا کرتا ہے، اور ہر چیز کے ارکان واسباب مقرر کرتا ہے، اور تحریف شدہ باتوں کو رد کرتا ہے، اور نہایت وضاحت کے ساتھ بتلاتا ہے کہ یہ باتیں دین سے خارج ہیں، اور جو احکام اس زمانہ کی مصلحتوں کے مواقع کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، پھر عادتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے مواقع مصلحت بدل گئے ہیں ان کو تبدیل کرتا ہے" (ج ا ص ۱۲۲)

اسی طرح ہر نبی تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ میں بھی وہی نہج اور طریقہ اپناتا ہے جو لوگوں کے درمیان مشہور و معروف اور شائع ذائع ہوتا ہے انہیں اسباب سے انبیائے کرام کی شریعتیں مختلف ہوتی ہیں ——— اور شریعتوں کا یہ اختلاف بالکل ایسا ہے جیسا طبیب و حکیم کے نسخوں اور تجویز کردہ دواؤں میں اختلاف ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حاذق طبیب و حکیم جب دو الگ

مزاج رکھنے والے مریضوں کا علاج کرتا ہے تو مرض کے متحد ہونے کے باوجود ایک کے لئے سرد دوا اور سرد غذا تجویز کرتا ہے، اور دوسرے کو گرم دوا اور گرم غذا کا حکم دیتا ہے۔ حالانکہ طبیب کی غرض دونوں کے علاج میں ایک ہی ہے، یعنی مزاج کی اصلاح اور فاسد مادے کو دور کرنا مقصود ہوتا ہے، لیکن غرض اور مقصود کے متحد ہونے کے باوجود مزاج کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف علاج تجویز کرتا ہے، نیز کبھی طبیب ہر علاقہ کے لئے الگ دوائیں اور غذائیں تجویز کرتا ہے، اور ہر موسم میں مختلف علاج اور الگ تدبیر اختیار کرتا ہے۔

اسی طرح جب طبیب حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی اصلاح اور علاج کرنے کا ارادہ فرمایا جو روحانی بیماری میں مبتلا تھے، تو ہر زمانہ کے لوگوں کی عادتوں اور مسلمہ باتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے الگ الگ علاج تجویز فرمائے، کیونکہ تشریع احکام کا مقصد فاسد مادے کو ختم کر کے روحانی قوت کو تقویت پہنچانا ہے، یکساں قانون نافذ کرنا مقصود نہیں ہے۔

النبوة ومَنْهَجُها في إصلاحِ الناس:

والأصلُ في هذه المسئلة: أن النبوةَ كائنةٌ لإصلاحِ نفوسِ الناسِ، وتهذيبِ عباداتِهم وتعديلِ عاداتِهم، لالإنشاءِ أصولِ البرِ والإثمِ؛ ولكلِ قومٍ عاداتٌ في العباداتِ، وتدبيرِ المنزلِ، والسياسةِ المدَنِيَّةِ، فإذا ظهرت فيهم النبوةُ فلا تستأصِلُ هذه العاداتِ بالمرَّة، ولاتَضَعُ لهم عاداتٍ جديدةً، بل تُميِّزُ فيما بين العاداتِ، فماكان منها صالحا مطابقا لرضى الله تعالى تُبقِيْه وتحفظه، وماكان منها مخالفاً للإصل، منافيا لرضى الله تعالى تُغيرُه حَسَبَ الضرورةِ وتُعدِّلُه.

وكذلك يكونُ التذكيرُ بآلآءِ الله، وبأيامِ الله على الأسلوبِ الذي هو معروفٌ عندهم، وشائعٌ لديهم؛ فهذا هو السببُ في اختلافِ شرائعِ الأنبياءِ عليهم الصلاة والسلام.

ترجمہ: اصلاح کے سلسلہ میں منہج نبوت: اور اس مسئلہ میں (یعنی انبیائے کرام کے معاملہ میں) دستور یہ ہے کہ نبوت وجود میں آتی ہے لوگوں کے نفوس کو سنوارنے کے لئے، اور ان کی عبادتوں کو درست کرنے کے لئے اور ان کی عادتوں کو سیدھا کرنے کے لئے، نہ کہ نیکی اور گناہ کے اصول (قوانین) ایجاد کرنے کے لئے، اور ہر قوم کی کچھ عادتیں ہوتی ہیں عبادتوں میں، اور تدبیر منزل میں اور سیاست مدنیہ میں، پس جب ان میں نبوت ظاہر ہوتی ہے تو وہ (نبوت) ان عادتوں کو یکبارگی ختم نہیں کرتی،

اور نہ ان کے لئے نئی عادتیں وضع کرتی ہے، بلکہ عادتوں کے درمیان امتیاز کرتی ہے، پھر ان (عادتوں) میں سے جو عادتیں درست اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوتی ہیں ان کو باقی رکھتی ہے، اور ان کی حفاظت کرتی ہے، اور ان (عادتوں) میں سے جو اصل (شریعت) کے مخالف ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہوتی ہیں، ان میں بقدر ضرورت ترمیم کرتی ہے، اور ان کو سیدھا کرتی ہے۔

اسی طرح تذکیر بآلاء اللہ اور بایام اللہ اسی نہج اور طریقہ پر ہوتی ہے جو ان کے نزدیک جانا پہچانا ہو، اور ان کے درمیان رائج ہو، پس یہی سبب ہے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کے مختلف ہونے کا۔

اختلافُ الشرائع كالاختلافِ وَصَفَاتِ الطبيبِ

وهذا الاختلافُ في الشرائع كالاختلافِ في وَصَفَاتِ الطبيبِ: فإنه إذا دَبَّرَ أمرَ المريضَيْن يصِفُ لأحدهما دواءً وغذاءً باردًا، ويأمر الآخرَ بدواءٍ وغذاءٍ حارٍّ، وغَرَضُ الطبيبِ من مُعالجتِهما واحدٌ، وهو إصلاحُ مزاجِهما، وإزالةُ المَوَادِّ الفاسدةِ منهما، لاغيرُ؛ ويمكن أن يَصِفَ الطبيبُ في كل مِنطقةٍ أدْوِيَةً وأغذِيَةً مختلفةً، تُلاَئِمُ أهلَها، وكذلك يختارفي كل فَصْلٍ من الفُصولِ علاجا مختلفا يناسبُ ذلك الفصلَ.

كذلك لما أراد الطبيبُ الحقيقي ـــــ جلَّ مجدُه ـــــ معاجلةَ من ابتُلي بالمرضِ النفساني، وتقويةَ القوةِ المَلَكِيَّةِ، وإزالةَ الفسادِ الطارئِ عليهم، اختلفت المعالجةُ بِحَسَبِ اختلافِ أقوامِ كلِ عصرٍ وعاداتِهم، ومشهوراتِهم، ومسلماتِهم.

ترجمہ: شریعتوں کا اختلاف طبیب کے نسخوں کے اختلاف کی طرح ہے: شریعتوں کا یہ اختلاف طبیب کے نسخوں (تجویز کردہ دواؤں) کے مختلف ہونے کے مانند ہے، اس لئے کہ طبیب جب دو مریضوں کے معاملہ میں غور کرتا ہے، تو ان دونوں میں سے ایک کے لئے ٹھنڈی دوا اور غذا تجویز کرتا ہے، اور دوسرے کو گرم دوا اور غذا کا حکم دیتا ہے، حالانکہ طبیب کی غرض دونوں کے علاج سے ایک ہے، اور وہ (غرض) ان دونوں کے مزاج کی اصلاح اور ان دونوں سے فاسد مواد کو دور کرنا ہے، اس کے سوا (اور کوئی غرض) نہیں اور ممکن ہے کہ طبیب ہر علاقہ میں الگ دوائیں اور غذائیں تجویز کرے، جو اس علاقہ کے باشندے کو راس آئیں اور اسی طرح موسموں میں سے ہر موسم میں الگ علاج اختیار کرتا

ہے، جو اس موسم کے موافق ہوتا ہے۔

اسی طرح جب ارادہ فرمایا طبیب حقیقی جل مجدہ (یعنی اللہ تعالیٰ) نے ان لوگوں کے علاج کا جو روحانی بیماری میں مبتلا تھے اور (ارادہ فرمایا) ملکی قوت کو قوی کرنے کا، اور اس فساد کو دور کرنے کا جو ان پر چھا گیا تھا، تو علاج مختلف ہو گیا، ہر زمانہ کے لوگوں (کی طبیعتوں) اور ان کی عادتوں اور مشہور مسلم باتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔

لغات:

وَصَفَات؛ وَصْفَةٌ کی جمع ہے: نسخہ، تجویز کردہ دوائیں؛ وَصَفَ يَصِفُ وَصْفَةَ الطبيبُ للمريض: نسخہ تجویز کرنا...... دَبَّرَ الامرَ تَدْبِيْرًا: غور کرنا...... المَوَادُّ؛ المَادَّةُ کی جمع ہے: جس سے کسی چیز کی ترکیب و قوام ہو...... مِنْطَقَةٌ: علاقہ جمع مَنَاطِقُ......... بِحَسَبِ: موافق، مطابق، کہا جاتا ہے: هٰذا بِحَسَبِ ذٰلِكَ: یہ اُس کے موافق ہے۔

☆ ☆ ☆

یہود کا نمونہ

یہود کے احوال تفصیل سے آپ پڑھ چکے۔ اب اگر آپ آنکھوں سے ان کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو اپنے زمانہ کے بد اطوار علماء کو دیکھیں، جو گمراہیاں اور خرابیاں نزول قرآن کے وقت یہود میں پائی جاتی تھیں، آج وہ سب گمراہیاں اور خرابیاں بعینہ علمائے سوء میں پائی جاتی ہیں۔ وہ یہود کی طرح دنیا کے طلب گار ہیں، وہ جانتے بوجھتے ہوئے اپنا پیٹ پالنے کے لئے لوگوں کو بدعات کے دلدل میں پھنسائے رکھتے ہیں، وہ اپنے اسلاف کی اندھی تقلید کے خوگر ہیں، ان کے اسلاف کی آراء کے مقابلہ میں قرآن وحدیث کی نصوص کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ ایک عالم کے تعمق و تشدد اور اس کے واہی اجتہادات واستحسانات پر تکیہ کرتے ہیں اور اس کو "امام" کا مقام دیتے ہیں۔ غرض یہ لوگ صحیح احادیث سے تو اعراض کرتے ہیں اور موضوع احادیث اور فاسد تاویلات کو پیشوا بناتے ہیں پس دیکھئے، گویا یہ وہی ہیں!

> **أُنموذَجُ اليهودِ**
>
> وعلى كلٍّ، فإن أردتَ أن ترى أُنموذَجَ اليهودِ، فانظر إلى علماءِ السُّوْءِ الذين

يطلبون الدنيا، ويُولَعون بتقليد السَلَفِ ، ويُعرِضون من نُصُوصِ الكتابِ والسُنَّةِ، ويستندون إلى تَعَمُّقِ عالمٍ وتَشَدُّدِهِ، أو إلى استحسانِهِ، فأعرضواعن كلامِ الشارع المعصومِ، وجعلوا الأحاديثَ الموضوعةَ، والتأويلاتِ الفاسدةَ قُدْوَةً،فانظرْ كأنَّهُمْ هُمْ!

ترجمہ: یہود کا نمونہ: بہر حال اگر آپ یہود کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں، توان علمائے سوء کو دیکھیں جو دنیا کے طالب ہیں، اور اسلاف کی تقلید کے گرویدہ ہیں، اور کتاب وسنت کی نصوص (یعنی صریح آیتوں اور حدیثوں) سے اعراض کرتے ہیں، اور کسی عالم کے تعمق وتشدد اور اس کے استحسان پر اعتماد کرتے ہیں، چنانچہ انھوں نے معصوم شارع کے کلام سے اعراض کیا، اور موضوع حدیثوں اور فاسد تاویلوں کو اسوہ بنایا، پس دیکھئے! گویا یہ (علمائے سوء) وہی (یہود) ہیں۔

لغات:

اُنْمُوْذَج ونَمُوْذَج: نمونہ، جمع اُنْموذَجات ونَموذَجات...... عَلٰی کُلٍّ یہ جدید محاورہ ہے اس کے معنی ہیں بہر حال، بہر صورت الحاصل، خلاصۂ کلام ...... علماءُ السُّوْءِ: برے علماء جن کے پیش نظر دنیا ہو...... اُوْلِعَ یُوْلَعُ اِیْلاَعًا بہ: بہت محبت کرنا، بہت گرویدہ ہونا...... السَلَفُ: گذشتہ آباء واجداد، جمع اَسْلاف...... نُصوص؛ نَصٌّ کی جمع ہے: صریح کلام؛ ایسا کلام جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو...... اِسْتَنَد الیہ: اعتماد کرنا، بھروسہ کرنا...... القُدْوَة (قاف پر تینوں حرکتیں): اُسوہ، پیشوا۔

﴿فائدہ﴾ یہاں یہ بات جان لینی چاہئے کہ وہ عقائد ونظریات جو صریح آیتوں اور حدیثوں سے ثابت ہیں، ان میں کسی کی تقلید کرنا جائز نہیں، یہاں شاہ صاحب نے جس تقلید کو علمائے سوء کا کردار بتایا ہے، اس سے یہی ناجائز تقلید مراد ہے، اور مسائل اجتہادیہ میں تقلید کرنا نہ صرف جائز بلکہ واجب لغیرہ اور ضروری ہے۔ خود شاہ صاحب بھی مسائل اجتہادیہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے تھے، اور اس کو واجب سمجھتے تھے، چنانچہ "الانصاف فی سبب الاختلاف" میں فرماتے ہیں کہ:

(اسلام کی پہلی) دو صدیوں کے بعد لوگوں میں بعض مجتہدین کی تقلید کا رجحان پیدا ہوا، اور بہت کم لوگ رہ گئے جو کسی معین مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں، اور یہی چیز اس زمانہ میں واجب تھی (بحوالہ تسہیل ادلہ کاملہ ص ۸۵)

نصاریٰ کا تذکرہ

نصاریٰ ؛ نصرانی کی جمع ہے، اور نصرانی خلاف قیاس ”ناصرہ“ کی طرف منسوب ہے، اور ”ناصِرہ“ ملک شام کی اس بستی کا نام ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، اس لئے جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں وہ خود کو نصاری کہتے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب وملت کو نصرانیت سے تعبیر کرتے ہیں۔

موجودہ نصرانیت کا بانی:

نصاری کا دعوی ہے کہ موجودہ نصرانیت کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھی ہے، اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر قائم ہیں، اور ان کی ملت کے پیرو ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا تو آپ کے حواری شدید مخالفتوں کے باوجود نصرانیت کی تبلیغ کرتے رہے، اور پے در پے پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود انھیں اچھی کامیابی ملتی رہی، مگر اسی دوران ایک واقعہ پیش آیا جس نے حالات کا رُخ بالکل موڑ دیا۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عالم جس کا نام ”ساؤل“ تھا اور نصاری پر شدید ظلم وستم ڈھاتا تھا، اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا، اور اس نے دعوی کیا کہ دمشق کے راستہ میں مجھ پر ایک نور چمکا، اور آسمان سے حضرت مسیح علیہ السلام کی آواز سنائی دی کہ ”تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟“ اس واقعہ سے متاثر ہو کر میں حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لے آیا ہوں، اور دین عیسوی پر میرا دل مطمئن ہو گیا ہے۔

”ساؤل“ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے سامنے اپنے اس انقلاب کا اعلان کیا تو اکثر حواری اس کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، مگر سب سے پہلے ”برناباس“ حواری نے اس کی تصدیق کی، پھر اس کی تصدیق سے مطمئن ہو کر تمام حواریوں نے ”ساؤل“ کو اپنی برادری میں شامل کرلیا۔

اس کے بعد ”ساؤل“ نے اپنا نام بدل کر ”پولس“ رکھا، اور حواریوں کے دوش بدوش نصرانیت کی تبلیغ میں مشغول ہو گیا، اس کی انتھک کوشش سے بہت سے ایسے لوگ بھی نصرانیت میں داخل ہو گئے جو یہودی نہیں تھے، ان خدمات کی وجہ سے نصاریٰ کے درمیان ”پولس“ کا اثر ورسوخ بڑھ گیا، جب اس نے دیکھا کہ نصاریٰ اس کی ہر بات تسلیم کرتے ہیں تو رفتہ رفتہ اس نے تثلیث، حلول، کفارہ اور مصلوبیت مسیح وغیرہ عقائد باطلہ کی کھل کر تبلیغ شروع کر دی، اور نصرانیت کو مسخ کر دیا، لہٰذا موجودہ نصرانیت کے بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ ”پولس“ ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے بائبل سے قرآن تک کا مقدمہ)

عقیدۂ تثلیث کی وضاحت

نصاریٰ کی سب سے بڑی گمراہی عقیدۂ تثلیث ہے، یعنی نصاریٰ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تین اقانیم (اجزاء اور شاخیں) ہیں: اب (باپ) ابن (بیٹا) اور روح القدس (پاکیزہ روح) یہ تینوں اُقنوم من وجہ متحد اور من وجہ مختلف ہیں، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:

تثلیث کے عیسائی نظریہ کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ ”باپ“ خدا ہے، ”بیٹا“ خدا ہے، اور ”روح القدس“ خدا ہے، لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہے، اس لئے کہ عیسائی نظریہ کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں، اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں (بحوالہ بائبل سے قرآن تک کا مقدمہ ص ۴۵)

باپ کی حقیقت:

نصاریٰ اب (باپ) سے صرف ذات باری تعالیٰ مراد لیتے ہیں، یعنی صفت کلام اور صفت حیات سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف ذات باری تعالیٰ کو باپ سے تعبیر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ ذات باری ”بیٹے“ کے وجود کے لئے اصل کا درجہ رکھتی ہے، مشہور عیسائی فلاسفر ”سینٹ تھامس ایکویناس“ کی تشریح کے مطابق ”باپ“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنا ہے۔ اور کوئی ایسا وقت گذرا ہے، جس میں باپ تھا اور بیٹا نہیں تھا، بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لئے اصل ہے، جس طرح ذات صفت کے لئے اصل

ہوتی ہے، ورنہ جب سے باپ موجود ہے، اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے، اور ان میں سے کسی کو کسی پر زمانی اولیت حاصل نہیں۔

خدا کی ذات کو باپ سے تعبیر کرنے کی وجہ:

عیسائی نظریہ کے مطابق خدا کی ذات کو "باپ" اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں، جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے، دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیق اور مہربان ہے، جس طرح باپ بیٹے پر مہربان ہوتا ہے۔

ابن کی حقیقت:

نصاری خدا کی صفت کلام کو ابن (بیٹے) سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن یہ انسانوں کی صفت کلام کی طرح نہیں ہے، انسانوں کی صفت کلام موجود بنفسہ نہیں ہے اور یہ صفت کلام موجود بنفسہ ہے "ایکویناس" لکھتا ہے:

"انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی، اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے، لیکن خدا کی صفتِ کلام ایک جوہر ہے، جو خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے، اسی لئے اس کو حقیقۃً نہ کہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے، اور اس کی اصل کا نام باپ ہے"

عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کو جس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں، وہ اسی صفت کے ذریعہ ہوتی ہیں، اور اسی صفت کے ذریعہ تمام اشیاء پیدا ہوتی ہیں، یہ صفت باپ کی طرح قدیم اور جاودانی ہے۔

روح القدس کی حقیقت:

نصاری روح القدس سے باپ اور بیٹے کی صفت حیات مراد لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسی صفت کے ذریعہ خدا کی ذات (یعنی باپ) اپنی صفت کلام (یعنی بیٹے) سے محبت کرتی ہے، اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے، یہ صفت بھی صفت کلام کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے (یعنی موجود بنفسہ ہے) اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاودانی ہے (ماخوذ از مقدمہ بائبل سے قرآن تک)

ذِکْرُ النصاری

عقیدةُ التثلیثِ والردُّ علیها

أماالنصاری: فکانوا مؤمنین بسیدنا عیسی علیه السلام، وکان ضَلالُهم: أنهم یزعمون ان لله تبارك وتعالی ثلاثةَ أجزاءٍ متغایِرة بوجه، ومتحدة بآخرَ؛ وکانوا یسمونها "الأقانیمَ الثلاثةَ":

أحدها: الأبُ؛ وهو بازاء مَبْدَإِ العالَم

والثانی: الابنُ؛ وهو بازاء الصادرِ الأولِ الذی هومعنی عامٌ شاملٌ لجمیعِ الموجوداتِ

والثالث: روحُ القُدُسِ؛ وهو بازاء العقولِ المجردةِ.

ترجمہ: نصاریٰ کا تذکرہ: عقیدۂ تثلیث اور اس کی تردید: رہے نصاریٰ تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے، اور ان کی گمراہی یہ تھی کہ وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے تین جز ہیں، جو ایک اعتبار سے مختلف اور دوسرے اعتبار سے متحد ہیں، اور وہ ان (اجزاء) کو اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں۔

ان میں سے ایک باپ ہے، اور وہ مبدأ عالم کے بالمقابل ہے۔

اور دوسرا: بیٹا ہے، اور وہ صادر اول کے بالمقابل ہے، اور صادر اول کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ وہ تمام موجودات کو شامل ہے (کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک صادر اول سے مراد عقل اول ہے، جو پوری کائنات کے وجود میں مؤثر ہے، جس طرح نصاریٰ کے نزدیک ابن پوری کائنات کے وجود میں مؤثر ہے، لہٰذا ابن اور صادر اول کی حقیقت یکساں ہے)

اور تیسرا: روح القدس (پاکیزہ روح) ہے، اور وہ عقول مجردہ کے بالمقابل ہے

لغات:

اَقَانِیم؛ اُقْنوم کی جمع ہے، یہ سُریانی زبان کا لفظ ہے، اور اس کے معنی ہیں عُنْصر، اصل......

المَبْدَأُ: اصل، سبب جمع مَبادی، اور مَبْدَأُ العالَم کے معنی ہیں: عالم کی اصل، عالم کی علت، اور فلاسفۂ یونان مَبْدَأُ العالم سے خدا کی ذات مراد لیتے ہیں، جیسے نصاریٰ "باپ" سے خدا کی ذات مراد لیتے

ہیں...... الصادرُ الاول کے معنی ہیں: سب سے پہلی صادر ہونے والی چیز، پھر فلاسفہ کے نزدیک صادر اول سے مراد "عقل اول" ہے، کیونکہ ان کے گمان میں ذات باری سے سب سے پہلے صادر ہونے والی چیز عقل اول ہے، اور صوفیاء کے نزدیک صادر اول "وجود منبسط" (پھیلا ہوا وجود) ہے: جس سے پوری کائنات پیدا کی گئی ہے، لیکن صوفیاء صادر اول کو قدیم اور جاودانی نہیں مانتے، اور فلاسفہ صادر اول یعنی عقل اول کو قدیم وجاودانی اور کائنات کے وجود میں مؤثر مانتے ہیں، جیسے نصاری "بیٹے" کو قدیم وجاودانی اور کائنات کے وجود میں مؤثر مانتے ہیں، اس لئے نصاری کے نزدیک "بیٹے" کی حقیقت وہی ہے جو فلاسفہ کے نزدیک صادر اول یعنی عقل اول کی ہے...... عقول عقل کی جمع ہے: عقل ایک نور ہے جس سے غیر محسوس چیزوں کا ادراک ہوتا ہے، اور فلاسفہ عقل سے ایسا جوہر مراد لیتے ہیں جو اپنے افعال میں اسباب وآلات سے بے نیاز اور کائنات کو وجود بخشنے میں واجب تعالیٰ اور اس کی مصنوعات کے درمیان واسطہ ہوتا ہے، فلاسفہ کے نزدیک ایسی دس عقلیں ہیں، جو کائنات کے وجود میں مؤثر ہیں، عقول مجردہ سے یہی دس عقلیں مراد ہیں جو ذات باری کی طرح قدیم اور جاودانی ہیں، جیسے نصاری کے نزدیک روح القدس قدیم اور جاودانی ہے۔

الغرض شاہ صاحب نے نصاری کے اقانیم ثلاثہ کو وضاحت کی غرض سے فلاسفہ کی اصطلاحوں کے ساتھ ذکر کیا ہے، تاکہ ہر شخص نصاری کی خدائی اصطلاحوں کو اچھی طرح سمجھ سکے اور ان کی حقیقت کو پہچان سکے۔

☆ ☆ ☆

عقیدۂ حلول کی وضاحت

نصاری کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ "بیٹا" یعنی اللہ کی صفت کلام ایک روح کی شکل وصورت اختیار کر کے حضرت مسیح علیہ السلام کے جسم اطہر میں حلول کر گئی تھی، اس لئے حضرت مسیح خدا اور خدا کے بیٹے ہیں، اور انسان بھی ہیں، یعنی آپ بیک وقت بشری اور خدائی اوصاف کے حامل ہیں۔

دلیل اول: اس باطل عقیدے کے اثبات میں نصاری انجیل کی اُن آیتوں سے استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کو بیٹا کہا گیا ہے، مثلاً انجیل مُرقُس کے باب ۱۳ آیت ۳۲ میں ہے: "لیکن اس دن، یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے، نہ

بیٹا مگر باپ"۔۔۔۔۔۔ نیز یوحنا حواری کی انجیل میں کئی جگہ حضرت مسیح کو بیٹا کہا گیا ہے، ان آیتوں کی نصاری یہ توجیہ کرتے ہیں کہ اقنوم ابن چونکہ حضرت مسیح کے جسم اطہر میں حلول کر گیا تھا، اس لئے آپ کو بیٹا کہا گیا ہے۔

دلیل دوم: نیز اس باطل عقیدے کے اثبات میں نصاری انجیل کی ان آیتوں سے بھی استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت مسیح علیہ السلام نے بعض افعال خداوندی کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، مثلاً انجیل یوحنا کے چھٹے باب میں ہے:

"جو کوئی میرا گوشت کھاتا ہے، اور میرا لہو پیتا ہے، ہمیشہ کی زندگی اُسی کی ہے، اور میں اُسے آخری دن اٹھاؤں گا (آیت ۵۴) کیونکہ میرا گوشت فی الحقیقت کھانے، اور میرا لہو فی الحقیقت پینے کی چیز ہے (آیت ۵۵) اور جو میرا گوشت کھاتا ہے، اور میرا لہو پیتا ہے، مجھ میں رہتا ہے، اور میں اس میں (آیت ۵۶) جس طرح سے کہ زندہ باپ نے مجھے بھیجا، اور میں زندہ باپ سے زندہ ہوں، اسی طرح وہ بھی جو مجھے کھاتا ہے، مجھ سے زندہ ہوگا" (آیت ۵۷)

مذکورہ آیات سے نصاری اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ زندہ کرنا خدا کا کام ہے، لہٰذا حضرت مسیح علیہ السلام خدا ہوئے اور کوئی انسان خدا نہیں ہو سکتا، جب تک خدائی عنصر اس میں سرایت نہ کر جائے، اس لئے ماننا ہوگا کہ اقنوم ابن حضرت مسیح کے جسم اطہر میں سرایت کر گیا تھا، پس حضرت مسیح خدا اور خدا کے بیٹے ہیں، اور انسان بھی ہیں۔

وكانوا يَعْتَقِدونَ أن أقنومَ "الابن" تَدَرَّعَ برُوحِ عيسى عليه السلام أى كما أن جبرئيلَ عليه السلام قد يظهر فى صورة الإنسانِ، كذلك ظهر الابنُ فى صورةِ رُوْحِ عيسى عليه السلام؛ فعيسى إلٰهٌ وابنُ إلٰهٍ وبَشَرٌ أيضًا فى وقتٍ واحدٍ؛ وتَجْرِى عليه الأحكامُ البشريةُ والإلٰهيةُ معًا.
وكانوا يَتَمَسَّكون فى إثباتِ هذه العقيدةِ ببعضِ نُصُوصِ الإنجيلِ التى أُطْلِقَ فيها لفظُ "الابنِ" على عيسى عليه السلام، وكذلك يستدلون بالآيات التى نَسَبَ فيها عيسى عليه السلام بعضَ أفعالِ اللّٰه تعالٰى إلى نَفْسه.

ترجمہ: اور نصاری اعتقاد رکھتے ہیں کہ اقنوم ابن (بیٹے کے عنصر) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی روح کا کرتہ پہن لیا تھا، یعنی جس طرح جبرئیل علیہ السلام کبھی انسان کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے، اسی طرح "بیٹا" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کی صورت میں ظاہر ہوا تھا، پس عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں، اور خدا کے بیٹے اور انسان بھی ہیں ایک ہی وقت میں، اور ان پر بشری اور خدائی احکام ایک ساتھ جاری ہوتے ہیں۔

اور نصاریٰ استدلال کرتے تھے اس عقیدے کے اثبات میں انجیل کی بعض آیتوں سے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بیٹا کہا گیا ہے، اور اسی طرح وہ ان آیتوں سے (بھی) استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بعض افعال خداوندی کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

لغات:

تَدَرَّعَ تَدَرُّعًا: کرتہ پہننا، روپ دھارنا...... بَشَرٌ: انسان...... تَمَسَّكَ بِه: چمٹنا، استدلال کرنا...... نُصُوْصٌ؛ نَصٌّ کی جمع ہے: صریح کلام، آیت یا حدیث رسول۔

☆ ☆ ☆

دلیل اول کا جواب

نصاریٰ کے پہلے استدلال کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ تسلیم کرنا ہی دشوار ہے کہ جن آیتوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کو بیٹا کہا گیا ہے، وہ تحریف و تبدیل سے پاک ہیں، کیونکہ انجیل کی تحریف کا مسئلہ اتنا واضح ہے کہ خود عیسائی اور نصاریٰ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

لیکن اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے، اور تحریف سے پاک ہے، تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں محبوب و مقرب اور راست باز کو بیٹا کہا جاتا تھا، اس لئے حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی محبوب و مقرب اور راست باز ہونے کی وجہ سے بیٹا کہا گیا ہے، انجیل میں اس کے بکثرت شواہد موجود ہیں، مثلاً انجیل مرقس کے باب ۱۵ آیت ۳۹ میں ہے: "اور صوبہ دار اس کے سامنے کھڑا تھا، اس نے اُسے یوں دم دیتے ہوئے دیکھ کر کہا: بیشک یہ آدمی خدا کا بیٹا ہے" مگر انجیل لوقا کے باب ۲۳ آیت ۴۷ میں ہے: "یہ ماجرا دیکھ کر صوبہ دار نے خدا کی تمجید کی، اور کہا: بیشک یہ آدمی راست باز ہے" اس سے معلوم ہوا کہ انجیل مرقس میں حضرت مسیح کو راست باز ہونے کی وجہ سے بیٹا کہا گیا ہے۔

دلیل دوم کا جواب

نصاری کے دوسرے استدلال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا بعض افعال خداوندی کو اپنی طرف منسوب کرنا نقل وحکایت کے طور پر تھا، جس طرح بادشاہ کا قاصد بادشاہ کے کارنامے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: " ہم نے فلاں شہر فتح کیا، اور فلاں قلعہ مسمار کردیا" ظاہر ہے کہ یہ کارنامے قاصد کے نہیں، بادشاہ کے ہیں، مگر قاصد صرف ترجمان ہونے کی وجہ سے ان کارناموں کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے، اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی بعض افعال خداوندی کو اللہ کا رسول ہونے کی وجہ سے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر نہ آتے ہوں، بلکہ اللہ تعالیٰ براہ راست آپ کے دل میں مضامین القاء فرماتے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح مضامین القاء فرمائے ہوں بعینہ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام بیان کردیتے ہوں، جسکی وجہ سے بعض افعال خداوندی کی نسبت حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف ہوگئی ہو۔ لہٰذا نصاری کا ان آیتوں سے الوہیت مسیح پر استدلال کرنا سراسر لغو ہے۔

اس کی بہت سی نظیریں قرآن کریم میں بھی موجود ہیں مثلاً سورۃ الزمر آیت ۵۳ میں ہے: ﴿قُلْ: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا﴾ الایۃ (آپ کہیے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کیں ہیں الخ) ظاہر ہے کہ مسرفین اللہ کے بندے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے بندے نہیں ہیں، مگر جس طرح وحی آئی اسی طرح تعبیر باقی رکھی گئی۔

وجوابُ الإشكالِ الأولِ: على تقدير صِحَّةِ نُصوص الإنجيلِ، وأنه ليس فيها تحريفٌ: أن لفظَ "الابنِ" في العهدِ القديم، كان مستعملا بمعنى المحبوبِ والمقربِ والمجتبى، كما يدل عليه كثيرٌ من القرائن في الإنجيل.

وجوابُ الإشكال الثاني: أن تلك النسبةَ على طريقِ الحكايةِ؛ كما يقول رسولُ المَلِكِ: "إِنَّا فَتَحْنَا البلدَ الفُلانيَّ" و"لقد حَطَمْنَا القلعةَ الفلانيةَ" وفي الحقيقة هذا الأمرُ راجعٌ إلى المَلِكِ؛ وأما الرسولُ فإنما هو ترجُمانُ المَلِكِ فَحَسْبُ.

والجوابُ الثاني: أنه يحتمل أن يكون الوَحْيُ إلى عيسى عليه السلام عن طريقِ انطِباعِ المعاني فى لَوْحِ قلبِهِ من قِبَلِ العَالَمِ العُلْوِيْ، لاعن طريقِ تمثُّلِ جبرئيلَ عليه السلام فى صورة البشر، وإلقاءِ الكلامِ إليه؛ فبسببِ هذا الانطباع جَرَى منه عليه السلام كلامٌ مُشْعِرٌ بنسبة تلك الأفعال إلى نفسه؛ والحقيقةُ غيرُخفيةٍ.

ترجمہ: اور پہلے اشتباہ کا جواب: انجیل کی آیتوں کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے، اور یہ (تسلیم کرتے ہوئے) کہ ان (آیتوں) میں تحریف و تبدیل نہیں ہوئی، یہ ہے کہ بیٹے کا لفظ قدیم زمانہ میں محبوب ومقرب اور برگزیدہ کے معنی میں مستعمل تھا، جیسا کہ اس پر انجیل کے بکثرت قرائن دلالت کرتے ہیں۔

اور دوسرے اشتباہ کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت حکایت کے طور پر ہے، جیسے بادشاہ کا قاصد کہتا ہے کہ: ہم نے فلاں شہر فتح کیا، اور ہم نے فلاں قلعہ مسمار کر دیا، اور حقیقت میں یہ کارنامہ بادشاہ کی طرف لوٹنے والا ہے، اور رہا قاصد تو وہ صرف بادشاہ کا ترجمان ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آتی ہو مضامین کے چھپنے کے طور پر ان کے دل کی تختی میں عالم بالا کی طرف سے، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے انسان کی صورت میں ظاہر ہونے اور کلام پیش کرنے کے طریقہ پر نہ آتی ہو، پس اس چھپنے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایسا کلام صادر ہوا ہو، جو جتانے والا ہو، ان افعال کی اپنی طرف نسبت کرنے کو، اور حقیقت حال پوشیدہ نہیں ہے (ہر عقل مند جانتا ہے کہ یہ نسبت حقیقی نہیں ہے، مجازی ہے)

لغات:

الإِشْكَالُ: اشتباہ، التباس، اَشْكَلَ الاَمْرُ: مشتبہ ہونا، کہا جاتا ہے: اَشْكَلَتْ عَلَيَّ الاَخْبَارُ: میرے اوپر خبریں مشتبہ ہو گئیں، نصاریٰ کے دونوں استدلال در حقیقت اشتباہ پر مبنی ہیں اس لئے شاہ صاحب نے ان کے استدلال کو اشکال سے تعبیر فرمایا ہے...... المجتبى چنا ہوا، برگزیدہ، پسندیدہ، اِجْتَبَى اِجْتِبَاءً: پسند کرنا، چن لینا...... حَطَمَهٗ (ض) حَطْمًا وحَطَّمَهٗ: توڑنا، مسمار کرنا...... اِنْطِبَاعٌ: چھپنا، ڈھلنا...... مُشْعِرٌ: خبر دینے والا، جتانے والا اَشْعَرَهٗ بالاَمْرِ: خبر دینا۔

☆ ☆ ☆

خلاصۂ کلام

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں مختلف طریقوں سے تثلیث وحلول کے اس مضحکہ خیز نظریہ کو رد فرمایا ہے، اور یہ واضح فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کی پاکیزہ روح ہیں، جس کو مریم صدیقہ کے رحم میں ڈالا تھا، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ان کی تائید ونصرت فرمائی تھی، اور خصوصی عنایتوں سے ان کو نوازا تھا۔

علاوہ ازیں اگر ہم فرض کریں کہ خدا (صفت کلام) ایک روح کی صورت اپنا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم اطہر میں حلول کر گیا تھا اور اس نے بشریت کا لبادہ پہن لیا تھا۔ تو بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا اور عیسیٰ علیہ السلام دونوں متحد ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں خدا بمنزلۂ روح اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بمنزلۂ جسم ہوں گے، اور روح اور جسم کے درمیان اتحاد نہیں ہوتا، بلکہ روح سے جسم میں جان پڑتی ہے اور اس میں اٹھنے کی سکت پیدا ہوتی ہے، اس لئے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ روح جسم کے لئے مُقَوِّمْ اور مُعَدِّلْ ہے، یعنی روح، جسم کو سیدھا کرنے والی ہے، مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ روح اور جسم دونوں متحد ہیں، پس نصاریٰ کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں متحد ہیں بالکل غلط اور خالص جہالت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے قطعاً پاک اور برتر ہیں۔

وبالجملة: فقد ردَّ اللّٰهُ تعالى هذا المذهبَ الباطلَ، وبيَّن أن عيسى عبدُ اللّٰهِ وروحهُ المطهَّرةُ التى نَفَخَهَا فى رَحِمِ مريمَ الصديقةِ، وأنه تعالى أيَّده بروح القدس، وحاطه عليه السلام بعنايةٍ خاصةٍ.

وبالجملة: فلو فرضنا أن اللّٰهَ سبحانه وتعالى ظهر فى الكِسْوَةِ الروحيةِ، التى هى من جنس الأوراح وتدرَّع بالبشريةِ، فلا يَنْطَبِقُ لفظُ "الاتحادِ" على هذا المعنى عندالتدقيقِ والإمعانِ، إلابتسامُحٍ؛ وأقربُ الألفاظِ لهذا المعنى: هو "التقويمُ" ومِثْلُه؛ تعالى اللّٰهُ عَمَّا يقول الظالمون عُلُوًّا كبيرًا.

ترجمہ: الحاصل اللہ تعالیٰ نے اس باطل مذہب کو رد فرمایا ہے، اور واضح فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ

علیہ السلام اللہ کے بندے، اور اس کی پاکیزہ روح ہیں جس کو مریم صدیقہ کے رحم میں ڈالا تھا، اور یہ (واضح فرمایا ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تائید فرمائی تھی روح القدس (یعنی جبرئیل علیہ السلام) سے، اور آپ علیہ السلام کی حفاظت و نگہبانی فرمائی تھی خصوصی عنایت سے۔

الغرض اگر ہم فرض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ظہور فرمایا ایسے روحانی لباس میں جو روحوں کے قبیل سے ایک روح ہے اور بشریت کا کرتہ پہن لیا تو بھی منطبق نہیں ہوتا لفظ "اتحاد" اس مفہوم پر باریک بینی اور گہری نظر کے وقت، مگر چشم پوشی سے (یعنی بس یونہی سرسری طور پر اس پر اتحاد کا اطلاق ہو سکتا ہے، حقیقۃً اطلاق نہیں ہو سکتا) اور اس مفہوم کے لئے قریب ترین لفظ "تقویم" اور اس کے مانند (الفاظ) ہیں، اللہ تعالیٰ انتہائی برتر ہیں اس بات سے جو یہ ظالم لوگ کہتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ نے بشریت کا روپ دھار لیا اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کے جسم میں حلول کر گئے، توبہ! توبہ! اللہ کی شان سے ان باتوں کا کیا جوڑ ہے)

لغات:

اَیَّدَہٗ تائِیدًا: قوی کرنا، حمایت کرنا...... حَاطَہٗ (ض) حَوْطًا: حفاظت کرنا، نگہبانی کرنا...... الکِسْوَۃُ: لباس جمع کِسًی وَکُسًی...... تَدَرَّعَ: کرتہ پہننا...... تَدْقِیق: باریک بینی، دَقَّقَ فی الحسابِ وغیرہ: باریک بینی سے کام لینا.......... اِمْعان: گہری نظر؛ اَمْعَنَ النظرَ فی الاَمْرِ: نہایت غور سے سوچنا...... تَقْوِیم: تعدیل؛ قَوَّمَ الشیئَ تقویمًا: سیدھا کرنا، اسی سے ہے تقویمُ البُلْدانِ: شہروں کا طول و عرض بیان کرنا۔

☆ ☆ ☆

نصاری کا نمونہ

آیئے اب آپ نصاری کا نمونہ دیکھئے: اپنے زمانہ کے اکابر علماء و مشائخ کے صاحب زادوں کو اور مریدوں کو دیکھئے، وہ اپنے آباء و اجداد اور اپنے پیروں کے بارے میں کیسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں اور انھوں نے "پیران نمی پرند، مریداں می پرانند" کے مطابق ان کا رتبہ کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔ یہی اِطْرَاء (تعریف میں مبالغہ کرنا) عیسائیوں کا مرض تھا، جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی کے مقام و مرتبہ تک پہنچا دیا ہے، اسی سے نبی کریم ﷺ نے منع

فرمایا ہے۔ارشاد فرمایا لاتُطْرونی کما أَطْرَت النصاری ابنَ مریم، فإنما أنا عبده، فقولوا: عبد اللّٰہ ورسولہ (متفق علیہ) (میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا ہے، میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہی ہوں پس کہو (یعنی عقیدہ رکھو) کہ آپؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اسی طرح جب لوگ اسلاف اور اولیاء کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہیں اور ان کو ان کے مقام سے اونچا اٹھادیتے ہیں تو طرح طرح کی گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں۔ان ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ان کا اخروی انجام کیسا ہونے والا ہے؟!

أُنموذجُ النصاری

وإن شئتَ أن ترى نَموذَجاً لهذا الفريقِ، فانظرِ اليومَ إلى أولادِ المشايخ والأولياءِ، ماذا يظنون بآبائِهم؟ وإلى أيِّ حَدٍّ وصَلُوا بهم! ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ !﴾

ترجمہ: اگر آپ اس گروہ کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں، تو آج مشائخ اور اولیائے کرام کی (روحانی اور نسبی) اولاد کو دیکھ لیجئے، وہ اپنے اکابر کو کیا سمجھتے ہیں؟! اور ان کو کہاں تک پہنچاتے ہیں؟! بہت جلد ان ظالموں کو پتہ چل جائے گا کہ وہ کس کروٹ پلٹنے والے ہیں؟!

☆ ☆ ☆

عقیدۂ مصلوبیت اور اس کی تردید

نصاریٰ کا یہ بھی خیال ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کردیا ہے، اور سولی پر چڑھادیا ہے، اور دلیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ مقولہ پیش کرتے ہیں کہ: اب سوتے رہو اور آرام کرو، دیکھو وقت آپہنچا ہے، اور ابن آدم ظالموں فاجروں کے ہاتھوں سولی دیا جائے گا (انجیل متی باب ۲۶ آیت ۴۵) نیز اس سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے جو باتیں منقول ہیں ان کو بھی نصاریٰ دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

مگر نصاریٰ کا یہ خیال بالکل غلط ہے، یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا ہے، نہ سولی پر کیا ہے. بلکہ اس شخص کو قتل کیا تھا، اور سولی پر چڑھایا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل

اور مشابہ ہو گیا تھا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ سلامت آسمان پر اٹھالیا تھا، ارشاد خداوندی ہے:

وَمَاقَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِنْهُ، مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلاَّ اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَاقَتَلُوْهُ يَقِيْنًام بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (سورۂ نساء آیت ۱۵۷ و۱۵۸)

انھوں نے (یعنی یہود نے) نہ ان کو قتل کیا، اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا، اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں (یعنی نصاری) وہ غلط خیال میں (مبتلا) ہیں، ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں، بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے، اور انھوں نے (یعنی یہود نے) ان کو یقینی بات ہے، کہ قتل نہیں کیا، بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا (اور ایک اور شخص کو ان کا ہم شکل بنادیا اور وہ مقتول و مصلوب ہوا)

الغرض یہود کو اس سے دھوکہ ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا کر مار ڈالا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے جو رفع کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے انھوں نے بھی یہود کے دعوئے قتل کو صحیح سمجھ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب ہو گئے، یہ لوگ اکثریت میں تھے، اور جو حضرات حقیقت حال سے واقف تھے وہ بہت کم تھے، اس لئے یہ غلط خیال نصاری میں مشہور ہو گیا، اور صحیح بات پوشیدہ ہو گئی، جب قرآن کریم نازل ہوا تو اس نے اس پوشیدگی کو دور فرمایا، اور حقیقت حال سے لوگوں کو آگاہ فرمایا۔

رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ تو اس کا مقصد اپنے قتل کی خبر دینا نہیں تھا، بلکہ یہود کی جرأت بیجا اور اقدام قتل کی خبر دینا تھا؛ لہٰذا نصاری کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقولہ سے اور حواریوں کے اقوال سے استدلال صحیح نہیں۔

عقيدة مَصْلوبيةِ المسيحِ والردُ عليها

ومن ضلالاتِهم أيضًا: انهم يَجْزِمون بأن عيسى عليه السلام قد قُتِلَ، مع أن الواقعَ خلافُ ذلك، وقد شُبِّه لهم، والتبس عليهم الأمرُ، فظنوا رفعَه إلى السماءِ قتلاً، ورووْا هذا الغلطَ كابرًا عن كابر، فكشف اللّٰهُ تعالى السِّتارَ عن حقيقةِ

الأمرِ في القرآن العظيم قائلاً: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ، وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾

وأما ما ذُكِرَ في الإنجيل من قولِ عيسى عليه السلام في هذا الباب فمعناه: أنه إخبارٌ بجُراَةِ اليهودِ، وإقدامِهم على قتلِهِ؛ ولكنّ اللّٰه تعالى أنجاه من هذه المَهْلَكةِ.

وأما كلام الحواريين فإنه ناشٍ عن اشتباهِ الأمرِ، وعدمِ وقوفِهم على حقيقةِ الرفعِ الذي لم يكن مالوفًا لعقولِهم، ولا لأسماعِهم.

ترجمہ: مصلوبیت مسیح کا عقیدہ اور اس کی تردید: اور نیز ان کی گمراہیوں میں سے یہ ہے کہ وہ پورے وثوق کے ساتھ کہتے تھے کہ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کر دیئے گئے، جبکہ واقعہ اس کے خلاف ہے، یقیناً ان کو دھوکہ ہوا ہے، اور معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا ہے، چنانچہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھانے کو قتل سمجھا، اور نسلاً بعد نسل اس غلط فہمی کو نقل کرتے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں حقیقت حال سے پردہ اٹھایا یہ کہتے ہوئے کہ: ”انھوں نے (یعنی یہود نے) نہ ان کو قتل کیا، اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا، لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا“

اور رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ مقولہ جو انجیل میں مذکور ہے اس سلسلہ میں، تو اس کے معنی (اور مقصد) یہود کی جرأت (بیجا) اور ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل پر اقدام کرنے کی خبر دینا ہے، لیکن (بالآخر) اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس ہلاکت کے موقع سے بچا لیا۔

اور رہی حواریوں (کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی خبر دینے) کی بات، تو وہ پیدا ہوئی ہے معاملہ مشتبہ ہونے کی وجہ سے، اور حواریوں کے اس رفع کی حقیقت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے جو ان کی عقلوں اور کانوں کے لئے غیر مانوس تھا۔

لغات:

جَزَمَ الأمْرَ (ض) جَزْمًا: کسی چیز کا قطعی فیصلہ کرنا............ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ: نسلاً بعد نسلٍ، پشت در پشت...... السِّتَارُ: پردہ جمع سُتُرٌ...... المَهْلَكَةُ؛ (لام پر تینوں حرکات): ہلاکت کی جگہ جمع مَهَالِكُ.......... نَاشٍ (اسم فاعل): پیدا ہونے والا۔ نَشَأَ الشيئُ (ف) نَشْأَةً: نو پید ہونا، زندہ ہونا ...... مالوف: مانوس؛ اَلِفَ (س) اَلْفًا: مانوس ہونا۔

☆ ☆ ☆

بشارتِ فار قلیط میں تحریف

گذشتہ تمام انبیائے کرام نے حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ کی تشریف آوری کا مژدہ سنایا ہے، لیکن جس صراحت ووضاحت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی آمد کی خوشخبری دی ہے، اتنی وضاحت کے ساتھ کسی اور نبی نے بشارت نہیں دی، چنانچہ تحریف وتبدیل کے باوجود آج بھی بائبل میں متعدد جگہ آنحضرت ﷺ کا ذکر خیر موجود ہے، خاص طور پر انجیل یوحنا میں فار قلیط کی آمد کی جو بشارت دی گئی ہے اس کا مصداق آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا، انجیل یوحنا کے باب ۱۴ میں ہے: "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے (آیت ۱۵) اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا فار قلیط بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے (آیت ۱۶)"

اور اسی باب کی آیت ۲۶ میں ہے: "لیکن فار قلیط یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا، اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا (آیت ۲۶)"

اور انجیل یوحنا کے باب ۱۵ میں ہے: "لیکن جب وہ فار قلیط آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا تو وہ میری گواہی دے گا (آیت ۲۶) اور تم بھی گواہ ہو، کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو (آیت ۲۷)"

اور انجیل یوحنا کے باب ۱۶ میں ہے: "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ فار قلیط تمہارے پاس نہ آئے گا، لیکن اگر جاؤں تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا (آیت ۷) اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا (آیت ۸) گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے (آیت ۹) راست بازی کے بارے میں اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں، اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے، (آیت ۱۰) عدالت کے بارے میں اس لئے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے (آیت ۱۱) مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں، مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے (آیت ۱۲) لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی

طرف سے نہ کہے گا، لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا، اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا (آیت ۱۳)
وہ میرا اجلال ظاہر کرے گا، اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا (آیت ۱۴)
جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے، اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے، اور
تمہیں خبریں دے گا (آیت ۱۵)"

نصاریٰ ان تمام نصوص کے بارے میں کہتے ہیں کہ جس فارقلیط کے آنے کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اس کا مصداق خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جو مقتول و مصلوب ہونے کے بعد زندہ ہو کر اپنے حواریوں کے پاس تشریف لائے تھے، اور تھوڑی دیر ٹھہر کر اپنے حواریوں کو انجیل پر ثابت قدم رہنے کی وصیت کر کے واپس چلے گئے تھے۔

نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو یہ وصیت فرمائی ہے کہ میرے بعد بہت سے جھوٹے نبی ہوں گے۔ لہٰذا جو شخص میرا نام لے اسی کی بات ماننا اور قبول کرنا، اس کے سوا کسی کی بات قبول نہ کرنا۔

عیسیٰ علیہ السلام کی یہ وصیت انجیل کی درج ذیل عبارتوں میں مذکور ہے۔

(۱) لیکن جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو، جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں، مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑئے ہیں (انجیل متی باب ۷ آیت ۱۵)

(۲) اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو، بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے ہیں (یوحنا کا پہلا خط آیت ۱)

نصاریٰ کی اس تحریف و تاویل فاسد کو سورۂ صف میں رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت صرف محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ پر صادق آتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانی صورت پر صادق نہیں آتی، کیونکہ انجیل یوحنا میں جہاں فارقلیط کی آمد کی بشارت دی گئی ہے وہاں اس کی بھی صراحت ہے کہ فارقلیط مدت دراز تک تمہارے درمیان ٹھہرے گا، وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا، اور لوگوں کو گناہوں سے پاک کرے گا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح جیسا کہ نصاریٰ کا خیال ہے، تھوڑی دیر ٹھہر کر واپس چلی گئی تھی، لہٰذا فارقلیط کا مصداق آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

رہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت کہ جو میرا نام لے اسی کی بات ماننا، تو اس کا یہ مطلب

نہیں ہے کہ جو مجھے خدا یا خدا کا بیٹا مانے اسی کی بات ماننا، جیسا کہ نصاری کہتے ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو میری نبوت کی تصدیق کرے اور مجھے خدا کا رسول مانے اسی کی بات ماننا، اور جو مجھے خدا کا رسول نہ مانے اس کی بات ہرگز نہ ماننا، کیونکہ وہ جھوٹا نبی ہے۔

تحريفهم في بشارة الفارْ قَلِيط

ومن ضلالاتِهم أيضًا: أنهم يقولون: إن الفار قليطَ الموعودَ هو عيسى عليه السلام نفسُه، الذي جاء بعد قَتْلِهِ إلى الحواريين، وأوصاهم بالتمسك بالإنجيل ويقولون: إن عيسى عليه السلام أوصاهم أيضًا بأن المتنبئين سيكثرون ، فمن سمَّاني فاقبلوا كلامَه، وإلاَّ فَلاَ.

وقد بَيَّنَ القرآنُ العظيمُ أن بشارةَ عيسى عليه السلام تَصْدُقُ على نبينا صلى الله عليه وسلم ، لاعلى الصورةِ الروحيةِ لعيسى عليه السلام ؛ لأنه قد صُرِّحَ في الإنجيل بأن الفار قليطَ يمكثُ فيكم مدةً طويلةً،ويُعلِّم العلمَ، ويُزَكِّي الناسَ؛ ولايظهر هذا المعنى في غير نبينا صلى الله عليه وسلم ،

وأما ذكرُ عيسى عليه السلام وتسميتُه فالغرضُ منه التصديقُ بنبوتِهِ، لا أن يتخذَه ربًّا، أو يعتقدَ بانه ابنُ الله.

ترجمہ: ان (نصاری) کا فارقلیط کی بشارت میں تحریف کرنا: ان (نصاری) کی گمراہیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جس فارقلیط (کے آنے) کا (انجیل میں) وعدہ کیا گیا ہے، وہ خود عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جو اپنے قتل کے بعد حواریوں کے پاس تشریف لائے، اور ان کو مضبوطی سے انجیل کو تھامنے کی وصیت کی، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو وصیت فرمائی ہے کہ نبوت کا جھوٹا دعوی کرنے والے بکثرت ہوں گے، پس جو میرا نام لے اس کی بات قبول کرنا، ورنہ تو نہیں۔

اور قرآن عظیم نے واضح فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہمارے نبی کریم ﷺ پر صادق آتی ہے، نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی روحانی صورت پر، اس لئے کہ انجیل میں صراحت کی گئی ہے کہ "فارقلیط" تم میں ایک مدت دراز تک ٹھہرے گا، اور علم سکھائے گا، اور لوگوں کو پاک کرے گا، اور یہ

بات ہمارے نبی کریم ﷺ کے سوا کسی میں ظاہر نہیں ہوتی ہے۔

رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرنا، اور ان کا نام لینا، تو اس کی غرض آپ کی نبوت کی تصدیق کرنا ہے، نہ کہ آپ کو خدا بنانا، یا یہ سمجھنا کہ آپ خدا کے بیٹے ہیں۔

لغات:

فَارْقَلِیط: اصل میں یونانی لفظ پیرو کلیٹس (Peroclitus) کا معرب ہے، جس کے معنی اَحْمَدُ (اسم تفضیل) یعنی اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والا ہیں...... المُتَنَبِّیِیْنَ (حالت نصبی میں) مُتَنَبِّیْ کی جمع ہے: جھوٹا نبی، تَنَبَّأَ تَنَبُّوْا: نبوت کا دعوی کرنا...... زَکَّاہُ اللّٰہُ تَزْکِیَۃً: پاک کرنا۔

☆ ☆ ☆

نصاری کی گمراہیوں کا خلاصہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں چار باتیں خاص طور پر پائی جاتی ہیں (۱) آپ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا (۲) آسمان کی طرف زندہ سلامت اٹھایا جانا (۳) آخر زمانہ میں جب دجال اکبر کا ظہور ہوگا آپ کا آسمان سے اترنا (۴) اور انبیائے بنی اسرائیل کے سلسلۂ نبوت کا آپ پر ختم ہونا—— انہی چار خصوصیتوں کے پیش نظر نصاری نے مختلف گمراہ کن عقائد گھڑ لئے ہیں، چنانچہ پہلی خصوصیت کی بناء پر الوہیت مسیح کا عقیدہ گھڑ لیا، اور توحید کو چھوڑ کر تثلیث کے دلدل میں پھنس گئے، اور رفع کو نہ سمجھ سکے، اور حقیقت حال ان پر مشتبہ ہو گئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقتول و مصلوب مان لیا، اور اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قتل کے عار کو دفع کرنے کے لئے "کفارہ" کا عقیدہ گھڑ لیا، اور دجال اکبر کے ظہور کے وقت نزول عیسیٰ کی پیشین گوئی میں ردوبدل کر کے روح عیسیٰ کا نزول مراد لے لیا، اور انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم ہونے سے تمام انبیاء کا خاتم ہونا مراد لے لیا، اور نصرانیت کے ابدی اور ناقابل نسخ دین ہونے کا دعوی کر دیا، یہ نصاری کی گمراہیوں کا خلاصہ ہے۔ (ماخوذ از العون الکبیر)

منافقین کا تذکرہ

منافق اس کو کہتے ہیں جس کا ظاہر اور باطن یکساں نہ ہو، یعنی زبان سے جس چیز کا دعوی کر رہا ہے، دل میں اس کی ضد چھپا رکھی ہو، مثلاً ایک شخص زبان سے دوستی کا دم بھرتا ہے، اور دل میں عداوت چھپا رکھی ہو تو وہ منافق ہے، مگر یہ عام معنی میں منافق ہے —— اور عرف شرع میں منافق اس کو کہتے ہیں: جو زبان سے اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کرتا ہو، اور دل میں تکذیب چھپا رکھی ہو، یہ منافق کے خاص معنی ہیں، اور یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

منافقین کی قسمیں:

نزول قرآن کے وقت منافقین دو قسم کے تھے:

(۱) کچھ لوگ تو ایسے تھے جو زبان سے مسلمان ہونے کا دعوی کرتے تھے، مگر حقیقت میں پکے کافر اور مشرک تھے، آخرت میں ان منافقوں کا حال کافروں اور مشرکوں سے بھی بدتر ہوگا، ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِيْ الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (سورۃ النساء آیت ۱۴۵)	بیشک منافقین دوزخ کے پست ترین طبقہ میں ہوں گے۔

(۲) اور کچھ لوگ ایسے تھے جو مسلمان تو ہو گئے تھے، مگر ایمان واسلام میں پختہ نہیں تھے، یعنی زبان سے مسلمان ہونے کا دعوی کرتے تھے، مگر ان کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا، اس لئے نہ اسلامی کاموں میں دلچسپی لیتے تھے، نہ مسلمانوں کی حمایت کرتے تھے، نہ آخرت کی فکر کرتے تھے، نہ اللہ، رسول سے محبت رکھتے تھے —— پہلی قسم کے منافقین نفاق اعتقادی میں مبتلا تھے، اور دوسری قسم کے منافقین نفاق عملی کا شکار تھے۔

ذِكْرُ المنافقين

نِفاقُ الاعتقادِ ونفاقُ العملِ

أما المنافقون: فكانوا على قسمين:

١- طائفةٌ منهم يقولون بألسنتهم: "لا إله إلا الله، محمد رسول الله"، وقلوبُهم مطمئنةٌ بالكفر، ويُضمِرون الجحودَ الصرفَ في أنفسِهم، قال الله تعالى في حقِّهم: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِيْ الدَّرْكِ الأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾

٢- وطائفةٌ دخلوا في الإسلامِ مع ضُعْفٍ فيه.

ترجمہ: منافقین کا تذکرہ: نفاق اعتقادی اور نفاق عملی: رہے منافقین تو وہ دو قسم کے تھے:

(۱) ان میں سے ایک گروہ اپنی زبانوں سے کہتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور ان کے دل کفر پر مطمئن تھے، اور یہ لوگ اپنے دلوں میں خالص کفر وانکار چھپائے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: "بیشک منافقین دوزخ کے پست ترین طبقہ میں ہوں گے"۔

(۲) اور ایک گروہ اسلام میں داخل ہوا تھا، اس (اسلام) میں کمزوری کے ساتھ۔

لغات:

اَضْمَرَ الاَمْرَ اِضْمَارًا: پوشیدہ کرنا، چھپانا...... **الجُحُوْدُ:** کفر، انکار، **جَحَدَهٗ (ف) جَحْدًا وجُحُوْدًا:** کفر کرنا، جھٹلانا، **جَحَدَ حَقَّهٗ وبِحَقِّهٖ:** باوجود علم کے انکار کرنا...... **الدَّرْكُ:** طبقہ، درجہ، دَرَکہ، لیکن درکہ اور درجہ میں فرق ہے، درکہ اترنے کی حالت میں اور درجہ چڑھنے کی حالت میں کہتے ہیں، اسی لئے جنت کے طبقات کو درجات اور دوزخ کے طبقات کو درکات کہا جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

نفاق عملی کی مختلف شکلیں

ہر زمانہ میں جو لوگ نفاق عملی میں مبتلا ہوتے ہیں یعنی مسلمان تو ہوتے ہیں مگر ایمان واسلام میں پختہ نہیں ہوتے، وہ کئی طرح کے لوگ ہوتے ہیں:

۱- بعض لوگ کفر وایمان کے معاملہ میں اپنی قوم کی موافقت کے عادی ہوتے ہیں، وہ برادری کی ڈگر پر چلتے ہیں، اگر قوم ایمان پر جمی رہتی ہے، تو وہ بھی جمے رہتے ہیں، اور اگر قوم کفر

کی طرف لوٹ جاتی ہے تو وہ بھی پلٹ جاتے ہیں۔

۲۔ بعض لوگوں کے دلوں پر کمینی دنیا کی لذتوں کی پیروی ایسی قبضہ جمالیتی ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ ورسول کی محبت کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی وہ ہمیشہ لذات دنیا میں اور عیش وعشرت میں لگے رہتے ہیں اور بھول کر بھی ایمان واسلام کے تقاضے پورے کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتے۔

۳۔ بعض لوگوں کے دلوں پر حرص مال اور حسد وکینہ وغیرہ رذائل ایسا قبضہ جمالیتے ہیں کہ ان کے دلوں میں دعا ومناجات کی حلاوت کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی، وہ کبھی خدا کے سامنے گریہ وزاری نہیں کرتے، نہ ان کے دلوں میں عبادتوں کی برکتوں کے لئے کوئی جگہ ہوتی ہے، وہ اگر عبادتیں کرتے بھی ہیں تو اس کا لطف انہیں محسوس نہیں ہوتا۔

۴۔ بعض لوگ دنیوی دھندوں میں پھنسے رہتے ہیں، وہ ہر وقت ان میں مشغول رہتے ہیں، انہیں آخرت کی تیاری کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی، نہ وہ اس معاملہ میں کبھی سوچتے ہیں، وہ آخرت سے اس طرح غافل ہو جاتے ہیں کہ گویا انھیں آخرت کا یقین ہی نہیں ہے۔

۵۔ بعض لوگوں کے دلوں میں اللہ کے معاملہ میں، آنحضرت ﷺ کے معاملہ میں، قرآن کے معاملہ میں، یا کسی دینی امر کے معاملہ میں بیہودہ خیالات اور شکوک وشبہات کھٹکتے رہتے ہیں، اگرچہ وہ اس درجہ تک نہیں پہنچتے کہ وہ اسلام ہی کو خیر باد کہہ دیں اور دین ہی سے ہاتھ جھاڑ لیں، اس لئے وہ مسلمان تو رہتے ہیں، مگر ضعف ایمان کی وجہ سے ثمرات سے محروم رہتے ہیں۔

اور ان شکوک وشبہات کے اسباب مختلف ہوتے ہیں، مثلاً آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آپ پر بشری احکام کا جاری ہونا، کھانا، پینا، شادی بیاہ کرنا کچھ لوگوں کے لئے باعث تشویش تھا، اور ملت اسلامیہ کا غلبہ حکومت کی صورت میں اطراف عالم میں پھیلنا اور اس قسم کی دوسری باتیں کچھ لوگوں کے لئے وجہ تذبذب تھیں، جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ حنفیت اپنی خوبیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ حکومت کے سہارے، قاضیوں کے ذریعہ پھیلی ہے، حالانکہ حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے، اسی طرح اسلام کے بارے میں یہ خیال برابر لوگوں کے ذہنوں میں کھلبلی مچاتا رہتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، حالانکہ اسلام اپنی خوبیوں کی وجہ سے پھیلا تھا، اور پھیلتا ہے، تلوار تو فتنہ فرو کرنے کے لئے اٹھانی پڑتی ہے۔

غرض اس قسم کے شبہات کچھ لوگوں کے ذہنوں میں اللہ کے بارے میں، قرآن کریم کے بارے میں اور بعض دینی مسائل کے بارے میں مختلف اسباب سے مثلاً جہالت، کم علمی اور انگریزی تعلیم کی نحوست سے پیدا ہوتے ہیں جو ایمان کو کمزور کر کے رکھ دیتے ہیں۔

۶- بعض لوگ عصبیت میں اور اپنے قبیلوں اور خاندانوں کی اندھی محبت میں مسلمانوں کے مقابلہ میں کفر کی حمایت و نصرت کرتے ہیں اور کفار کی علانیہ یا زیر پردہ مدد کرتے ہیں، اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

یہ سب نفاق عملی کی مختلف شکلیں ہیں، پہلے بھی اس طرح کے منافقین پائے جاتے تھے اور آج بھی مسلمانوں میں بہ کثرت ایسے منافقین پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ملت کی ایسے منافقین سے حفاظت فرمائیں (آمین)

مَظاهِرُ نِفاقِ العملِ

١- فمنهم من يعتاد موافقةَ قومِهم: إن ثَبَتَ القومُ على الإيمان ثبتوا، وإن رجع القومُ إلى الكفر رجعوا.

٢- ومنهم من استولى على قلوبِهم الانسياقُ وراءَ اللذاتِ الدنيويةِ الدنيئةِ، بحيثُ لم يَذَرْ فى قلوبهم مكانًا لحبِ اللّٰه، وحُبِّ رسولِهٖ صلى اللّٰه عليه وسلم.

٣- ومنهم من تملّكُ قلوبَهم الحرصُ على المالِ والحسدُ والحِقْدُ، ونحوُ ذلك من الرذائل، بحيث لم يَبْقَ فى قلوبِهم محلٌ لحلاوةِ الابتهالِ والمُناجاةِ، ولا لبركاتِ العباداتِ.

٤- ومنهم مَنِ انْغَمَسُوا فى شُئُونِ المَعاش واشتغلوا بها، حتى لم يبقَ لديهم فرصةٌ للاهتمامِ بأمرِ الآخرة، ولترقُّبِها وللتفكيرِ فيها.

٥- ومنهم من تخطُر ببالِهم ظنونٌ واهيةٌ وشبهاتٌ ركيكةٌ فى رسالةِ نبينا صلى اللّٰه عليه وسلم، وإن لم يبلغوا إلى أن يخلَعوا رِبْقةَ الإسلامِ عن عُنُقِهم، وينفضُوا أيديهم منه بَتاتا.

وسببُ تلك الشكوك: جَرَيانُ الأحكامِ البشريةِ على نبينا صلى اللّٰه عليه

وسلم، وظهورُ الملةِ الإسلاميةِ في صورةِ سَيْطرةِ المُلوكِ على أطراف البلاد، وامثالُ ذلك.

٦ـ ومنهم من حَمَلَتْهم مَحبةُ القبائلِ والعشائرِ على أن يبذلوا الجُهدَ البليغَ في نصرِتِهم، وتقويتِهم وتاييدِهم،ولو كان ذلك على مُناواةِ أهل الإسلام؛ ويُضَعِّفون أمرَ الإسلام عند التعارض، ويُلحقون به الضَرَرَ.

ترجمہ: نفاق عملی کی شکلیں:

(۱) پھر منافقین میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی قوم کی موافقت کے خوگر ہوتے ہیں، اگر قوم ایمان پر ثابت قدم رہتی ہے تو وہ بھی ثابت قدم رہتے ہیں، اور اگر قوم کفر کی طرف لوٹ جاتی ہے تو وہ بھی لوٹ جاتے ہیں۔

(۲) اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کے دلوں پر حقیر دنیا کی لذتوں کی پیروی نے غلبہ کرلیا ہے، اس طرح کہ انکے دلوں میں کوئی جگہ نہیں چھوڑی اللہ کی محبت اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کیلئے۔

(۳) اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کے دلوں پر قبضہ کرلیا ہے مال کی ہوس نے اور حسد وکینہ اور اس کے مانند بری خصلتوں نے، اس طرح کہ ان کے دلوں میں باقی نہیں رہا کوئی موقع دعا ومناجات کی حلاوت کے لئے، اور نہ عبادتوں کی برکات کے لئے۔

(۴) اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو امور معاش میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں، اور آن میں مشغول ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے پاس کوئی خالی وقت نہیں رہتا کارِ آخرت کے اہتمام کے لئے، اور اس کا خیال رکھنے اور اس کے بارے میں سوچنے کے لئے۔

(۵) اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کے دل میں بے ہودہ خیالات اور کمزور شبہات کھٹکتے ہیں ہمارے نبی کریم ﷺ کی رسالت کے بارے میں، اگرچہ وہ اس درجہ تک نہیں پہنچے ہوتے ہیں کہ اسلام کے حلقہ کو اپنی گردنوں سے نکال دیں، اور اسلام سے بالکلیہ اپنے ہاتھ جھاڑ دیں۔

اور ان شکوک وشبہات کا سبب: ہمارے نبی کریم ﷺ پر بشری احکام کا جاری ہونا، اور مذہب اسلام کا اطراف عالم میں شاہوں کے غلبہ کی صورت میں ظاہر ہونا، اور اس کے مشابہ اور باتیں ہیں۔

(۶) اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو ان کے قبیلوں اور برادریوں کی محبت اس بات پر ابھارتی ہے

کہ وہ پوری کوشش صرف کریں ان کی نصرت اور تقویت و تائید میں، اگر چہ یہ (نصرت) مسلمانوں کی دشمنی میں ہو، اور مقابلہ کے وقت اسلام کے معاملہ کو کمزور کرتے ہیں، اور اس کو ضرر پہنچاتے ہیں۔

لغات:

مَظَاهِرُ؛ مَظْهَرٌ کی جمع ہے: ظاہری شکل وصورت......اِسْتَوْلٰی علیه اِسْتِیْلاءً: غالب ہونا، قدرت یافتہ ہونا......الإنسِاقُ: چلنا، اِنْسَاقَ الإبِلُ: قطار میں چلنا، یہ مَسَاقَةٌ (ہانکنا) کا مطاوع ہے......یَذَرُ الشیئَ: چھوڑنا، اس معنی میں مضارع اور امر کے علاوہ کوئی دوسرا صیغہ مستعمل نہیں...... تَمَلَّكَ الشيئَ: مالک ہونا، قبضہ کرنا......اِبْتَهَلَ الی اللّٰه اِبْتِهَالاً: گڑگڑا کر دعا کرنا......نَاجٰی مُنَاجَاةً: سرگوشی کرنا یہاں مُناجاۃ سے دعا مراد ہے...... اِنْغَمَسَ فی الماء: غوطہ لگانا اِنْغَمَسَ فی الشیئِ: داخل ہونا، گھسنا......تَرَقَّبَهُ تَرَقُّبًا: انتظار کرنا، خیال رکھنا...... خَلَعَ الشيئَ (ف) خَلْعًا: اتارنا...... رِبْقَةٌ: رسی کا پھندا جمع رِبَاق وَاَرْبَاقِ...... نَفَضَ (ن) نَفْضًا وَانفضَ الثوبَ کپڑا جھاڑنا...... بَتَاتًا: یقیناً، قطعی طور پر......سَیْطَرَة: غلبہ، تسلط...... نَاوَاهُ مُنَاوَاةً: دشمنی کرنا، اس کی اصل ہمزہ سے ہے۔

☆ ☆ ☆

نفاق کی دونوں قسموں کی مزید وضاحت

ماقبل میں نفاق کی جتنی شکلیں بیان کی گئی ہیں، وہ سب نفاق عملی اور نفاق اخلاقی کی صورتیں ہیں، اس کو نفاق عملی یا نفاق اخلاقی اس لئے کہتے ہیں کہ انسان کے اعمال واخلاق سے اس کا اظہار ہوتا ہے، جبکہ نفاق اعتقادی کا اظہار منافق کے اعمال واخلاق سے بالکل نہیں ہوتا، وہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے دینی کاموں میں پیچھے نہیں رہتا، تاکہ کسی کو اس کے نفاق کا پتہ نہ چل سکے۔

یہاں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنی چاہئے کہ نفاق عملی اور فسق ظاہری دونوں مترادف نہیں ہیں، بلکہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، اور وہ یہ ہے کہ مؤمن کامل سے جب خلاف شرع کام صادر ہوتا ہے تو اس کا دل ملامت کرتا ہے، اور وہ بہت جلد اس سے توبہ کر لیتا ہے، مثلاً حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ سے زنا کا صدور ہوا تو فوراً توبہ کر کے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، اور جب تک ان پر حد جاری نہیں کی گئی ان کو چین اور سکون نہیں ملا، اس کے برخلاف جو لوگ نفاق

عملی میں مبتلا ہوتے ہیں وہ خلاف شرع کام کر کے خوش ہوتے ہیں، اور خلاف شرع کاموں سے بہت کم توبہ کرتے ہیں —— نیز جو لوگ نفاق عملی میں مبتلا ہوتے ہیں، وہ اللہ، رسول سے محبت نہیں رکھتے، نہ ان کا ایمان ویقین پختہ ہوتا ہے، جبکہ فسق ظاہری کا مرتکب اللہ، رسول سے محبت رکھتا ہے۔ اور اس کا ایمان ویقین پختہ ہوتا ہے۔ اس فرق کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو قرآن وحدیث کے سمجھنے میں ان شاء اللہ بہت آسانی ہو گی۔

اور یہ بھی جان لینا چاہئے کہ نفاق کی دونوں قسموں میں سے پہلی قسم یعنی نفاق اعتقادی کا علم آنحضرت ﷺ کے بعد نہیں ہو سکتا، کیونکہ دلوں میں جو بات پوشیدہ ہے، اس کو وحی کے بغیر نہیں جانا جا سکتا اور وحی کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کے بعد بند ہو گیا ہے اس لئے نفاق اعتقادی کا علم اب کسی کو نہیں ہو سکتا۔

البتہ دوسری قسم کے نفاق یعنی نفاق عملی اور نفاق اخلاقی کا علم ان علامتوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے جو احادیث شریفہ میں بیان کی گئی ہے، مثلاً حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "جس شخص میں چار باتیں پائی جائیں وہ پکا منافق ہے، اور جس میں ان میں سے کوئی ایک بات ہو، اس میں نفاق کی ایک بات ہے، یہاں تک کہ اس کو چھوڑ دے (۱) جب اس کو کوئی امانت سونپی جائے تو وہ خیانت کرے (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب معاہدہ کرے تو عہد شکنی کرے (۴) اور جب کسی سے لڑائی جھگڑا کرے تو گالیاں بکے (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۱۷)

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ، تَعِيْرُ إِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَإِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۱۷)

منافق کا حال اس بکری کی طرح ہے جو حیران وپریشان دو گلوں کے درمیان چکر کاٹتی ہے، کبھی اِدھر آتی ہے کبھی اُدھر جاتی ہے۔

الحاصل نفاق کا تعلق دل سے ہے، چاہے نفاق اعتقادی ہو یا عملی، مگر نفاق عملی کا علم ان علامتوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے جو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہیں، اور اس زمانہ میں اس نفاق کی کثرت ہے، اور نفاق اعتقادی میں آج کوئی مبتلا ہے یا نہیں؟ اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا ہے، بہت ممکن ہے کہ اس قسم کے منافق بھی ہوں اور ہمیں ان کا علم نہ ہو۔

الكلام حول قسمَي النفاق:

وهذا القسمُ من النفاق هو نفاقُ الأعمال والأخلاق، ولايمكن الاطلاعُ على النفاقِ الأولِ بعدَ سيدنا محمدِ صلى الله عليه وسلم، لأنه من الأمورِ المَغيبةِ، ولايمكن الاطلاعُ على مكنوناتِ القلوبِ.

والنفاقُ الثانى كثيرُ الوقوع، لاسِيَّما فى عصرِنا، وإليه جاء ت الإشارة فى الحديثِ الشريف: "أربع من كنَّ فيه كانَ منافقا خالصاً: إذا اؤتُمن خان، وإذا حدَّث كذب، وإذا عاهد غدَر، وإذا خاصم فجر" وقال: " هَمُّ المنافقِ بطنُه ، وهمُّ المؤمنِ فرسُه " إلى غير ذلك من الأحاديثِ.

ترجمہ: نفاق کی دونوں قسموں کی وضاحت: نفاق کی یہ قسم (جس کی ماقبل میں چھ شکلیں بیان کی گئی ہیں) نفاق عملی اور اخلاقی ہے، اور نفاق کی پہلی قسم کا جاننا ناممکن ہے، آنحضرت ﷺ کے بعد، اس لئے کہ یہ (نفاق اعتقادی) پوشیدہ چیزوں میں سے ہے، اور دلوں کے بھیدوں کو جاننا ممکن نہیں۔

اور نفاق کی دوسری قسم کا وجود بہت ہے خصوصاً ہمارے زمانہ میں، اور اسی نفاق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے حدیث شریف میں کہ: جس شخص میں چار باتیں ہوں وہ پکا منافق ہے (۱) جب اس پر اعتماد کیا جائے تو خیانت کرے (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب معاہدہ کرے تو عہد شکنی کرے (۴) اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے، اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ: منافق کا اصل مقصد اس کا پیٹ ہے اور مؤمن کا اصل مقصد اس کا گھوڑا ہے، اس کے علاوہ اور احادیث (بھی ہیں، مگر شاہ صاحب نے آخیر میں جو حدیث ذکر کی ہے، وہ تلاش بسیار کے باوجود حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملی)

لغات:

مَكْنُونات، مَكْنُونَۃٌ کی جمع ہے: راز، بھید، پوشیدہ بات؛ كَنَّ العلمَ فى نفسه (ن) كَنًّا و كُنونًا: دل میں چھپانا...... غَدَرَ (ن ض س) غَدْرًا: عہد توڑنا...... الهَمُّ: نصب العین، مقصد اصلی جمع هُمومٌ.

☆ ☆ ☆

قرآن کریم میں منافقین کے احوال کیوں ذکر کیے گئے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں منافقین کی حرکتوں اور برائیوں کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے، اور دونوں قسم کے منافقین کے احوال واعمال ذکر فرمائے ہیں، تاکہ تمام مسلمان منافقین کے طرز عمل سے خود کو بچائیں، اور مخلصین کے اوصاف سے اپنے آپ کو آراستہ کریں۔

الغرضُ من ذِکْرِ أحوالِ المنافقین فی القرآن العظیم

وقد کشف اللّٰهُ تعالیٰ فی القرآنِ العظیمِ عن مَعایِبِ المنافقین وأعمالِهم، وذَکَرَ من أحوالِ الفریقین أشیاءَ کثیرةً، لتحترزَ الأمةُ بأسْرِها منها.

ترجمہ: قرآن عظیم میں منافقین کے احوال ذکر کرنے کی غرض: اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں منافقین کے عیوب اور ان کی حرکتوں کو واشگاف کیا ہے، اور فریقین کے احوال میں سے بہت سی چیزیں ذکر فرمائی ہیں، تاکہ پوری امت مسلمہ ان (حرکتوں) سے احتراز کرے۔

لغات:

مَعَایِبُ؛ مَعابٌ ومَعَابَةٌ کی جمع ہے: عیب، برائی...... بِأَسْرِهَا: بتمامها، کہا جاتا ہے: هذا لَکَ بِأسْرِهِ: یہ پورا آپ کے لئے ہے۔

☆ ☆ ☆

منافقین کا نمونہ

پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ نفاق اعتقاد کا تو اس زمانہ میں پتہ نہیں چل سکتا، البتہ نفاق عمل علامات سے پہچانا جاسکتا ہے۔ اب شاہ صاحب رحمہ اللہ عملی منافقین کے دو نمونے پیش کرتے ہیں۔

پہلا نمونہ: حاکموں اور امراء کے مصاحبین و ندماء عصر حاضر کے منافقین ہیں، آپ حاکموں کی مجالس میں جایئے، آپ دیکھیں گے کہ ان کے ندماء و مصاحبین اُن کی مرضیات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ترجیح دیتے نظر آئیں گے۔ شرعاً جو کام ناجائز ہوگا مثلاً کسی کا ناحق قتل کرنا ایسے سنگین معاملہ میں بھی بادشاہوں کے مصاحبین اپنے آقاؤں کی ہاں میں ہاں ملائیں گے، اس کے قتل

کے جواز کے بلکہ وجوب کے دلائل پیش کریں گے، حالانکہ خالق کی معصیت کے کاموں میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، انصاف سے فیصلہ کیجئے دور نبوی کے منافقین میں اور عصر حاضر کے ان منافقین میں کیا فرق ہے؟ کچھ فرق نہیں، سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں، دور نبوت کے منافقین نے رسول اللہ ﷺ کی باتیں براہ راست سن کر نفاق اختیار کیا تھا اور یہ لوگ شریعت کے احکام یقینی ذرائع سے جان کر ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس لئے دونوں یکساں ہیں۔

دوسرا نمونہ: روشن خیال دانشور ہیں جن کے دلوں میں اسلام اور تعلیمات اسلامی کے تعلق سے طرح طرح کے شبہات پنپتے رہتے ہیں اور وہ دبی زبانوں سے گفتہ آید در حدیث دیگراں کا سہارا لے کر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں، اگرچہ وہ اسلام کا دم بھرتے ہیں۔ یہ لوگ آخرت کو بالکل بھولے رہتے ہیں، اس کے لئے کوئی تیاری نہیں کرتے، کیونکہ دل ہی ایمان پر مطمئن نہیں ہیں، پس یہ لوگ بھی منافقین کا نمونہ ہیں۔

نَموذَجُ المنافقين

وإن شئتَ أن ترى نَموذَجًا للمنافقين، فانطلقْ إلى مجالسِ الأمراء، وانظر إلى مُصاحبيهم ونُدَمائِهم، يُؤْثِرون رِضَى الأمراءِ على رِضَى اللّٰهِ تعالى. ولافرق عند المُنْصِفِ بين المنافقين الذين سَمِعوا كلامَ الرسولِ صلى اللّٰه عليه وسلم مُباشَرةً ثم نافقوا، وبَيْنَ هؤلاءِ المنافقين الذين وُلِدُوا في هذا الزمانِ، ثم علموا أحكامَ الشريعةِ بطريقِ القَطْعِ واليقين، ثم أقدموا على خلافِها، وانحرفوا عنها.

وكذلك طائفةٌ من المعقوليين الذين تمكّنَتْ في خواطِرِهم شكوكٌ وشبهاتٌ كثيرةٌ، ونَسَوا الدارَ الآخرةَ، فهم أيضًا نَموذَجُ المنافقينَ.

ترجمہ: منافقین کا نمونہ: اور اگر آپ منافقین کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو حکام کی مجلسوں میں جائیے، اور ان کے ان ہم نشینوں اور رفیقوں کو دیکھئے جو حکام کی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں، اور کوئی فرق نہیں ہے انصاف پسند کے نزدیک اُن منافقین کے درمیان جنھوں نے رسول اکرم ﷺ کا کلام بلاواسطہ سنا، پھر نفاق اختیار کیا اور اُن منافقین کے درمیان جو اس زمانہ میں پیدا ہوئے،

پھر انہوں نے احکام شریعت کو قطعی اور یقینی طریقہ سے جان لیا، پھر ان (احکام شریعت) کی خلاف ورزی کی جرأت کی، اور ان سے انحراف کیا۔

اسی طرح معقولیوں کا وہ گروہ جن کے دلوں میں بہت سے شکوک و شبہات راسخ ہوگئے ہیں، اور انھوں نے آخرت کو فراموش کر دیا ہے، پس وہ بھی منافقین کا نمونہ ہیں۔

لغات:

نُدَمَاءُ؛ نَدِیْم کی جمع ہے: مجلس شراب کا ساتھی، مطلق رفیق و ساتھی...... آثَرَہُ اِیْثَارًا: چننا، فضیلت دینا...... بَاشَرَ الْاَمْرَ مُبَاشَرَۃً: کسی کام کو خود کرنا...... اَقْدَمَ عَلٰی قِرْنِہٖ: جرأت کرنا، دلیری کرنا...... مَعْقُولِی یعنی روشن خیال دانشور...... تَمَکَّنَ فِیْہِ: راسخ ہونا۔

☆ ☆ ☆

قرآن کریم ہر زمانہ کے لئے کتاب ہدایت ہے

قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت اور تفسیر کا مطالعہ کرتے وقت یہ گمان ہرگز نہیں کرنا چاہئے کہ آیات جدل میں مخاصمہ اور مباحثہ مخصوص قوموں کے ساتھ تھا جو نزول قرآن کے وقت تھیں، اب ان کا کہیں وجود نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ گذشتہ اقوام کی کوئی خرابی اور گمراہی ایسی نہیں جو آج مسلمانوں میں نہ پائی جاتی ہو، جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی ہے کہ:

لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ، (متفق علیہ) (مشکوٰۃ ص ۴۵۸)	البتہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طور طریق کو ضرور اپناؤ گے، ٹھیک ٹھیک، برابر سرابر، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم ان کی پیروی کرو گے

لہٰذا ہر قاری اور مفسر قرآن کو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن کریم میں اگرچہ چار گمراہ فرقوں کی تردید کی گئی ہے، مگر صرف ان ہی گمراہ فرقوں کی تردید کرنا مقصود نہیں، بلکہ اُن خرابیوں اور گمراہیوں کو بیان کرنا مقصود ہے، جو کم و بیش ہر قوم میں اور ہر جماعت میں پائی جاتی ہیں، تاکہ تمام مسلمان ان گمراہیوں اور خرابیوں سے بچیں، اور صحیح عقائد اور اعمال صالحہ سے اپنے آپ کو آراستہ کریں۔

گمراہ فرقوں کے عقائد کی تفصیل اور ان کی تردید کے سلسلہ میں جو باتیں نہایت ضروری تھیں ان کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا، ان شاء اللہ اتنی وضاحت آیات جدل کے سمجھنے کے لئے کافی ہو جائے گی۔

القرآنُ کتابُ کلِ عصر

وعلى كلٍّ، فإذا قرأتَ القرآنَ فلا تحسبْ أن المخاصمةَ كانت مع قومٍ انقرضوا كلا، بل مامن بلاءٍ كان فيما سبق من الزمان إلا وهو موجودٌ اليومَ بطريق الأنموذجِ، كما ورد في الحديث الشريف: "لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ" فمقصودُ القرآن الكريمِ بيانُ كلياتِ تلك المفاسدِ، لاخصوص الحوادث.

هذا ماتيسر لي في هذا الكتاب من بيان عقائد الفرق الضالة، والرُدودِ عليها؛ وأظن أن هذا القدرَ كافٍ في فهم معاني آيات الجدل إن شاء الله تعالى.

ترجمہ: قرآن کریم ہر زمانہ کے لئے کتاب ہدایت ہے: بہر حال جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کریں تو یہ گمان نہ کریں کہ مخاصمہ اور مباحثہ ایسی قوم کے ساتھ تھا جو ہلاک ہو چکی ہے (ایسا گمان) ہرگز نہیں (کرنا چاہئے) بلکہ نہیں ہے کوئی گمراہی جو گذشتہ زمانوں میں تھی، مگر وہ آج موجود ہے نمونہ کے طور پر، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: "البتہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طور وطریق کو ضرور اپناؤ گے" پس قرآن کریم کا مقصد ان خرابیوں کے کلیات کو بیان کرنا ہے، نہ کہ مخصوص واقعات کو۔

یہ گمراہ فرقوں کے عقائد اور ان کی تردید کی وہ وضاحت ہے جو میرے لئے اس کتاب میں آسان ہوئی اور میں گمان کرتا ہوں کہ اتنی مقدار کافی ہے آیات جدل کے معانی سمجھنے کے لئے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

لغات:

اِنْقَرَضَ القومُ: سب لوگوں کا ہلاک ہو جانا اور کسی کا باقی نہ رہنا...... کَلاَّ: ہرگز نہیں، یہ حرف ردع ہے، جو تنبیہ اور زجر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے...... سَنَنٌ: طریقہ، کہا جاتا ہے: اِسْتَقَامَ فلانٌ عَلٰی سَنَنٍ واحِدٍ: فلاں ایک ہی طریقہ پر قائم رہا، اِمْضِ عَلٰی سَنَنِكَ: تم اپنے طریقہ پر چلے چلو...... رُدُوْدٌ: رَدٌّ کی جمع ہے: تردید، رد۔

☆☆☆

فصل دوم

علوم خمسہ کے باقی مباحث کے بیان میں

فصل اول میں علم الجدل کی وضاحت تھی، اب فصل دوم میں علوم خمسہ میں سے باقی علوم کی تفصیل ہے، سب سے پہلے علم التذکیر بآلاء اللہ کی وضاحت فرماتے ہیں، پھر علم التذکیر بایام اللہ کی وضاحت فرمائیں گے، اس کے بعد علم التذکیر بالموت ومابعدہ کی، پھر علم الاحکام کی، اور آخر میں علم التذکیر بایام اللہ کی ایک خاص قسم کا تذکرہ ہے۔

علم التذکیر بآلاء اللہ کا بیان

قرآن کریم کے نزول کا بنیادی مقصد ہر فرد بشر کی اصلاح کرنا ہے، چاہے عربی ہو یا عجمی، شہری ہو یا بدوی، اس لئے تذکیر بآلاء اللہ میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی نعمتوں کا تذکرہ نہیں فرمایا صرف اُن ہی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کو ہر فرد بشر جانتا پہچانتا ہے، اور اسماء الٰہی اور صفات خداوندی کو ایسے سہل اور آسان انداز سے بیان فرمایا ہے کہ ہر فرد بشر اپنی فطری صلاحیت اور خداداد ذہانت سے ان کو بخوبی سمجھ سکتا ہے، چاہے اس نے حکمت الٰہیہ نہ پڑھی ہو، اور علم کلام میں مہارت نہ رکھتا ہو۔

اگر صفات خداوندی کی بحث وتحقیق میں زیادہ مبالغہ کیا جاتا، اور ایسی نعمتوں کو بیان کیا جاتا جن کو کچھ ہی لوگ جانتے ہیں تو اکثر افراد بنی آدم کے لئے ان کا سمجھنا دشوار ہو جاتا اور نزول قرآن کا جو بنیادی مقصد ہے وہ فوت ہو جاتا۔

الفصل الثانی

فی

بَقِيَّةِ مباحِثِ العلومِ الخَمْسة

بيانُ التذكير بآلاء الله

لِيُعْلَمْ أن نزولَ القرآنِ الكريمِ إنما كان لإصلاحِ النفوسِ البشريةِ سواءٌ كانوا

عَرَبًا أو عَجَمًا، بَدْوًا أو حَضَرًا ؛ فلذلك اقتضت الحكمةُ الإلٰهيةُ أن لا يُخاطبَ الناسُ فى التذكيربآلآء الله إلا بماتَسَعُه أذهانُهم، وتُحيطُ به مَدارِكُهم، ولايُبالغَ فى البحث والتحقيق مبالغةً زائدةً؛ فسيق الكلامُ فى أسماء الله تعالى وصفاتِه بوجهٍ يمكن فهمُه، والإحاطةُ به بإدراكِ وفِطَانةِ خُلِقَ أكثرُ أفرادِ الإنسانِ عليهما فى أصل خِلقتِهم، من دون حاجةٍ إلى مُمارَسةِ الفلسفة الإلٰهية ومُزاوَلةِ علم الكلام.

ترجمہ: دوسری فصل: علوم خمسہ کے باقی مباحث کے بیان میں: تذکیر بآلاء اللہ کا بیان: جاننا چاہئے کہ قرآن کریم کا نزول بشری نفوس (یعنی انسانوں) کی اصلاح کے لئے ہوا ہے، چاہے وہ عربی ہوں یا عجمی، خانہ بدوش ہوں یا شہری، اسی لئے حکمت خداوندی نے چاہا کہ تذکیر بآلاء اللہ میں لوگوں سے گفتگو نہ کی جائے سوائے ان باتوں کے جو ان کے ذہنوں میں سماسکتی ہیں، اور جن باتوں کو ان کے حواس احاطہ کرسکتے ہیں، اور بحث وتحقیق میں زیادہ مبالغہ نہ کیاجائے، چنانچہ اسماء الٰہی اور صفات خداوندی میں اس طرح کلام کیا گیا ہے کہ اس کا سمجھنا اور اس کا احاطہ کرنا ممکن ہے اُس علم وفہم کے ذریعہ جس پر اکثر افراد بشر پیدا کئے گئے ہیں، فلسفۂ الٰہی میں مہارت کی حاجت کے بغیر اور علم کلام میں محنت کئے بغیر۔

لغات:

اَلْبَدْوُ: خانہ بدوش عربی قبائل...... اَلْحَضَرُ: شہر اور آباد مقامات...... مَدَارِك: حواس...... مَارَسَ مِرَاسًا ومُمَارَسَةً الاَمْرَ: مشق کرنا، محنت کرنا، مہارت پیدا کرنا...... زَاوَلَهٗ مُزَاوَلَةً: کوشش کرنا، قصد کرنا...... الفلسفة الالٰهِيَّةُ: حکمت نظری کی وہ قسم ہے جس میں ایسے امور سے بحث کی جاتی ہے جو خارجی اور ذہنی دونوں وجودوں میں مادے کے محتاج نہیں ہوتے جیسے واجب الوجود، عقول مجردہ اور نفوس مجردہ۔

☆ ☆ ☆

ذات باری کا اثبات اور صفات خداوندی کا بیان

ذات باری اور صفات خداوندی کی معرفت کے بغیر انسانوں کی کامل اصلاح نہیں ہوسکتی، اس لئے ذات وصفات کا اثبات نہایت ضروری ہے، مگر معتدل ممالک میں رہنے والے سبھی

لوگ خالق کائنات کو مانتے ہیں، کوئی شخص ذات باری کا منکر نہیں اس لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ذات باری کو اجمالی طریقہ پر ثابت فرمایا ہے۔

لیکن صفات خداوندی کو جگہ جگہ نہایت وضاحت اور شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے، کیونکہ اس کے بغیر خالق کائنات کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی، جو انسانوں کی اصلاح کے لئے سب سے زیادہ سود مند اور مفید چیز ہے، مثلاً جو لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ رزّاق ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کے باوجود بہت سی چیزوں کو رازق سمجھنے لگتے ہیں، کوئی باپ کو، کوئی شوہر کو، کوئی بادشاہ کو رازق خیال کرتا ہے تو کوئی کھیتی اور دوکان کو رازق سمجھتا ہے، اسی طرح جو لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ "شدید العقاب" اور "ذوالطّول" ہیں، وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے باوجود جرائم پیشہ ہو جاتے ہیں، اور گناہوں سے باز نہیں آتے، اور جو لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم اور ارحم الراحمین ہیں، وہ رحمت خداوندی سے ناامید اور مایوس ہو جاتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اتنے بڑے پاپی ہیں کہ ہماری ہرگز بخشش نہیں ہوسکتی،، پھر وہ بے لگام ہو جاتے ہیں۔

الغرض صفاتِ خداوندی کی معرفت کے بغیر انسانوں کی اصلاح اور نفوس کا تزکیہ نہیں ہوسکتا، اس لئے صفات خداوندی کی وضاحت نہایت ضروری ہے، مگر انسانوں کی طرف نظر کرتے ہوئے صفات خداوندی کی پوری حقیقت کو واضح کرنا اور صفات خداوندی کی حالت کو کما حقہ سمجھانا ناممکن اور محال ہے، اس لئے طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ بشری صفات حمیدہ میں سے جن صفات کو تمام انسان جانتے پہچانتے ہیں اور جن کی وجہ سے انسان آپس میں ایک دوسرے کی تعریف کرتے ہیں، ان کو منتخب کیا گیا اور ان کو صفات خداوندی کے لئے استعمال کیا گیا، مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمادیا کہ ان صفات بشریہ میں سے کوئی صفت اللہ تعالیٰ کی صفات کے مشابہ نہیں ہے، ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ تاکہ ناواقف لوگ اللہ کی صفات کو اپنی صفات کے مشابہ نہ سمجھیں ـــــــ اور جن بشری صفات کے اثبات میں لوگوں کے گمراہ ہونے کا اندیشہ تھا، ان کو اللہ جل شانہ کے لئے ثابت کرنے سے روک دیا، مثلاً اولاد کا ہونا اور گریہ وزاری اور جزع فزع کرنا، ایسی صفات کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا ممنوع اور حرام قرار دیا گیا۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

توحید وصفات کا علم ایسا واضح ہونا چاہئے کہ عقل انسانی اپنی طبیعت سے اس کو حاصل کر سکے،

ایسا مغلق اور دشوار نہ ہونا چاہئے کہ کچھ ہی لوگ اس کو سمجھ سکیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے چند ایسی صفات ثابت فرمائیں جن کو لوگ سمجھتے ہیں اور آپس میں ان کو استعمال کرتے ہیں، یعنی حیات، بصر، قدرت، ارادہ، کلام، غضب وسخط، رحمت، مِلک اور غنا وغیرہ۔

اس کے ساتھ یہ بھی ثابت فرمایا کہ ان صفات میں اللہ کے مشابہ کوئی چیز نہیں، پس وہ زندہ ہیں مگر ہماری حیات کی طرح نہیں، بصیر ہیں لیکن ہماری بصارت کی طرح نہیں، قدیر ہیں مگر ہماری قدرت کی طرح نہیں، مرید ہیں مگر ہمارے ارادہ کی طرح نہیں، متکلم ہیں لیکن ہمارے کلام کی طرح نہیں، اسی طرح دیگر صفات کو سمجھیں۔

پھر عدم مماثلت کو ایسی باتوں سے واضح فرمایا جو نوع انسانی کے لئے ناممکن اور محال ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ بارش کے قطروں کی تعداد، صحراء کے ذروں کی تعداد، درختوں کے پتوں کی تعداد، اور حیوانات کے سانسوں کی تعداد کو جانتے ہیں، اور اندھیری رات میں چیونٹی کے چلنے کو بھی دیکھتے ہیں، اور ان آوازوں کو بھی سنتے ہیں جو مقفل گھروں میں لحافوں کے نیچے دلوں کے دھڑکنے سے پیدا ہوتی ہیں، (باب انشقاق التکلیف من التقدیر ج۱ ص۲۳)

إثباتُ الذاتِ وبيانُ الصفاتِ

فأَثْبَتَ سبحانه وتعالى ذاتَ المُبْدِأ إجمالاً ، إذ أن معرفتَه تعالى مركوزةٌ في فِطْرَةِ بني آدم؛ لاترى طائفةً منهم في الأقاليمِ الصالحةِ، والأماكنِ القريبةِ من الاعتدال يُنكرون ذلك.

ولما كان إثباتُ الصفاتِ الإلٰهيةِ بطريق الإمعانِ، وتحقيقِ الحقائقِ، مُستحيلا بالنسبة الى أفرادِ الإنسانِ؛ ولو لم يَطَّلِعُوا على صفاتِهِ تعالى إطلاقًا لم يَصِلوا إلى معرفةِ الربوبية التى هى أنفعُ الأشياءِ فى تهذيبِ النفوسِ؛ فكان من حكمةِ الله تعالى: أنه اختار شيئًا من الصفاتِ البشريةِ الكاملةِ التى يعرفونها، ويجرى التمدُّحُ بوجودِها فيما بينهم، فاستعملَها بإزاء المعانى الدقيقةِ الغامضةِ التى لا مَدْخَلَ للعقولِ البشرية فى ساحةِ جَلالِها؛ وجَعَلَ الأصْلَ المصَرِّحَ بقوله تعالى: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ تِرْياقا للداء العُضالِ من الجهل المُرَكَّبِ؛ وَمَنَعَ من إثبات الصفاتِ البشريةِ التى تُثير الأوهامَ إلى العقائد الباطلةِ، كإثباتِ الولدِ والبُكاء والجَزَعِ له تعالى شأنُه.

ترجمہ: ذات باری کا اثبات اور صفاتِ خداوندی کا بیان: پس اللہ تعالیٰ نے ذات مبدأ کائنات کو اجمالی طور پر ثابت فرمایا (کہ اللہ کی ہستی ہے، ذات واجب کی اس سے زیادہ تفصیل نہیں کی) کیونکہ معرفت خداوندی بنی آدم کی فطرت میں گاڑ دی گئی ہے (ان کے خمیر میں یہ معرفت رکھ دی گئی ہے) آپ قابل رہائش خطوں میں اور اعتدال سے قریب جگہوں میں بنی آدم کا کوئی ایسا گروہ نہیں دیکھیں گے جو ذات واجب کے وجود کا انکار کرتا ہو۔

اور جب صفات خداوندی کا ثابت کرنا، امعان نظر سے اور حقائق کی تحقیق کے ساتھ، افراد انسانی کی طرف نظر کرتے ہوئے محال تھا؛ اور اگر لوگ صفات خداوندی سے بالکل ناآشنا رہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی اس پروردگاری کی معرفت تک نہیں پہنچ سکتے جو نفوس کو سنوارنے میں سب سے زیادہ نافع ہے؛ پس حکمت خداوندی میں سے یہ بات ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے بشری صفات مدحیہ میں سے چند ایسی صفات کو منتخب فرمایا جن کو لوگ پہچانتے ہیں اور جن کے پائے جانے کی وجہ سے لوگوں میں ایک دوسرے پر فخر کرنے کا سلسلہ جاری ہے، پس اللہ تعالیٰ نے ان صفات بشریہ کو غایت درجہ دقیق معانی کے مقابلہ میں (یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کے لئے) استعمال فرمایا، جن کے جلال (عظمت) کے میدان میں انسانی عقلوں کا کوئی دخل نہیں۔ اور اس ضابطہ کو جس کی تصریح ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ میں کی گئی ہے، جہل مرکب کی لاعلاج بیماری کے لئے تریاق گردانا، اور ان بشری صفات کے اثبات سے لوگوں کو روک دیا جو باطل عقائد کی طرف اوہام کو ابھارتی ہیں، جیسے اولاد، بکا اور جزع فزع کو اللہ کے لئے ثابت کرنا، جن کی شان ایسی صفات سے برتر ہے۔

لغات:

المُبْدِأُ: ابتداء کرنے والا، عالم کو پیدا کرنے والا، خالق کائنات بَدَأَ وأَبْدَأَ اللّٰهُ الخلقَ: اللہ نے مخلوقات کو پیدا کیا، صفت الباری اور المُبْدِئُ ہیں، متکلمین بضم المیم وکسر الدال پڑھتے ہیں۔ اور فلاسفہ میم اور دال دونوں پر فتح پڑھتے ہیں۔ مَبْدَأ یعنی آغاز، ابتدائی سرا، کیونکہ فلاسفہ اسی حد تک واجب تعالیٰ کا کائنات میں اثر مانتے ہیں۔ نبراس شرح شرح عقائد ص ۱۴۸ میں ہے: والمُبْدِأُ بالضم في استعمال المتكلمين، وبالفتح في لسان الفلاسفة، والشرع إنما أذن في الأول اھ ...... مرکوزۃ (اسم مفعول) گاڑی ہوئی۔ رَكَزَ (ن ض) رَكزًا الرُمحَ: زمین میں نیزہ گاڑا ......

الأقالیم، اِقلیم کی جمع ہے بمعنی مُلک اور خطہ اور اقالیم صالحہ (قابل رہائش خطوں) سے مراد وہ ممالک ہیں جو خط جدی اور خط سرطان کے درمیان میں واقع ہیں، یہی علاقہ بود و باش کے لئے موزون تھا، دور نبوی میں یہ علاقہ قیصر وکسری کے زیر اقتدار تھا...... الأماکن القریبة من الاعتدال سے بھی یہی خطہ مراد ہے، کیونکہ اس علاقہ میں رات اور دن میں غیر معمولی تفاوت نہیں ہوتا اس لئے موسم معتدل رہتا ہے...... أمعن فی الامر إمعانا: معاملہ کی تہ میں پہنچنا...... جَلَّ (ض) جَلالاً: بڑے مرتبہ والا ہونا ...... تریاق: سانپ کے زہر کی دواء...... عُضال: سخت اور اطباء کو عاجز کرنے والی بیماری...... أَثَارَهُ إِثَارَةً: ابھارنا، بھڑکانا...... جہل مرکب: وہ جہالت ہے جس میں یہ خوش فہمی شامل ہو کہ وہ جانتا ہے

آنکس کہ نداند، وبداند کہ بداند ÷ در جہل مرکب ابدالدہر بماند

☆ ☆ ☆

صفات خداوندی توقیفی ہیں

صفات خداوندی اور اسمائے حسنیٰ توقیفی اور سماعی ہیں یعنی کتاب وسنت اور اجماع امت سے جو صفات خداوندی اور اسمائے حسنیٰ ثابت ہیں وہی صفات اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ ہم اپنی طرف سے اسمائے حسنیٰ میں کسی اسم کا اضافہ نہیں کر سکتے، کیونکہ صفات خداوندی اور اسمائے حسنی کے اثبات میں دو باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

۱- اللہ جل شانہ کے لئے ایسی صفات ثابت کی گئی ہے جن کو ہر شخص اپنی فطری صلاحیت اور خداداد علوم سے سمجھ سکتا ہے، اور ایسی صفات کے اثبات سے اجتناب کیا گیا ہے جن کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا، صرف پڑھے لکھے لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

۲- خداوند قدوس کے لئے ایسی صفات کا انتخاب کیا گیا ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی، اور ان صفات کی اللہ کی طرف نسبت کرنے میں لوگوں کا عقیدہ خراب نہیں ہوتا، اور ایسی صفات کے اثبات سے احتراز کیا گیا ہے جن سے لوگوں کا عقیدہ خراب ہو سکتا ہے۔

چونکہ اثبات صفات میں مذکورہ دونوں باتوں کا پورا لحاظ رکھنا نہایت مشکل اور انتہائی دشوار کام ہے، ہر شخص اس پر قادر نہیں، اس لئے صفات خداوندی اور اسمائے حسنی کو شریعت نے توقیفی

قرار دیا ہے اور ہر شخص کو اس میں آزادانہ گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دی۔

صفاتُه تعالى توقيفيةٌ

وإن أمعنتَ النظرَ في مسئلةِ الصفاتِ الإلٰهية تَجلّٰى لك أن الجَرْيَ على مِسْطَرةِ العلومِ الإنسانيةِ، غيرِ المكتسبة، وتمييزَ صفاتٍ يجوز أن تُنْسَبَ إلى الله تعالى، ولايقع بها خللٌ، عن الصفاتِ التي يُؤَدِّي إثباتُها إلى الأوهام الباطلةِ، أمرٌ دقيقٌ خطيرٌ للغاية، لايُدْرِكُ غورَه جمهورُ الناس؛ فلا جَرَمَ كان هذا العلمُ توقيفيا، لم يُسْمَحْ فيه بالبحث بحُرِّيةٍ وإطلاقٍ.

ترجمہ: صفات خداوندی توقیفی ہیں: اگر آپ نہایت غور سے صفات خداوندی کے مسئلہ میں سوچیں تو آپ کے لئے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ غیر اکتسابی انسانی علوم کی راہ پر چلنا، اور ایسی صفات کو الگ کرنا جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت جائز ہے اور ان صفات (کے انتساب) سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا ان صفات سے جدا کر کے جن کا اثبات باطل خیالات تک پہنچاتا ہے نہایت دشوار اور غایت درجہ اہم کام ہے، اس کی گہرائی کا اکثر لوگ ادراک نہیں کر سکتے، پس یقیناً یہ علم توقیفی ہوا، اس میں آزادی اور چھوٹ کے ساتھ بحث کی اجازت نہیں دی گئی۔

لغات:

اَمْعَنَ النظرَ في الأمْرِ: نہایت غور کے ساتھ سوچنا...... تَجَلّٰى تَجَلِّيًا الشيئُ: اچھی طرح ظاہر ہونا...... مِسْطَرَةٌ: لکیر کھینچنے کا آلہ، مجاز اً راستہ، طریقہ...... خَطِيْرٌ: عالی مرتبہ، خَطُرَ (ک) خَطَرًا: عالی مرتبہ ہونا...... الغَـوْرُ: گہرائی غَـارَ الماءُ يَغُوْرُ غَوْرًا: گہرائی میں جانا...... اِطْلَاقٌ: آزادی، چھوٹ۔

☆ ☆ ☆

اللہ کی نعمتوں اور اس کی قدرت کی نشانیوں کا بیان

اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتوں سے بندوں کو نوازا ہے، ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا﴾ (سورۂ ابراہیم آیت ۳۴) مگر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تمام نعمتوں

کو بیان نہیں فرمایا، صرف اُن نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کو ہر فرد بشر سمجھ سکتا ہے، چاہے شہری ہو یا خانہ بدوش، عربی ہو یا عجمی، اسی وجہ سے ان روحانی نعمتوں کو بیان نہیں کیا گیا جو علمائے کرام اور اولیائے عظام کے ساتھ خاص ہیں، مثلاً علماء کو کسی علمی نکتہ کے انکشاف پر جو فرحت اور خوشی ہوتی ہے، یا کسی مشکل مسئلہ کے حل پر مسرت و شادمانی ہوتی ہے اس کو بیان نہیں کیا گیا، اسی طرح بزرگان دین کو عبادت میں جو حلاوت اور مٹھاس محسوس ہوتی ہے اور تجلیات ربانی کے دیدار سے جو طبیعت میں انبساط پیدا ہوتا ہے، یہ سب اللہ کی عظیم نعمتیں ہیں مگر ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا، کیونکہ یہ علماء اور اولیاء کے ساتھ خاص ہیں، اسی طرح ان مادی نعمتوں کو بھی بیان نہیں فرمایا جو بادشاہوں اور امیروں کے ساتھ خاص ہیں، صرف ان عمومی نعمتوں کو بیان کیا ہے جن کو ہر انسان جانتا ہے اور ان سے مستفید ہوتا ہے۔

نیز مصائب کے پیش آنے پر اور مصائب دور ہونے پر لوگوں کے جو احوال بدلتے ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ تنبیہ فرمائی ہے اور اس کو سمجھانے کے لئے ایسی روحانی بیماریوں کو بیان فرمایا ہے جو کثیر الوقوع ہیں، اور سبھی لوگ ان میں مبتلا ہیں، مثلاً سورۂ معارج میں ارشاد ہے ﴿إِنَّ الإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا، إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا، وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾ (انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے، جب اس کو برائی پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے، اور جب اس کو بھلائی پہنچتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے) اور ایسی روحانی بیماریوں کو ذکر نہیں کیا، جو قلیل الوقوع ہیں، اور کچھ ہی لوگ ان میں مبتلا ہیں، کیونکہ تمام لوگ ان کو نہیں سمجھ سکتے۔

بيانُ آلآئِهِ تعالى و آياتِ قدرتِهِ:

واختارسبحانه وتعالى مِنْ آلآئِهِ وآياتِ قدرته ما يستوى فى فَهْمِهِ الحَضَرِىُّ والبدوىُ، والعربىُ والعجمىُ؛ ولأجلِ ذلك لم يَذْكُرِ النِّعَمَ الروحانيةَ المخصوصةَ بالعلماءِ والأولياءِ، ولم يُخْبِرْ بالنعمِ الإرتفاقيةِ المخصوصةِ بالملوكِ؛ وإنما ذكر سبحانه وتعالى ما ينبغى ذكرُه، مثلُ خلقِ السمٰوٰتِ والأرضِ، وإنزالِ المطرِ من السحابِ، وتفجيرِ الينابيع فى الأرض، وإخراجِ أنواع الثِمَارِ والحُبوبِ والأزهارِ بالماءِ، وإلهامِ الصنائع والحِرَف الضروريةِ، وخَلْقِ القدرةِ لمُمارَستِها ومُزاوَلتِها.

وقد نبَّه فی مواضعَ کثیرةٍ علی اختلافِ أحوالِ الناسِ عند هُجومِ المصائبِ، وانکشافِها ببیانِ الأمراض النفسانیةِ الکثیرةِ الوقوع .

ترجمہ: اللہ کی نعمتوں اور اس کی قدرت کی نشانیوں کا بیان: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے اُن ہی نعمتوں کو منتخب فرمایا ہے جن کے سمجھنے میں شہری، بدوی، عربی اور عجمی سب یکساں ہیں، اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان روحانی نعمتوں کو ذکر نہیں کیا جو علماء اور اولیاء کے ساتھ خاص ہیں، اور ان مادی نعمتوں سے بھی آگاہ نہیں فرمایا جو بادشاہوں کے ساتھ مخصوص ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان ہی نعمتوں کو ذکر کیا ہے جن کا تذکرہ مناسب ہے، جیسے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا، اور بادل سے بارش برسانا، اور زمین سے چشمے جاری کرنا، اور پانی سے قسم قسم کے پھل، پھول اور غلے اگانا، اور ضروری کاریگریاں اور پیشے الہام فرمانا اور ان کی ممارست (مشق و تجربہ) اور مزاولت (کسی کام کو ہمیشہ کرنے) کی طاقت پیدا کرنا۔

اور اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے بہت سی جگہوں میں لوگوں کے احوال بدلنے پر مصیبتوں کے پیش آنے کے وقت اور ان کے ہٹ جانے کے وقت ان روحانی بیماریوں کی وضاحت کر کے جو کثیر الوقوع ہیں۔

لغات:

النِعَمُ الارْتِفَاقِیَةُ: وہ مادی ساز و سامان جو زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہے...... یَنَابِیْع، یَنْبُوْع کی جمع ہے: چشمہ، بہت پانی والا نالہ...... الحِرَف؛ حِرْفَۃٌ کی جمع ہے: پیشہ...... مَارَسَ مُمَارَسَۃً الأمْرَ: خود کو کسی کام میں لگانا، مشق و محنت کرنا، مہارت پیدا کرنا...... زَاوَلَ مزاولۃً: کوشش کرنا، کسی کام کو اختیار کرنا۔

☆ ☆ ☆

تذکیر بایام اللہ کا بیان

اَیَّامُ اللہ یعنی وہ واقعات جو اللہ تعالیٰ نے فرمانبرداروں کو نوازنے کے لئے اور مجرموں کو سزا دینے کے لئے ظاہر فرمائے ہیں، ان میں سے صرف اُن ہی واقعات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے جن سے عرب آشنا تھے، اجمالی طریقہ پر عربوں نے ان واقعات کو سن

رکھا تھا، مثلاً قوم نوح قوم عاد اور قوم ثمود کے واقعات، اور حضرت ابراہیم اور انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام کے قصے، کیونکہ عربوں نے قوم نوح، قوم عاد، اور ثمود کے واقعات اپنے آباء واجداد سے سن رکھے تھے، اور انبیائے بنی اسرائیل کے قصے یہود سے سن رکھے تھے، جو ایک مدت سے جزیرۃ العرب میں بسے ہوئے تھے ـــــ اور ایسے عجیب وغریب قصے جن سے عرب بالکل ناآشنا تھے ان کو قرآن پاک میں بیان نہیں کیا گیا، نہ اہل فارس اور اہل ہند کی جنگوں کے واقعات بیان کئے گئے ہیں کیونکہ عرب ان سے بالکل ناواقف تھے۔

بيان التذكير بأيام الله

واختار سبحانه وتعالى من أيام الله ـــــ أى من الوقائع التى أحدثها اللّٰهُ تعالى من قبيلِ تنعيم المطيعين، وتعذيبِ المجرمين ـــــ ما قَرَعَ أسماعَهم من قبلُ وكانوا قد سمعوا عنه بالإجمال، مثلُ قِصَصِ قوم نوحٍ وعادٍ وثمودَ التى تتلقاها العربُ أباعن جَدٍّ؛ ومثلُ قصصِ إبراهيمَ، وقصصِ أنبياءِ بنى إسرائيلَ عليهم السلام التى أَلِفَتْها أسماعُهم لطولِ اختلاطِ العربِ مع اليهودِ؛ ولم يذكر القِصَصَ الغريبةَ، غيرَ المألوفةِ للعربِ، ولاأخبارَ مجازاةِ الفارسِ والهنودِ.

ترجمہ: تذکیر بایام اللہ کا بیان: اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے ایام اللہ میں سے ـــــ یعنی ان واقعات میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے فرمانبرداروں کو نوازنے اور مجرموں کو سزا دینے کے قبیل سے رونما فرمایا ہے ـــــ ان (واقعات) کو جو ان کے کانوں میں پہلے سے پڑے ہوئے تھے، اور لوگوں نے ان (واقعات) کو اجمالی طریقہ پر سن رکھا تھا، جیسے قوم نوح اور عاد وثمود کے قصے جن کو عرب باپ دادا سے سنتے آئے تھے، اور جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے، اور انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام کے قصے جن سے ان کے کان آشنا تھے، عربوں کے طویل اختلاط کی وجہ سے یہود کے ساتھ، اور نہیں ذکر فرمایا نادر قصوں کو جو عربوں کے لئے غیر مانوس تھے، اور نہ فارس وہنود کی جزاوسزا کے واقعات کو (بیان فرمایا ہے)

لغات:

قَرَعَ (ف) قَرْعًا سَمْعَهٗ: کان میں پڑنا، سننا...... اَلِفَهٗ (س) اَلْفًا: مانوس ہونا، محبت کرنا......

جَازَاهُ مُجَازَاةً: بدلہ دینا، جزا وسزا دینا۔

☆ ☆ ☆

واقعات کا وہی حصہ ذکر کیا جاتا ہے جو مقصود ہوتا ہے

قرآن کریم کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے بلکہ نصیحت نامہ ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے جن مشہور قصوں کو بیان کیا ہے ان کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان نہیں فرمایا، صرف ان ہی اجزاء کو ذکر کیا ہے جو نصیحت آمیز اور عبرت انگیز ہیں —— اور اس میں حکمت یہ ہے کہ عوام جب کوئی نادر قصہ سنتے ہیں، یا کوئی قصہ تمام خصوصیات اور پوری تفصیل کے ساتھ لوگوں کے سامنے بیان کیا جاتا ہے تو وہ قصہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، اور قصہ بیان کرنے کی جو بنیادی غرض ہوتی ہے یعنی نصیحت حاصل کرنا اس سے وہ غافل ہو جاتے ہیں، اس لئے قرآن کریم میں نہ تو نادر قصے بیان کئے گئے ہیں، نہ کوئی قصہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ذُكِرَ مِنَ الْقِصَصِ ماهو الغرضُ منها

وانتزع سبحانه وتعالى من القِصَصِ المشهورةِ جِمَاعًا تنفع فى التذكير والموعظةِ ، ولم يَسْرُدِ القِصَصَ بتمامِها مع جميع خصوصياتها.

والحكمةُ فى ذلك: أن العوامَ إذا سمعوا قصةً نادرةً غايةَ النُّدرةِ، أو ذُكِرَتِ القصةُ عندهم بجميع خصوصياتِها وتفاصيلِها، فإن طِبَاعَهم تَمِيْلُ إلى نفسِ القصةِ، ويفوتهم الغرضُ الأساسى الذى هو التذكُّرُ.

ومثالُ ذلك ماقاله بعضُ العارفين: "إن الناسَ لَمَّا حفِظوا قواعدَ التجويدِ شُغِلُوا عن الخُشوعِ فى التلاوةِ، ولَمَّا بَدَأَ المفسرون يتكلمون فى الوجوهِ البعيدةِ فى التفسير، أصبح علمُ التفسير نادرًا كالمعدوم".

ترجمہ: قصوں میں سے وہی باتیں ذکر کی گئی ہیں جو ان (قصوں) سے مقصود ہیں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قصوں میں سے ایسی جامع باتوں کا انتخاب فرمایا ہے جو تذکیر وموعظت میں نفع بخش ہیں، اور قصوں کو پوری تفصیل سے ان کی تمام خصوصیات کے ساتھ بیان نہیں فرمایا ہے۔

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ عوام جب انتہائی نادر قصے کو سنتے ہیں، یا کوئی قصہ اُن کے سامنے ذکر کیا جاتا ہے اس کی تمام خصوصیات اور تفصیل کے ساتھ، تو ان کی طبیعتیں نفس قصہ کی طرف مائل ہو جاتی ہیں، اور بنیادی غرض ان کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے جو کہ وہ نصیحت حاصل کرنا ہے۔

اور اس کی مثال کسی عارف کا یہ قول ہے کہ: لوگوں نے جب تجوید کے قواعد یاد کیئے تو تلاوت میں خشوع سے غافل ہوگئے، اور جب مفسرین نے تفسیر میں وجوہ بعیدہ کو بیان کرنا شروع کیا تو فن تفسیر نادر گویا معدوم ہو گیا۔

لغات:

جِمَاع: جامع، ہمہ گیر، کہا جاتا ہے: اَلْخَمْرُ جِمَاعُ الإِثْمِ: شراب ہر قسم کے گناہوں کی جامع ہے...... سَرَدَ الحدیثَ (ن ض) سَرْدًا: بیان کرنا...... طِبَاع، طَبْعٌ کی جمع ہے: پیدائشی عادت، فطرت...... الوُجُوهُ البَعِیْدَةُ: دور دراز احتمالات، نہایت بعید احتمالی باتیں۔

☆ ☆ ☆

قرآن کریم میں بار بار آنے والے واقعات

کچھ واقعات قرآن کریم میں بار بار بیان کئے گئے ہیں اور کچھ ایک یا دو بار ذکر کئے گئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ پہلے بار بار آنے والے واقعات ذکر کرتے ہیں، پھر وہ واقعات ذکر کریں گے جو ایک یا دو بار آئے ہیں، عبارت چونکہ آسان ہے اس لئے مطلب خیز ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

القِصَصُ المُتَكَرِّرَةُ فی القرآنِ:

ومماتكرر من القصصِ فی القرآن العظيم.

● قصةُ خَلْقِ آدمَ من الطينِ، وسجودِ الملائكةِ لَهُ، واستكبارِ الشيطانِ عنه، وكونِه ملعونا ،وسعيِه بعد ذلك فی إضلالِ بنی آدمَ .

● وقِصَصُ مُحاجَّةِ نوحٍ وهودٍ وصالحٍ وإبراهيمَ ولوطٍ وشعيبٍ عليهم الصلاة والسلام مع شُعُوبهم وأقوامِهم فی توحيدِ اللّٰه تعالى،والأمرِ بالمعروف والنهيِ عن

المنكر، واستِكبارِ الأقوامِ عن الإيمانِ، وإدلائِهم بشُبُهاتٍ ركيكةٍ، ورُدودِ الأنبياء عليها، وابتلاءِ الأقوامِ بالعقوبةِ الإلٰهيةِ، وظهورِ نصرةِ اللّٰه تعالى في حق الأنبياءِ وأتباعِهم.

● وقِصَصُ موسى عليه السلام مع فرعونَ ومَلَائِه، ومع سُفَهاءِ بني إسرائيلَ ومكابرتِهم معه عليه السلام، وعقابِ اللّٰه تعالى لأولئك الأشقياءِ، وظهورِ نصرةِ اللّٰه تعالى متتاليةً لنَجيِّه عليه السلام.

● وقصصُ داودَ وسليمانَ عليهما السلام، وخلافتِهما وآياتِهما وكراماتِهما.

● وقِصَصُ مِحنةِ أيوبَ ويونسَ عليهما السلام، وظهورِ رحمةِ اللّٰه تعالى لهما.

● وقصةُ دعاءِ زكريا عليه السلام، واستجابةِ اللّٰه تعالى إياه.

● وقِصَصُ سيدنا عيسى العجيبةُ: من ولادتِه من غيرِ أبٍ، وتكلمِه في المَهْدِ، وظهورِ الخوارقِ على يدِه.

فذكرت هذه القِصَصُ في القرآن العظيمِ بأساليبَ متنوعةٍ من الإيجازِ والإطنابِ حَسَبَ مقتضى الأساليبِ المرعيةِ في السُوَرِ.

ترجمہ: وہ واقعات جو قرآن کریم میں بار بار ذکر کیے گئے ہیں: اور ان واقعات میں سے جو قرآن عظیم میں بار بار ذکر کیے گئے ہیں چند یہ ہیں:

۱- حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا، اور ملائکہ کو حکم دیا کہ ان کے سامنے سجدہ کریں، سب نے سجدہ کیا مگر شیطان نے سجدہ کرنے سے گھمنڈ کیا، تو وہ ملعون کیا گیا، اس نے راندۂ درگاہ ہونے کے بعد اولاد آدم کو گمراہ کرنے کی کوشش شروع کی (یہ واقعات سورۃ البقرہ ۳۰-۳۹ سورۃ الاعراف ۱۱-۲۵ سورۃ الاسراء ۶۱-۶۵ سورۃ الکہف ۵۰ سورہ طٰہٰ ۱۱۶-۱۲۳ سورۃ صٓ ۷۱-۸۵ سورۃ الحجر ۲۶-۴۴ میں مذکور ہیں)

۲- حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اپنی اقوام وقبائل کے ساتھ توحید باری کے مسئلہ میں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معاملہ میں بحث ومباحثہ کرنے کے واقعات اور ان کی اقوام کا ایمان لانے سے گھمنڈ کرنے کا تذکرہ اور ان کا نہایت رکیک شبہات پیش کرنا، اور انبیاء کا جواب دینا، اور ان کی اقوام کا عقوبت

الٰہی میں مبتلا ہونا اور انبیاء اور ان کے متبعین کے حق میں نصرت خداوندی کا ظاہر ہونا (یہ واقعات سورۃ الاعراف ۵۹-۹۳ سورۂ ہود ۲۵-۹۵ سورۃ الحجر ۵۱-۸۴ سورۃ الشعراء ۶۹-۱۹۱ سورۂ ذاریات ۲۴-۴۶ سورۃ القمر ۹-۴۰ میں مذکور ہیں)

۳- فرعون اور اس کی قوم کے سربرآوردہ لوگوں کے ساتھ اور بنی اسرائیل کے احمقوں کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات، اور ان لوگوں کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہٹ دھرمی کا معاملہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ کا ان بدبختوں کو سزا دینا، اور پے بہ پے نصرت خداوندی کا نَجِیُّ اللہ (حضرت موسیٰ) علیہ السلام کے لئے ظاہر ہونا (یہ واقعات سورۃ البقرۃ ۴۹-۷۳ سورۃ الاعراف ۱۰۳-۱۶۲ سورۃ الشعراء ۱۰-۶۸ سورۃ القصص ۳-۶ میں مذکور ہیں)

۴- حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کے واقعات، ان کی خلافت اور ان کے معجزات و کرامات کا تذکرہ (سورۃ النحل ۱۵-۴۴ سورۂ سبا ۱۰-۱۴ سورۂ صٓ ۱۷-۴۰ میں آیا ہے)

۵- حضرت ایوب اور حضرت یونس علیہما السلام کی آزمائش کے واقعات اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ظہور کا تذکرہ (سورۃ الانبیاء ۸۳-۸۸ سورہ صافات ۱۳۹-۱۴۸ میں آیا ہے)

۶- حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور اس کی قبولیت کا قصہ (سورۂ آل عمران ۳۸-۴۱ سورۂ مریم ۲-۱۱ سورہ انبیاء ۸۹-۹۰ میں آیا ہے)

۷- اور سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عجیب و غریب واقعات یعنی آپ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، گہوارے میں گفتگو کرنا اور آپ کے ہاتھ پر معجزات کا ظاہر ہونا (یہ واقعات سورۂ آل عمران ۴۵-۵۱ سورۂ مریم ۱۶-۳۶ سورۂ انبیاء ۹۱ میں مذکور ہیں)

پس یہ واقعات قرآن عظیم میں مختلف انداز سے بیان کئے گئے ہیں، کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں تفصیل کے ساتھ، ان اسلوبوں کے تقاضے کے مطابق جن کی سورتوں میں رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔

لغات:

شُعوب؛ شَعْبٌ کی جمع ہے: بڑا قبیلہ...... اَدْلٰی اِدْلَاءً کے اصل معنی ہیں: کنویں میں ڈول لٹکانا، اور اَدْلٰی بِحُجَّتِہٖ کے معنی ہیں: دلیل بیان کرنا...... مُتَتَالِیَۃ: پے در پے، بار بار یکے بعد دیگرے...... نَجِیٌّ: سرگوشی کرنے والا، چونکہ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سرگوشی (تنہائی میں گفتگو) فرمائی تھی، اس لئے آپ کو نجی اللہ اور کلیم اللہ کہا جاتا ہے...... معجزہ اور کرامت کی حقیقت ایک

ہی ہے، اصطلاح میں خرق عادت واقعات کو انبیاء کے تعلق سے آیت اور معجزہ کہتے ہیں، اور اولیاء کے تعلق سے کرامت کہتے ہیں...... اِلمِحْنَۃُ: آزمائش جمع مِحَن...... خَوَارِق؛ خارق کی جمع ہے: معجزہ، کرامت، خرق عادت کام...... اَلمَلَأُ: اشراف قوم، جن کو دیکھ کر آنکھیں عظمت سے اور دل ہیبت سے بھر جائیں، جمع اَملاء.

ماذُكِرَتْ من القِصَصِ مرة أو مرتين فقط

وأما القصصُ التي لم تتكرر في القرآن ، بل وردت في موضع أو موضعين فحَسْبُ، فهي:

- وقصةُ رفعِ سيدنا إدريسَ عليه السلام مكانًا عليًا
- وقصةُ مُحاجَّةِ سيدنا إبراهيمَ عليه السلام لنمروذَ، ومشاهدتهِ لإحياءِ الطيرِ، وقصةُ ذبحِ ولدِه الوحيدِ.
- وقصةُ سيدِنا يوسفَ عليه السلام.
- وقصةُ ولادةِ سيدِنا موسى عليه السلام، وإلقائِهِ في اليَمِّ وقتلِه القبطيَّ، وتوجُّهِه إلى مَدْيَنَ، وتزوُّجِه هناك، ورؤيتِه النارَ على الشجرةِ، وسَماعِ الكلامِ منها.
- وقصةُ ذبحِ البقرةِ.
- وقصةُ لقاءِ موسى مع الْخَضِرِ عليهما السلام.
- وقصةُ طالوتَ وجالوتَ.
- وقصةُ بِلْقِيْسَ
- وقصةُ ذى القرنينِ
- وقصةُ أصحابِ الْكَهْفِ
- وقصةُ الرجلَيْنِ المتحاوِرَيْنِ.
- وقصةُ أصحابِ الجنةِ .
- وقصةُ الرُسُلِ الثلاثةِ الذين بعثهم عيسى عليه السلام لدعوةِ الدين، وقصةُ المؤمن الذي قتله الكفارُ شهيدا .
- وقصةُ أصحابِ الفيلِ .

ترجمہ: صرف ایک یا دو بار آنے والے واقعات

وہ واقعات جو قرآن پاک میں بار بار نہیں آئے، بلکہ صرف ایک جگہ یا دو جگہ آئے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱- حضرت ادریس علیہ السلام کے رفع کا قصہ (اس کا تذکرہ سورۂ مریم کی آیت ۵۷ میں ہے ——— اور رفع کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص قرب الٰہی اور نبوت کے بلند مرتبہ سے سرفراز فرمایا ہے، اور دنیا میں ذکر خیر سے نوازا ہے، اور چوتھے آسمان پر اٹھانے کا جو قصہ مشہور ہے وہ اسرائیلی روایتوں سے ماخوذ اور من گھڑت ہے)

۲- اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے بحث کرنے کا واقعہ اور ان کا پرندے کو زندہ کرتے ہوئے دیکھنے کا قصہ (یہ دونوں قصے تیسرے پارے کے تیسرے رکوع میں ہیں) اور اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا قصہ (اس کا ذکر سورۂ صافات کے تیسرے رکوع میں ہے)

۳- حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ (سورۂ یوسف میں ہے)

۴- اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا واقعہ اور ان کو دریا میں ڈالنے، اور ان کے قبطی کو قتل کرنے اور ان کے مدین کی طرف چلے جانے، اور ان کے وہاں نکاح کرنے، اور ان کے درخت پر آگ دیکھنے اور درخت سے کلام الٰہی سننے کے واقعات (سورۂ قصص کے ابتدائی تین چار رکوع میں ہیں، اور ان میں سے بعض واقعات سورۂ طٰہٰ کے ابتدائی دو رکوع میں بھی ہیں)

۵- اور گائے ذبح کرنے کا واقعہ (سورۂ بقرہ کے آٹھویں رکوع میں ہے)

۶- اور حضرت موسیٰ کا حضرت خضر علیہما السلام سے ملاقات کرنے کا واقعہ (سورۂ کہف کے نویں اور دسویں رکوع میں ہے)

۷- اور طالوت و جالوت کا قصہ (دوسرے پارے کے بالکل آخیر میں ہے)

۸- اور (ملکہ سبا) بلقیس کا قصہ (سورۂ نمل کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں ہے)

۹- اور ذوالقرنین کا قصہ (سورۂ کہف کے گیارھویں رکوع میں ہے)

۱۰- اور اصحاب کہف کا قصہ (سورۂ کہف کے ابتدائی تین چار رکوع میں ہے)

۱۱- اور دو باہم گفتگو کرنے والے مردوں کا قصہ (سورۂ کہف کے پانچویں رکوع میں ہے)

۱۲- اور باغ والوں کا قصہ (سورۂ ن والقلم کے دوسرے رکوع میں ہے)

۱۳- اور تین فرستادوں کا قصہ جن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دین کی دعوت کے لئے بھیجا تھا، اور اس مؤمن کا قصہ جس کو کافروں نے شہید کر دیا تھا (یہ دونوں قصے سورۂ یٰسین کے دوسرے رکوع میں ہیں)

۱۴- اور ہاتھی والوں کا قصہ (سورۂ فیل میں ہے)

لغات:

اَلْیَمُّ: سمندر...... تَحَاوَرَ القومُ: باہم گفتگو کرنا، ایک دوسرے کو جواب دینا...... الجَنَّةُ: باغ جمع جِنَان وجَنَّات۔

☆　☆　☆

واقعات کے تذکرہ سے مقصد

قرآن کریم میں جو قصے ذکر کئے گئے ہیں ان سے مقصد اور غرض صرف قصے بیان کرنا اور لوگوں کو ان قصوں سے آگاہ کرنا نہیں ہے، بلکہ ان کا اصل مقصد او. بنیادی غرض یہ ہے کہ ناظرین اور سامعین کفر و شرک اور معاصی کی شناعت و قباحت، اور عذاب الٰہی کی تباہی و بربادی کو اچھی طرح سمجھیں اور ان سے بچیں، اور مؤمنین نصرت خداوندی اور تائید غیبی پر مطمئن رہیں، اور اللہ کے مخلص بندوں کے حق میں الطافِ الٰہی اور عنایات خداوندی کے ظاہر ہونے کا نظارہ کریں، اور ان کے نقش قدم پر چلیں۔

فلیس الغرضُ من سَرْدِ هذه القصصِ فی القرآن الکریم معرفتَها بأنفُسِها بل الغرضُ الأساسی: هوأن ینتقلَ ذهنُ القارئ والسامع إلی شَناعةِ الشرك والمعاصی، ومُعاقبةِ اللّٰه تعالی علیها واطُمئنانِ المؤمنین بنصرةِ اللّٰه تعالی وتأییدِه ، وظهورِ ألطافِه وأفضالِه تعالی فی حق عبادِه المخلصین.

ترجمہ: پس ان قصوں کو قرآن کریم میں بیان کرنے سے غرض بعینہٖ قصوں کو جاننا نہیں ہے، بلکہ بنیادی غرض یہ ہے کہ پڑھنے والے اور سننے والے کا ذہن منتقل ہو شرک اور معاصی کی شناعت و قباحت کی طرف، اور ان (کاموں) پر (نافرمانوں کو) اللہ کی سزا دینے کی طرف، اور مؤمنین کے اللہ کی نصرت اور اس کی تائید سے مطمئن ہونے کی طرف، اور اس کی مہربانیوں اور عنایتوں کے ظاہر

ہونے کی طرف اس کے مخلص بندوں کے حق میں۔

☆ ☆ ☆

تذکیر بالموت ومابعدہ کا بیان

قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں مختلف انداز سے مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد پیش آنے والے حالات اور واقعات کو بکثرت بیان کیا گیا ہے، تاکہ لوگ ان حالات وواقعات سے آگاہ ہوکر اپنی عاقبت سنواریں، چنانچہ کہیں انسان کے مرنے کی کیفیت اور اس وقت اس کی بیچارگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، تو کہیں موت کے وقت عذاب دینے والے فرشتوں کے ظاہر ہونے کا تذکرہ ہے، کہیں عالم برزخ کے احوال بیان کیے گئے ہیں، تو کہیں قیامت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں، کہیں قیامت کے دن پیش آنے والے حالات کا تذکرہ ہے، تو کہیں جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذابوں کی وضاحت ہے۔

بيان التذكير بالموتِ وما بعدَه

وقد ذكرجلَّ شأنه من الموتِ وما بعدَه: كيفيةَ الإنسانِ عند موتِه، وعَجْزِه في تلك الساعةِ، وعرضَ الجنةِ والنارِ عليه بعدَ الموت، وظهورَ ملائكةِ العذابِ أمامَه، وأشراطَ الساعةِ من نزولِ سيدِنا عيسى عليه السلام وخروجِ الدجّالِ وخروجِ دابّةِ الأرضِ وخروجِ يأجوجَ ومأجوجَ، ونفخةَ الصَعْقِ، ونفخةَ القيامِ، والحشرَ والنشرَ، والسؤالَ والجوابَ، والميزانَ، وأخذَ صحائفِ الأعمالِ بالأيمانِ والشمائلِ، ودخولَ المؤمنين الجنةَ، ودخولَ الكفارِ النارَ، وتخاصمَ أهلِ النارِ من التابعين والمتبوعين فيما بينهم، وإنكارَ بعضِهم على بعض، ولعنَ بعضِهم بعضا، واختصاصَ المؤمنين برؤية الله تعالى، وأنواعَ العذابِ من السلاسِل والأغْلالِ والحميمِ والغسّاقِ والزَقُّوْمِ وأنواعَ النِعَمِ من الحُوْرِ والقُصُوْرِ والأنهارِ،والمطاعمِ الهنيئةِ والملابس الناعمةِ والنساءِ الجميلاتِ، ومجالسَ أهلِ الجنةِ الفَكِهَةِ الطيبةِ المفرّحةِ للقلوب.

ففرَّق سبحانه وتعالى هذه المطالبَ في مختلفِ السُوَرِبالإجمال والتفصيل مُراعيًا أساليبَها الخاصّةَ.

ترجمہ: موت اور اس کے بعد پیش آنے والے احوالوں کے ذریعہ نصیحت کرنے کا بیان:
اللہ جل شانہ نے تذکرہ فرمایا ہے موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات میں سے انسان کی کیفیت کا اس کے مرنے کے وقت، اور اس کی بیچارگی (کی کیفیت) کا اس گھڑی میں (تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ قیامہ آیت ۲۶ تا ۳۰) اور مرنے کے بعد اس کے سامنے جنت اور دوزخ پیش کرنے کا (دیکھئے سورۂ مومن آیت ۴۶ مگر دوزخ کی پیشی کا تذکرہ صراحۃً ہے اور جنت کی پیشی کا تذکرہ اس کے ضمن میں ہے) اور اس کے سامنے عذاب کے فرشتوں کے ظاہر ہونے کا (دیکھئے سورۂ انفال آیت ۵۰) اور قیامت کی نشانیوں کا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے (آسمان سے) اترنے کا (دیکھئے سورۂ زخرف آیت ۶۱) اور دجال کے نکلنے کا (خروج دجال کا تذکرہ صراحۃً قرآن پاک میں نہیں ہے، البتہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خروج دجال کے بعد اتریں گے، اور اس کو قتل کریں گے، اس لئے نزول مسیح کا تذکرہ خروج دجال کے تذکرہ کو مستلزم ہے) اور دابۃ الارض کے نکلنے کا تذکرہ (دیکھئے سورۂ نمل آیت ۸۲) اور یاجوج وماجوج کے نکلنے کا ذکر (دیکھئے سورۂ انبیاء آیت ۹۶) اور نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کا بیان (دیکھئے سورۂ زمر آیت ۶۸) اور حشر ونشر کا تذکرہ (دیکھئے سورۂ یونس آیت ۲۸ اور آیت ۴۵) اور سوال وجواب کا بیان (دیکھئے سورۂ انعام آیت ۲۲، ۲۳) اور میزان عمل کا تذکرہ (دیکھئے سورۂ اعراف آیت ۸ اور انبیاء آیت ۴۷) اور اعمال ناموں کے داہنے اور بائیں ہاتھوں میں لینے کا ذکر (دیکھئے سورۂ حاقہ اور سورۂ انشقاق) اور مومنین کے جنت میں داخل ہونے کا اور کافروں کے آگ میں داخل ہونے کا تذکرہ (اس کا تذکرہ متعدد سورتوں میں ہے) اور پیروکاروں میں سے اور پیشواؤں میں سے جہنم میں جانے والوں کا آپس میں بحث ومباحثہ کرنا اور بعض کا بعض پر نکیر کرنا اور بعض کا بعض پر لعنت بھیجنا (یہ واقعات سورۂ اعراف آیت ۳۸، ۳۹ میں مذکور ہیں) اور مؤمنین کا دیدار خداوندی کے ساتھ خاص ہونے کا تذکرہ (دیکھئے سورۂ قیامۃ آیت ۲۲، ۲۳) اور عذاب کی انواع واقسام کا تذکرہ یعنی زنجیروں اور ہتھکڑیوں اور کھولتے ہوئے گرم پانی اور بدبودار پیپ اور تھوہڑ کا ذکر اور (جنت کی) نعمتوں کی انواع واقسام کا بیان یعنی حوروں، حویلیوں، نہروں، پسندیدہ کھانوں، ملائم کپڑوں اور خوبصورت عورتوں کا تذکرہ اور جنتیوں کی پر لطف پاکیزہ مجلسوں کا ذکر جو دلوں کے لئے فرحت بخش ہوں گی۔

پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ مضامین متفرق جگہ بیان کئے ہیں مختلف سورتوں میں اجمال اور تفصیل

کے ساتھ، رعایت فرماتے ہوئے ان سورتوں کے مخصوص اسلوبوں کی۔

لغات:

اَشْرَاط؛ شَرَط کی جمع ہے: علامت، نشانی...... صُعِقَ صَعْقًا وَصَعَقًا: گرج سے غشی طاری ہونا، نفخۂ صَعْق سے نفخۂ اولی مراد ہے، کیونکہ جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، اور نفخۂ قیام سے دوسرا نفخہ مراد ہے، کیونکہ جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ کھڑے ہو کر میدان حشر کی طرف چل پڑیں گے...... اَیْمَان؛ یَمِینٌ کی جمع ہے، داہنا ہاتھ، داہنی جانب اور شَمَائِل؛ شِمَال کی جمع ہے: بایاں ہاتھ بائیں جانب...... سَلَاسِلْ؛ سِلْسِلَة کی جمع ہے: زنجیر...... اَغْلَال؛ غُلّ کی جمع ہے: ہتھکڑی یا طوق...... الحَمِیْمُ: گرم پانی، ٹھنڈا پانی...... الغَسَّاق: ٹھنڈا، بدبودار، دوزخیوں سے بہنے والی پیپ...... الزَّقُّوْم: تھوہڑ، بڑے بڑے کانٹوں والا درخت جو دوزخ کی تہہ میں اُگے گا...... الحُوْر؛ حَوْرَاء کی جمع ہے: گوری عورت، سفید چٹی خوبصورت عورت...... القُصُور، قَصْر کی جمع ہے: عالیشان محل، حویلی...... الهَنِیْئَة: پسندیدہ، من پسند...... النَاعِمَة مِن الثِّیَابِ: ملائم کپڑے...... المَکِیْهَة: پرلطف، خوش کن، فَکِهَ (س) فَکْهًا وفُکَاهَةً: خوش طبع، ہنسنے ہنسانے والا ہونا، الفَکِیْهَةِ الخ چونکہ مجالس کی صفات ہیں اور مَجَالِسَ، مِنْ کی وجہ سے مجرور ہے اس لئے یہ تمام صفات بھی مجرور ہیں۔

☆ ☆ ☆

علم الاحکام کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اکثر و بیشتر انبیائے کرام کو سابقہ شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، کیونکہ انبیائے کرام کی بعثت سابقہ شریعت کی تجدید اور لوگوں میں رائج طور و طریق کی اصلاح کے لئے ہوتی ہے، بالکل نئی شریعت جاری کرنے اور نیکی و بدی کے اصول ایجاد کرنے کے لئے نہیں ہوتی، لہٰذا احکام کے مباحث میں:

اولاً: یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ خاتم الانبیاء، ہادیٔ عالم ﷺ کی بعثت ملت ابراہیمی کے ساتھ ہوئی ہے، اس لئے ملت ابراہیمی کے احکام کا باقی رکھنا، اور اس کے بنیادی مسائل میں تغیر نہ کرنا ضروری ہے، صرف بعض مسائل میں عموم کی تخصیص، اوقات کی تعیین، حدود و شرائط کی تشریح اور

آداب کے اضافہ کی گنجائش ہے۔

اور ثانیا: یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کو آنحضرت ﷺ کے ذریعہ، اور دیگر اقوام عالم کو عرب کے ذریعہ سنوارنے کا ارادہ فرمایا ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ کی شریعت میں عرب کی رسموں اور عادتوں کا خیال رکھا گیا ہے، دیگر اقوام کی رسوم وعادات کا خیال نہیں رکھا گیا ہے، چنانچہ جب آپ ملت ابراہیمی کے احکام ومسائل اور عرب کی رسوم وعادات کو غور سے دیکھیں گے، اور آنحضرت ﷺ نے جو احکام دیئے ہیں ان پر بھی گہری نظر ڈالیں گے، تو روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جائے گی کہ آنحضرت ﷺ نے جو احکام جاری فرمائے ہیں ان میں سے ہر حکم کا کوئی نہ کوئی سبب ہے، اور آپ کے ہر امر ونہی میں کوئی مصلحت ہے، مثلاً آنحضرت ﷺ نے نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج وعمرہ وغیرہ عبادتوں کا حکم اس لئے دیا ہے کہ یہ تمام عبادتیں ملت ابراہیمی میں مشروع تھیں، اور قتل، چوری، زنا اور محرمات نسبیہ اور رضاعیہ سے نکاح کرنے سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ یہ سب کام ملت ابراہیمی میں حرام تھے، اسی طرح نماز میں بیت اللہ کی طرف منہ کرنے، وضو اور غسل جنابت کرنے، مسواک کرنے، کلی اور ناک صاف کرنے۔ مونچھیں پست کرانے، ڈاڑھی بڑھانے، ناخن تراشنے، بدن کے جوڑوں کو دھونے، بغل کے بال اکھاڑنے، زیر ناف کے بالوں کو مونڈنے، پانی سے استنجاء کرنے، ختنہ کرنے، مسجد حرام کی تعظیم کرنے، حلق میں ذبح کرنے، سینہ کے بالائی حصہ میں نحر کرنے، قربانی کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے اور مہمان نوازی کرنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ یہ سب کام ملت ابراہیمی کے شعائر ہیں، اور عرب میں رائج تھے۔ ان کی مکمل تفصیل کافی طویل ہے، اور قدرے وضاحت آگے آرہی ہے۔

بيان علمِ الأحكام

والقاعدةُ الكليةُ فى مباحثِ الأحكامِ: أن سيدَنا رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قد بُعِثَ بالملة الإبراهيميةِ الحنيفيةِ، فلزم إبقاءُ شرائعِ تلك الملّةِ، وأن لايُحدَثَ أىُّ تغيُّرٍ فى أمهاتِ مسائلِها؛ اللهم إلا تخصيصًا لعموماتها، وزيادةً للتوقيتاتِ والتحديداتِ فيها، وأمثالَ ذلك.

ولما أراد الله سبحانه وتعالى أن يزكّيَ العربَ بنبينا صلى الله عليه وسلم، ويزكّيَ سائرَ الأقاليمِ بالعربِ لَزِمَ أن تتكوَّنَ مادَّةُ شريعتِهِ صلى الله عليه وسلم من رسومِ العرب وعاداتِهم.

فإذا أنعَمْتَ النظرَ في مجموعِ شرائعِ الملة الحنيفيةِ، ولاحظتَ عاداتِ العربِ ورسومَهم، وتأملتَ في تشريعِهِ صلى الله عليه وسلم ـــــ الذي هو بمنزلةِ الإصلاحِ والتهذيبِ لها ـــــ عَلِمْتَ أن لِكُلِّ حكمٍ سبباً، وفَهِمْتَ أن لِكُلِّ أمرٍ ونهيٍ مصلحةً ،وتفصيلُ ذلك يَطولُ.

ترجمہ: علم الاحکام کا بیان: اور احکام کے مباحث میں قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ ہمارے سردار رسول اکرم ﷺ بھیجے گئے ہیں ملت ابراہیمی حنیفی کے ساتھ، لہٰذا اس ملت کے احکام شرعیہ کا باقی رکھنا ضروری ہے، اور یہ (بھی ضروری ہے) کہ کوئی تغیر نہ کیا جائے اس کے بنیادی مسائل میں، ہاں مگر اس کے عام مسائل کی تخصیص، اور اوقات کی تعیین اور حدود کی تشریح اور اسی طرح کے امور کی زیادتی (ہوسکتی ہے)

اور جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارادہ فرمایا عرب کو سنوارنے کا ہمارے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ، اور دیگر ممالک کو سنوارنے کا عرب کے ذریعہ، تو ضروری ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی شریعت کا مادہ عرب کی رسموں اور عادتوں سے تیار ہو۔

چنانچہ جب آپ اچھی طرح غور کریں گے ملت ابراہیمی کے تمام احکام شرعیہ میں، اور ملاحظہ کریں گے عرب کی عادات اور رسوم کو، اور خوب غور کریں گے آنحضرت ﷺ کی تشریع (یعنی تنفیذ احکام) میں ـــــ جو ان (عادات ورسوم) کی اصلاح اور تہذیب کے بمنزلہ ہے ـــــ تو آپ جان لیں گے کہ ہر حکم کے لئے کوئی سبب ہے، اور آپ سمجھ جائیں گے کہ ہر امر و نہی کے لئے کوئی مصلحت ہے، اور اس کی تفصیل طویل ہے۔

لغات:

المَادَّةُ: ہر چیز کی اصل جس سے کوئی چیز بنائی جائے جیسے لکڑی چارپائی کا مادہ ہے، اور انسان کا مادہ مٹی اور نطفہ ہے جمع مَوَادّ...... **اَنْعَمَ النَّظَرَ فی المسئلة**: غور کرنا، اچھی طرح دیکھنا...... **التَّشرِيْعُ**:

شریعت نافذ کرنا، شرعی احکام جاری کرنا، قانون الٰہی بنانا۔

☆ ☆ ☆

شریعت اسلامیہ نے بگڑی ہوئی ملت ابراہیمی کو کس طرح سنوارا ہے؟

طہارت، نماز، روزہ، حج اور ذکر الٰہی وغیرہ عبادتیں ملت ابراہیمی میں مشروع تھیں، مگر ان عبادتوں میں لوگوں کی کوتاہی اور زمانہ جاہلیت کی تحریفات کی وجہ سے بڑا بگاڑ پیدا ہو گیا تھا، قرآن کریم اور شریعت اسلامیہ نے اس بگاڑ کی کامل اصلاح فرمائی ہے اور ان عبادتوں کو سنوار کر پیش کیا ہے۔

اسی طرح تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کی بھی شریعت اسلامیہ نے اصلاح فرمائی ہے، اور تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے اصول وضوابط مقرر کئے ہیں، اور ان کی حدیں طے کی ہیں، نیز تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے سلسلہ کی چھوٹی بڑی بہت سی کوتاہیوں اور زیادتیوں سے آگاہ فرمایا ہے تاکہ لوگ ان سے بچیں۔

الغرض قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ نے عبادت کے نئے طریقے جاری نہیں فرمائے، نہ نئے احکام نافذ فرمائے ہیں، بلکہ تحریف شدہ ملت ابراہیمی کو سنوارنے کا فریضہ انجام دیا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم نے نماز کے مسائل اجمالی طریقہ پر بیان کئے ہیں، اور اس کی مکمل تفصیل آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ نیز نماز کے بارے میں قرآن کریم نے "اقامت صلوٰۃ" کا جامع ترین جملہ استعمال فرمایا ہے، اور آنحضرت ﷺ نے اس کی تشریح اور وضاحت اذان واقامت، نماز کے اوقات، جماعت اور مساجد کی تعمیر سے فرمائی ہے، گویا یہ تمام کام اقامت صلوٰۃ کے مفہوم میں داخل ہیں، اسی طرح زکوٰۃ کے مسائل بھی قرآن کریم نے اختصار کے ساتھ بیان کئے ہیں، اور آنحضرت ﷺ نے اس کی مکمل وضاحت فرمائی ہے، اور روزے کے مسائل سورۂ بقرہ میں، اور حج کے مسائل سورۂ بقرہ اور سورۂ حج میں، اور جہاد کے احکام سورۂ بقرہ سورۂ انفال اور دیگر متفرق سورتوں میں بیان کئے گئے ہیں، اور حدود کے مسائل سورۂ مائدہ اور سورۂ نور میں ہیں، اور میراث کے مسائل سورۂ نساء میں ہیں، اور نکاح وطلاق کے مسائل سورۂ بقرہ، سورۂ نساء سورۂ طلاق اور ان کے علاوہ دیگر سورتوں میں ہیں۔

دَورُالتشريعِ الإسلامى فى إصلاحِ الملةِ الحنيفيةِ المحرَّفةِ:

وبالجملة فقد كان تَطَرَّقَ إلى العباداتِ من الطهارةِ والصلاةِ والصومِ والزكوةِ والحجِ والذكرِ فتورٌ عظيمٌ، من جِهَةِ التساهلِ فى إقامتِها، واختلافِ الناسِ فيها بسبب عدمِ معرفةِ أكثرِها، وتسَرُّبِ التحريفاتِ الجاهليةِ إليها، فاصلح القرآنُ العظيمُ ذلك الاختلالَ كلَّه، وسوَّاها حتى استقام أمرُها.

وأما تدبيرُ المنزلِ فقد كانت حدثتْ فيه رسومٌ ضارَّةٌ، وأنواعُ تعدٍّ وعُتُوٍّ؛ وهكذا اختلَّت أحكامُ السياسةِ المدنيةِ؛ فضبطَ القرآنُ العظيمُ لهما أصولاً، وحَدَّدَ لهما حدودًا، وذكر من هذا الباب أنواعًا من الكبائر، وكثيرًا من الصغائر، لتحترزَ الأمةُ عنها.

وذكر مسائلَ الصلاةِ إجمالاً، واستعمل فيها لفظَ " إقامةِ الصلاةِ " ففصَّلها رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بالأذانِ وبناءِ المساجدِ والجماعةِ والأوقاتِ وكذلك ذكر مسائلَ الزكاةِ بالاختصارِ، وفصلها رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أيَّمَا تفصيلٍ، وذكر الصومَ فى سورةِ البقرةِ؛ وذكر الحجَ أيضًا فيها وفى سورةِ الحجِ؛ وذكر الجهادَ فى سورة البقرةِ والأنفالِ وفى مواضعَ متفرقةٍ أخرى؛ وذكر الحدودَ فى المائدةِ والنورِ؛ وذكر المواريثَ فى سورة النساءِ؛ وبَيَّنَ أحكامَ النكاحِ والطلاقِ فى سورةِ البقرةِ والنساءِ والطلاقِ وغيرِها من السُوَرِ.

ترجمہ: شریعت اسلامیہ کی باری تحریف شدہ ملت ابراہیمی کو سنوارنے میں: الحاصل عبادات میں یعنی طہارت، نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور ذکر الٰہی میں عظیم بگاڑ پیدا ہو گیا تھا، ان (عبادتوں) کی پابندی میں سستی کرنے کی وجہ سے، اور لوگوں کے ان (عبادتوں کے بارے) میں اختلاف کرنے کی وجہ سے اکثر عبادتوں کو نہ جاننے کی بناء پر، اور ان (عبادتوں) میں زمانۂ جاہلیت کی تحریفات کے در آنے کی وجہ سے، پس اصلاح فرمائی قرآن عظیم نے اس پورے بگاڑ کی، اور درست کیا ان (عبادتوں) کو یہاں تک کہ ان کا معاملہ بالکل سیدھا ہو گیا۔

اور رہا تدبیر منزل (کا معاملہ) تو اس میں نقصان دہ رسمیں اور مختلف قسم کی زیادتیاں اور سرکشیاں پیدا

ہو گئی تھیں، اسی طرح سیاست مدنیہ کے احکام میں بھی بگاڑ پیدا ہو گیا تھا، پس قرآن عظیم نے ان دونوں کے لئے اصول منضبط فرمائے، اور ان دونوں کے لئے حدیں مقرر کیں، اور اس باب کی (یعنی تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے سلسلہ کی) کئی بڑی اور بہت سی چھوٹی زیادتیاں ذکر فرمائیں، تاکہ امت ان سے بچے۔

اور ذکر کئے نماز کے مسائل اجمالی طریقہ پر، اور استعمال فرمایا اس کے بارے میں "اقامت صلوٰۃ" کا لفظ؛ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفصیل فرمائی اذان، تعمیر مساجد، جماعت اور نماز کے اوقات سے، اسی طرح بیان کئے زکوٰۃ کے مسائل اختصار کے ساتھ، اور رسول اکرم ﷺ نے اس کی پوری وضاحت فرمائی اور روزے (کے مسائل) سورۂ بقرہ میں ذکر کئے ہیں، اور حج (کے مسائل) بھی سورۂ بقرہ میں اور سورۂ حج میں ذکر کئے ہیں، اور جہاد (کے مسائل) بیان کئے ہیں سورۂ بقرہ اور سورۂ انفال اور دیگر متفرق جگہوں میں، اور حدود کا تذکرہ فرمایا ہے سورۂ مائدہ اور سورۂ نور میں، اور میراث (کے احکام) بیان کئے ہیں سورۂ نساء میں، اور نکاح و طلاق کے احکام بیان کئے ہیں سورۂ بقرہ، سورۂ نساء، سورۂ طلاق اور ان کے علاوہ دیگر سورتوں میں۔

لغات:

دَوْر: نمبر، باری، مقررہ وقت ...... تَطَرَّقَ: چلنا، راستہ بنانا، تَطَرَّقَ الی الاَمْر: راستہ تلاش کرنا...... تَسَرَّبَ مِن الماء: پانی سے بھر جانا، تَسَرَّبَ الوَحْشُ فی جُحْرِہٖ: وحشی جانور کا اپنے سوراخ میں داخل ہونا۔

☆ ☆ ☆

وضاحت طلب تعریضات اور ان کی مثالیں

قرآن کریم میں تذکیر بایام اللہ کی غرض سے جو واقعات اور قصے بیان کئے گئے ہیں، اُن کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے، اب شاہ صاحب رحمہ اللہ تذکیر بایام اللہ کی ایک خاص قسم کا تذکرہ کرتے ہیں جو حسب ذیل ہے:

قرآن کریم کی بعض آیتوں میں ایسے سوالوں کے جواب دیئے گئے ہیں، جو آنحضرت ﷺ

سے کئے گئے تھے، مثلاً چاند کے بارے میں لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے جو سوال کیا تھا، اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۹ میں دیا ہے، اور ماہ حرام میں قتال کرنے کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے جو سوال لوگوں نے کیا تھا، اس کا جواب سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۷ میں دیا گیا ہے، اسی طرح کلالہ کے بارے میں لوگوں نے جو سوال کیا تھا، اس کا جواب سورۂ نساء کی سب سے آخیری آیت میں دیا گیا ہے۔

یا آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تھا جس میں مؤمنین دل کھول کر اپنا مال خرچ کرتے تھے، اور اپنی جانوں کو قربان کرتے تھے، اور منافقین جان و مال قربان کرنے سے باز رہتے تھے، اور خواہش نفس کی پیروی کرتے تھے، تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مؤمنین کی تعریف اور منافقین کی دھمکی آمیز مذمت فرماتے تھے، مثلاً غزوۂ تبوکؑ کے موقع پر جب یہی صورت حال پیش آئی تو سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے عمل کو سراہا، اور منافقین کی حرکتوں کی مذمت فرمائی۔

یا دشمنوں پر غلبہ اور ان کے ضرر کو دفع کرنے کا واقعہ پیش آتا تھا، تو اللہ تعالیٰ مؤمنین پر اس کا احسان جتاتے تھے، اور ان کو یہ نعمت یاد دلاتے تھے، مثلاً غزوۂ خندق کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو دفع فرما کر مؤمنین کو غالب فرمایا تھا، اس احسان عظیم کو سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے جتایا ہے۔

یا کوئی ایسی حالت پیش آتی جس پر تنبیہ کرنے یا ڈانٹنے کی، یا اس کے بارے میں اشارہ یا تعریض کرنے کی یا حکم دینے یا منع کرنے کی ضرورت ہوتی، تو اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ان امور کو بیان فرماتے۔

قرآن کریم میں اس قسم کے واقعات کی طرف جہاں کہیں تعریضات اور اشارے کئے گئے ہیں، ان کی مختصر وضاحت کرنا مفسر کے لئے نہایت ضروری ہے۔

اور جن آیتوں میں اس قسم کے واقعات کی طرف تعریضات کی گئی ہیں، ان کی مثالیں متن میں موجود ہیں، اور ترجمہ میں اس کی وضاحت ہے۔

آخر میں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ جن آیتوں میں اس قسم کے واقعات کی طرف تعریضات کی

گئی ہیں، وہ آیتیں درحقیقت تذکیر بایام اللہ کے قبیل سے ہیں اس لئے ان کے لئے مخصوص شانِ نزول کی ضرورت نہیں البتہ ان آیات میں جو تعریضات کی گئی ہیں، ان کا حل چونکہ واقعات کی وضاحت پر موقوف ہے، اس لئے اس کو دیگر اقسام سے الگ کر کے بیان کیا گیا ہے۔

التعريضاتُ التي تَحْتَاجُ إلى البيانِ

وإذا عرفتَ هذا القِسْمَ الذي تَعُمُّ فائدتُه جميعَ الأمةِ فههُنا قسمٌ آخرُ وهو:

- أنه كان يُعْرَض عليه صلى الله عليه وسلم سؤالٌ، فيُجيبَ عنه.
- أو تقعُ حادثةٌ يَجُودُ فيها المؤمنون بأنفسِهم وأموالِهم، ويُمسك المنافقونَ ويتبعون الهوى، فيمدح الله تعالى المؤمنين، ويذم المنافقين ويتوعدهم.
- أو تقعُ حادثةٌ من قبيل الغلبةِ على الأعداءِ، وكفِّ ضررِهم، فَيَمُنّ الله تعالى بذلك على المؤمنين، ويذكّرهم بتلك النعمةِ
- أو تحدث حالةٌ تحتاج إلى تنبيهٍ أو زجرٍ أو إشارةٍ أو إيماءٍ أو أمرٍ، أو نهيٍ، فينزل الله تعالى في ذلك الباب.

فما كان من هذا القبيل فلا بد للمفسر من ذكر تلك القصصِ بطريق الإجمالِ

أمثلتُها:

وقدوردت التعريضاتُ بقصةِ غزوةِ بدر في سورة الأنفال، وبقصة غزوة أُحُدٍ في سورة آلِ عمرانَ، وبقصة غزوةِ الخندق في سورة الأحزاب، وبقصة صُلح الحُديبيةِ في سورة الفتح، وبغزوة بني النضير في سورة الحشر، وجاء الحثُّ والتحريضُ على فتح مكة وغزوةِ تبوكَ في سورة البراء ة، ووردت الإشارةُ إلى حجةِ الوَداعِ في سورة المائدة، وجاء ت الإشارةُ إلى قصة زِواجِ زينبَ رضي الله عنها في سورة الأحزاب، وإلى تحريم السُرِّيَّةِ في سورة التحريم، وإلى قصة الإفكِ في سورة النور، وجاء ذكرُ استماع وفد الجنِ تلاوةَ النبي صلى الله عليه وسلم في

سورة الجن والأحقاف ، وذكرت قصةُ مسجد الضِّرارِ في سورة البراء ة، وأشير إلى قصة الإسراء في أول سورة بني إسرائيلَ.

هذه الآياتُ من التذكير بأيام الله

وهذا القسمُ من الآيات الكريمةِ في الحقيقة نوعٌ من أنواع التذكير بأيام الله ؛ ولكن لما كان حلُّ الإشارات فيها متوقفا على سَماع القصة مُيِّزَتْ عن سائرِ أقسامِها.

ترجمہ: وہ تعریضات جو وضاحت کی محتاج ہیں: جب آپ نے (تذکیر بایام اللہ کی) اس قسم کو پہچان لیا، جس کا فائدہ پوری امت کے لئے عام ہے تو یہاں ایک دوسری قسم ہے، اور وہ:

(دوسری قسم) یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کوئی سوال کیا جاتا تھا، تو اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے تھے، یا کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تھا جس میں مؤمنین اپنی جانوں اور مالوں کو خرچ کرتے تھے، اور منافقین باز رہتے تھے، اور خواہش نفس کی پیروی کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ مؤمنین کی تعریف کرتے تھے، اور منافقین کی مذمت فرماتے تھے، اور ان کو دھمکاتے تھے۔

یا دشمنوں پر غلبہ اور ان کے ضرر کو روکنے کے قبیل کا کوئی واقعہ پیش آتا تھا، تو اللہ تعالیٰ اس کا مؤمنین پر احسان جتاتے تھے، اور ان کو وہ نعمت یاد دلاتے تھے۔

یا ایسی حالت پیش آتی تھی جس پر تنبیہ کرنے یا ڈانٹنے یا اشارہ کرنے یا تعریض کرنے یا حکم دینے یا منع کرنے کی ضرورت ہوتی، تو اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں (آیات قرآنی) نازل فرماتے۔

پس جو باتیں اس قسم کی ہیں مفسر کے لئے ان قصوں کو اختصار کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے۔

تعریضات کی مثالیں: اور تعریضات وارد ہوئی ہیں غزوۂ بدر کے قصے کے بارے میں سورۂ انفال میں (دیکھئے آیت ۵ تا ۱۱) اور غزوۂ اُحد کے قصے کے بارے میں سورۂ آل عمران میں (دیکھئے آیت ۱۵۲ تا ۱۵۵ اور آیت ۱۶۵ تا ۱۶۸) اور غزوۂ خندق کے قصے کے بارے میں سورۂ احزاب میں (دیکھئے آیت ۹ تا ۲۵) اور صلح حدیبیہ کے قصے کے بارے میں سورۂ فتح میں (دیکھئے آیت ۱ تا ۱۰ اور آیت ۱۸ تا ۲۷) اور غزوۂ بنو نضیر کے بارے میں سورۂ حشر میں (دیکھئے آیت ۲ تا ۱۴) اور فتح مکہ اور غزوۂ تبوک پر ابھارنا اور برانگیختہ کرنا آیا ہے سورۂ براءت میں (آیت ۷ تا ۲۴ اور آیت ۳۸ تا ۴۲) اور حجۃ الوداع

کی طرف اشارہ وارد ہوا ہے سورۂ مائدہ میں (دیکھئے آیت ۳ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ) اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے قصے کی طرف اشارہ آیا ہے سورۂ احزاب میں (دیکھئے آیت ۳۶ و ۳۷) اور باندی کو حرام کرنے کی طرف سورۂ تحریم میں (دیکھئے آیت ۱ تا ۴) اور واقعہ افک کی طرف سورۂ نور میں (دیکھئے آیت ۱۱ تا ۲۰) اور جنّاتوں کے وفد کا نبی کریم ﷺ کی تلاوت سننے کا ذکر آیا ہے سورۂ جن (آیت ۱ تا ۱۹) اور سورۂ احقاف میں (دیکھئے آیت ۲۹ تا ۳۲) اور مسجد ضرار کا قصہ ذکر کیا گیا ہے سورۂ براءت میں (دیکھئے آیت ۱۰۷ تا ۱۱۰) اور اسراء کے قصے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے سورۂ بنی اسرائیل کے شروع میں (دیکھئے آیت ۱)

یہ آیات تذکیر بایام اللہ میں سے ہیں: اور آیات کریمہ کی یہ قسم درحقیقت تذکیر بایام اللہ کی انواع میں سے ایک نوع ہے، لیکن جب ان میں جو اشارے کئے گئے ہیں ان کا حل قصے کے سننے پر موقوف تھا اس لئے اس کو دیگر اقسام سے الگ کیا گیا ہے۔

لغات:

السُّرِّیَّۃ: باندی جو ہم خوابی کے لئے مخصوص کی جائے، جمع سَرَارِی اغلب یہی ہے کہ یہ سِرٌّ (راز) سے مشتق ہے۔ اور بعض کے نزدیک سُرُور (خوشی) سے مشتق ہے...... الِافْکُ: جھوٹ، بہتان، واقعۂ اِفک سے مراد وہ جھوٹا الزام اور بہتان ہے جو منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگایا تھا...... اَسْریٰ اِسْرَاءً: رات میں چلنا، یہاں قصہ اسراء سے حضور اکرم ﷺ کا وہ سفر مراد ہے جو آپؐ نے ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کیا تھا، عرف عام میں اس کو معراج کا واقعہ کہا جاتا ہے، مگر اہل علم اسراء اور معراج میں فرق کرتے ہیں، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کو اسراء کہتے ہیں، اور مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ اور اس کے آگے آپ جہاں جہاں تشریف لے گئے اس کو معراج کہتے ہیں، سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں واقعۂ اسراء کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور معراج کے واقعہ کا تذکرہ سورۂ نجم کے پہلے رکوع میں ہے۔

باب دوم

تفسیر میں پیش آنے والی دشواریاں اور ان کا حل

(باب دوم میں پہلے ان دشواریوں کی وضاحت کی گئی ہے جو عصر حاضر میں لوگوں کو تفسیر میں پیش آتی ہیں، پھر ان کا نہایت واضح حل پیش کیا گیا ہے)

قرآن کریم نہایت واضح اور خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ سورۃ الزخرف میں ارشاد ہے: ''قسم ہے واضح کتاب (یعنی قرآن کریم) کی'' اور سورہ یوسف میں ہے: ''ہم نے اس کو اتارا ہے عربی میں پڑھنے کی کتاب بنا کر تاکہ تم سمجھ سکو'' اور سورہ ہود میں ہے: ''قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر خبیر و حکیم کی طرف سے ان کو خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے'' اس لئے اہل لسان کو جو قرآن کے اولین مخاطب تھے، معنی مرادی کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی، وہ اپنی خداداد صلاحیت سے قرآن کے معانی و مطالب کو سمجھ جاتے تھے۔ وہ تفسیر قرآن کے محتاج نہیں تھے۔

یہاں اگر کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہو کہ قرآن میں متشابہات بھی تو ہیں، قرآن کے اولین مخاطب ان کو سمجھائے بغیر کیسے سمجھ جاتے تھے؟! اسی طرح صفات خداوندی کی حقیقت بھی تفسیر کی محتاج ہے اور بعض واقعات کے ضمن میں مبہم امور بھی ہیں، مثلاً عزیز مصر کی بیوی کا نام مذکور نہیں، اسی طرح اصحاب کہف کے نام اور ان کے کتے کا رنگ بھی بیان نہیں کیا گیا۔ یہ سب باتیں وضاحت طلب ہیں۔ قرآن کے اولین مخاطب بھی ان باتوں کو تفسیر کے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔ پھر یہ کہنا کیوں کر درست ہے کہ وہ اپنے سلیقہ اور خداداد استعداد سے تفسیر کی مدد کے بغیر قرآن سمجھ گئے تھے؟۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ اس سوالِ مقدر کا جواب دیتے ہیں کہ متشابہاتِ قرآنی کی تاویل و تفسیر میں غور و خوض کرنا، صفات خداوندی کی حقیقت و ماہیت کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور دیگر مبہم امور کی تعیین کرنا کہ عزیز مصر کی اہلیہ کا کیا نام تھا، اصحاب کہف کے کیا نام تھے، ان کے کتے

کا کیا رنگ تھا، موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لئے شیخ مدین کی کونسی لڑکی آئی تھی، بڑی یا چھوٹی؟ اس قسم کی غیر ضروری باتوں میں وقت ضائع کرنا شرعاً مطلوب نہیں، بلکہ پسندیدہ بھی نہیں۔ اسی لئے صحابۂ کرام ایسی باتوں میں غور وخوض نہیں کرتے تھے اور ان کے پیچھے پڑ کر وقت ضائع نہیں کرتے تھے، چنانچہ صحابہ نے تفسیر قرآن کے سلسلہ میں آنحضور ﷺ سے چند ہی سوالات کئے ہیں، اسی لئے تفسیر قرآن کے سلسلہ میں مرفوع روایات بہت ہی کم آئی ہیں۔

اب پھر سوال پیدا ہوگا کہ جب اگلوں کو تفسیر کی حاجت نہیں تھی تو پچھلوں کو اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ امام مالک رحمہ اللہ کا ارشاد تو یہ ہے کہ لن یَصلح آخِرُ هذه الأمة إلا بما صَلُح به أولُها (امت کے پچھلوں کو وہی باتیں سنوار سکتی ہیں جن سے امت کے اگلوں کی اصلاح ہوئی ہے) شاہ صاحب رحمہ اللہ اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ جب قرآن کے اولین مخاطب گذر گئے اور عجمی لوگ اسلام میں داخل ہوئے، اور عرب وعجم کے اختلاط کی وجہ سے زبان بگڑ گئی اور اصل عربی زبان متروک ہوگئی، تو بعض مقامات پر لوگوں کو مراد خداوندی کے سمجھنے میں دشواریاں پیش آئیں، اور ان دشواریوں کو دور کرنے کے لئے لغت ونحو کی چھان بین، اور اشکالات وجوابات کا سلسلہ شروع ہوا، اور مراد خداوندی کو واضح کرنے کے لئے تفسیر کی کتابیں لکھنی ضروری ہوئیں۔ اس طرح علم تفسیر وجود میں آگیا۔

لہٰذا اس زمانہ کے لوگوں کو تفسیر کے دوران جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان کو اجمالی طریقہ پر ذکر کرنا، اور ان کی مثالیں پیش کرنا ضروری ہے، تاکہ مفسر کو تفسیر کے وقت زیادہ غور وخوض نہ کرنا پڑے، اور مشکل مقامات کی تشریح وتوضیح میں زیادہ دِقت نہ اٹھانی پڑے۔

البابُ الثانی

فی

بیانِ وجوهِ الْخَفاءِ فی معانی نظمِ القرآن بالنسبةِ إلی أهلِ هذا العصرِ، وإزالةِ ذلك الْخَفاءِ بأوضحِ بیانٍ

لِیُعْلَمْ أن القرآنَ العظیمَ قد نزل فی لغةِ العربِ القُحّةِ المبینةِ الواضحةِ، وَفَهِمَ

العربُ معنى منطوقِهِ بسليقتِهم التى جُبِلُوا عليها، كما قال تعالى: ﴿والكِتَابِ المُبِيْنِ﴾ وقال تعالى: ﴿قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ وقال تعالى: ﴿كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ، ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾

وكان من مرضِيِّ الشارعِ الحكيمِ عدمُ الخوضِ فى تأويلِ المتشابهاتِ القرآنيةِ، وتصويرِ حقائقِ الصفاتِ الإلٰهيةِ، وتسميةِ المبهمِ، واستقصاءِ القِصَصِ، وما أشبه ذلك؛ ولذلك قَلَّما كانوا يسئلونه صلى الله عليه وسلم عن مثل ذلك؛ ولهذا لم يُرفَع فى هذا الباب من الأحاديث إلاشيئٌ قليلٌ.

ولكن لما مضت تلك الطبقةُ وتَدَخَّلَ العجمُ، وتُرِكَتْ تلك اللغةُ الأصيلةُ، واستعصٰى فهمُ المرادِ فى بعضِ المواضعِ، ومَسَّتِ الحاجةُ إلى تفتيش اللغةِ والنحوِ، وجرتِ الأسئلةُ والأجوبةُ فيما بين الناس، وصُنِّفَتْ كتبُ التفسير، لزم أن نذكرَ هذه المواضعَ الصعبةَ إجمالاً، ونوردَ لها أمثلةً حتى لايَحتاجَ المفسرُ عند الخوضِ فيها إلى زيادةِ بيانٍ، ولا يضطرَ إلى المبالغة فى الكشفِ عنها وشرحِها.

ترجمہ: دوسرا باب: اِس زمانہ (یعنی عصر حاضر) کے لوگوں کی طرف نظر کرتے ہوئے نظم قرآن کے مطالب (سمجھنے) میں (پیش آنے والی) پوشیدگی کے اقسام، اور اس پوشیدگی کو نہایت واضح طریقہ پر دور کرنے کے بیان میں۔

جاننا چاہئے کہ قرآن عظیم خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے جو نہایت واضح ہے، اور عرب اس کے منطوق (مدلول، ماسیق لاجلہ الکلام) کے معانی سمجھتے تھے اپنے اس سلیقہ (لیاقت) سے جس پر ان کو پیدا کیا گیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (سورۂ زخرف کی دوسری آیت میں) فرمایا ہے: ”قسم ہے واضح کتاب یعنی قرآن پاک کی، اور (سورۂ یوسف کی دوسری آیت میں) فرمایا ہے: (اتارا ہم نے اس کو) عربی قرآن بنا کر تا کہ تم سمجھو، اور (سورۂ ہود کی پہلی آیت میں) فرمایا ہے: یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں ایک حکیم باخبر کی طرف سے۔

اور شارع حکیم کی مرضی میں سے ہے غور وخوض نہ کرنا متشابہات قرآنی کی تاویل میں، اور صفات خداوندی کے حقائق کی توضیح میں، اور مبہم امور کی تعیین میں، اور قصوں کی تمام تفصیلات کا احاطہ کرنے

میں اور اس کے مشابہ چیزوں میں، اسی لئے وہ حضرات (جو قرآن پاک کے اولین مخاطب تھے) آنحضرت ﷺ سے بہت کم سوال کرتے تھے اس جیسی چیزوں کے بارے میں، اور اسی لئے اس باب میں مرفوع احادیث بہت ہی کم آئی ہیں۔

لیکن جب یہ طبقہ گذر گیا، اور عجمی لوگ داخل ہوئے، اور وہ اصلی زبان ترک کردی گئی، اور مراد خداوندی کا سمجھنا بعض جگہوں میں دشوار ہوگیا، اور ضرورت پیش آئی لغت اور نحو کی چھان بین کی، اور سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوگیا لوگوں کے درمیان، اور تفسیر کی کتابیں تصنیف کی گئیں، تو ضروری ہوا کہ ہم ان مشکل مقامات کو اجمالی طریقہ پر ذکر کریں، اور ان کی مثالیں پیش کریں، تاکہ مفسر کو ان مقامات میں غور کرتے وقت زیادہ وضاحت کی ضرورت نہ رہے، اور ان مقامات کی توضیح وتشریح میں مبالغہ کرنے کی مجبوری پیش نہ آئے۔

لغات:

الْقُحَّةُ: خالص، غریب الفاظ سے پاک...... اسْتَقْصَى المسالۃَ: مسئلہ کی تہ کو پہنچنا، واقعہ کی تمام تفصیلات بیان کرنا...... اسْتَعْصَى الشيئُ عليه: دشوار ہونا، سخت ہونا۔

☆ ☆ ☆

فہم مراد میں پیش آنے والی دشواریوں کے اسباب

اِس زمانہ کے لوگوں کو کلام الٰہی کی مراد سمجھنے میں جو دشواری پیش آتی ہے، اس کے اسباب یہ ہیں: کبھی غریب لفظ کے آجانے کی وجہ سے فہم مراد میں دشواری ہوتی ہے، اور اس کا حل صحابہ کرام وتابعین عظام اور دیگر اہل معانی نے غریب لفظ کے جو معنی بیان کئے ہیں، ان کو نقل کرنا ہے —— اور کبھی ناسخ ومنسوخ اور اسباب نزول کو نہ جاننے کی وجہ سے، اور کبھی مضاف یا موصوف وغیرہ کو حذف کرنے کی وجہ سے فہم مراد میں دشواری پیش آتی ہے —— اور کبھی ایک چیز کو دوسری چیز سے، یا ایک حرف کو دوسرے حرف سے، یا ایک اسم کو دوسرے اسم سے، یا ایک فعل کو دوسرے فعل سے بدلنے کی وجہ سے، یا جمع کو مفرد کی جگہ اور مفرد کو جمع کی جگہ ذکر کرنے کی وجہ سے، یا خطاب سے غیبت کی طرف التفات کرنے کی وجہ سے کلام الٰہی کی مراد تک

پہنچنا دشوار ہوتا ہے —— اور کبھی تقدیم و تاخیر، اور ضمیروں کے انتشار کی وجہ سے، یا ایک لفظ سے چند معنی مراد لینے کی وجہ سے فہم مراد میں دشواری ہوتی ہے —— اور کبھی تکرار و اطناب، یا اختصار و ایجاز کی وجہ سے، اور کبھی کنایہ، تعریض، متشابہ اور مجاز عقلی کو استعمال کرنے کی وجہ سے فہم مراد تک پہنچنا دشوار ہوتا ہے، لہٰذا قرآن کریم کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے ان اسباب کی حقیقت اور ان کی مثالیں جان لینی چاہئیں، تاکہ تفسیر کے دوران ان کی طرف اشارہ کرنا کافی ہو جائے —— آگے آخیر باب تک ان ہی امور اور اسباب کی وضاحت ہے۔

أسبابُ صُعوبةِ فهمِ المرادِ من الكلام

فنقول: إن عدمَ الوصولِ إلى المرادِ من اللفظ يكونُ:

- أحيانا بسبب استعمالِ لفظٍ غريبٍ؛ وعلاجُه: نقلُ معنى اللفظِ عن الصحابةِ والتابعين، وسائرِ أهلِ المعاني.
- وأحيانا لقلةِ الاطلاعِ على الناسخِ والمنسوخِ.
- وأحيانا للغفلةِ عن أسباب النزولِ.
- وأحيانا بسببِ حذفِ المضافِ أو الموصوفِ أو غيرِهما.
- وأحيانا لإبدالِ شيئٍ بشيئٍ، أو إبدالِ حرفٍ بحرفٍ، أو اسمٍ باسمٍ، أو فعلٍ بفعلٍ، أو لذكرِ الجَمْعِ مكانَ المفردِ، أو بالعكسِ، أو للالتفاتِ من الخطابِ إلى الغيبةِ.
- وأحيانا لتقديمِ ما حقُّه التأخيرُ أو بالعكسِ.
- وأحيانا بسببِ انتشارِ الضمائرِ، أو تعدُّدِ المراد من اللفظة الواحدةِ.
- وأحيانا بسببِ التكرارِ والإطنابِ.
- وأحيانا بسببِ الاختصارِ والإيجازِ
- وأحيانا بسبَبِ استعمالِ الكنايةِ والتعريضِ والمتشابهِ والمجازِ العقلي.

فينبغي للإخْوَةِ السُعَداءِ أن يطلعوا فی مَبْدَإِ الكلامِ على حقيقةِ هذه الأمورِ، وعلى شيئٍ من أمثلتِها، ويكتفوا بالرَمْزِ والإشارةِ فی مواضعِ التفصيل.

ترجمہ: کلام کی مراد سمجھنے میں دشواری کے اسباب: پس ہم کہتے ہیں کہ لفظ کی مراد تک نہ

پہنچتا ہوتا ہے (دس اسباب کی وجہ سے):

۱- کبھی غریب لفظ کے استعمال کی وجہ سے، اور اس کا علاج اور حل لفظ کے معنی روایت کرنا ہے، صحابہ کرام، تابعین عظام اور دیگر اہل معانی سے۔

۲- اور کبھی ناسخ ومنسوخ سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے۔

۳- اور کبھی شان نزول سے غافل ہونے کی وجہ سے۔

۴- اور کبھی مضاف یا موصوف یا ان کے علاوہ کے حذف کی وجہ سے۔

۵- اور کبھی ایک چیز کو دوسری چیز سے بدلنے کی وجہ سے، یا ایک حرف کو دوسرے حرف سے، یا ایک اسم کو دوسرے اسم سے، یا ایک فعل کو دوسرے فعل سے بدلنے کی وجہ سے، یا جمع کو مفرد کی جگہ ذکر کرنے، یا اس کے برعکس کرنے کی وجہ سے، یا خطاب سے غیبت کی طرف التفات کرنے کی وجہ سے۔

۶- اور کبھی اس چیز کو جس کو مؤخر کرنا چاہئے تھا مقدم کرنے یا اس کے برعکس کرنے کی وجہ سے۔

۷- اور کبھی ضمیروں کے انتشار کی وجہ سے (یعنی ضمیروں کے مراجع کے مختلف ہونے کی وجہ سے) یا ایک ہی لفظ سے چند معنی مراد لینے کی وجہ سے۔

۸- اور کبھی تکرار اور اطناب کی وجہ سے۔

۹- اور کبھی اختصار وایجاز کی وجہ سے۔

۱۰- اور کبھی کنایہ، تعریض، متشابہ اور مجاز عقلی کے استعمال کی وجہ سے۔

لہٰذا سعادت مند بھائیوں (یعنی طالب علموں) کے لئے مناسب ہے کہ کلام کے آغاز میں (یعنی تفسیر میں گفتگو کرنے سے پہلے) ان امور کی حقیقت اور ان کی چند مثالوں سے واقف ہو جائیں، اور تفصیل کی جگہوں میں رمز واشارے پر اکتفا کریں (آگے ان امور کی مکمل تفصیل آرہی ہے)

لغات:

لفظ غریب: مشکل لفظ جس کے معنی معلوم نہ ہوں۔ غَرُبَ الکلامُ (ک) غَرَابَۃً: مخفی ہونا، پوشیدہ ہونا...... اھل المعانی سے مراد وہ حضرات ہیں جو الفاظ قرآنی کے معانی سے خوب واقف ہوتے ہیں جیسے زجاج، فراء، اخفش اور ابن انباری وغیرہ...... سُعَدَاءُ، سَعِیْد کی جمع ہے: نیک بخت...... الرَّمْزُ: اشارہ، رَمَزَ الیہ (ن ض) رَمْزًا: اشارہ کرنا...... کنایہ، تعریض، متشابہ اور مجاز عقلی کی تعریفات آگے آرہی ہیں۔

☆ ☆ ☆

فصل اول

غریب الفاظ کی تشریح کے بیان میں

جس لفظ کے معنی قلت استعمال کی وجہ سے مخفی ہو گئے ہوں اس کو غریب کہتے ہیں، قرآن کریم میں نزول قرآن کے وقت کوئی لفظ غریب نہیں تھا، بعد میں جب عرب و عجم کے اختلاط کی وجہ سے اصل عربی زبان متروک ہو گئی تو بعد والوں کے لئے قرآن کریم کے بعض الفاظ کے معانی مخفی ہو گئے۔

اس خفاء کو دور کرنے میں سب سے بہتر، غریب الفاظ کی وہ تشریح اور معانی ہیں جو ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے علی بن ابی طلحہؒ کے واسطہ سے منقول ہیں، اور امام بخاریؒ نے عام طور پر اپنی صحیح میں اس پر اعتماد کیا ہے۔

اس کے بعد غریب الفاظ کی وہ تشریح اور معانی ہیں جو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ضَحّاك بن مزاحم کے واسطہ سے نقل کئے گئے ہیں، نیز حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے نافع بن اَزرَق حروری خارجی کے سوالوں کے جو جوابات دیئے ہیں ان میں بھی بہت سے غریب الفاظ کی تشریح ہے، اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے، ان تینوں طریقوں سے غریب الفاظ کے جو معانی منقول ہیں، ان کو اپنی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" میں ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد غریب الفاظ کی وہ تشریح ہے جس کو امام بخاریؒ نے دیگر ائمہ تفسیر سے، مثلاً مجاہد، حسن بصری، اور قتادہ وغیرہ سے نقل فرمائی ہے —— پھر غریب الفاظ کی وہ تشریح ہے جو دیگر مفسرین محدِثین نے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین سے نقل کی ہے۔

لوگوں کی سہولت کی خاطر شاہ صاحب نے اس کتاب کے پانچویں باب میں غریب الفاظ کے معانی اور تشریحات وافر مقدار میں اکھٹا کر دی ہیں، اور بہت سی آیتوں کا شان نزول بھی بیان کیا

ہے، اور اس کو مستقل رسالہ کی حیثیت دے کر فتح الخبیر بما لا بدمن حفظه فی علم التفسیر نام رکھا ہے، یہ رسالہ پہلے الفوز الکبیر کے ساتھ شائع ہوتا تھا، لیکن داخل نصاب نہ ہونے کی وجہ سے اب ناشرین اس کو شائع نہیں کرتے جو صاحب اس رسالہ کو دیکھنا چاہیں وہ فارسی الفوز الکبیر کے آخیر میں دیکھ سکتے ہیں۔

الفصل الأول

فی

شرح غریب القرآن

وأحسنُ الطرقِ فی شرح الغریبِ ما صَحَّ عن ترجُمانِ القرآنِ عبدِاللّٰهِ بنِ عباسٍ رضی اللّٰه عنهما، عن طریقِ ابنِ أبی طلحة واعتمد علیه البخاری فی صحیحهِ غالبًا؛ ثم طریقُ الضحَّاك عن ابن عباسٍ، وأجوِبةُ ابنِ عباس عن سؤالاتِ نافع بن الأزْرَقِ؛ وقد ذکر السُّیُوطی هذه الطرقَ الثلاثَ فی کتابه: "الإتقانِ فی علومِ القرآن".

ثم مانقله البخاریُ من شرحِ الغریبِ عن أئمةِ التفسیرِ، ثم ماروِاه سائرُ المفسرین عن الصحابةِ والتابعین وأتباعِهم رضی اللّٰه عنهم من شرحِ غریبِ القرآنِ.

وأری من المناسب أن أجمعَ فی البابِ الخامسِ من هذه الرسالةِ جملةً صالحةً من شرحِ غریبِ القرآنِ مع بیانِ أسبابِ النزولِ، واجعلَها رسالةً مستقلةً فمن شاء ضمَّها إلی هذه الرسالة، ومن شاء أفردها علی حدةٍ:

وللناس فیما یَعْشَقُون مذاهبُ

ترجمہ: پہلی فصل: قرآن کے مشکل کلمات کی وضاحت میں ہے: اور مشکل کلمات کی وضاحت کا بہترین طریقہ وہ روایات ہیں جو ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بہ سند ابن ابی طلحہ ثابت ہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عام طور پر اس سند سے مروی روایات پر اعتماد کیا ہے، پھر وہ روایات ہیں جو بہ سند ضحاک حضرت ابن عباس سے مروی ہیں اور ابن عباسؓ کے وہ جوابات ہیں جو انھوں نے نافع بن الازرق کے سوالوں کے دیئے ہیں، اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں ان تینوں سندوں (سے مروی شرح غریب) کو ذکر کیا ہے۔

پھر غریب الفاظ کی وہ تشریح ہے جس کو امام بخاری نے دیگر ائمۂ تفسیر سے نقل کیا ہے، پھر قرآن پاک کے غریب الفاظ کی وہ شرح ہے جو دیگر مفسرین نے صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین سے نقل کی ہے۔

اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس رسالہ کے پانچویں باب میں قرآن کریم کے غریب الفاظ کی شرح کی وافر مقدار جمع کروں اسباب نزول کی وضاحت کے ساتھ، اور اس کو مستقل رسالہ بناؤں، پس جو چاہے اس کو اس رسالہ کے ساتھ ملائے، اور جو چاہے اس کو علیحدہ رکھے:

اور لوگ مختلف راہیں اپناتے ہیں ان باتوں میں جن سے وہ محبت کرتے ہیں!

﴿فائدہ﴾ نافع بن الاَزْرَقْ حروری: خارجیوں کا سردار تھا، اور خارجیوں کا فرقۂ ازارقہ اسی کی طرف منسوب ہے، یہ جمادی الاخری ۶۵ ہجری میں قتل کیا گیا ہے، علامہ سیوطیؒ نے ''الاتقان'' میں سند متصل سے ذکر کیا ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ خانۂ کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، لوگوں نے آپ کو گھیر رکھا تھا، اور قرآن کریم کی تفسیر دریافت کر رہے تھے، یہ منظر دیکھ کر نافع بن الازرق نے نجدہ بن عُوَیْمِر سے کہا کہ چلو اس شخص سے، جو تفسیر بیان کرنے کی جرأت کر رہا ہے، چند سوالات کریں، چنانچہ دونوں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور ان سے کہا کہ: ہم قرآن کریم کے بارے میں چند باتیں دریافت کرنا چاہتے ہیں، آپ ان کی وضاحت کیجئے، اور کلام عرب کے شواہد پیش کیجئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو خالص عربی زبان میں نازل فرمایا ہے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ: جو چاہو، پوچھو، اس کے بعد علامہ سیوطی نے نافع کے تمام سوالات اور ابن عباس کے جوابات نقل فرمائے ہیں۔ (العون الکبیر)

☆ ☆ ☆

قدیم مفسرین کبھی لفظ کی لازمِ معنی سے تفسیر کرتے ہیں

قدیم مفسرین سے غریب الفاظ کی جو تشریحات منقول ہیں ان کے بارے میں خاص طور پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کبھی لفظ کے معنی موضوع لہ یعنی لغوی اور حقیقی معنی بیان نہیں کرتے، بلکہ لفظ کی لازم معنی سے تفسیر کرتے تھے یعنی لفظ کی تفسیر میں اس کے لغوی حقیقی معنی کے بجائے ایسے معنی بیان کرتے تھے جو حقیقی معنی کے لئے لازم ہوتے ہیں۔ مثلاً سورج کی تفسیر دھوپ یا روشنی یا دن سے کرنا لازم معنی سے تفسیر کرنا ہے۔ جب متأخرین مفسرین عربی محاورات

اور لغات میں یہ معنی تلاش کرتے ہیں، تو ان کو عربی محاورات اور لغات میں یہ معنی نہیں ملتے اس لئے وہ قدیم تفسیر پر تنقید کرتے ہیں، حالانکہ متاخرین مفسرین کی یہ تنقید اور گرفت بالکل بیجا ہوتی ہے، اور قدیم مفسرین کے طرز عمل سے ناواقفیت کی دلیل ہوتی ہے۔

القدماءُ ربما يفسرون اللفظ بلازمِ معناه

ومما ينبغي أن يُعلم هنا: أن الصحابةَ والتابعين رضی اللّٰه عنهم ربما يفسّرون اللفظَ بلازمِ معناه؛ وقد يتعقَّبُ المفسرون المتأخرون ذلك التفسيرَ القديمَ، من جهة تتبُّعِ اللغة، وتفحُّص مَواردِ الاستعمالِ.

والغرضُ المطلوبُ في هذه الرسالة: سَرْدُ تفسيراتِ السَلَفِ بعينِها، ولِنَقْدِهَا وتنقيحِها موضِعٌ آخرُ غيرُ هذا الموضع:

فلكُلٍّ مقامٍ مقالٌ، ولكل نكتةٍ مَجَالٌ

ترجمہ: قدیم مفسرین بعض مرتبہ لفظ کی اس کے لازم معنی سے تفسیر کرتے ہیں: یہاں جن باتوں کا جاننا مناسب ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کبھی لفظ کی اس کے لازم معنی سے تفسیر کرتے ہیں، اور متاخرین مفسرین کبھی اس قدیم تفسیر پر گرفت کرتے ہیں، لغت کی چھان بین اور مواقع استعمال کی کھود کرید کرنے کے اعتبار سے۔

اور اس رسالہ (فتح الخبیر) میں جس غرض کا قصد کیا گیا ہے، وہ اسلاف کی تفسیروں کو بعینہٖ نقل کرنا ہے، اور ان پر نقد و تبصرہ کے لئے دوسرا موقع ہے اس موقع کے علاوہ، کیونکہ ہر موقع کے لئے الگ گفتگو اور ہر نکتہ کے لئے الگ موقع (ہوتا) ہے (جہاں جیسا موقع ہوتا ہے ویسی گفتگو کی جاتی ہے)

لغات:

تَعَقَّبَهُ تَعَقُّبًا: جرم پر گرفت کرنا...... تَتَبَّعَ الأَمْرَ تَتَبُّعًا: دیر تک تلاش کرنا، چھان بین کرنا...... تَفَحَّصَ عنه تَفَحُّصًا: کھود کرید کرنا...... سَرَدَ الحديثَ (ن ض) سَرْدًا: اچھی طرح بیان کرنا، نقل کرنا...... السَلَفُ: گذرے ہوئے آباء واجداد، جمع اَسْلاف، یہاں سَلَف سے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین مراد ہیں...... نَقَدَ الكلامَ (ن) نَقْدًا: کلام کے عیوب و محاسن کو ظاہر کرنا...... نَقَّحَ الكلامَ: اصلاح کرنا، درست کرنا۔

☆☆☆

فصل دوم

ناسخ ومنسوخ کی معرفت میں

ناسخ ومنسوخ کی شناخت کرنا فن تفسیر کے نہایت مشکل مسائل میں سے ہے،اور دشواری کی سب سے بڑی وجہ متقدمین اور متاخرین کا نسخ کے معنی میں اختلاف ہے،اس لئے نسخ کے لغوی معنی اور متقدمین ومتاخرین کی اصطلاحوں کا فرق جاننا تفسیر کے ہر طالب علم کے لئے نہایت ضروری ہے۔

نسخ کے لغوی اور اصطلاحی معنی

نسخ کے لغوی ہیں:زائل کرنا، باطل کرنا، مٹانا، کہا جاتا ہے: نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ:دھوپ نے سایہ کو ہٹادیا، نَسَخَتِ الرِّیْحُ آثَارَ الْقَدَمِ:ہوا نے قدموں کے نشان مٹادیئے۔

اور اصولیوں کی اصطلاح میں نسخ کی تعریف یہ ہے: بیانُ انتهاءِ حکمٍ شرعيٍّ بطریقٍ شرعيٍّ مُتَراخٍ عنه حَتّٰی لایجوزَ امتثالُهٗ: کسی حکم شرعی کی انتہا کو بیان کرنا ایسے شرعی طریقہ پر جو اس حکم شرعی سے مؤخر ہو یہاں تک کہ اس حکم شرعی پر عمل کرنا جائز نہ ہو —— اس تعریف کے پیش نظر جو حکم منسوخ ہوگا اس پر کسی صورت میں عمل کرنا جائز نہ ہوگا۔

اور صحابہ کرام وتابعین عظام کے کلام کے جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ متقدمین نسخ کو اس کے لغوی معنی میں استعمال کرتے تھے، اصولیوں کے اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں کرتے تھے لہٰذا ان کے نزدیک نسخ کی تعریف یہ ہوگی: إزَالَةُ بَعْضِ اَوْصَافِ الآيَةِ بآيَةٍ اُخْرىٰ: ایک آیت کے بعض اوصاف کو دوسری آیت کے ذریعہ زائل کرنا —— اس تعریف کے پیش نظر احکام میں جو بھی تبدیلی ہوگی اس کو نسخ سے تعبیر کیا جائے گا، چاہے اس تبدیلی میں کسی حکم پر عمل کرنے کی انتہا بیان کی گئی ہو، یا کلام کو متبادر معنی سے غیر متبادر معنی کی طرف پھیر اگیا ہو، یا اس میں کسی قید کے اتفاقی ہونے کی وضاحت کی گئی ہو، یا عام کی تخصیص کی گئی ہو، یا منصوص اور اس پر

جس کو بظاہر قیاس کیا گیا ہے ان دونوں کے درمیان وجہ فرق بیان کی گئی ہو، یا جاہلی رسموں میں سے کسی رسم کو باطل کیا گیا ہو، یا سابقہ شریعتوں میں سے کسی شرعی حکم کو ختم کیا گیا ہو۔

الفصل الثانی

فی

معرفة الناسخِ والمنسوخِ

من المواضعِ الصَّعْبَةِ فی علمِ التفسیرِ التی مباحثُهَا کثیرةٌ، والاختلافُ فیها واسعٌ: معرفةُ الناسخِ والمنسوخِ؛ ومن أقوی وجوهِ الصُّعوبةِ: اختلافُ اصطلاحِ المتقدمین والمتأخرین.

معنی النسخ عند المتقدمین:

والذی وَضَحَ لنا باستقراءِ کلامِ الصحابةِ والتابعین:أنهم کانوا یستعملون "النسخَ" فی معناه اللغوی، الذی هو " إزالةُ شيئٍ بشيئٍ " لا بمعنی مصطلحِ الأصولیین فمعنی النسخِ عندهم: " إزالةُ بعضِ أوصافِ الآیةِ بآیةٍ أخری" سواءٌ کانَ ذلك:

- ببیانِ انتهاءِ مدةِ العملِ.
- أو بصرفِ الکلامِ عن المعنی المتبادرِ إلی غیرِ المتبادرِ.
- أو ببیانِ کونِ القیدِ إتفاقیا.
- أو بتخصیصِ عامٍ.
- أوببیان الفارقِ بین المنصوصِ وبین ماقِیْسَ علیه ظاهراً.
- أو بازالةِ عادةٍ من العاداتِ الجاهلیةِ.
- أوبرفع شریعةٍ من الشرائع السابقةِ.

ترجمہ: دوسری فصل: ناسخ ومنسوخ کی شناخت میں: فن تفسیر کے ان مشکل مواقع میں سے جن کے مباحث بہت ہیں، اور جن میں اختلاف پھیلا ہوا ہے ناسخ ومنسوخ کا پہچاننا ہے، اور دشواری کی قوی ترین وجہ متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا مختلف ہونا ہے۔

متقدمین کے نزدیک نسخ کے معنی: صحابہ کرام اور تابعین عظام کے کلام کا جائزہ لینے سے جو بات ہمارے لئے واضح ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات نسخ کو اس کے لغوی معنی میں استعمال کرتے تھے، اور وہ (لغوی معنی) "ایک چیز کو دوسری چیز کے ذریعہ زائل کرنا" ہیں، نہ کہ اصولیوں کے اصطلاحی معنی میں، پس نسخ کے معنی ان کے نزدیک "آیت کے بعض اوصاف کو دوسری آیت کے ذریعہ زائل کرنا" ہیں، چاہے وہ (ازالہ)

۱-مدت عمل کی انتہاء کو بیان کرنے کے ذریعہ ہو۔

۲-یا کلام کو متبادر معنی سے غیر متبادر معنی کی طرف پھیرنے کے ذریعہ ہو۔

۳-یا قید کے اتفاقی ہونے کو بیان کرنے کے ذریعہ ہو۔

۴-یا عام کی تخصیص کے ذریعہ ہو۔

۵-یا منصوص اور اس پر بظاہر جس چیز کو قیاس کیا گیا ہے اس کے درمیان وجہ فرق بیان کرنے کے ذریعہ ہو۔

۶-یا جاہلی رسموں میں سے کسی رسم کو مٹانے کے ذریعہ ہو۔

۷-یا سابقہ شریعتوں میں سے کسی شریعت کو اٹھانے کے ذریعہ ہو۔

مثالیں

زیر شرح عبارت میں شاہ صاحب نے متقدمین کی اصطلاح کی وضاحت کرتے ہوئے نسخ کی جو سات صورتیں بیان کی ہیں، ان کی مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی صورت کی مثال: ﴿ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَائِکُمْ ﴾ الخ (سورۂ نساء آیت ۱۵) اس آیت میں پہلے یہ حکم دیا گیا تھا کہ جن عورتوں نے بے حیائی (زنا) کا ارتکاب کیا ہو، ان کو ان کے گھروں میں مقید کر دو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور صورت تجویز فرمائیں — بعد میں یہ حکم سورۂ نور کی دوسری آیت کے ذریعہ منسوخ ہو گیا یعنی اس حکم کی مدت عمل پوری ہو گئی، اس کی مزید وضاحت آگے آ رہی ہے۔

دوسری صورت کی مثال: ﴿ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۸۷) اس آیت میں خیط ابیض اور خیط اسود کے متبادر معنی ہیں: سفید دھاگا اور سیاہ دھاگا، اور غیر متبادر معنی ہیں: دن کا اجالا اور رات کی تاریکی مگر مِنَ

الْفَجْرِ نے متبادر معنی کے احتمال کو ختم کر دیا، اس لئے متقدمین کے نزدیک مِنَ الْفَجْرِ ناسخ ہے۔

تیسری صورت کی مثال: ﴿وَرَبَائِبُكُمُ الّتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ الّتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ (سورۂ نساء آیت ۲۳) اس آیت میں فِىْ حُجُوْرِكُمْ کی قید اتفاقی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ آگے ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ اگر فِىْ حُجُوْرِكُمْ کی قید احترازی ہوتی تو جواز کی صورت میں بھی اس قید کا تذکرہ ضروری تھا، پس متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے فَاِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ الخ وَرَبَائِبُكُمُ الّتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ کے لئے ناسخ ہے۔

چوتھی صورت کی مثال: ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِىْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۲۸۴) میں جو عموم ہے، اس میں ﴿لاَيُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلاَّ وُسْعَهَا﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۲۸۶) کے ذریعہ تخصیص کی گئی ہے، پس متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے دوسری آیت پہلی آیت کے لئے ناسخ ہو گئی۔

پانچویں صورت کی مثال: مشرکین عرب بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ وغیرہ جانوروں کو قربانی اور ہدی کے جانوروں پر قیاس کر کے ان جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑنے کو جائز سمجھتے تھے، اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَلاَسَائِبَةٍ وَلاَ وَصِيْلَةٍ وَلاَحَامٍ﴾ الخ (سورۂ مائدہ آیت ۱۰۳) پس متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ آیت ناسخ ہو گی۔

چھٹی صورت کی مثال: زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرتے تھے، اس رسم بد کے رد میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلاَتَنْكِحُوْا مَانَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ اِلاَّ مَاقَدْ سَلَفَ﴾ الخ (سورۂ نساء آیت ۲۲) نیز زمانۂ جاہلیت میں لوگ بیت اللہ شریف کا ننگے طواف کرتے تھے، اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يٰبَنِىْ آدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (سورۂ اعراف آیت ۳۱) پس متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ دونوں آیتیں جاہلی رسموں کے لئے ناسخ ہیں۔

ساتویں صورت کی مثال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں قتل عمد کی سزا صرف قصاص تھی۔ اس میں ﴿فَمَنْ عُفِىَ لَهُ مِنْ اَخِيْهِ شَيْئٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ، ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۷۸) کے ذریعہ تخفیف کی گئی کہ چاہو تو قصاص لو اور چاہو تو دیت لو اور چاہو تو معاف کر دو، لہٰذا متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ

آیت شریعت سابقہ کے حکم کے لئے ناسخ ہے۔

☆ ☆ ☆

منسوخ آیتوں کی تعداد

چونکہ متقدمین ہر طرح کی تبدیلی کو نسخ سے تعبیر کرتے تھے، جس کی تعیین میں نقل سے زیادہ عقل کا دخل ہے، اس لئے ان کے درمیان نسخ کی تعیین میں بہت اختلاف ہے، اور نسخ کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور منسوخ آیتوں کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی ہے، بلکہ گہری نظر سے دیکھا جائے تو منسوخ آیتوں کی تعداد غیر محدود ہوگی، اور متاخرین کی اصطلاح کے مطابق منسوخ آیتوں کی تعداد بہت کم ہے، خصوصاً اس توجیہ کے پیش نظر جو شاہ صاحب نے اختیار فرمائی ہے۔

چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے "الاتقان فی علوم القرآن" میں بعض علماء سے مذکورہ بالا باتوں کو مناسب شرح وبسط کے ساتھ بیان کرنے کے بعد متاخرین کی اصطلاح کو سامنے رکھتے ہوئے شیخ ابن العربی کی رائے کے موافق منسوخ آیتیں تحریر فرمائی ہیں، جو تقریبا بیس ہیں، ان میں سے پندرہ آیتوں کے منسوخ ہونے میں شاہ صاحب کو کلام ہے، اس لئے آئندہ سطور میں شاہ صاحب علامہ سیوطی کے کلام کو بعینہٖ نقل فرما کر اس پر تبصرہ فرماتے ہیں۔

عددُ الآیاتِ المنسوخةِ عند المتقدمین:

فاتّسع بابُ النسخِ عندهم، وكثرجَوَلانُ العَقلِ فيه، واتّسعت دائرةُ الاختلافِ لديهم، ولذلك بلغتِ الآياتُ المنسوخةُ عندهم إلى خمسِ مِائَةِ آيةٍ؛بل إذا حققتَ النظرَ تجدُها غيرَمحصورةٍ؛ واما المنسوخُ حَسَبَ اصطلاحِ المتأخرين فلايتجاوزُ العددَ القليلَ، لاسِيَّمَا حَسَبَ ما اخترناه من التوجيهِ.

الآياتُ المنسوخةُ عند المتأخرين:

وقد ذكر الشيخُ جلالُ الدين السُّيُوطي في " الإتقان " عن بعضِ العلماءِ ما ذكرناه آنِفا، بتقريرِمبسوطٍ كما ينبغي؛ ثم حَرَّر المنسوخَ طَبْقَ رأيِ المتأخرين، موافقا لرأى الشيخ ابنِ العربي فعدَّه قريبًامن عشرين آيةً، وللفقير في أكثرِها نظرٌ، فلنورد كلامَه مع التعقيبِ

ترجمہ: متقدمین کے نزدیک منسوخ آیتوں کی تعداد: پس کشادہ ہو گیا نسخ کا باب ان کے نزدیک، اور زیادہ ہو گئی عقل کی جولانی اس میں، اور کشادہ ہو گیا اختلاف کا دائرہ ان کے نزدیک، اسی لئے پہنچ گئیں منسوخ آیتیں ان کے نزدیک پانچ سو تک، بلکہ جب آپ گہری نظر سے دیکھیں گے تو ان (آیتوں) کو غیر محدود پائیں گے، اور رہی منسوخ آیتیں متاخرین کی اصطلاح کے مطابق تو وہ قلیل تعداد سے آگے نہیں بڑھتیں، خصوصاً اس توجیہ کے مطابق جو ہم نے اختیار کی ہے۔

متاخرین کے نزدیک منسوخ آیتیں: شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے ''الاتقان'' میں بعض علماء سے وہی بات ذکر کی ہے جس کو ہم نے ابھی بیان کیا ایسی مفصل تقریر کے ساتھ جیسی ہونی چاہئے، پھر منسوخ آیتوں کو تحریر فرمایا ہے متاخرین کی رائے کے مطابق (اور) شیخ ابن العربی کی رائے کے موافق، پس اس کو تقریباً بیس آیتیں شمار کیا ہے، اور فقیر کو (یعنی شاہ صاحب کو) ان میں سے اکثر کے بارے میں کلام ہے، اس لئے ہم علامہ سیوطیؒ کے کلام کو نقل کرتے ہیں، ان پر تنقید کے ساتھ۔

لغات:

جَوَلاَنٌ مصدر ہے، جَالَ فی المکان (ن) جَوْلاً وَجَوَلاَنًا: چکر لگانا، گھومنا...... حَرَّرَ الکتابَ تَحْرِيرًا: خوبصورت اور درست لکھنا...... عَقَّبَ عَلٰی فلانٍ تَعْقِيبًا: غلطیوں کو بیان کرنا، تنقید کرنا، قابل مواخذہ بات پر گرفت کرنا۔

﴿فائدہ﴾ شیخ ابن العربی سے مراد قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ معافری اندلسی ہیں، جو اشبیلیہ کے قاضی اور تفسیر وحدیث کے ماہر اور فقہ میں امام مالکؒ کے متبع تھے، آپ کی ولادت ۴۶۸ھ میں اور وفات ۵۴۳ھ میں ہوئی ہے ـــــ یہ شیخ محی الدین ابن عربی کے علاوہ ہیں جو فتوحات مکیہ کے مصنف اور تصوف کے مشہور عالم ہیں۔

☆ ☆ ☆

منسوخ آیتوں کی تفصیل

شیخ ابن العربی نے متاخرین کی اصطلاح کے اعتبار سے جن آیتوں کو منسوخ مانا ہے، اور علامہ سیوطیؒ نے ''الاتقان'' میں ان کو بیان کیا ہے، ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

وارث کے لئے وصیت کا حکم

علامہ سیوطیؒ "الاتقان" میں فرماتے ہیں کہ سورۂ بقرۃ میں جو آیتیں منسوخ ہیں ان میں سے پہلی آیت یہ ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ، حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۸۰) ترجمہ: تم پر فرض کیا گیا ہے جب کسی کو (آثار سے) موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو، وصیت کرنا والدین اور دیگر رشتہ داروں کے لئے معقول طریقہ پر، یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر۔

تشریح: اس آیت میں ورثاء (والدین وغیرہ) کے لئے وصیت کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے، حالانکہ وارث کے لئے وصیت باطل ہے، اس لئے ابن العربی کی رائے کے مطابق یہ آیت منسوخ ہے، مگر اس کے ناسخ میں تین قول ہیں: بعض حضرات کے نزدیک آیت میراث یعنی ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ﴾ (سورۂ نساء آیت ۱۱ و ۱۲) ناسخ ہے، اور بعض کے نزدیک حدیث ﴿لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ﴾ ناسخ ہے، اور بعض کے نزدیک اجماع ناسخ ہے ـــــ شاہ صاحب بھی اس آیت کو منسوخ مانتے ہیں، مگر ان کے نزدیک ناسخ آیت میراث ہے، اور حدیث لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ نسخ کو واضح کرنے والی ہے، اور اجماع سے اس آیت کو منسوخ ماننا صحیح نہیں، اس لئے کہ اجماع قیاس کی طرح کسی حکم شرعی کے لئے ناسخ نہیں ہو سکتا۔ اصول فقہ کی مشہور کتاب "حسامی" میں ہے: وَلَاخِلَافَ بین الجمهورِ أنَّ القياسَ لايَصْلُحُ ناسِخًا، و كذلك الاجماعُ عندأكثرِهم (ص ۸۲)

فمن البقرة

۱- قوله تعالى: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ الآية منسوخةٌ، قيل: بآيةِ المواريث وقيل: بحديثِ: لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ وقيل بالإجماعِ، حكاه ابنُ العربى

قلتُ: بل هى منسوخةٌ بآية: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ﴾ وحديثُ "لاوصيةَ" مُبيِّنٌ للنسخ.

ترجمہ: پس سورۂ بقرۃ میں سے ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ

الْمَوْتُ﴾الخ منسوخ ہے، کہا گیا کہ آیت میراث سے، اور کہا گیا کہ حدیث لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ سے، اور کہا گیا کہ اجماع سے (منسوخ ہے) ان اقوال کو ابن العربی نے نقل کیا ہے۔

میں (یعنی شاہ صاحب) کہتا ہوں: بلکہ یہ آیت منسوخ ہے آیت ﴿يُوْصِيْكُمُ اللهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ﴾ سے، اور حدیث لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ نسخ کی وضاحت کرنے والی ہے۔

فوائد

(۱) لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ (وراث کے لئے وصیت جائز نہیں) یہ حدیث دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور ائمہ کرام کے نزدیک مقبول ہے، امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے نصب الرایہ (ج ۴ ص ۴۰۳ تا ۴۰۵)

(۲) زیر بحث آیت کو اگرچہ شاہ صاحب نے منسوخ مانا ہے۔ مگر حضرت قتادہ، حضرت طاؤس اور حضرت حسن بصریؒ وغیرہ حضرات منسوخ نہیں مانتے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت میں اور آیت میراث میں تطبیق ممکن ہے، لہٰذا اس کو منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں۔

اور علامہ شوکانی بھی اس آیت کو منسوخ نہیں مانتے، وہ اس آیت کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ آیت اگرچہ عام ہے مگر معنی کے اعتبار سے خاص ہے، اور والدین سے ایسے والدین مراد ہیں جو کفر ورقیت کی وجہ سے وراثت سے محروم ہوں، اور اقربین سے ورثاء کے علاوہ دیگر رشتہ دار مراد ہیں، زعیم حریت حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھیؒ کی بھی یہی رائے ہے، چنانچہ آپ ارقام فرماتے ہیں:

"اگر وارثوں کے ایسے حالات نہ ہوتے جن میں وہ غیر وارث بھی بن سکتے ہیں، تو اس کی توجیہ ناممکن ہوتی، والدین خصوصاً ایسی حالت میں ہیں کہ وہ غیر وارث نہیں ہوتے، لہٰذا ان کے حق میں وصیت قطعی طور پر منسوخ ہونی چاہئے، اور آیت مذکورہ میں مکتوبہ وصیت والدین کے لئے ہے، اس لئے شاہ صاحب نے آیت مذکورہ کو قطعی طور پر منسوخ مان لیا، مگر میرے شخصی حالات ایسے تھے جن سے مجھے تنبہ ہوا، میری والدہ غیر مسلمہ میرے ساتھ موجود تھی، میں بیمار ہوا تو مجھے اس کی فکر لاحق ہوئی کہ اگر میں مر جاؤں تو اس بیچاری کو کوئی نہیں پوچھے گا، اس وقت اس کی جس قدر خاطر تواضع کی جاتی ہے وہ میری وجہ سے ہے، میرے مرتے ہی

یہ محروم ہو جائے گی، اب مجھے وصیت کا مطلب سمجھ میں آیا کہ اگر حالات ایسے در پیش ہوں تو وصیت لازم ہے، بنا بریں ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ پر عمل کرنے کی ایک صورت نکل آئی۔ اس لئے اس کو منسوخ کہنے کی ضرورت ہی نہیں، اطلاق کو تطبیق کی خاطر مقید بیشک کر لیجئے، یہ تو فقہ قرآنی کا بہت بڑا وسیع باب ہے" (الفرقان بریلی کا شاہ ولی اللہ نمبر ص ۲۵۷)

الفوز الکبیر کے عربی مترجم اور شارح صاحب عونِ کبیر کی بھی رائے یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں، البتہ وہ توجیہ دوسری کرتے ہیں، کہ جب مرنے والے کو ڈر اور خوف ہو کہ اس کی اولاد اس کے مرنے کے بعد ترکہ شرعی طریقہ پر تقسیم نہ کرے گی، تو مرنے والے پر ضروری ہے کہ تمام ورثاء کے لئے شرعی حصص کے مطابق وصیت کرے اور گواہ بنائے اور وصیت کو رجسٹرڈ کرا دے، تاکہ اس کے مرنے کے بعد کوئی کسی کا حق دبانا چاہے تو دبا نہ سکے، اور فتنہ وفساد کا دروازہ بند ہو جائے۔

نوٹ: ان توجیہات کا مقصد آیت وصیت اور آیت میراث کے درمیان تطبیق دینا ہے یعنی دونوں آیتوں کے درمیان بظاہر جو تعارض نظر آرہا ہے اس کو اٹھانا ہے، آیت وصیت کی جو مشہور تفسیر ہے اس کی تردید کرنا مقصود نہیں۔

جو شخص بمشقت روزہ رکھ سکتا ہے اس کے لئے فدیہ کا حکم

دوسری آیت: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۸۴)

ترجمہ: جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں (مگر عادت نہ ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنا ان کے لئے نہایت شاق ہے) ان کے ذمہ فدیہ ہے، اور وہ ایک غریب کا کھانا (کھلانا) ہے۔

تشریح: ابتداء میں یہی حکم تھا، جب اس کے بعد والی آیت ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (تم میں سے جو شخص رمضان کا مہینہ پائے وہ ضرور اس کے روزے رکھے) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا، اس پر سب کا اتفاق ہے، مگر یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے، اور ناسخ اس کے بعد والی آیت ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ ہے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ آیت محکم اور معمول بہا ہے، اور

یُطِیْقُوْنَهٗ سے پہلے ''لا'' پوشیدہ ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ: جو لوگ (کبرسنی کی وجہ سے) روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ان کے ذمہ فدیہ ہے، اور وہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے، یعنی اس آیت میں شیخ فانی کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک بھی یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے، مگر وہ اس آیت کی بالکل الگ توجیہ کرتے ہیں، جمہور کے نزدیک یُطِیْقُوْنَهٗ کی ضمیر کا مرجع ''صیام'' ہے، جو پہلے مذکور ہے، مگر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یُطِیْقُوْنَهٗ کی ضمیر کا مرجع فِدْیَة ہے، جو لفظوں میں مؤخر ہے، مگر رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے، کیونکہ ترکیب میں فِدْیَة مبتدا مؤخر ہے اور عَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ خبر مقدم ہے، اور مبتدا چونکہ نکرہ ہے اس لئے اس کو مؤخر لایا گیا ہے، لہٰذا مرجع ذکر کرنے سے پہلے ضمیر لانے کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا، اور فدیہ سے مراد ''طعام'' ہے اس لئے مؤنث کے بجائے مذکر کی ضمیر لائی گئی ہے۔

الغرض شاہ صاحب کے نزدیک آیت میں صدقۂ فطر کا حکم ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ: جو لوگ کھانا کھلانے کی طاقت رکھتے ہیں (یعنی صاحب نصاب ہیں) ان کے ذمہ فدیہ یعنی صدقۂ فطر ہے، اور وہ ایک غریب کو کھانا کھلانا ہے، شاہ صاحب کے نزدیک اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزوں کا حکم دینے کے بعد صدقۂ فطر کا حکم بیان کیا ہے، جیسا کہ اس کے بعد والی آیت میں روزوں کا حکم دینے کے بعد ﴿لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ میں تکبیرات عید کو ذکر فرمایا ہے۔

۲۔ قوله تعالى: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ قيل: منسوخةٌ بقوله تعالى: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ وقيل: محكمةٌ، ولا مقدَّرةٌ

قلت: عندى وجهٌ آخرُ: وهو أن المعنى: وعلى الذين يطيقون الطعامَ فديةٌ؛ هى طعامُ مسكينٍ؛ فأضمَرَ قبلَ الذِكرِ لأنه متقدِمٌ رتبةً؛ وذكَّر الضميرَ، لأن المرادَ من الفديةِ هو الطعامُ؛ والمرادُ منه صدقةُ الفطرِ؛ عَقَّبَ اللّٰهُ تعالى الأمرَ بالصِيام فى هذه الآية بصدقةِ الفطرِ، كما عقَّبَ الآيةَ الثانيةَ بتكبيراتِ العيد.

ترجمہ: ۲۔ ارشاد خداوندی ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ کہا گیا کہ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ سے، اور کہا گیا کہ محکم ہے، اور

"لا" پوشیدہ ہے۔

میں (یعنی شاہ صاحب) کہتا ہوں کہ میرے نزدیک دوسری توجیہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ آیت کے معنی ہیں: جو لوگ کھانا (کھلانے) کی قدرت رکھتے ہیں ان کے ذمہ فدیہ ہے (اور) وہ ایک مسکین کا کھانا ہے، پس اللہ تعالیٰ (مرجع کے) ذکر سے پہلے ضمیر لائے، اس لئے کہ وہ رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے، اور ضمیر کو مذکر لائے اس لئے کہ فدیہ سے مراد طعام ہے، اور طعام سے مراد صدقۂ فطر ہے، اللہ تعالیٰ نے صیام کا حکم بیان کرنے کے بعد اس آیت میں صدقۂ فطر کو ذکر کیا ہے، جیسا کہ دوسری آیت کے آخیر میں تکبیرات عید کو ذکر کیا ہے۔

آیت کی سب سے بہتر توجیہ:

جمہور کے نزدیک زیر بحث آیت منسوخ ہے، اور محققین کے نزدیک منسوخ نہیں، محکم ہے، مگر شاہ صاحب نے آیت کی جو توجیہ بیان فرمائی ہے وہ نہایت بعید ہے، اور پہلی توجیہ پر کلام میں "لا" مقدر ماننا پڑتا ہے، جو خلاف اصل ہے، اس لئے ذیل میں آیت کی سب سے بہتر توجیہ پیش کی جاتی ہے۔

بعض راسخین فی العلم کبار صحابہ اور ہمارے زمانہ کے بعض محققین علمائے عظام آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ: جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت تو رکھتے ہیں (مگر کبرسنی کی وجہ سے روزہ رکھنا ان کے لئے نہایت دشوار ہے، اور جان کی ہلاکت کا خطرہ ہے) ان کے ذمہ فدیہ ہے، اور وہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے —— یہ توجیہ سب سے بہتر ہے، اس میں نہ کسی لفظ کو محذوف ماننے کی ضرورت پیش آتی ہے، نہ تاویل بعید کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے، اور "اِطَاقَة" کے جو لغوی معنی ہیں اس کے بالکل مطابق ہے، لغت عرب میں جس کام کے کرنے میں بہت زیادہ مشقت اٹھانی پڑے اس کو "اطاقة" سے تعبیر کرتے ہیں، مثلاً کہا جاتا ہے: "اِنِّیْ اُطِیْقُ اَنْ اَحْمِلَ ھٰذا الحجرَ الثقیلَ: میں یہ بھاری پتھر اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں اور اِنِّیْ اُطیق اَنْ اَرْفَعَ اللُّقْمَةَ اِلٰی فَمِی کہنا صحیح نہیں، کیونکہ لقمہ کو اٹھا کر منہ میں رکھنا نہایت آسان کام ہے، مزید تفصیل کے لئے العون الکبیر دیکھئے۔

☆ ☆ ☆

رمضان کی راتوں میں صحبت کا جواز

تیسری آیت: أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ (سورۃ بقرۃ آیت ۱۸۷) ترجمہ: تمہارے واسطے روزہ کی رات میں اپنی بیبیوں کے ساتھ مشغول ہونا حلال کر دیا گیا۔

تشریح: ابتداء میں جب روزے فرض ہوئے تھے اس وقت روزے کی راتوں میں سونے سے پہلے لوگ کھاتے، پیتے تھے، سونے کے بعد کھانا پینا اور جماع کرنا ممنوع تھا ـــــ مذکورہ بالا آیت نے اس طریقہ کو ختم کر کے صبح صادق تک کھانے پینے وغیرہ کو حلال کر دیا، مگر اس آیت سے جس طریقہ کو ختم کیا گیا ہے اس کی مشروعیت کیسے ہوئی تھی اس میں اختلاف ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ: جو حکم ﴿أُحِلَّ لَكُمْ﴾ کے ذریعہ منسوخ کیا گیا ہے، اس کی مشروعیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا (سورۃ بقرۃ آیت ۱۸۳) سے ثابت و مستفاد تھا، کیونکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلے لوگوں پر روزے فرض کیے گئے تھے، اسی طرح تم پر بھی فرض کیے گئے ہیں، اور پہلی امتوں کے لئے یہ حکم تھا کہ رات میں سونے کے بعد اگلا روزہ شروع ہو جاتا تھا، یہی حکم شروع میں اس امت کے لئے بھی تھا بعد میں یہ حکم ختم کر دیا گیا۔ پس یہ سابق حکم آیت أُحِلَّ لَكُمْ سے منسوخ ہے۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ: أُحِلَّ لَكُمْ کے ذریعہ جو حکم منسوخ کیا گیا ہے، اس کی مشروعیت قرآن پاک سے نہیں بلکہ حدیث پاک سے تھی، لہٰذا أُحِلَّ لَكُمْ سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی۔

شاہ صاحب ان دونوں رایوں کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: كَمَا كُتِبَ کا مقصد صرف فرضیت اور وجوب میں تشبیہ دینا ہے، احکام میں تشبیہ دینا مقصود نہیں، لہٰذا أُحِلَّ لَكُمْ سے كَمَا كُتِبَ کو منسوخ ماننا صحیح نہیں ـــــ نیز یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ: أُحِلَّ لَكُمْ سے جو حکم منسوخ کیا گیا ہے، اس کی مشروعیت حدیث پاک سے تھی، کیونکہ کوئی حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو اس طریقہ پر روزہ رکھنے کا حکم دیا ہو، بلکہ أُحِلَّ لَكُمْ سے روزہ کا وہ طریقہ ختم کیا گیا ہے جو شریعت کے وارد ہونے سے پہلے لوگوں میں رائج تھا، اور یہ نسخ نہیں، جاہلی رسم کو ختم کرنا ہے، یا سابقہ شریعت کو اٹھانا ہے۔

اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ ابتداء میں لوگ جس طرح روزہ رکھتے تھے اسی طرح روزہ رکھنے کا آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا، تو بھی یہ حکم اور یہ طریقہ حدیث نبوی سے ثابت ہوگا، قرآن پاک کی کسی آیت سے اس کو ثابت ماننا صحیح نہیں، لہٰذا اُحِلَّ لَکُمْ سے کَمَا کُتِبَ کو منسوخ ماننا بھی صحیح نہیں۔

۳ ـ قوله تعالى: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلىٰ نِسَاءِ كُمْ﴾ ناسخةٌ لقوله تعالى: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ لأن مقتضاها الموافقةُ فيما كان عليهم من تحريمِ الأكلِ والوَطْءِ بعدَ النوم؛ ذكره ابنُ العربي؛ وحكى قولاً آخر: أنه نسخٌ لِمَا كان بالسنَّةِ.

قلتُ: معنى "كماكتب" التشبيهُ في نفسِ الوجوب فلا نسخَ، إنما هوتغييرٌ لِمَاكان عندهم قبلَ الشرع؛ ولم نجد دليلا على أن النبيَّ صلى الله عليه وسلم شَرَعَ لهم ذلكَ؛ ولو سُلِّمَ فإنما كان ذلكَ بالسنةِ

ترجمہ: ۳-ارشاد خداوندی: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلىٰ نِسَاءِ كُمْ﴾ ناسخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ کے لئے، اس لئے کہ اس آیت کا مقتضیٰ موافقت کرنا ہے ان (احکام) میں جو ان پر لازم تھے، یعنی سونے کے بعد کھانے اور صحبت کی تحریم (میں وافقت کرنا) اس (قول) کو ابن العربی نے نقل کیا ہے، اور دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ یہ نسخ ہے اس (طریقہ) کا جو حدیث سے ثابت تھا۔

میں کہتا ہوں کہ: کَمَا کُتِبَ کا مطلب صرف فرضیت میں تشبیہ دینا ہے لہٰذا نسخ نہیں ہے، بیشک یہ اُس (طریقہ) کو بدلنا ہے جو ان کے یہاں (رائج) تھا شریعت (کے وارد ہونے) سے پہلے؛ اور ہم کوئی دلیل نہیں پاتے اس بات کی کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے لئے وہ طریقہ مشروع کیا تھا، اور اگر تسلیم کیا جائے کہ وہ طریقہ نبی کریم ﷺ نے مشروع کیا تھا تو وہ حدیث سے ثابت ہوگا۔

☆ ☆ ☆

اشہر حرم میں قتال کی ممانعت

چوتھی آیت: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ: قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ؛ وَصَدٌّ عَنْ

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ، وإِخْرَاجُ أَهْلِهٖ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ؛ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوْا (سورۃ بقرۃ آیت ۲۱۷)

ترجمہ: لوگ آپؐ سے قابل ادب مہینہ کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں قتال کرنا کیسا ہے؟ آپ فرمادیجئے کہ اس میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے، اور اللہ کی راہ سے روکنا، اور اس کو نہ ماننا، اور مسجد حرام سے روکنا، اور جو لوگ اس کے باشندے ہیں (یعنی حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ان کو مسجد حرام سے نکالنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے اللہ کے نزدیک (کیونکہ یہ دین میں فتنہ پردازی ہے) اور فتنہ پردازی (اُس) قتل سے (جو مسلمانوں سے سرزد ہوا) بڑھ کر ہے، اور یہ کافر ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں اگر قابو پاویں۔

تشریح: ابن جریر نے اپنی تفسیر "جامع البیان" میں عطاء بن مَیْسرہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ سورۃ بقرۃ کی مذکورہ بالا آیت ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً﴾ (اور لڑو سب مشرکوں سے ہر حال میں جیسے وہ لڑتے ہیں تم سب سے ہر حال میں۔ (سورۃ توبہ آیت ۳۶) سے منسوخ ہے۔

مگر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ سورۃ بقرۃ کی مذکورہ بالا آیت اشہر حرم (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) میں قتال کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ اس آیت میں حرمت قتال کی علت تسلیم کرنے کے بعد قتال کے حرام نہ ہونے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ اشہر حرم میں اگرچہ قتال کرنا بڑا گناہ ہے، مگر فتنہ پردازی اس سے بھی بڑھ کر ہے، اس لئے فتنہ پردازی کے مقابلہ میں اشہر حرم میں قتال کرنا حرام نہیں بلکہ جائز ہے، اور یہ توجیہ آیت کے سیاق سے ظاہر ہے، لہٰذا اس آیت کو منسوخ کہنا صحیح نہیں۔

٤ـ قوله تعالى: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ الآية منسوخةٌ بقوله تعالى: ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً﴾ الآيةَ أخرجه ابنُ جَرِيرٍ عن عطاءِ بنِ مَيْسَرَةَ،

قلتُ: هذه الآيةُ لا تدل على تحريمِ القتالِ، بل تدل على تجويزِه، وهي من قبيل تسليم العلةِ وإظهارِ المانعِ؛ فالمعنى: أن القتالَ في الشهرِ الحرامِ كبيرٌ شديدٌ، ولكن الفتنةَ أشدُّ منه، فجاز في مقابلتِها؛ وهذا التوجيهُ ظاهرٌ من سياقِها، كما لايخفى.

ترجمہ: ۴-ارشادِ خداوندی: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَقَاتِلُوْا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ سے یہ روایت نقل کی ہے ابن جریر نے عطاء بن میسرہ سے۔

میں کہتا ہوں کہ: یہ آیت دلالت نہیں کرتی قتال کی حرمت پر، بلکہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے، اور یہ آیت علت کو تسلیم کرنے اور مانع کو ظاہر کرنے کے قبیل سے ہے (یعنی علت اگرچہ پائی جارہی ہے مگر مانع کی وجہ سے حکم نہیں پایا جارہا) لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ ماہ حرام میں قتال کرنا بڑا سخت گناہ ہے، لیکن فتنہ پردازی اس سے بھی زیادہ سخت ہے، لہٰذا اس کے مقابلہ میں قتال جائز ہے اور یہ توجیہ آیت کے سیاق (یعنی مابعد کے مضمون) سے ظاہر ہے، جیسا کہ مخفی نہیں۔

☆ ☆ ☆

متوفی عنہا زوجہا کے لئے ایک سال تک متاع کی وصیت

پانچویں آیت: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ؛ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ؛ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (سورۂ بقرۃ آیت ۲۴۰)

ترجمہ: اور تم میں سے جو لوگ وفات پاجاتے ہیں، اور بیویوں کو چھوڑ جاتے ہیں وہ وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے واسطے ایک سال تک (نان ونفقہ اور رہائش سے) فائدہ اٹھانے کی، اس طور پر کہ ان کو گھر سے نہ نکالا جائے، ہاں اگر (چار مہینے دس دن کے بعد یا وضع حمل کے بعد) وہ خود نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اس بھلی بات میں جو اپنے حق میں وہ کریں، اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔

تشریح: زمانۂ جاہلیت میں وفات زوج کی عدت ایک سال تھی، اسلام میں ایک سال کے بجائے چار مہینے دس دن مقرر ہوئی، مگر ابتداء میں چونکہ میراث کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے وفات پانے والے پر اپنی بیوی کے واسطے ایک سال تک خاوند کے متروکہ مکان میں رہنے اور اس مدت میں ترکہ میں سے نان ونفقہ دینے کی وصیت کرنا ضروری تھا، لیکن عورت کے لئے سال بھر تک خاوند کے متروکہ مکان میں رہنا اور ترکہ میں سے نان ونفقہ لینا ضروری نہیں تھا، عدت گذارنے کے بعد اس کو رہنے نہ رہنے کا اختیار تھا۔

یہ حکم اب بھی کسی درجہ میں باقی ہے یا بالکل منسوخ ہوگیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، جمہور

مفسرین کہتے ہیں کہ وفات زوج کی عدت جو ایک سال تھی وہ ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ (تم میں سے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں اور بیویوں کو چھوڑ جاتے ہیں وہ بیویاں اپنے آپ کو روکے رکھیں چار مہینے دس دن، (سورۂ بقرۃ آیت ۲۳۴) سے منسوخ ہو گئی ہے۔ اور وصیت آیت میراث سے منسوخ ہو گئی ہے، للہذا اب وفات پانے والے کے لئے اپنی بیوی کے واسطے وصیت کرنا جائز نہیں، اور بیوہ کو خاوند کے متروکہ مکان میں رہنے کا جو حق تھا وہ بھی احناف کے نزدیک ساقط ہو گیا ہے۔

اور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے، مگر اس کی یہ توجیہ ممکن ہے کہ وفات پانے والے کے لئے وصیت کرنا جائز یا مستحب ہے، لیکن عورت پر وصیت کے مطابق خاوند کے متروکہ مکان میں رہنا ضروری نہیں، ابن عباسؓ کے نزدیک آیت کا یہی مطلب ہے اور یہ مطلب آیت سے ظاہر ہے۔

اور الفوز الکبیر کے شارح حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اس آیت پر عمل کرنا اس وقت واجب اور ضروری ہے جب عورت بالکل تنگ دست ہو، اور نہ اس کا کوئی ٹھکانہ ہو، نہ اس کا کوئی عزیز قریب ہو، نہ اس کو نان و نفقہ کے بقدر وراثت مل رہی ہو، کیونکہ عدت ختم ہوتے ہی فوراً دوسرا نکاح کرنا بسا اوقات آسان نہیں ہوتا، اس لئے شریعت نے ایسی صورت میں شوہر پر عورت کے واسطے ایک سال تک نان و نفقہ اور سکنی سے فائدہ اٹھانے کی وصیت کرنا واجب کیا ہے، تاکہ عورت عدت گذار کر دوسرے نکاح کی تیاری کر سکے، لیکن عورت کو عدت کے بعد اختیار ہے کہ وہ رہنا چاہے تو رہے، اور سال پورا ہونے سے پہلے دوسرے نکاح کا انتظام ہو جائے تو چلی جائے (العون الکبیر)

٥ ـ قوله تعالى: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ ـ إلى قوله ـ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ﴾ الآية منسوخةٌ بآيةِ: ﴿أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ والوصيةُ منسوخةٌ بالميراث؛ والسُكنى ثابتةٌ عند قومٍ، منسوخةٌ عند آخرين بحديثِ: "ولا سُكنى".

قلتُ: هي كما قال منسوخةٌ عند جمهورِ المفسرين؛ ويمكن أن يقالَ: يستحبُ أو يجوزُ للميت الوصيةُ، ولايجبُ على المرأةِ أن تَسْكُنَ في وصيتِه؛ وعليه ابنُ عباس؛ وهذا التوجيهُ ظاهرٌ من الآية.

ترجمہ:۵- ارشاد خداوندی: ﴿وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ﴾ تا فرمان خداوندی ﴿مَتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ﴾ منسوخ ہے آیت ﴿اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ سے، اور وصیت منسوخ ہے (آیت) میراث سے، اور سُکنیٰ باقی ہے ایک جماعت کے نزدیک، اور دوسروں کے نزدیک منسوخ ہے حدیث "وَلَاسُکْنٰی" سے، (مگر یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے حضرت عطاء کا قول ہے، بخاری شریف ج ۲ ص ۸۰۴)

میں کہتا ہوں کہ: یہ آیت جیسا کہ علامہ سیوطی نے فرمایا ہے جمہور مفسرین کے نزدیک منسوخ ہے، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ: میت کے لئے وصیت کرنا مستحب یا جائز ہے، اور عورت پر میت کی وصیت (کے مطابق اس کے گھر) میں رہنا واجب نہیں، اور ابن عباسؓ کی یہی رائے ہے، اور یہ توجیہ آیت سے ظاہر ہے۔

☆ ☆ ☆

ظاہر وباطن پر دار وگیر

چھٹی آیت: وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ (سورۂ بقرۃ آیت ۲۸۴) ترجمہ: اور تمہارے جی میں جو کچھ ہے اس کو چاہے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیں گے۔

تشریح: مَافِیْ اَنْفُسِکُمْ کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ دل میں غیر اختیاری طور پر جو برے خیالات اور گندے وساوس آتے ہیں ان پر بھی حساب اور گرفت ہو، چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ: اب تک جن احکام کا ہمیں مکلف بنایا گیا تھا یعنی نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ وغیرہ ان کے بجالانے پر ہم قادر تھے، لیکن اس آیت پر عمل کرنا ہمارے بس میں نہیں ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: تمہیں ہر حکم خداوندی کو دل وجان سے قبول کر کے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہنا چاہئے، یہود ونصاریٰ کی طرح سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے، جب صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں اپنی زبانوں سے یہ کلمات دہرائے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد والی آیت آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ نازل فرمائی جس میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کی تعریف کی گئی ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرۃ کی سب سے آخری آیت لَایُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کی طاقت

ووسعت کے بقدر) نازل فرما کر اس بات کو واضح کر دیا کہ مواخذہ صرف اختیاری باتوں پر ہوگا، غیر اختیاری باتوں اور بھول چوک پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

اس تفسیر کے پیش نظر علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ:﴿ وَاِنْ تُبْدُوْ مَافِیْ اَنْفُسِکُمْ﴾ سورۂ بقرۃ کی سب سے آخری آیت ﴿ لاَیُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلاَّ وُسْعَھَا﴾ سے منسوخ ہے، مگر شاہ صاحب علامہ سیوطیؒ کے خیال کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: متاخرین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ نسخ نہیں ہے، بلکہ عام کی تخصیص ہے، کیونکہ سورۂ بقرۃ کی آخری آیت نے یہ بات واضح کردی ہے کہ مَافِیْ اَنْفُسِکُمْ سے اخلاص اور نفاق مراد ہے، دل میں غیر اختیاری طور پر جو خیالات آتے ہیں وہ مراد نہیں ہیں، کیونکہ انسان کو اسی بات کا مکلّف بنایا گیا ہے جو اس کی قدرت ووسعت میں ہو، اور غیر اختیاری طور پر دل میں جو برے خیالات آتے ہیں ان کو رفع کرنے پر انسان قادر نہیں، اس لئے ان پر حساب وگرفت بھی نہیں۔

٦ ـ قولُه تعالى:﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ أَنْفُسِکُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ الآية منسوخةٌ بقولِهِ بعدَه:﴿ لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلاَّ وُسْعَهَا﴾ قلتُ:هو من بابِ تخصيصِ العام: بينتِ الآيةُ المتأخرةُ أن المرادَ مافی أنفسِكم من الإخلاصِ والنفاقِ، لامن أحاديثِ النفس التی لا اختيارَ فيها، فإن التكليفَ لايكونُ إلا فيما هو فی وُسْعِ الإنسانِ.

ترجمہ:٦- ارشاد خداوندی ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ أَنْفُسِکُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ منسوخ ہے اس ارشاد خداوندی سے جو اس کے بعد ہے یعنی ﴿ لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلاَّ وُسْعَهَا﴾ میں (شاہ صاحب) کہتا ہوں کہ: یہ عام کی تخصیص کے قبیل سے ہے، پچھلی آیت نے واضح کیا کہ مراد وہ اخلاص اور نفاق ہے جو تمہارے دلوں میں ہے، نہ کہ دل کے وہ خیالات جن میں اختیار نہیں، کیونکہ تکلیف نہیں ہوتی مگر اس (بات) میں جو انسان کی وسعت اور قدرت میں ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆

اللہ سے کامل طور پر ڈرنا

ساتویں آیت: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ؛ وَلاَتَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ

(سورۂ آل عمران آیت ۱۰۲) ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، (یعنی کامل و مکمل ڈرو) اور ہر گز نہ مرنا مگر مسلمان ہونے کی حالت میں (یعنی تادم مرگ عقیدۂ توحید پر قائم رہنا)

تشریح: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت سورۂ تغابن کی آیت ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے (آیت ۱۶) سے منسوخ ہے، کیونکہ اللہ سے کامل ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ: ہمیشہ اللہ کی اطاعت میں رہے، کبھی اس کی نافرمانی نہ کرے، ہمیشہ اس کا شکر ادا کرتا رہے، کبھی اس کی ناشکری نہ کرے، اور ہر وقت اللہ کو یاد کرتا رہے، کبھی اس کو فراموش نہ کرے، اور ظاہر ہے کہ یہ بات انسان کے بس میں نہیں ہے، اس لئے بعض مفسرین اس آیت کو منسوخ مانتے ہیں۔

اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں، محکم ہے، اور اللہ سے کامل ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شرک وکفر سے بچے ہو کل معاصی سے بھی بچو (بیان القرآن)

شاہ صاحب کے نزدیک بھی یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے، مگر شاہ صاحب کے نزدیک دونوں آیتوں کا مصداق ایک نہیں، الگ الگ ہے۔ حَقَّ تُقَاتِهٖ یعنی کامل ڈرنے کا حکم کفر وشرک وغیرہ عقائد باطلہ سے متعلق ہے، کیونکہ کفر وشرک اور عقائد باطلہ سے مکمل بچنا ضروری ہے، اور مَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی استطاعت کے بقدر ڈرنے کا حکم اعمال سے متعلق ہے، یعنی جو شخص وضو کی استطاعت نہیں رکھتا وہ تیمّم کرے، اور جو شخص کھڑے ہونے کی استطاعت نہیں رکھتا وہ بیٹھ کر نماز پڑھے، اور یہ توجیہ آیت کے سیاق یعنی وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ سے ظاہر ہے، کیونکہ اس میں زندگی کے آخری سانس تک اسلام پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے، جبکہ موت کے وقت اعمال کا سلسلہ تقریباً ختم ہو جاتا ہے، اس لئے اسلام سے اعمال اسلام مراد نہیں بلکہ ایمان قلبی اور عقیدۂ توحید مراد ہے۔

الحاصل اس آیت کے منسوخ ہونے نہ ہونے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک منسوخ ہے، بعض کے نزدیک محکم ہے، اور یہی راجح ہے، اور سورۂ آل عمران میں اس آیت کے علاوہ کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں نسخ کا دعوی صحیح ہو۔

ومن آل عمران:

۷ ـ قوله تعالی:﴿اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ﴾ قیل: إنه منسوخةٌ بقولِه:﴿فَاتَّقُوْا اللّٰهَ مَااسْتَطَعْتُمْ﴾ وقیل: لا،بل هو محکمٌ.

ولیس فیها آیةٌ یصح فیها دعوی النسخ غیرَ هذه الآیة.

قلتُ:﴿حَقَّ تُقَاتِهٖ﴾ فی الشرکِ والکفرِ وما یرجع إلی الاعتقادِ،و﴿مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ فی الأعمالِ: من لم یستطع الوضوءَ یتیممُ، ومن لم یستطع القیامَ یصلی قاعداً؛ وهذاالتوجیهُ ظاهرٌ من سِیاقِ الآیة،وهوقولُه:﴿وَلَاتَمُوْتُنَّ إِلَّاوَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾.

ترجمہ:اور آل عمران میں سے:

۷- ارشادخداوندی﴿اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ﴾ ہے، کہا گیاہے کہ یہ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَاتَّقُوْا اللّٰهَ مَااسْتَطَعْتُمْ﴾ سے،اور کہا گیا کہ نہیں بلکہ محکم ہے ــــــ اوراس(سورت)میں ایسی کوئی آیت نہیں جس کے بارے میں نسخ کا دعویٰ صحیح ہو سوائے اس آیت کے۔

میں کہتاہوں کہ:حَقَّ تُقَاتِهٖ(کاحکم)شرک وکفراوران امور کے بارے میں ہے جواعتقاد کی طرف لوٹتے ہیں،اور مَا اسْتَطَعْتُمْ(کاحکم)اعمال کے بارے میں ہے(چنانچہ)جوشخص وضوء کی استطاعت نہیں رکھتاوہ تیمم کرتاہے،اور جو کھڑے ہونے کی استطاعت نہیں رکھتاوہ بیٹھ کرنماز پڑھتاہے،اور یہ توجیہ آیت کے سیاق سے ظاہرہے،اور وہ اللہ تعالیٰ کاارشاد﴿وَلَاتَمُوْتُنَّ إِلَّاوَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾ ہے۔

☆ ☆ ☆

موالی کا حصہ

آٹھویں آیت: وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ؛ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ (سورۂ نساء آیت ۳۳)ترجمہ:اور ہم نے وارث مقرر کردیئے ہیں ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جاتے ہیں،اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہواہے ان کوان کا حصہ دو۔

تشریح:علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت سورۂ احزاب کی آیت﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ

أُوْلٰی بِبَعْضٍ﴾ رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں (آیت ٦) سے منسوخ ہے، اور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ میراث تو رشتہ داروں کے لئے ہے، اور جن لوگوں سے تم نے معاہدہ کیا ہے ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:

"اکثر لوگ حضرت ﷺ کے ساتھ اکیلے اکیلے مسلمان ہوگئے تھے، اور ان کا سب کنبہ اور تمام اقرباء کافر چلے آتے تھے، تو اس وقت حضرت ﷺ نے دو، دو مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی کردیا تھا، وہی دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے، جب ان کے اقرباء بھی مسلمان ہوگئے تب یہ آیت اتری کہ میراث تو اقرباء اور رشتہ داروں ہی کا حق ہے، اب رہ گئے وہ منہ بولے بھائی تو ان کے لئے میراث نہیں، ہاں زندگی میں ان کے ساتھ سلوک ہے، اور مرتے وقت کچھ وصیت کردے تو مناسب ہے، مگر میراث میں کوئی حصہ نہیں" (فوائد عثمانی)

ومن النساء

٨- قوله تعالى: ﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾ الآية منسوخة بقوله: ﴿وَأُولُوا الأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾

قلت: ظاهر الآية أن الميراثَ للموالي والبرَّ والصلةَ لمولى الموالاةِ فلا نسخَ.

ترجمہ: اور سورۂ نساء میں سے:

٨- ارشاد خداوندی ﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَأُولُوا الأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾ سے۔

میں کہتا ہوں کہ: آیت نساء کا ظاہر یہ ہے کہ میراث رشتہ داروں کے لئے ہے، اور حسن سلوک اور صلہ رحمی مولی الموالات کے لئے ہے، لہٰذا (یہ آیت) منسوخ نہیں۔

لغات:

الموالی، مولی کی جمع ہے: رشتہ دار، وارث...... مولی الموالات: اس شخص کو کہتے ہیں جس نے

عقد موالات قبول کیا ہو، اور عقد موالات یہ ہے کہ دو شخص آپس میں یہ معاہدہ کریں کہ ہم ایک دوسرے کا زندگی بھر تعاون کریں گے، ایک پر کوئی تاوان آئے گا تو دوسرا اس کو ادا کرے گا، اور جب ایک مر جائے گا تو دوسرا اس کا وارث ہوگا ـــــ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار میں جو مواخات کی تھی وہ بھی عقد موالات کی ایک صورت تھی۔

☆ ☆ ☆

تقسیم میراث کے وقت رشتہ داروں، یتیموں اور غریبوں کو کچھ دینے کا حکم

نویں آیت: وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبىٰ وَالْيَتَامىٰ وَالْمَسَاكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِنْهُ، وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلاً مَعْرُوْفًا (سورۂ نساء آیت ۸) ترجمہ: اور جب حاضر ہوں (ترکہ کی) تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج لوگ تو ان کو اس (ترکہ) میں سے کچھ دے دو۔ اور ان کے ساتھ خوبی (اور نرمی) سے بات کرو۔

تشریح: بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت، آیت میراث یعنی ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ﴾ سے منسوخ ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں، لیکن لوگ اس پر عمل کرنے میں سست ہو گئے ہیں۔

شاہ صاحب اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے، اور یہ حکم واجب نہیں مستحب ہے، چنانچہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:

> "تقسیم میراث کے وقت برادری اور کنبہ کے لوگ جمع ہوں تو جو رشتہ دار ایسے ہوں جن کو میراث میں حصہ نہیں پہنچتا، یا یتیم اور محتاج ہوں ان کو کچھ کھلا کر رخصت کرو، یا کوئی چیز ترکہ میں سے حسب موقع ان کو بھی دے دو، کہ یہ سلوک کرنا مستحب ہے، اور اگر مال میراث میں سے کھلانے یا کچھ دینے کا موقع نہ ہو، مثلاً وہ یتیموں کا مال ہے، اور میت نے وصیت بھی نہیں کی تو ان لوگوں سے معقول بات کہہ کر رخصت کر دو یعنی نرمی سے عذر کر دو کہ یہ مال یتیموں کا ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی اس لئے ہم مجبور ہیں"

۹ ۔ قوله تعالى: ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ﴾ الآية قيل منسوخة وقيل: لا، ولكن تهاونَ الناسُ في العملِ بها.

قلت: قال ابنُ عباس: هي محكمةٌ، والأمرُ للاستحباب وهذا أظهرُ

ترجمہ: ۹- ارشاد خداوندی ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ﴾ کہا گیا کہ منسوخ ہے، اور کہا گیا کہ (منسوخ) نہیں۔ لیکن لوگ اس پر عمل کرنے میں سست ہو گئے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ: ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آیت محکم ہے اور امر استحباب کے لئے ہے، اور یہ (مطلب) زیادہ ظاہر ہے۔

☆ ☆ ☆

بدکار عورتوں کو گھروں میں محبوس کرنا

دسویں آیت: وَالّٰتِيْ يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ، فَإِنْ شَهِدُوْا فَأَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلاً (سورۂ نساء آیت ۱۵) ترجمہ: اور جو عورتیں بدکاری کریں تمہاری بیویوں میں سے تو تم ان کی (بدکاری) پر اپنوں میں سے چار مردوں کو گواہی دینے کا حکم دو، پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (بدکار عورتوں) کو گھروں میں مقید رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ تجویز فرمائیں۔

تشریح: جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ سورۂ نور کی یہ آیت ہے: ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ (بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والے مرد (کا حکم یہ ہے کہ) ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو (سورۂ نور آیت ۲)

لیکن شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ نسخ نہیں، بلکہ حکم کا جو وقت مقرر کیا گیا تھا وہ پورا ہو گیا، چنانچہ جب حکم اپنی انتہاء کو پہنچ گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خُذُوْا عَنِّيْ، خُذُوْا عَنِّيْ، قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلاً (مجھ سے حاصل کرو، مجھ سے حاصل کرو، اللہ نے ان کے لئے راہ تجویز فرمادی، مشکوٰۃ شریف ص ۳۰۹) لہٰذا متاخرین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ نسخ نہیں، کیونکہ متاخرین مطلق حکم کی انتہا بیان کرنے کو نسخ کہتے ہیں، موقت حکم کی انتہا بیان کرنے کو نسخ نہیں کہتے، نور

الانوار میں ہے: اذا التحق به التوقیتُ لایُنْسَخُ قبل ذٰلك الوقتِ، وبعده لایُطْلَقُ علیه اسمُ النسخ...... والاولیٰ فی نظیرہ: قولُه تعالی: فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ، وقولُه تعالی: فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلاً (نور الانوار ص ۲۰۹)

مگر شاہ صاحب نے یہ واضح نہیں فرمایا کہ: سورۂ نساء کی مذکورہ بالا آیت معمول بہا ہے یا نہیں؟ اگر معمول بہا ہے تو اس پر عمل کرنے کی کیا صورت ہے؟ —— البتہ الفوز الکبیر کے شارح حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: سورۂ نساء کی مذکورہ بالا آیت پر اس وقت عمل کرنا واجب ہے جب مسلمان اقتدار سے محروم ہونے کی وجہ سے حدود جاری کرنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں، کیونکہ یہ آیت ایسے ہی حالات میں نازل ہوئی تھی، پھر جب مسلمان اپنے اقتدار سے حدود جاری کرنے پر قادر ہوگئے تو حدود کی آیتیں نازل ہوئیں (العون الکبیر)

۱۰- قوله تعالی: ﴿ والّٰتِیْ یَأْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ ﴾ الآیة منسوخةٌ بآیة النورِ قلت: لانسخَ فی ذلك، بل هو ممتدٌّ إلی الغایة، فاما جاءتِ الغایةُ بَیَّنَ النبیُّ صلی الله علیه وسلم أن السبیلَ الموعودَ کذا و کذا فلانسخَ.

ترجمہ: ۱۰- ارشاد خداوندی ﴿ والّٰتِیْ یَأْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ ﴾ منسوخ ہے سورۂ نور کی آیت سے۔
میں کہتا ہوں کہ: اس میں نسخ نہیں ہے، بلکہ وہ (حکم) غایت تک لمبا کیا ہوا ہے، پھر جب غایت آگئی تو نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ جس راہ کا وعدہ کیا گیا تھا وہ یہ یہ ہے، لہٰذا (یہ) نسخ نہیں۔

☆ ☆ ☆

حرام مہینہ کو حلال کرنے کی ممانعت

گیارہویں آیت: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتُحِلُّوْا شَعَائِرَ اللّٰهِ وَلَاالشَّهْرَ الْحَرَامَ (سورۂ مائدہ آیت ۲) ترجمہ: اے ایمان والو! حلال نہ سمجھو اللہ کی نشانیوں کو، اور نہ ادب والے مہینے کو۔

تشریح: جمہور مفسرین کے نزدیک ادب والے مہینے (یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، اور محرم) کو حلال نہ سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان مہینوں میں مشرکین سے قتال نہ کرو —— اسی تفسیر کے

پیش نظر علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ: ارشاد خداوندی ﴿وَلَاالشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ منسوخ ہے، اور ناسخ وہ آیات ہیں جن میں مشرکین سے ہر حال میں قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی ﴿اُقْتُلُوْا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ اور ﴿وَقَاتِلُوْا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً﴾ وغیرہ آیات ناسخ ہیں۔

مگر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: وَلَاالشَّهْرَ الْحَرَامَ کا ناسخ نہ ہم قرآن پاک میں پاتے ہیں، نہ احادیث صحیحہ میں، کیونکہ وَلَاالشَّهْرَ الْحَرَامَ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ادب والے مہینے میں مشرکین سے قتال کرنا حرام ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو قتال اور خون ریزی ہمیشہ کے لئے حرام ہے، اس کی حرمت اور قباحت ادب والے مہینے میں مزید سخت ہو جاتی ہے۔ اور یہ ارشاد خداوندی ایسا ہے جیسا آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے: اِنَّ دِمَائَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر (ہمیشہ کے لئے) حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن، اس مہینہ اور اس شہر میں حرام ہیں، یعنی ناحق کسی کا خون کرنا اور ناجائز طریقہ پر کسی کا مال لینا ہمیشہ کے لئے حرام ہے جس طرح آج عرفہ کے دن، اس مبارک مہینے اور اس مقدس شہر مکہ میں ناحق کسی کا خون کرنا اور مال لینا حرام ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۵)

ومن المائدة

۱۱- قولُه تعالى: ﴿وَلَاالشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ الآية منسوخةٌ بإباحةِ القتالِ فيه.

قلتُ: لانَجِدُ في القرآن ناسخا له، ولافي السنةِ الصحيحةِ؛ ولكن المعنى: أن القتالَ المحرَّمَ يكون في الشهر الحرام أشدُّ تغليظا، كما قال النبي صلى الله عليه وسلم في الخطبة: "إن دمائكم وأموالكم حرامٌ عليكم، كحرمةِ يومِكم هذا في شهرِكم هذا، في بلدِكم هذا"

ترجمہ: اور سورۂ مائدہ میں سے:

۱۱- ارشاد خداوندی ﴿وَلَاالشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ منسوخ ہے اس (ماہ مبارک) میں قتال کو جائز کرنے سے

میں کہتا ہوں کہ: ہم اس کا ناسخ نہیں پاتے قرآن پاک میں، اور نہ حدیث صحیح میں، بلکہ مطلب یہ

ہے کہ جو قتال حرام ہے وہ ادب والے مہینے میں اور سخت ہو جاتا ہے، جیسے نبی کریم ﷺ نے (حجۃ الوداع کے) خطبہ میں فرمایا تھا: بیشک تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر (ہمیشہ کے لئے) حرام ہیں، جیسے تمہارے اس دن، تمہارے اس مہینے اور تمہارے اس شہر میں حرام ہیں۔

☆ ☆ ☆

غیر مسلموں کے معاملات میں فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار

بارہویں آیت: فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ، أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا، وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (سورۂ مائدہ آیت ۴۲)

ترجمہ: سو اگر وہ (کافر لوگ) آپ کے پاس آئیں تو فیصلہ کیجئے ان کے معاملہ میں، یا ان کو ٹال دیجئے، اور اگر آپ ان کو ٹال دیں تو وہ آپ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے معاملہ میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجئے، بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔

تشریح: جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اختیار ابتداء میں تھا، پھر جب اسلام کا تسلط اور غلبہ کامل ہو گیا تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ، وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾
ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس کتاب کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے اتاری ہے، اور ان کی خواہشوں کی اتباع نہ کیجئے (سورۂ مائدہ آیت ۴۹)

چونکہ اس آیت سے وہ اختیار ختم ہو گیا جو پہلی آیت میں دیا گیا تھا، اس لئے علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ: سورۂ مائدہ کی پہلی آیت اس آیت سے منسوخ ہے، مگر شاہ صاحب علامہ سیوطیؒ کی رائے کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اگر آپ فیصلہ کرنے کو اختیار فرمائیں تو ان کے باہمی معاملات میں اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کریں، اور ان کی خواہشوں کی اتباع نہ کریں، لہٰذا اس آیت کا حاصل بھی وہی ہے جو پہلی آیت کا ہے کہ ہم چاہیں تو ذمیوں کو اجازت دیں کہ وہ اپنے معاملات اپنے پیشواؤں کے پاس لیجائیں، اور وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کریں، اور اگر ہم چاہیں تو ان کے باہمی معاملات میں اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کریں، لہٰذا یہ آیت پہلی آیت کے لئے ناسخ نہیں ہے، بلکہ اس میں پہلی آیت

کی وضاحت اور تاکید ہے۔

۱۲- قوله تعالى:﴿فَإِنْ جَاؤُكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ، اَوْ أَعْرِضْ عَنهُمْ﴾الآية منسوخة بقوله:﴿ وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾.
قلتُ: معناه: إن اخترْتَ الحُكْمَ فَاحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ، وَلاَ تَتَّبِعْ أَهْوَائَهُمْ؛ فالحاصل:أنه لنا أن نتركَ أهلَ الذِمَّةِ أن يرفعوا القضيةَ إلى زُعمائهم، فيكحموا بما عندهم، ولنا أن نحكمَ بما أنزل اللّٰهُ علينا.

ترجمہ:۱۲-ارشاد خداوندی:﴿فَإِنْ جَاؤُكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ، اَوْ أَعْرِضْ عَنهُمْ﴾ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد﴿ وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾سے۔

میں کہتا ہوں کہ:اس کے معنی یہ ہیں کہ:اگر آپ فیصلہ کو اختیار فرمائیں تو فیصلہ کریں اس کتاب کے مطابق جو اللہ نے اتاری ہے،اور ان کی خواہشوں کی اتباع نہ کریں، پس (دونوں آیتوں کا) حاصل یہ ہے کہ ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم ذمیوں کو چھوڑ دیں کہ وہ اپنے پیشواؤں کے پاس معاملات لیجائیں اور وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کریں، اور ہمارے لئے یہ بھی جائز ہے کہ ہم فیصلہ کریں اس (قانون) کے مطابق جو اللہ نے ہم پر اتارا ہے۔

☆ ☆ ☆

سفر میں غیر مسلم کو بوقت مرگ گواہ بنانا

تیرہویں آیت: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ، أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ ، إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُصِيْبَةُ الْمَوْتِ(سورۂ مائدہ آیت ۱۰۶)

ترجمہ:اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کے مرنے کا وقت قریب آجائے اور وصیت کا وقت ہو تو تمہارے درمیان دو گواہ ہونے چاہئیں جو عادل ہوں اور تم میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے) ہوں، یا تمہارے سوا (یعنی کافروں میں سے) دو گواہ ہوں، اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو پھر تم پر موت کی مصیبت آپڑے۔

تشریح: علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ﴿اَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ منسوخ ہے، کیونکہ

مسلمانوں کے کسی معاملہ میں کافر کو گواہ بنانا جائز نہیں، اور ناسخ سورۂ طلاق کی یہ آیت ہے: ﴿وَأَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ گواہ بناؤ تم اپنوں (یعنی مسلمانوں) میں سے دو عادل مردوں کو (آیت ۲)

مگر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں، کیونکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ جب سفر میں مسلمان گواہ نہ مل سکیں تو کافر کو گواہ بنانا جائز ہے۔ اور دیگر ائمہ کے نزدیک اگرچہ مسلمانوں کے معاملہ میں کافر کو گواہ بنانا کسی صورت میں جائز نہیں، مگر پھر بھی اس آیت کو منسوخ کہنا صحیح نہیں، کیونکہ آیت کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ "غیرکم" سے غیر مسلمین مراد نہیں، بلکہ وہ مسلمان مراد ہیں جو موصی کے رشتہ دار نہ ہوں۔

۱۳- قوله تعالى: ﴿أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ منسوخٌ بقوله: ﴿وَأَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾. قلتُ: قال أحمدُ بظاهرِ الآيةِ ومعناها عندَ غيرِه: أو آخرانِ من غيرِ أقاربِكم، فيكونانِ من سائرِ المسلمين.

ترجمہ: ۱۳- ارشاد خداوندی ﴿أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَأَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ سے۔

میں کہ[illegible]ہر آیت کے قائل ہیں، اور دیگر ائمہ کے نزدیک آیت کے معنی ہیں: یا تمہارے رشتہ داروں کے سوا دو گواہ ہوں لہٰذا وہ دونوں دیگر مسلمانوں میں سے ہوں گے۔

آیت مائدہ کی سب سے بہتر تفسیر

آیت مائدہ کی مذکورہ بالا تفسیر جس کے پیش نظر علامہ سیوطیؒ نے آیت کو منسوخ کہا ہے، اور شاہ صاحب نے اس کی توجیہ کی ہے، جمہور مفسرین کے نزدیک غیر راجح ہے، راجح تفسیر کے اعتبار سے یہ آیت کسی کے نزدیک منسوخ نہیں، سب کے نزدیک محکم ہے، کیونکہ راجح تفسیر کے اعتبار سے گواہ سے مراد وصی ہے، اور وصی کا مسلمان ہونا ضروری نہیں، غیر مسلم اور غیر عادل کو بھی وصی بنانا جائز ہے۔ علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ: گواہ سے مراد یہاں وصی ہے، اس کے اقرار و اظہار کو گواہی سے تعبیر فرمادیا (فوائد عثمانی) اور حضرت تھانوی قدس سرہ اس آیت کی تفسیر

کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:

”اے ایمان والو! تمہارے آپس (کے معاملات) میں (مثلاً ورثاء کو مال سپرد کرنے کے لئے) دو شخص وصی ہونا مناسب ہے (گو بالکل وصی نہ بنانا بھی جائز ہے) جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے (یعنی) جب وصیت کرنے کا وقت ہو (اور) وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے) ہوں، یا غیر قوم کے دو شخص ہوں، اگر (مسلمان نہ ملیں، مثلاً) تم کہیں سفر میں گئے ہو، پھر تم پر واقعہ موت کا پڑ جائے (اور یہ سب امور واجب نہیں مگر مناسب اور بہتر ہیں، ورنہ جس طرح بالکل وصی نہ بنانا جائز ہے اسی طرح اگر ایک وصی ہو یا عادل نہ ہو یا حضر میں غیر مسلم کو بنادے سب جائز ہے (معارف القرآن و بیان القرآن)

اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ آیت مائدہ کی مذکورہ تفسیر کرنے کے بعد جو حضرت تھانوی قدس سرہ نے کی ہے، تحریر فرمایا ہے: وعلٰی هذا التفسير الذی ذکرتُ تطابق الایةُ سببَ نزولها، ولایلزم النَسْخُ، لانَّ یمینَ الوصی عند انکارِہ الخیانةَ، ویمینَ الوارثِ عند انکارہ دعوی الوصی الشراءَ ونحوہ حکمٌ ثابتٌ محکمٌ، وقد تقرر عندالقوم ان شیئا من سورة المائدةِ لم یُنْسَخْ، وقیل: معنی الآیة، لِیَسْتَشْهَدِ المیتُ عند احتضارہ اذا اوصی لاحد رَجُلَیْنِ، لِیُؤَدِّیَا الشهادةَ عند القاضی للموصٰی لَهٗ، ویدل علیه ظاهرُ قوله تعالٰی: لَانَشْتَرِیْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی یعنی ولو کان الموصٰی له ذا قُرْبٰی مِنَّا لانَشْهَدُ له بالزیادة علی الوصیةِ طَمَعًا، وعلی هذا التاویل قیل معنی ذَوَاعَدْلٍ مِنْكُمْ ای من حَیِّ الْمُوْصِی، اَوْ آخَرَانِ مِنْ غَیْرِكُمْ ای من غیر حَیِّکم وعشیرتکم، وهو قولِ الحسن والزهری وعکرمة (تفسیر مظہری)

☆ ☆ ☆

دس گنا دشمنوں سے مقابلہ کرنا

چودہویں آیت: یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّایَفْقَهُوْنَ (سورۂ انفال آیت ۶۵)

ترجمہ:اے نبی!آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے،اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب آجائیں گے،اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے،اس وجہ سے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

تشریح:علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے جو اس کے بعد ہے،اور وہ یہ ہے:﴿اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ ،وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ، فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ، وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ،وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (سورۂ انفال آیت ٦٦)

ترجمہ:اب اللہ تعالیٰ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کردیا اور جان لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے،سو اگر تم میں سے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے،اور اگر تم میں سے ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر غالب آجائیں گے اللہ کے حکم سے،اور اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہیں۔

شاہ صاحب علامہ سیوطیؒ کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:سورۂ انفال کی مذکورہ بالا آیت منسوخ ہے ـــــــ مگر الفوز الکبیر کے شارح اور مفسر قرآن حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ:ابتداء میں جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس وقت مسلمانوں کو اپنے سے دس گنا کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کا حکم دیا گیا تھا،پھر جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو اس میں تخفیف کردی گئی،اور اپنے سے دوگنے کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کا حکم دیا گیا،لہٰذا خدانخواستہ اسلام کا حال دوبارہ ایسا ہی ہو جائے جیسا ابتداء میں تھا تو مسلمانوں کو اپنے سے دس گنا کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری ہوگا(العون الکبیر)

نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ نسخ نہیں ہے،بلکہ تخفیف ہے،کیونکہ آج بھی مسلمانوں کے لئے اپنے سے دس گنا کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے،اگر سورۂ انفال کی دوسری آیت سے پہلی آیت منسوخ ہوتی تو مسلمانوں کے لئے اپنے سے دس گنا کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا جائز نہ ہوتا،اور یہ توجیہ دوسری آیت سے ظاہر ہے، کیونکہ تخفیف کی وجہ ہمت کی کمی ہے،اگر مسلمانوں میں ہمت ہو تو آج بھی دس گنا کافروں کا

مقابلہ کر سکتے ہیں۔

ومن الأنفال:

۱۴- قوله تعالى: ﴿إِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ﴾ الآية منسوخةٌ بالآية بعدها.

قلتُ: هي كما قال منسوخةٌ.

ترجمہ: اور سورۂ انفال میں سے:

۱۴- ارشاد خداوندی ﴿إِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ﴾ —— آخیر آیت تک —— منسوخ ہے اس آیت سے جو اس کے بعد ہے —— میں کہتا ہوں کہ یہ آیت جیسا کہ علامہ سیوطی نے فرمایا منسوخ ہے۔

☆ ☆ ☆

ہلکے اور بوجھل جہاد کے لئے نکل پڑنا

پندرہویں آیت: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالاً وَّجَاهِدُوْا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورۂ توبہ آیت ۴۱) ترجمہ: (جہاد کے لئے) نکلو ہلکے ہونے کی حالت میں (یعنی تندرست اور جوان وقوی ہونے کی حالت میں) اور بوجھل ہونے کی حالت میں (یعنی بیمار، بوڑھے، اور کمزور ہونے کی حالت میں) اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔

تشریح: علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ توبہ کی یہ آیت عذر کی آیتوں اور وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً (سورۂ توبہ آیت ۱۲۲) سے منسوخ ہے، اور آیات عذر یہ ہیں:

(۱) لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ (سورۂ فتح آیت ۱۷) ترجمہ: نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے، نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے، نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے۔

(۲) لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ

اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، مَاعَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، وَلَاعَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاأَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآأَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوْا مَايُنْفِقُوْنَ﴾ (سورۂ توبہ آیت ۹۱، ۹۲) ترجمہ: کمزوروں پر کوئی گناہ نہیں ہے، نہ بیماروں پر، نہ ان لوگوں پر جن کے پاس (جہاد کی تیاری کے لئے) خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے، جبکہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کریں، اور ان نکوکاروں پر کسی قسم کا الزام نہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے اور بڑی رحمت والے ہیں، اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) کہ جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تاکہ آپ ان کو کوئی سواری دیں، اور آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کروں، تو وہ اس حال میں واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں، اس غم میں کہ (جہاد کی تیاری کے واسطے) خرچ کرنے کو کوئی چیز نہیں پاتے۔

الغرض علامہ سیوطیؒ کی رائے یہ ہے کہ ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ عذر کی آیتوں اور ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً﴾ سے منسوخ ہے، لیکن شاہ صاحب، علامہ سیوطیؒ کی رائے کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: خِفَافًا کے معنی ہیں: جہاد کے لئے جو سازوسامان درکار ہے اس کے کم ہونے کے باوجود، اور ثِقَالًا کے معنی ہیں: سازوسامان بھرپور ہونے کے ساتھ، اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ: (جہاد کے لئے) نکلو تھوڑے سامان کے ساتھ اور زیادہ سامان کے ساتھ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو —— لہٰذا اس آیت کو منسوخ کہنا صحیح نہیں، کیونکہ اس آیت میں بیمار، معذور اور کمزور مسلمانوں کو جہاد میں نکلنے کا حکم نہیں دیا گیا، صرف تندرست اور طاقت ور مسلمانوں کو ہر حال میں نکلنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لیکن ہم مان لیں کہ اس آیت میں تمام مسلمانوں کو جہاد میں نکلنے کا حکم دیا گیا ہے، چاہے تندرست ہو یا بیمار، جوان ہو یا بوڑھا، طاقت ور ہو یا کمزور، تب بھی اس آیت کو منسوخ کہنا صحیح نہیں، کیونکہ جب دشمنوں کا حملہ شدید ہو، اور امام کی طرف سے نفیر عام ہو اس وقت تمام مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے —— یہ آیت کے منسوخ نہ ہونے کی دوسری توجیہ ہے جس کو شاہ صاحب نے "او نقول" سے بیان کیا ہے۔

ومن البراءة

۱۵- قولہ تعالیٰ: ﴿إِنْفِرُوْا خِفَافًا وَثِقَالاً﴾ منسوخةٌ بآياتِ العُذْر، وهی قولہ تعالی: ﴿لَيْسَ عَلَى الأَعْمىٰ حَرَجٌ﴾ الآية وقوله تعالی: ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ﴾ الآيتين، وبقوله تعالی: ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً﴾

قلتُ: خِفافا ای مع اقلِ مايتأتّى به الجهادُ من مركوب وعَبْدٍ للخدمة، ونفقةٍ يقنَعُ بها؛ وثقالاً ای مع الخَدَم الكثيرين، والمراكب الكثيرة، فلا نسخَ؛ او نقولُ: ليس النسخُ متعينا

ترجمہ: اور سورۂ براءت میں سے:

۱۵- ارشاد خداوندی: ﴿إِنْفِرُوْا خِفَافًا وَثِقَالاً﴾ منسوخ ہے عذر کی آیتوں سے، اور وہ ارشاد خداوندی: ﴿لَيْسَ عَلَى الأَعْمىٰ حَرَجٌ﴾ —— آخیر آیت تک —— ہے اور ارشاد خداوندی: ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ﴾ —— دو آیتوں تک —— ہے، اور ارشاد خداوندی ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً﴾ سے (منسوخ ہے)

میں کہتا ہوں کہ: خِفَافًا کے معنی ہیں: ان چیزوں کے کم ہونے کے ساتھ جن سے جہاد ہوتا ہے، یعنی ایک سواری اور خدمت کے لئے ایک غلام اور اتنا نفقہ جس پر قناعت ہو سکے اور ثِقَالاً کے معنی ہیں: بہت سے نوکروں اور بہت سی سواریوں کے ساتھ، لہٰذا (یہ آیت) منسوخ نہیں، یا ہم کہیں گے کہ (اس آیت کا) منسوخ ہونا متعین نہیں ہے، (کیونکہ دشمن کے ہجوم کے وقت اس آیت پر عمل کرنا واجب ہے)

☆ ☆ ☆

زانی اور زانیہ سے نکاح کی برائی

سولھویں آیت: الزَّانِیْ لاَيَنْكِحُ إِلاَّ زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً، وَالزَّانِيَةُ لاَيَنْكِحُهَا إِلاَّ زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ، وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۂ نور آیت ۳) ترجمہ: بدکار مرد نکاح نہیں کرتا مگر بدکار عورت سے یا مشرکہ سے، اور بدکار عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر بدکار مرد یا مشرک، اور

یہ (یعنی زانیہ اور مشرکہ سے نکاح کرنا —— یا زنا اور شرک) مؤمنین پر حرام کر دیا گیا ہے۔

تشریح: اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ: زانی اور زانیہ کا ایک دوسرے سے نکاح ہو سکتا ہے، مگر پاکدامن مرد و عورت سے ان کا نکاح نہیں ہو سکتا —— ان حضرات کے نزدیک "ذٰلِكَ" کا مشار الیہ "نکاح زوانی" ہے

اور محققین کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ: زانی، زانیہ کا کفو ہے، پاکدامن عورت کا کفو نہیں، لہٰذا زانی کو زانیہ سے نکاح کرنا چاہئے —— یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ: پاک دامن مرد کے لئے زانیہ سے نکاح کرنا بہتر نہیں —— ان حضرات کے نزدیک "ذلك" کا مشار الیہ "زنا اور شرک" ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تفسیر کے پیش نظر کہتے ہیں کہ سورۂ نور کی مذکورہ بالا آیت منسوخ ہے، اور ناسخ سورۂ نور کی یہ آیت ہے: ﴿وَأَنْكِحُوْا الْأَيَامىٰ مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ، إِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (آیت ۳۲) ترجمہ: اور تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو، اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں جو (نکاح کے) لائق ہوں ان کا بھی (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیں گے، اور اللہ تعالیٰ وسعت والے اور خوب جاننے والے ہیں۔

لیکن شاہ صاحبؒ علامہ سیوطی کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: سورۂ نور کی مذکورہ بالا آیت منسوخ نہیں، کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک زانی اور زانیہ جب تک توبہ نہ کریں پاکدامن مرد و عورت سے ان کا نکاح نہیں ہو سکتا، اور دیگر ائمہ کے نزدیک اگرچہ زانی اور زانیہ کا نکاح پاک دامن مرد و عورت سے ہو سکتا ہے، مگر پھر بھی اس آیت کو منسوخ کہنا صحیح نہیں، کیونکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ: زانی چونکہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق ہے اس لئے زانیہ کا تو کفو ہے، مگر پاک دامن عورت کا کفو نہیں، لہٰذا زانی کو زانیہ سے نکاح کرنا چاہئے، پاک دامن عورت سے نکاح نہیں کرنا چاہئے —— یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ پاک دامن مرد کے لئے زانیہ سے نکاح کرنا بہتر نہیں، اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ پاک دامن عورت سے نکاح کرے۔

اور "ذلك" کا مشار الیہ نکاح زوانی نہیں، بلکہ زنا اور شرک ہے، اور ان دونوں کے حرام

ہونے میں کوئی شک نہیں، اور علامہ سیوطیؒ نے جس آیت کو ناسخ کہا ہے یعنی ﴿وَانْكِحُوا الْاَيَامٰى﴾ وہ عام ہے، اور عام سے خاص کا نسخ نہیں ہو سکتا، لہٰذا نسخ کا دعوی صحیح نہیں۔

ومِنَ النُورِ

۱۶- قوله تعالى: ﴿الزَّانِىْ لاَيَنْكِحُ إِلاَّ زَانِيَةً ﴾ الآية منسوخةٌ بقوله تعالى: ﴿وَأَنْكِحُوْا الأَيَامىٰ مِنْكُمْ﴾.

قلتُ: قال أحمدُ بِظاهرِ الآية؛ ومعناها عند غيرِه: أن مرتكبَ الكبيرةِ ليس بكُفْءٍ إلا للزانية؛ أو لايستحبُ له اختيارُ الزانية؛ وقوله: ﴿وَحُرِّمَ ذٰلِكَ﴾ إشارةٌ إلى الزنا والشرك، فلا نسخَ، وأما قوله: ﴿وَأَنْكِحُوْا الأَيَامىٰ﴾ فعامٌّ، لايَنْسَخُ الخاصَ.

ترجمہ: اور سورۂ نور میں سے:

۱۶- ارشاد خداوندی ﴿اَلزَّانِىْ لاَيَنْكِحُ إِلاَّ زَانِيَةً ﴾ آخیر آیت تک ——— منسوخ ہے ارشاد خداوندی ﴿وَأَنْكِحُوْا الأَيَامىٰ مِنْكُمْ﴾ سے۔

میں کہتا ہوں کہ: امام احمد بن حنبلؒ آیت کے ظاہر کے قائل ہیں، اور ان کے ماسوا کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کفو نہیں ہے، مگر زانیہ کا، یا (آیت کے معنی یہ ہیں کہ) پاک دامن مرد کے لئے زانیہ کو اختیار کرنا بہتر نہیں، اور ارشاد خداوندی وَحُرِّمَ ذٰلِكَ میں زنا اور شرک کی طرف اشارہ ہے، لہٰذا (یہ آیت) منسوخ نہیں، اور رہا ارشاد خداوندی: وَأَنْكِحُوْا الاَيَامىٰ تو وہ عام ہے وہ خاص کو منسوخ نہیں کر سکتا۔

☆ ☆ ☆

غلاموں اور بچوں کے لئے اجازت طلبی کا حکم

سترہویں آیت: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوْا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ: مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ، وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيْرَةِ، وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ، ثَلٰثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ، لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلاَ عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ، طَوّٰافُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ، كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الآيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

حَكِيمٌ (سورۂ نور آیت ۵۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے مملوکوں کو، اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں ان کو تین وقتوں میں اجازت لینی چاہئے، فجر کی نماز سے پہلے، اور جب تم دو پہر کو اپنے (بعض) کپڑے اتار دیتے ہو، اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں، اور ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی تنگی ہے نہ ان پر کوئی تنگی ہے، وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس کوئی کسی کے پاس، اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں۔

تشریح: علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے، اور بعض کے نزدیک منسوخ نہیں محکم ہے، لیکن لوگ اس پر عمل کرنے میں سستی برتتے ہیں۔

اور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے اور یہ رائے نہایت وقیع اور قابل اعتماد ہے۔

۱۷- قوله تعالى: ﴿لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ الآية قيل: منسوخةٌ، وقيل: لا، ولكن تهاون الناس في العمل بها. قلتُ: مذهب ابنِ عباسٍ رضي الله عنه: أنها ليست بمنسوخةٍ؛ وهذا أوجهُ وأولى بالاعتماد.

ترجمہ: ۱۷- ارشاد خداوندی: ﴿لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ —— آخر آیت تک —— کہا گیا کہ منسوخ ہے اور کہا گیا کہ (منسوخ) نہیں، لیکن لوگ اس پر عمل کرنے میں سستی کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ: حضرت ابن عباسؓ کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں، اور یہ (رائے) نہایت وقیع اور اعتماد کے لائق ہے۔

☆ ☆ ☆

آنحضور ﷺ کیلئے موجود ازواج کے علاوہ عورتوں کا حلال نہ ہونا

اٹھارویں آیت: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ، وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ، إِلَّا مَامَلَكَتْ يَمِينُكَ، وَكَانَ اللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا (سورۂ احزاب آیت

۵۲) ترجمہ: ان کے علاوہ اور عورتیں آپؐ کے لئے حلال نہیں، اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان ازواج (مطہرات) کی جگہ دوسری ازواج کرلیں اگرچہ آپ کو ان کا حسن اچھا معلوم ہو، مگر جو آپ کی مملوکہ ہو (وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہیں۔

تشریح: اس آیت کا مطلب بعض مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ: اس وقت (یعنی آیت کے نزول کے وقت) آپ کے نکاح میں جتنی ازواج مطہرات ہیں ان کے علاوہ اور عورتوں سے نکاح کرنا آپ کے لئے حلال نہیں ــــــ اس تفسیر کے پیش نظر علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ یہ آیت ہے: ﴿یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَامَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ، وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ، وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (سورۂ احزاب آیت ۵۰)

ترجمہ: اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی وہ ازواج (مطہرات) جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں حلال کی ہیں، اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی مملوکہ ہیں، جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں دلوادی ہیں، اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپیوں کی بیٹیاں، اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں بھی (حلال فرمادی ہیں۔ مگر یہ ماں اور باپ کے خاندان کی لڑکیاں مطلقاً حلال نہیں، ان میں سے صرف وہی آپ کے لئے حلال ہیں) جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو، اور اس مسلمان عورت کو بھی (آپ کے لئے حلال فرمایا ہے) جو بلا عوض اپنی ذات نبی کو بخش دے بشرطیکہ نبی اس کو نکاح میں لانا چاہیں، یہ سب احکام آپ کے لئے مخصوص ہیں اور مؤمنین کے لئے نہیں ہیں۔

شاہ صاحب بھی سورۂ احزاب کی مذکورہ بالا آیت کو اس آیت سے منسوخ مان کر فرماتے ہیں کہ ناسخ تلاوت میں مقدم ہوسکتا ہے، کیونکہ ناسخ کا نزول میں مؤخر ہونا ضروری ہے۔ تلاوت میں مؤخر ہونا ضروری نہیں، اور یہی میرے نزدیک راجح ہے۔

اگرچہ شاہ صاحب کے نزدیک یہی راجح ہے کہ ﴿لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ﴾ اس آیت سے منسوخ ہے جو تلاوت میں مقدم ہے، مگر جمہور مفسرین کے نزدیک ﴿لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ﴾ نہ منسوخ ہے نہ ﴿اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ﴾ ناسخ ہے۔ کیونکہ جمہور مفسرین کے نزدیک ﴿لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ جتنی عورتیں ﴿اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ﴾

میں آپ کے لئے حلال فرمادی گئی ہیں ان کے علاوہ اور عورتوں سے نکاح کرنا آپ کے لئے حلال نہیں، اور جواب موجود ہیں ان کو بدلنا بھی جائز نہیں۔

الغرض جو حضرات ﴿ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ﴾ کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ: اس وقت آپؐ کے نکاح میں جو ازواج مطہرات ہیں ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں، وہ اس آیت کو ﴿ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ﴾ سے منسوخ مانتے ہیں —— اور جو حضرات ﴿ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ﴾ کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ: جتنی عورتیں ﴿إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ﴾ میں آپ کے لئے حلال فرمادی گئی ہیں ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں، وہ اس آیت کو منسوخ نہیں مانتے، اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہی تفسیر راجح ہے، دیکھئے معارف القرآن، بیان القرآن اور فوائد عثمانی۔

ومن الأحزاب

۱۸ـ قوله تعالى: ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ﴾ الآية منسوخة بقوله تعالى: ﴿ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ﴾ الآية.

قلتُ: يحتمل أن يكون الناسخُ مقدما في التلاوة، وهو الأظهرُ عندي.

ترجمہ: اور سورۂ احزاب میں سے:

۱۸- ارشاد خداوندی ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ﴾ آخیر آیت تک منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ﴾ آخیر آیت تک سے۔

میں کہتا ہوں کہ: ہوسکتا ہے کہ ناسخ مقدم ہو تلاوت میں، اور یہ میرے نزدیک زیادہ ظاہر ہے۔

☆ ☆ ☆

رسول اللہ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کا حکم

انیسویں آیت: يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوْا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰكُمْ صَدَقَةً، ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ، فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورۂ مجادلہ آیت ۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات کیا کرو؛ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے، پھر اگر تم (خیرات کرنے کے

لئے کچھ) نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔

تشریح: علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے جو اس کے بعد ہے، اور وہ یہ ہے ﴿ءَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقٰتٍ، فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (آیت ۱۳)

ترجمہ: کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے خیرات کرنے سے ڈر گئے، سو جب تم نے (سرگوشی سے پہلے صدقہ) نہیں کیا، اور اللہ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی تو تم نماز کی پابندی کرو، اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہیں۔

شاہ صاحب بھی علامہ سیوطی کی طرح پہلی آیت کو منسوخ اور دوسری آیت کو ناسخ مانتے ہیں، اور جمہور مفسرین کی بھی یہی رائے ہے، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ پہلے سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنا واجب تھا بعد میں وجوب ختم کر دیا گیا اور استحباب باقی رکھا گیا تو یہ حکم کے وصف کی تبدیلی ہے جو متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے تو نسخ ہو سکتا ہے، مگر متاخرین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ نسخ نہیں (العون الکبیر)

ومن المُجادلة

١٩ ـ قوله تعالى: ﴿إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا﴾ الآية منسوخة بالآية بعدَها

قلتُ: هذا كما قال.

ترجمہ: اور سورۂ مجادلہ میں سے:

۱۹- ارشاد خداوندی: ﴿إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا﴾ آخیر آیت تک —— منسوخ ہے اس آیت سے جو اس کے بعد ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: یہ (ارشاد خداوندی) ایسا ہی ہے جیسا علامہ سیوطی نے فرمایا۔

☆ ☆ ☆

جن کی بیویاں مکہ میں رہ گئیں ان کو مہر دینے کا حکم

بیسویں آیت: وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ

أَزْوَاجُهُمْ مِثْلَ مَاأَنْفَقُوْا، واتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِیْ أَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (سورۂ ممتحنہ آیت ۱۱)

ترجمہ: اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی کافروں میں رہ جانے کی وجہ سے تمہارے ہاتھ سے نکل جائے، پھر تمہاری نوبت (باری) آئے (یعنی کسی کافر کی بیوی مسلمان ہو کر تمہارے پاس آجائے، اور اس کا مہر واپس کرنے کی نوبت آئے) تو (اس کا مہر اس کے کافر شوہر کو واپس نہ کرو بلکہ) جن مسلمانوں کی بیویاں ہاتھ سے نکل گئی ہیں ان کو دو جتنا انہوں نے خرچ کیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

تشریح: جن شرطوں پر صلح حدیبیہ ہوئی تھی ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ: اگر کوئی شخص مکہ سے مدینہ چلا آئے تو مسلمان اس کو واپس کر دیں گے، اور مدینہ سے کوئی مکہ چلا جائے تو قریش مکہ اس کو واپس نہیں کریں گے، چنانچہ جب کچھ مرد مسلمان ہو کر مدینہ آئے تو ان کو آنحضرت ﷺ نے واپس کر دیا، پھر کچھ عورتیں مسلمان ہو کر مدینہ آئیں اور ان کے اقرباء نے واپسی کا مطالبہ کیا تو یہ حکم نازل ہوا کہ: جو عورتیں مسلمان ہو کر تمہارے پاس آگئی ہیں ان کو آزماؤ اگر وہ ایماندار ہیں تو ان کو واپس نہ کرو، کیونکہ یہ عورتیں اب کافروں کے لئے حلال نہیں رہیں، البتہ ان کے شوہروں نے ان پر جو مہر خرچ کیا ہے وہ ان کے کافر شوہروں کو واپس کر دو، اسی طرح جس مسلمان کی بیوی کافر رہ گئی ہے وہ اس کو چھوڑ دے، اور جو مہر اس نے اپنی بیوی کو دیا ہے وہ کافروں سے وصول کر لے، جب یہ حکم نازل ہوا تو مسلمان دینے اور لینے کو تیار ہو گئے اور کافروں نے دینا قبول نہیں کیا، اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی کہ اگر کافر تمہاری بیویوں کے مہر واپس نہیں کرتے تو تم بھی ان کی بیویوں کے مہر واپس نہ کرو، اور مہر کی یہ رقم ان مسلمانوں کو دے دو جن کی بیویاں کافر رہ گئی ہیں، مگر پوری نہیں صرف اتنی دو جتنی انھوں نے اپنی بیویوں کو دی ہے، اور مہر کی بقیہ رقم کافروں کو واپس کر دو۔

علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ بعض حضرات کے نزدیک سورۂ ممتحنہ کی مذکورہ بالا آیت، آیت سیف یعنی ﴿وَقَاتِلُوْا الْمُشْرِکِیْنَ کَافَّةً﴾ سے منسوخ ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ آیت غنیمت ﴿وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾ سے منسوخ ہے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے۔

اور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ راجح یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے لیکن اس آیت میں جو حکم دیا گیا

ہے اس پر اس وقت عمل کیا جائے گا جب کافروں کا غلبہ ہو، اور مسلمانوں نے ان سے صلح کی ہو۔

ومن الممتحنة

۲۰- قوله تعالى:﴿فَآتُوْاالَّذِيْنَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِثْلَ مَا أَنْفَقُوْا﴾قيل: منسوخ بآية السيف، وقيل :بآية الغنيمة وقيل : محكمٌ.

قلت:الأظهر أنها محكمةٌ، ولكن الحكم فى المُهادنة وعند قوةِ الكُفّارِ.

ترجمہ:اور سورۂ ممتحنة میں سے:

۲۰-ارشاد خداوندی:﴿فَآتُوْاالَّذِيْنَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِثْلَ مَا أَنْفَقُوْا﴾ کہا گیا کہ منسوخ ہے آیت سیف سے، اور کہا گیا کہ (منسوخ ہے) آیت غنیمت سے، اور کہا گیا کہ محکم ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: اظہر یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے، لیکن یہ حکم مصالحت اور کافروں کی قوت (وشوکت) کے وقت ہے۔

☆ ☆ ☆

نماز تہجد کا حکم

اکیسویں آیت: قُمِ اللَّيْلَ إِلاَّ قَلِيْلاً (سورۂ مزمل آیت ۲) ترجمہ: رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات۔

تشریح: علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ: اس آیت میں باستثناء قلیل پوری رات نماز میں قیام کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اسی سورت کے آخیری حصہ یعنی عَلِمَ اَنْ لَنْ تُحْصُوْہ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُ وْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم اس کو ضبط نہیں کر سکتے، اس لئے اس نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی، سو (اب) تم جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھو، (سورۂ مزمل آیت ۲۰) سے منسوخ ہے، اور سورت کے آخری حصہ میں جو حکم دیا گیا ہے وہ پانچ نمازوں سے منسوخ ہے۔

لیکن شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ پانچ نمازوں سے سورت کے آخیری حصہ کے منسوخ ہونے کا دعوی بلا دلیل ہے، کیونکہ تہجد کی نماز جس طرح پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے مشروع تھی اسی طرح آج بھی مشروع ہے، پانچ نمازوں کی فرضیت سے اس کی مشروعیت منسوخ نہیں

ہوئی، اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ: سورت کے آغاز میں جو حکم دیا گیا ہے وہ سورت کے آخیری حصہ سے منسوخ ہے، کیونکہ سورت کے آغاز میں قیام لیل کی فرضیت کو بیان نہیں کیا گیا، بلکہ اس میں قیام لیل کے استحباب کی تاکید ہے، اور آخیری حصہ میں اس تاکید کو ختم کر کے صرف استحباب کو باقی رکھا گیا ہے، پس یہ حکم کے وصف کی تبدیلی ہے، حکم ختم نہیں کیا گیا۔

ومن المزمل:

۲۱ـ قولہ تعالی﴿قُمِ اللَّيْلَ إِلاَّ قَلِيْلاً﴾منسوخٌ باخر السورة، ثم نُسِخَ الآخِرُ بالصلواتِ الخمس.

قلت: دعوی النسخ بالصلوات الخمس غَيْرُ مُتَّجِهَةٍ بل الحقُ: أن أولَ السورةِ فی تاکید النُّدْبِ إلی قیامِ اللیل، وآخِرَها فی نسخ التأکید إلی مجردِ الندبِ.

ترجمہ: اور سورۂ مزمل میں سے:

۲۱-ارشاد خداوندی﴿قُمِ اللَّيْلَ إِلاَّ قَلِيْلاً﴾ منسوخ ہے سورت کے آخری حصے سے، پھر آخری حصہ منسوخ کیا گیا ہے پانچ نمازوں سے۔

میں کہتا ہوں کہ: پانچ نمازوں سے (آخری حصہ کے) منسوخ ہونے کا دعوی غیر مدلل ہے، بلکہ حق بات یہ ہے کہ سورت کے آغاز میں قیام لیل کے مستحب ہونے کی تاکید ہے، اور اس کے آخر میں صرف استحباب کو باقی رکھتے ہوئے تاکید کا نسخ ہے۔

☆ ☆ ☆

بحث کا خلاصہ

علامہ سیوطیؒ شیخ ابن العربی کی موافقت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: یہ اکیس آیتیں منسوخ ہیں، اگرچہ ان میں سے بعض آیتوں کے منسوخ ہونے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے، اور ان کے علاوہ دیگر آیتوں کے منسوخ ہونے کا دعوی صحیح نہیں، اور ان آیتوں میں سے آیت قسمت یعنی نویں آیت اور آیت استیذان یعنی سترہویں آیت کا منسوخ نہ ہونا ہی راجح ہے، لہٰذا پورے قرآن میں کل انیس آیتیں منسوخ ہیں۔

اور شاہ صاحب نے جو توجیہات فرمائی ہیں، ان کے اعتبار سے پورے قرآن پاک میں کل

نچ آیتیں منسوخ ہیں، یعنی پہلی آیت، پانچویں آیت، چودھویں آیت، اٹھارھویں آیت، اور بسویں آیت ـــــ لیکن غور سے دیکھا جائے تو پانچویں آیت کو شاہ صاحب نے منسوخ نہیں ا، بلکہ جمہور مفسرین نے اس کو منسوخ مانا ہے اور اٹھارھویں آیت کو اگرچہ شاہ صاحب نے منسوخ اہے مگر غیر راجح تفسیر کے اعتبار سے، راجح تفسیر کے اعتبار سے یہ آیت کسی کے نزدیک منسوخ یں، سب کے نزدیک محکم ہے اسی بناء پر شیخ الہند کے مایۂ ناز شاگرد حضرت مولانا عبید اللہ صاحب ندھی فرماتے ہیں کہ:

"شاہ صاحب اس اصطلاح پر قرآن میں (کوئی آیت) منسوخ نہیں مانتے، لیکن واضح رہے کہ شاہ صاحب کا بیان اس فصل میں حکیمانہ ہے، قوم کی عام حالت کو مدنظر رکھ کر انھوں نے اس مسئلہ کو تدریجاً سمجھانے کی سعی کی ہے (الفرقان بریلی کا شاہ ولی اللہ نمبر ص ۲۵۶)

علامہ سندھی رحمہ اللہ کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک یقت میں ایک بھی آیت منسوخ نہیں۔ لیکن اگر شاہ صاحب یہ بات ایک دم کہہ دیتے تو لوں کے لئے قابل قبول نہ ہوتی، اس لئے شاہ صاحب قارئین کو تدریجاً اس نظریہ تک لے ناچاہتے ہیں کہ قرآن میں نسخ ضرور ہوا ہے مگر موجودہ قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے بہمہ وجوہ منسوخ ہو۔ واللہ اعلم۔

قال السُّيوطي موافقا لابن العربي: فهذه إحدى وعشرون آيةً منسوخةً، على خلافٍ في بعضها؛ ولايصح دعوى النسخ في غيرها؛ والأصحُ في آيتَي الاستئذانِ والقسمةِ الإحكامُ وعدمُ النسخ، فصارت تسعَ عشرةَ آيةً؛ وعلى ما حرَّرنا لايتعين سخُ إلا في خمسِ آياتٍ.

ترجمہ: علامہ سیوطیؒ نے شیخ ابن العربی کی موافقت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: یہ اکیس آیتیں نسوخ ہیں، ان میں سے بعض میں اختلاف کے ساتھ، اور ان کے علاوہ میں نسخ کا دعوی صحیح نہیں، اور یت استیذان اور آیت قسمت کا محکم ہونا اور منسوخ نہ ہونا زیادہ صحیح ہے، لہٰذا انیس آیتیں رہیں، اور س (توجیہ) پر جو ہم نے تحریر کی ہے نسخ متعین نہیں مگر پانچ آیتوں میں۔

فصل سوم

اسباب نزول کی شناخت میں

جس طرح ناسخ و منسوخ کا پہچاننا فن تفسیر کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے؛ اسی طرح اسباب نزول کا پہچاننا بھی فن تفسیر کے دشوار ترین مقامات میں سے ہے، اور دشواری کی وجہ بھی وہی متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحوں کا اختلاف ہے۔

جدید و قدیم اصطلاحات کی وضاحت:

متاخرین مفسرین صرف اسی واقعہ کو سبب نزول یا شان نزول سے تعبیر کرتے ہیں جس کے پیش آنے پر آیت نازل ہوتی ہے، یعنی جو واقعہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیش آیا؛ اور آیت کے نزول کا سبب بنا اسی واقعہ کو متاخرین کی اصطلاح میں سبب نزول یا شان نزول کہا جاتا ہے۔

اور صحابہ کرام اور تابعین عظام کے کلام کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک "نَزَلَتْ فی کذا" کا مفہوم بڑا وسیع تھا، کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین عظام "نزلت فی کذا" سے صرف وہی واقعہ مراد نہیں لیتے تھے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیش آیا تھا، اور آیت کے نزول کا سبب بنا تھا، بلکہ:

(۱) بسا اوقات صحابہ کرام اور تابعین عظام "نزلت فی کذا" کہہ کر ایسا واقعہ اور معاملہ مراد لیتے تھے جس پر آیت صادق آتی ہے، چاہے وہ واقعہ اور معاملہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیش آیا ہو، یا آنحضرت ﷺ کے بعد پیش آیا ہو ـــــ اس صورت میں آیت میں جتنی قیودات اور خصوصیات مذکور ہوتی ہیں ان سب کا اس واقعہ اور معاملہ پر منطبق ہونا ضروری نہیں، صرف بنیادی باتوں کا منطبق ہونا کافی ہے، مثلاً ارشاد خداوندی تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ

(ان کے پہلو خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں (الٓمٓ سجدہ آیت ۱۶) کی تفسیر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: یہ آیت ان صحابہ کرام کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مغرب اور عشاء کے درمیان نفلیں پڑھتے رہتے تھے —— اور دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ: یہ آیت ان حضرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو عشاء کی نماز کے انتظار میں جاگتے رہتے تھے؛ —— اور بعض دیگر صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ: یہ آیت ان حضرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو تہجد گزار تھے (تفسیر جامع البیان)

بظاہر یہ شان نزول کا اختلاف معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ آیت کے مختلف مصادیق ہیں، اور یہ تمام نیک اعمال آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

(۲) اور کبھی صحابہ کرام اور تابعین عظام ایسا مسئلہ ذکر کرتے تھے جس کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ہو، یا ایسا واقعہ بیان کرتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کا یا اس واقعہ کا حکم کسی آیت سے مستنبط فرمایا ہو اور صحابہ کرام کے سامنے اس آیت کو تلاوت فرمایا ہو، تو ایسے مسئلہ اور ایسے واقعہ کے بارے میں بھی صحابہ کرام اور تابعین عظام "نَزَلَتْ فی کذا" کہہ دیتے تھے، —— اور بسا اوقات اسلاف ان صورتوں میں فَأَنْزَلَ اللّٰهُ قَوْلَهُ کذا (اللہ نے فلاں ارشاد نازل فرمایا) یا فَنُزِّلَتْ (فلاں آیت نازل کی گئی) کہتے تھے، اور ان کا منشأ یہ ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی خاص حکم کو کسی خاص آیت سے مستنبط کرنا اور اس گھڑی میں اس آیت کا آپ کے ذہن میں آنا بھی ایک طرح کی وحی ہے، جس کو "نفث فی الرُّوع" کہا جاتا ہے، لہٰذا اس کے لئے بھی فَأُنْزِلَتْ یا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ قوله کذا وغیرہ الفاظ استعمال کرنا درست ہے —— اور اگر کوئی چاہے تو اس کو تکرار نزول سے بھی تعبیر کرسکتا ہے یعنی یہ کہہ سکتا ہے کہ: فلاں آیت کئی مرتبہ نازل ہوئی ہے، مثلاً ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ہم اندھیری رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، اور ہمیں معلوم نہیں تھا کہ قبلہ کدھر ہے؟ اس لئے ہر ایک نے جدھر اس کا چہرہ تھا نماز پڑھی، جب صبح ہوئی تو ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (جدھر تم چہرہ کرو اُدھر اللہ تعالیٰ ہیں)

دوسری طرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: جب مسلمانوں کو بیت المقدس کے بجائے کعبۃ اللہ کی طرف چہرہ کرنے کا حکم دیا گیا تو یہود مدینہ نے اعتراض کیا کہ اس تبدیلی کی کیا وجہ ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۱۵)

بظاہر یہ شان نزول کا اختلاف معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں آیت کا شان نزول وہی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بیان کیا ہے، اور حضرت عامر بن ربیعہؓ نے جو واقعہ ذکر کیا ہے، اس کا حکم آنحضرت ﷺ نے چونکہ اسی آیت سے مستنبط فرمایا تھا، اس لئے حضرت عامر بن ربیعہؓ نے کہہ دیا کہ یہ آیت ہمارے واقعہ میں نازل ہوئی ـــــ اور آپ چاہیں تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ: یہ آیت دونوں واقعوں میں دو مرتبہ نازل ہوئی ہے۔

الفصل الثالث
فی
معرفةِ أسبابِ النزولِ

ومن المواضع الصَّعبةِ أيضًا معرفةُ أسبابِ النزول؛ ووجهُ الصُّعوبةِ أيضًا اختلافُ اصطلاحِ المتقدمين والمتأخرين.

معنى: "نَزَلَتْ فِی کذا" عند المتقدمین

والذی يظهر من استقراءِ كلامِ الصحابةِ والتابعين رضی اللّٰه عنهم: أنهم كانوا لايستعملون: "نزلتْ فی کذا" لمجردِ بيانِ الحادثِ الذی وقع فی زَمَنه صلی اللّٰه عليه وسلم، وكان سببًا لنزول الآية؛ بل:

ربما يذكرون بعضَ ماصدقتْ عليه الآيةُ، مماحَدَثَ فی زمنه صلی اللّٰه عليه وسلم، أوحَدَثَ بعدَه صلی اللّٰه عليه وسلم، فيقولون: "نَزَلَتْ فِیْ كَذَا"؛ ولايلزمُ فی هذه الصورةِ انطباقُ جميعِ القيودِ المذكورةِ فی الآية، بل يَكْفِی انطباقُ أصلِ الحكمِ فَحَسْبُ.

•وقد يُبينون سؤالاً سُئِلَ عنه رسولُ الله صلى الله عليه وسلم، أو حادثةً حدثت فى عهدِ النبى صلى الله عليه وسلم، واستنبط صلى الله عليه وسلم حكمَها من الآيةِ وتلاها عليهم فى ذلك الباب، فيقولون: "نزلت فى كذا"؛ وربما يقولون فى هذه الصُّوَرِ "فأنزل اللهُ تعالى قوله كذا" أو "فَنُزِّلَتْ".

وكأنّه إشارةٌ إلى أن استنباطه صلى الله عليه وسلم ذلك الحكمَ من الآية، وإلقاؤها فى تلك الساعةِ فى خاطرِه المباركِ أيضًا نوعٌ من الوَحْيِ والنَّفْثِ فى الرُّوْع، فلذلك يمكن ان يقال: "فأنزلت"؛ ولو عبَّر احدٌ عن ذلك بتكرارِ نزولِ الآيةِ لكان له مَساغٌ ايضاً.

ترجمہ: **تیسری فصل**: اسباب نزول کی شناخت میں: اور (فن تفسیر میں) دشوار مقامات میں سے اسباب نزول کا پہچاننا بھی ہے، اور دشواری کی وجہ بھی متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا مختلف ہونا ہے۔

متقدمین کے نزدیک نَزَلَتْ فِیْ کَذَا کے معنٰی: اور جو بات صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کے کلام کا جائزہ لینے سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ: یہ حضرات نَزَلَتْ فی کذا کو استعمال نہیں کرتے ہیں محض اس واقعہ کی وضاحت کے لئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا تھا، اور جو آیت کے نزول کا سبب تھا، بلکہ:

(۱) بسا اوقات وہ حضرات آیت جن (واقعات) پر صادق آتی ہے، ان میں سے بعض (واقعات) کو ذکر کرتے تھے، چاہے وہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا ہو، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آیا ہو، پھر کہتے تھے: نَزَلَتْ فی کذا (آیت فلاں واقعہ میں نازل ہوئی) —— اور اس صورت میں آیت میں ذکر کردہ تمام قیودات کا منطبق ہونا ضروری نہیں، بلکہ کافی ہے صرف اصل حکم کا منطبق ہونا۔

(۲) اور کبھی وہ (یعنی صحابہ کرام اور تابعین عظام) ایسا مسئلہ ذکر کرتے ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا ہے، یا ایسا واقعہ (بیان کرتے ہیں) جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (مسئلہ یا واقعہ) کا حکم آیت سے مستنبط فرمایا ہو، اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو صحابہ کرام کے سامنے اس سلسلہ میں تلاوت فرمایا ہو، تو یہ (یعنی صحابہ وتابعین) نَزَلَتْ فی کذا کہتے ہیں ــــ اور بسا اوقات ان صورتوں میں وہ کہتے ہیں: فَأَنْزَلَ اللّٰہُ قولہ کذا (پس اللہ تعالیٰ نے اپنا فلاں ارشاد نازل فرمایا) یا فَنُزِّلَتْ (پس فلاں آیت نازل کی گئی)

اور گویا یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حکم کو آیت سے مستنبط کرنا، اور اس (آیت) کا اس گھڑی میں آپ کے قلب مبارک میں ڈالا جانا بھی وحی اور نفث فی الروع کی ایک قسم ہے، اس لئے فَأُنْزِلَتْ کہا جاسکتا ہے، اور اگر کوئی اس کو تکرار نزول سے تعبیر کرے تو اس کے لئے بھی گنجائش ہے۔

لغات:

اِسْتَقْرَأَ الْأُمورَ: جائزہ لینا...... الخَاطِر: دل: کہا جاتا ہے: وَقَعَ فی خاطِری: میرے دل میں واقع ہوا...... مَسَاغٌ (مصدر میمی) گنجائش...... نَفَثَ اللّٰہُ الشیئَ فی قلبہ (ن ض) نفثًا: دل میں کوئی بات ڈالنا، الہام کرنا...... الرُّوْعُ: دل، دل کا سیاہ نقطہ، کہا جاتا ہے: اَفْرِغْ رُوْعَكَ: اپنے دل کو مطمئن رکھو، اور نفث فی الروع: وحی کا وہ طریقہ ہے جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی شکل میں سامنے آئے بغیر آپؐ کے دل میں کوئی بات القا فرمادیتے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ روایات جن کا اسباب نزول سے کوئی تعلق نہیں

محدثین تفسیر کی کتابوں میں، جیسے سیوطی رحمۃ اللہ الدر المنثور میں، قرآن کریم کی آیات کے ذیل میں بہت سی ایسی روایتیں ذکر کرتے ہیں، جن کا حقیقت میں اسباب نزول سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر درج ذیل مضامین کی روایتیں اسباب نزول کی روایتیں نہیں ہیں۔

۱- وہ روایات جن میں صحابہ کرام نے باہمی مذاکرہ میں کسی آیت سے استدلال کیا ہے یا بطور تمثیل کوئی آیت ذکر کی ہے۔

۲- وہ روایات جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی آیت استدلال کے طور پر تلاوت فرمائی ہے۔

۳- وہ روایات جو کسی آیت کے ذیل میں اس لئے ذکر کی گئی ہیں کہ اس میں بھی وہی مضمون ہے جو آیت میں مذکور ہے۔

۴-وہ روایات جن میں آیت کے نزول کی جگہ کا تذکرہ آیا ہے۔

۵-وہ روایات جن میں ان لوگوں کے ناموں کی تعیین ہے، جن کو آیت میں مجمل طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً "اہل کتاب" کہا گیا، پس جن روایات میں اُن اہل کتاب کی تعیین کی گئی ہو وہ شان نزول کی روایات نہیں ہیں۔

۶-وہ روایات جن میں کسی قرآنی کلمہ کے تلفظ کرنے کا طریقہ مذکور ہو۔

۷-وہ روایات جن میں کسی آیت یا سورت کی فضیلت ذکر کی گئی ہو۔

۸-ایسی روایات جن میں کسی خاص حکم پر آنحضور ﷺ کے عمل کرنے کی صورت بیان کی گئی ہو۔

ایسی تمام روایات کا اسباب نزول سے کوئی تعلق نہیں، نہ ان کا احاطہ کرنا مفسر کے لئے شرط ہے، مفسر یہ روایات جانتا ہو تو سونے پر سہاگہ! نہ جانتا ہو تو کوئی بات نہیں!

روایات المحدثین التی لاعَلاقةَ لها بأسبابِ النزولِ:

ویذکر المحدثون تحت آیاتِ القرآن الکریم کثیرًا من الأشیاء، لیست هی فی الحقیقةِ من قسم سبب النزول، مثلُ: اسْتشهادِ الصحابةِ رضی الله عنهم فی مناظراتِهم بآیةٍ، او تمثُّلِهم بها، أوتلاوتِه صلی الله علیه وسلم آیةً للاستشهادِ فی کلامِه الشریفِ، أو روایةِ حدیثٍ یوافق الآیةَ فی أصل الغرضِ، أو تعیینِ موضعِ النزولِ، أوتعیینِ أسماء المذکورین فی الآیة بطریق الإبهام، أو بیانِ طریق التلفظِ بکلمةٍ قرآنیةٍ، أو فضلِ سُورٍ وآیاتٍ من القرآن ، أو بیانِ طریقة امتثالِه صلی الله علیه وسلم بأمرٍ من أوامر القرآن الکریم ؛ فلیس شیْ من هذا فی الحقیقة من أسباب النزول، ولیس من شروط المفسرِ الإحاطةُ بها.

ترجمہ: محدثین کی وہ روایات جن کا اسباب نزول سے کوئی تعلق نہیں: محدثین قرآن کریم کی آیتوں کے تحت بہت سی چیزیں ذکر کرتے ہیں، وہ (چیزیں) حقیقت میں اسباب نزول کے قبیل سے نہیں ہیں، مثلاً: صحابہ کرام کا اپنے علمی مباحثوں میں کسی آیت سے استدلال کرنا، یا ان کا اس (آیت) کو نظیر میں پیش کرنا، یا آنحضرت ﷺ کا کسی آیت کو اپنے ارشاد گرامی میں استدلال کی غرض سے تلاوت کرنا، یا ایسی حدیث کو نقل کرنا جو آیت کے موافق ہو بنیادی مقصد میں، یا نزول کی جگہ کی تعیین

کرنا، یا ان لوگوں کے ناموں کی تعیین کرنا جن کا آیت میں مبہم طریقہ پر تذکرہ کیا گیا ہے، یا قرآن پاک کے کسی کلمہ کے تلفظ کا طریقہ بیان کرنا، یا قرآن پاک کی سورتوں اور آیتوں کی فضیلت بیان کرنا، یا قرآن کریم کے احکام میں سے کسی حکم پر آنحضرت ﷺ کے عمل کرنے کا طریقہ بیان کرنا، پس ان میں سے کوئی چیز درحقیقت اسباب نزول میں سے نہیں ہے، اور نہ ان چیزوں کا احاطہ کرنا مفسر کی شرطوں میں سے ہے۔

☆ ☆ ☆

اسباب نزول اور مفسر کی ذمہ داری

متقدمین یعنی صحابہ کرام اور تابعین عظام کے نزدیک چونکہ "نَزَلَتْ فِی کَذَا" کا مفہوم بہت وسیع تھا، اس لئے محدثین اپنی کتب تفسیر میں اسباب نزول کے تعلق سے جتنے واقعات بیان کرتے ہیں ان سب کا جاننا ایک مفسر کے لئے ضروری نہیں مفسر کے لئے ان واقعات میں سے صرف دو قسم کے واقعات کا جاننا ضروری ہے۔

اولاً: ان واقعات کا جاننا ضروری ہے جن کی طرف آیتوں میں اشارہ آیا ہے۔ ایسی آیات کو واقعات کے علم کے بغیر کوئی شخص سمجھ نہیں سکتا۔ مثلاً غزوۂ بدر میں مسلمان کہاں ٹھہرے ہوئے تھے؟ اور کفار کے لشکر کا پڑاؤ کہاں تھا؟ اور جس قافلہ کے تعاقب کے لئے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام مدینہ سے نکلے تھے وہ کہاں تھا؟ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۂ انفال میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ (آیت ۴۲) — جس وقت تم ورلے کنارے پر، اور وہ پرلے کنارے پر تھے، اور قافلہ نیچے اتر گیا تھا۔

ثانیاً: ان واقعات اور اسباب نزول کا جاننا ضروری ہے، جو آیت کے عموم میں تخصیص کرتے ہیں یا آیت کے ظاہری مفہوم کو بدل دیتے ہیں، مثلاً سورۂ بقرۃ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ (آیت ۱۱۵) — اللہ ہی کے لئے ہیں مشرق و مغرب، پس جدھر تم چہرہ کرو اُدھر اللہ تعالیٰ ہیں۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کسی خاص جہت کی طرف چہرہ کرنا ضروری

نہیں، ہر طرف چہرہ کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں، حالانکہ یہ مفہوم بدیہی طور پر غلط ہے، خود قرآن کریم نے ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ میں کعبہ کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، اس لئے اس آیت کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے شان نزول کا جاننا ضروری ہے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: جب مسلمانوں کو بیت المقدس کے بجائے کعبۃ اللہ کی طرف چہرہ کرنے کا حکم دیا گیا، تو یہود مدینہ نے اعتراض کیا کہ: اس تبدیلی کی کیا وجہ ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر سمت اللہ کی ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر طرف ہیں، لہٰذا وہ جس طرف چہرہ کرنے کا حکم دیں اُدھر چہرہ کرنا واجب ہے، اس میں چوں چرا کی گنجائش نہیں۔

اسی طرح سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ (آیت ۹۳)	جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو وہ کھا چکے جبکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہے اور ایمان لائے اور نیک کام کئے۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے کسی بھی چیز کا کھانا پینا حرام نہیں، اگر دل میں ایمان اور خدا کا خوف ہو، اور عمل نیک ہو تو انسان جو چاہے کھا پی سکتا ہے۔ اور چونکہ یہ آیت تحریم شراب کے بعد آئی ہے اس لئے کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس آیت نے نیک مؤمن کے لئے (معاذ اللہ) شراب کی بھی اجازت دے دی ہے، اور یہ صرف شبہ اور احتمال نہیں ہے، بعض صحابہ تک کو اس آیت سے غلط فہمی ہوئی تھی، اور انھوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس آیت سے استدلال کر کے یہ خیال ظاہر فرمایا تھا کہ شراب پینے والا اگر ماضی میں نیکو کار رہا ہو اور اس کی عام زندگی نیکیوں میں گزری ہو تو اس پر حد شرب (شراب پینے کی سزا) نہیں ہے، بعد میں حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کے شان نزول ہی کے حوالہ سے ان کی اس غلط فہمی کو دور فرمایا تھا (تفسیر قرطبی)

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب شراب اور قمار کی حرمت نازل ہوئی تو بعض حضرات نے یہ سوال کیا کہ جو صحابہ کرامؓ حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے وفات پا گئے، اور اپنی زندگی میں شراب نوشی اور قمار بازی کے مرتکب ہوئے تھے ان کا کیا انجام ہوگا؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جن مؤمنین نے حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے شراب پی یا قمار کا

مال کھایا اُن پر کوئی عذاب نہیں وہ ناجی ہیں۔ بشرطیکہ وہ مؤمن ہوں اور عمل صالح کیے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے دوسرے احکام کے پابند رہے ہوں۔

نیز سورۂ بقرۃ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ، فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (آیت ۱۵۸) بلاشبہ صفا اور مروۃ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے ان دونوں کے درمیان چکر لگانے میں۔

فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِ (اس پر کوئی گناہ نہیں) اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج یا عمرہ کے دوران صفا ومروۃ کے درمیان سعی کرنا واجب نہیں، صرف جائز ہے، چنانچہ حضرت عُروۃ بن زبیر رحمہ اللہ کو یہی غلط فہمی ہوئی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا کہ زمانہ جاہلیت میں صفا ومروۃ پر دو بت رکھے ہوئے تھے، ایک کا نام "إساف" اور دوسرے کا نام "نائلہ" تھا، اس لئے صحابہ کرام ﷺ کو یہ شبہ ہوا کہ کہیں ان بتوں کی وجہ سے صفا ومروۃ کے درمیان سعی کرنا حرام نہ ہو، ان کا یہ اشکال دور کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِ﴾ (اس پر کوئی گناہ نہیں) ورنہ صفا ومروہ کے درمیان سعی واجب ہے (مسلم شریف، کتاب الحج ج۱ص ۴۱۴)

شرطُ المفسرِ في باب أسبابِ النزول:

إنما شرطُ المفسرِ معرفةُ أمرين:

الأولُ: معرفةُ تلك القِصَصِ التي تُعَرِّضُ الآياتُ لها؛ فإنه لايتيسرُ فَهْمُ إيماءِ الآياتِ إلابمعرفتِها.

والثاني: معرفةُ تلك القِصَّةِ التي تُخَصِّصُ العامَّ، أو نحوِ ذلك من وجوهِ صرفِ الكلامِ عن الظاهر؛ فإنه لايَتَأتّى فهمُ المقصودِ من الآياتِ بدُوْنِها.

ترجمہ: اسباب نزول کے سلسلہ میں مفسر کی ذمہ داری: بیشک مفسر کیلئے دو باتوں کا پہچاننا شرط ہے:

اول: اُن واقعات کا جاننا جن کی طرف آیات اشارہ کرتی ہیں، کیونکہ ان واقعات کو جانے بغیر آیتوں کے اشاروں کو سمجھنا آسان نہیں۔

دوم: اس واقعہ کو جاننا جو (آیت کے) عام (مفہوم) کو خاص کرتا ہے یا اس کے مانند کلام کو ظاہر سے پھیرنے کی صورتوں میں سے، کیونکہ ان (واقعات) کے بغیر آیات کے مقصود کو سمجھنا ممکن نہیں۔

لغات:

عَرَّض له و به تعریضًا: اشارے کنایے میں بات کہنا، چوٹ کرنا...... **تَاَتّٰی الاَمْرُ:** آسان ہونا، ممکن ہونا، تیار ہونا۔

☆ ☆ ☆

قصص الانبیاء اسرائیلیات کا پشتارہ ہیں!

یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ انبیائے سابقین کے واقعات احادیث میں بہت ہی کم ذکر کیے گئے ہیں۔ اور مفسرین جو لمبے چوڑے واقعات آیات کے ذیل میں بیان کرتے ہیں ان میں سے بیشتر اسرائیلی روایات ہیں، ان واقعات کی اگر وہ نص قرآنی کے خلاف نہ ہوں تو نہ تصدیق کرنی چاہئے نہ تکذیب۔ اور نہ ان کو تفسیروں میں اور تقریروں میں بیان کرنا چاہئے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ اہل کتاب (یہود) عبرانی میں تورات پڑھتے تھے اور عربی میں مسلمانوں کو سمجھاتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاتُصَدِّقُوْا اَهْلَ الكتابِ، ولاتُكَذِّبُوْهُمْ وقولوا: آمنا باللّٰه وما أنزل (بخاری، کتاب التفسیر ص ۶۴۴، ۱۰۹۳)	اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی نہ تو تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو، بلکہ کہو: ہم اللہ پر اور اللہ نے جو کچھ (ہم پر) نازل کیا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں (یعنی تمہاری باتوں کی ہمیں ضرورت نہیں)

البتہ کچھ واقعات صحیح احادیث میں آئے ہیں: مثلاً:

۱- حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا ایک ساتھ سفر کرنے کا لمبا قصہ بخاری شریف میں مختصر اور مفصل ۱۳ جگہ آیا ہے، سب سے پہلے کتاب العلم کے باب ۱۶ میں آیا ہے، حدیث کا نمبر ۷۴ ہے۔

۲- موسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل کا آدر ہونے کی تہمت رکھنا، اور اللہ تعالیٰ کا ان کو اس تہمت سے بری کرنا اور پتھر کا کپڑے لے کر بھاگنا اور موسیٰ علیہ السلام کا پتھر کی پٹائی کرنے

کا قصہ بخاری شریف، کتاب الغسل باب ۲۰ حدیث نمبر ۲۷۸ میں مذکور ہے۔

۳- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کو طمانچہ مارنے کا واقعہ بخاری شریف، کتاب احادیث الانبیاء، باب وفاۃ موسی الخ میں مذکور ہے۔ حدیث نمبر ۳۴۰۷

۴- حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والا تبار صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اور ان کی والدہ صاحبہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو مکہ میں بسانے کا مفصل واقعہ بخاری شریف کتاب احادیث الانبیاء، حدیث نمبر ۳۳۶۳ میں مذکور ہے، جس میں صراحت ہے کہ زمزم، فرشتہ کے ایڑ مارنے سے یا پر مارنے سے ظاہر ہوا تھا، پس لوگوں میں جو مشہور ہے کہ زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیر رگڑنے سے ظاہر ہوا وہ صحیح نہیں۔

اسی طرح اور بھی چند مختصر یا مفصل واقعات صحیح روایات میں آئے ہیں مگر قصص الانبیاء نامی اردو کتاب میں اور بعض تفاسیر میں جو لمبے چوڑے، بے تکے اور الکل پچو واقعات مذکور ہیں وہ سب اسرائیلیات کا پشتارہ ہیں، اور وہ غرقِ مئے ناب اولی کا مصداق ہیں۔

قِصَصُ الأنبياءِ من رواياتِ أهلِ الكتابِ

ومما ينبغي أن يُعلمَ هنا: أن قصصَ الأنبياءِ السابقين لم تُذكر في الأحاديثِ إلا قليلاً، فالقِصصُ الطويلةُ العريضةُ التي يَتَجشَّمُ المفسرون روايتَها، كلُّها منقولةٌ عن علماءِ أهلِ الكتاب إلا ما شاء الله تعالى، وقد جاء في صحيح البخاري مرفوعًا: "لاتُصدِّقوا أهلَ الكتابِ ولاتُكذِّبوهم"

ترجمہ: انبیاء کے قصے اہل کتاب کی روایتوں سے (ماخوذ ہیں): اور جن باتوں کا یہاں جاننا مناسب ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ گذشتہ انبیائے کرام کے قصے احادیث میں ذکر نہیں کئے گئے ہیں مگر بہت کم، پس وہ لمبے چوڑے قصے جن کو روایت کرنے کی مفسرین تکلیف اٹھاتے ہیں، وہ سب اہل کتاب کے علماء سے منقول ہیں، الاماشاء اللہ، (یعنی کچھ ہی قصے احادیث میں ذکر کئے گئے ہیں) حالانکہ صحیح بخاری میں مرفوعاً وارد ہوا ہے کہ: تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو، نہ ان کی تکذیب کرو (لہٰذا وہ واقعات تفسیروں میں نہیں لانے چاہئیں، کیونکہ ان کا ذکر کرنا ان کی تصدیق ہے)

لغات:

جَشِمَ(س) جَشْمًا وَجَشَامَةً، وتَجَشَّمَ الاَمْرَ: مشقت سے کام کرنا، تکلیف اٹھا کر کام کرنا......

مرفوع: اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند آنحضرت ﷺ تک پہنچتی ہو یعنی حضور کے ارشاد کو حدیث مرفوع کہا جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

نَزَلَتْ فِیْ کذا کا ایک اور مطلب

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کبھی مشرکین اور یہود کے عقائد و نظریات اور ان کی جاہلی رسوم و عادات کو واضح کرنے کے لئے کوئی قصہ ذکر کرتے تھے۔ پھر فرماتے تھے: نَزَلَتِ الآیَةُ فِیْ کذا، اور اس سے یہ مراد لیتے تھے کہ آیت اسی جیسے واقعہ میں نازل ہوئی ہے، چاہے بعینہٖ وہی قصہ ہو، یا اس سے ملتا جلتا کوئی اور قصہ ہو، مثلاً بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

اِنَّ رُجُلاً کانت لَهٗ یَتِیْمَةٌ فنکحها؛ وکان لها عَذْقٌ؛ وکان یُمْسِکُها علیه؛ ولم یکن لها مِنْ نفسه شیئٌ فَنَزَلَتْ فیه وَاِنْ خِفْتُمْ اَلاَّ تُقْسِطُوْا فِیْ الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَاءِ (بخاری شریف، کتاب التفسیر ص ۶۵۸)	ایک مرد کے پاس ایک یتیم لڑکی تھی، اس سے اس نے نکاح کر لیا؛ اور اس لڑکی کا ایک باغ تھا اور اس کی وجہ سے اس نے اس کو روک رکھا تھا، اور اس لڑکی سے اس کو کوئی رغبت نہیں تھی، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی وَاِنْ خِفْتُمْ اَلاَّ تُقْسِطُوْا (سورۂ نساء آیت ۳)

الغرض صحابہ کرام اور تابعین عظام کبھی کوئی قصہ ذکر کر کے "نزلت الآیة فی کذا" کہتے ہیں، مگر حقیقت میں قصہ بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ قصہ کے ذریعہ مشرکین اور یہود کے دین و مذہب اور ان کی رسوم و عادات کی وضاحت مقصود ہوتی ہے، اسی لئے بسا اوقات ان کے اقوال باہم مختلف ہو جاتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کا مقصد ایک ہوتا ہے، کیونکہ جو قصہ ذکر کرتے ہیں، وہ مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اس قصہ کے ذریعہ امور کلیہ کی وضاحت مقصود ہوتی ہے، اور اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت ابو الدَّرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ: جب تک آدمی

ایک آیت کو مختلف مصداقوں پر منطبق نہ کرے، فقیہ نہیں ہو سکتا۔ (اخرجہ ابن سعد و ابن عساکر فی تاریخہ)

معنى آخرُ لقولِهم: "نزلت في كذا"

ولْيُعْلَمْ أيضًا أن الصحابةَ والتابعين رضي الله عنهم كانوا يذكرون قِصَصا جزئيةً لبيانِ مذاهبِ المشركين واليهودِ، وعاداتِهم الجاهليةِ، لِتَتَّضِحَ بها عقائدُهم وتقاليدُهم ويقولون: "نزلتِ الآيةُ في كذا" ويريدون بذلك: أنها نزلت في مثل هذه سواءٌ كانت تلك بعينها، أوماشابَهَهَا، أوماقارَبَها، ويقصدون إظهارَ تلك الصورةِ، لاخصوصَ القِصَصِ، بل يذكرونها لأجلِ أن هذه صورةٌ صادقةٌ لتلك الأمورِ الكليةِ؛ ولهذا تختلف أقوالُهم في كثيرٍ مِنَ المواضعِ، وكلٌّ يَجُرُّ الكلامَ إلى جانِبه، وقصدُهم في الحقيقةِ واحدٌ؛ وإلى هذه النكتةِ أشار أبو الدرداء رضي الله عنه حيث قال: " لايكون الرجلُ فقيهًا حتى يُحمِلَ الآيةَ الواحدةَ على مَحَامِلَ متعددةٍ"

ترجمہ: اور ان کے قول: نَزَلَتْ في كذا کا ایک اور مطلب: اور یہ بھی جان لینا چاہئے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم جزوی قصے ذکر کرتے ہیں، مشرکین اور یہود کے مذاہب اور ان کی جاہلی عادتوں کی وضاحت کرنے کے لئے، تاکہ واضح ہو جائیں ان (جزوی قصوں) سے ان کے عقائد اور ان کی مذہبی رسوم، اور کہتے ہیں: نزلت الآيةُ في كذا، اور اس سے مراد لیتے ہیں کہ وہ (آیت) نازل ہوئی ہے اس جیسے قصے میں چاہے وہی قصہ ہو، یا اس کے مشابہ ہو، یا اس کے قریب ہو، اور قصد کرتے ہیں وہ اس صورت کی وضاحت کرنے کا نہ کہ قصوں کی خصوصیت کا بلکہ ان (قصوں) کو اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ یہ ایسی صورت ہے جو ان امور کلیہ پر صادق آتی ہے، اور اسی لئے ان کے اقوال مختلف ہوتے ہیں بہت سی جگہوں میں، اور ہر ایک کلام کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور ان کا مقصد حقیقت میں ایک ہے، اور اسی نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے چنانچہ آپؓ نے فرمایا کہ: "کوئی شخص فقیہ نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ ایک آیت کو چند مصداقوں پر محمول کرے"

لغات:

تقالید؛ تقلید کی جمع ہے: مذہبی باتیں، مذہبی رسوم...... نُكْتَة: مشکل بات جو دقت نظر سے

حاصل ہو، جمع نُکَتٌ ونِکَاتٌ...... مَحَامِلُ، مَحْمِل کی جمع ہے: مصداق۔

☆ ☆ ☆

بظاہر واقعہ مگر حقیقت میں واقعہ نہیں!

جس طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام کوئی قصہ ذکر کر کے "نزلت الآیة فی کذا" کہتے ہیں، مگر حقیقت میں قصہ بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اس قصہ کے ذریعہ امور کلیہ کی وضاحت مقصود ہوتی ہے، اسی طرح بسا اوقات قرآن کریم میں دو صورتیں ذکر کی جاتی ہیں: ایک نیک بخت کی، دوسری بد بخت کی، اور نیک بخت کی صورت میں نیک بختی کی کچھ خوبیاں بیان کی جاتی ہیں، اور بد بخت کی صورت میں بد بختی کی کچھ خرابیاں ذکر کی جاتی ہیں، مگر کسی معین شخص کی طرف تعریض اور اشارہ کرنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ ان خوبیوں اور خرابیوں کے احکام بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے سورۂ احقاف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

وَوَصَّيْنَا الإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا، حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (آیت ۱۵)

ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا، (کیونکہ) اس کی ماں نے اسکو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا، اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا، اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا (اکثر) تیس مہینے میں (پورا ہوتا) ہے۔

اس کے بعد متصلاً اللہ تعالیٰ نے دو صورتیں بیان فرمائی ہیں، ایک نیک بخت کی، اور دوسری بد بخت کی، پہلی صورت میں نیک بخت کے کچھ اوصاف ذکر کیے ہیں، اور دوسری صورت میں بد بخت کے کچھ احوال بیان فرمائے ہیں، مگر کسی معین شخص کی طرف تعریض کرنا مقصود نہیں، بلکہ نیک بخت کے کچھ اوصاف اور بد بخت کے کچھ احوال بیان فرما کر لوگوں کو دونوں کے انجام سے آگاہ کرنا مقصود ہے۔

اسی طرح سورۂ نحل کی درج ذیل دو آیتوں میں بھی کسی معین جماعت کی طرف اشارہ کرنا مقصود نہیں، بلکہ نیک بختوں اور بد بختوں کے اقوال واحوال بیان کرنا مقصود ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ: مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوْا أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ (سورۂ نحل آیت ۲۴)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا ہے؟ تو کہتے ہیں: اگلوں کی کہانیاں۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا: مَاذَا اَنْزَلَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوْا: خَيْرًا (سورۂ نحل آیت ۳۰)

اور جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ: بڑی خیر کی بات نازل فرمائی ہے۔

اسی طرح سورۂ نحل، سورۂ اعراف، سورۂ مومنون اور سورۂ قلم کی درج ذیل آیتوں میں بھی کسی معین بستی، یا معین جماعت یا فرد کی طرف تعریض کرنا مقصود نہیں، سورۂ نحل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً: قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّأْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ (آیت ۱۱۲)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی عجیب حالت بیان فرماتے ہیں کہ وہ (بڑے) امن واطمینان میں تھے، ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر طرف سے ان کے پاس پہنچ رہی تھیں، پھر انھوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کی وجہ سے ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔

اور سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ، وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا، فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلاً خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ؛ فَلَمَّا اَثْقَلَتْ دَعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ، فَلَمَّا آتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلاَ لَهٗ شُرَكَاءَ فِيْمَا آتٰهُمَا؛ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (آیت ۱۸۹ اور ۱۹۰)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے، اور اُسی سے بنایا اس کا جوڑا، تاکہ اس کے پاس آرام پکڑے پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا (یعنی وطی کی) تو ہلکا سا حمل رہا، سو وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی، پھر جب بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو ان کا رب ہے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہم کو صحیح سالم اولاد عطا فرمائی تو ہم آپ کا شکر بجالائیں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد عطا فرمائی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کا شریک ٹھہرانے لگے، سو اللہ تعالیٰ برتر ہیں ان کے شرک سے۔

اور سورۂ مومنون میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ، وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فٰعِلُوْنَ، وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ (آیت ا تا ۵)

ترجمہ: بیشک فلاح پائی ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں، اور جو نکمّی بات سے اعراض کرنے والے ہیں، اور جو زکوۃ دینے والے ہیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ـــــ (یہ پانچ آیتیں ذکر کی گئیں ہیں، مگر نیک بختوں کی جو صورت بیان کی جارہی ہے وہ گیارہویں آیت پر مکمل ہورہی ہے اس کا خیال رہے)

اور سورۂ قلم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَاتُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ، هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِیْمٍ، مَنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ، عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ﴾ (آیت ۱۰ تا ۱۳)

ترجمہ: اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں، جو بہت قسمیں کھانے والا ہو، بے وقعت ہو، طعنہ دینے والا ہو، چغلیاں لگاتا پھرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو۔ حد سے گذرنے والا ہو، گناہ کرنے والا ہو، سخت مزاج ہو، اس کے علاوہ حرام زادہ ہو۔

یہاں یہ بھی یادرکھنا چاہئے کہ نیک بخت اور بدبخت کی مذکورہ بالا صورتوں میں جتنی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں، ان سب کا کسی شخص یا جماعت میں پایا جانا ضروری نہیں، جیسے ﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ، فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾ (جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں اُن (کے خرچ کرنے) کا حال ایسا ہے جیسے ایک دانہ کا حال جس سے سات بالیاں جمیں اور ہر بالی میں سوسو دانے ہوں، (سورۂ بقرۃ آیت ۲۶۱) اس آیت میں جیسے دانے کا تذکرہ کیا گیا ہے، بالکل ویسا ہی دانہ پایا جانا ضروری نہیں، کیونکہ اس ارشاد خداوندی کا مقصد صرف اجرو ثواب کی زیادتی بیان کرنا ہے، اسی طرح مذکورہ بالا صورتوں میں جتنی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں ان سب کا کسی شخص یا جماعت میں پایا جانا ضروری نہیں، اور اگر حسن اتفاق سے کسی فرد یا جماعت میں مذکورہ صورتوں میں جتنی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں ان میں سے اکثر یا تمام خصوصیات پائی جائیں تو یہ اتفاقی بات، از قبیل التزام مالا یلزم ہے یعنی جس بات کا قصد نہیں کیا تھا وہ ہوگئی!

صورةُ قِصَّةٍ ولا قصةَ لها

وعلى هذا الأسلوبِ كثيرًا ما يُذْكَرُ في القرآنِ العظيمِ صورتان: صورةُ سعيدٍ، ويُذْكَرُ فيها بعضُ أوصاف السعادةِ؛ وصورةُ شَقِيٍّ، ويُذْكَرُ فيها بعضُ أوصافِ الشقاوةِ؛ ويكونُ الغرضُ من ذلك: بيانَ أحكامِ تلك الأوصافِ والأعمالِ، لاالتعريضُ بشخصٍ مُعَيَّنٍ، كما قال سبحانهٗ وتعالى: ﴿وَوَصَّيْنَا الإنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إحْسَانًا، حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ ثم ذَكَرَ صورتين: صورةَ سعيدٍ وصورةَ شقيٍ؛ وكذلك قولُه تعالى: ﴿وَإذَاقِيْلَ لَهُمْ: مَاذَا أنْزَلَ رَبُّكُمْ ؟ قَالُوْا: أسَاطِيْرُ الأوَّلِيْنَ﴾ وقولُه تعالى: ﴿وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا : مَاذَا أنْزَلَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوْا : خَيْرًا ﴾.

وعلى مثلِ هذا تُحْمَلُ قولُه تعالى: ﴿وَضَرَبَ اللهُ مَثَلاً: قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً﴾ وقولُه تعالى: ﴿هُوَالَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ، وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إلَيْهَا، فَلَمَا تَغَشَّاهَا﴾ الأية وقولُه تعالى: ﴿قَدْ أفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلوٰتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ وقولُه تعالى: ﴿وَلاتُطِعْ كُلَّ حَلاَّفٍ مَّهِيْنٍ﴾.

ولايَلْزَمُ في هذه الصُوَرِ أن تتوفَّرَ تلك الخصوصياتُ بعينِها في شخصٍ، كمالا يَلْزَمُ في قولِه تعالى: ﴿كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ، فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ﴾ أن توجَدَ حبَّةٌ بهذه الصفةِ؛ إنما المقصودُ: تصويرُ زيادةِ الأجرِ لاغيرُ؛ فإن وُجِدَتْ صورةٌ توافق ذلك في أكثرِ الخصوصيات، أو في كُلِّها، كان ذلك من قبيلِ: "لزومِ مالم يَلْتزم".

ترجمہ: صورت قصہ، مگر قصہ نہیں: اور اسی انداز پر بکثرت ذکر کی جاتی ہیں قرآن عظیم میں دو صورتیں: (۱) نیک بخت کی صورت؛ اور اس میں نیک بختی کے کچھ اوصاف ذکر کئے جاتے ہیں (۲) اور بدبخت کی صورت؛ اور اس میں بدبختی کے کچھ احوال بیان کئے جاتے ہیں، اور اس کا مقصد ان اوصاف واعمال کے احکام بیان کرنا ہوتا ہے، نہ کہ کسی معین شخص کی طرف تعریض (اشارہ) کرنا، جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَوَصَّيْنَا الإنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إحْسَانًا، حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ پھر دو صورتیں ذکر فرمائی ہیں: (۱) نیک بخت کی صورت (۲) اور بدبخت کی صورت، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ: مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ؟ قَالُوا: أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا : مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا : خَيْرًا﴾

اور اسی طرز پر محمول کیا جائے گا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا: قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً﴾ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ، وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا، فَلَمَّا تَغَشَّاهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ، الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ﴾۔

اور ضروری نہیں ان صورتوں میں اُن خصوصیات کا بعینہٖ کامل طریقہ پر پایا جانا کسی شخص میں، جیسا کہ ضروری نہیں ارشاد خداوندی ﴿كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ، فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾ میں اس وصف کے ساتھ متصف کسی دانہ کا پایا جانا، مقصود صرف اجر کی زیادتی کو بیان کرنا ہے، پس اگر کوئی ایسی صورت پائی جائے جو اکثر خصوصیات میں یا تمام خصوصیات میں اس (ارشاد خداوندی) کے موافق ہو تو یہ (توافق) لزوم مالم یلتزم کے قبیل سے ہوگا، یعنی جو چاہا نہیں تھا وہ ہو گیا (جس چیز کا التزام نہیں کیا تھا وہ لازم آگئی، جس چیز کو سر نہیں لیا تھا وہ سر پڑ گئی)

☆ ☆ ☆

فرضی سوال وجواب

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ کبھی قرآن کریم میں کلام سابق کی وضاحت کی غرض سے بظاہر وارد ہونے والے شبہ کو رد کیا جاتا ہے، یا کسی سوال مقدر کا جواب دیا جاتا ہے، مگر حقیقت میں نہ کوئی سوال کرنے والا ہوتا ہے، نہ شبہ کرنے والا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان مقامات کی تفسیر و تقریر میں کوئی سوال کرنے والا فرض کرتے ہیں، یا ایسا شخص فرض کرتے ہیں، جس کو شبہ پیش آیا ہو۔ اور سوال وجواب کی صورت میں ان مقامات کی تشریح کرتے ہیں، مگر ہم غور سے دیکھیں تو پورا جملہ ایک مربوط اور مسلسل کلام ہوتا ہے، یکے بعد دیگرے نازل ہونے کا احتمال نہیں ہوتا، اور پورا کلام ایک مرتب جملہ ہوتا ہے، اور اس کی قیود کو کسی طرح الگ نہیں کیا جاسکتا، مثلاً حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۸۷) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

أُنزِلَتْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الاَسْوَدِ ، ولم تُنزَلْ مِنَ الْفَجْرِ، فكان رجالٌ اذا ارادوا الصومَ رَبَطَ احدُهم فى رِجْلَيْه الخيطَ الابيضَ والخيطَ الاسودَ، ولايزال ياكل حتّٰى يتبين له رؤيتُهما ،فانزل اللّٰهُ بعده" مِنَ الْفَجْرِ" فَعَلِمُوْا انّما يعنى الليلَ والنهارَ(بخاری شریف، کتاب التفسیر ص ۶۴۷)

(پہلے) كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الاَسْوَدِ نازل کیا گیا،اور مِنَ الْفَجْرِ نازل نہیں کیا گیا،اس لئے جب لوگ روزہ کاارادہ کرتے تھے تو کوئی اپنے پیروں میں سفید اور سیاہ دھاگا باندھ لیتااور برابر کھاتا رہتا یہاں تک کہ دونوں دھاگوں کو اچھی طرح دیکھ لیتا(تو کھانا بند کردیتا)اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مِنَ الْفَجْرِ نازل فرمایا تولوگوں کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے (سیاہ اور سفید دھاگے سے) رات اور دن مراد لئے ہیں۔

نیز حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ارشاد خداوندی ﴿ لَايَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُوْلِى الضَّرَرِ ﴾ (سورۂ نساء آیت ۹۵) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

لَمّا نزلت الآيةُ: لَايَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم زيدًا فكتبها، فجاء ابنُ أُمِّ مكتوم فشكا ضَرارتَه، فانزل اللّٰهُ غَيْرُ أُوْلِى الضَّرَرِ (بخاری شریف، کتاب التفسیر ص ۶۶۱)

جب آیت لَايَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا، انھوں نے اس (آیت) کو لکھ لیا، پھر حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم (جو نابینا تھے) آئے، اور اپنے اندھے پن کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے غَيْرُ أُوْلِى الضَّرَرِ کو نازل فرمایا۔

ظاہر ہے کہ پہلی آیت میں مِنَ الْفَجْرِ کو اور دوسری آیت میں غَيْرُ أُوْلِى الضَّرَرِ کو کلام سابق سے کسی طرح الگ نہیں کیا جاسکتا، اس لئے یہی کہا جائے گا کہ حضرت سہل اور حضرت براء رضی اللہ عنہ نے سوال وجواب فرض کرکے آیتوں کی تفسیر کی ہے۔

قد يفرضون السؤالَ والجوابَ في التفسير:

وفى بعضِ الأحيانِ يَرِدُ فى القرآنِ على شبهةٍ ظاهرةِ الوُرودِ، أو يُجابُ عن

سؤالِ مَطْوِيٍّ مفهومٍ بسهولة، لقصدِ إيضاحِ الكلامِ السابقِ، لا لأجلِ أن أحدًا وجَّه هذا السؤالَ بعينه، أوأورد هذه الشبهةَ بعينها؛ وكثيرًا ما يفترض الصحابةُ رضي الله عنهم في تقريرِ ذلك المقامِ سؤالًا ويَشرَحون الكلامَ في صورةِ السؤالِ والجوابِ؛ ولكن لونظرنا بإمعانِ النظر فالكلُّ كلامٌ واحدٌ منسَّقٌ، لايحتمل نزولُ بعضٍ عقيبَ بعضٍ، وجملةٌ واحدةٌ منتظِمةٌ لاتُفَكُّ قيودُها على أصلٍ من الأصولِ.

ترجمہ: کبھی (صحابہ) تفسیر میں سوال وجواب فرض کرتے ہیں: اور بعض وقتوں میں قرآن پاک میں رد کیا جاتا ہے ایسا شبہ جو ظاہر الورود ہے (یعنی جو ہر ایک کو پیش آسکتا ہے) اور جواب دیا جاتا ہے ایسے پوشیدہ سوال کا جو آسانی سے سمجھا جاتا ہے کلام سابق کی تشریح کی غرض سے نہ کہ اس وجہ سے کہ کسی نے بعینہٖ یہی سوال پیش کیا تھا، یا بعینہٖ یہی شبہ وارد کیا تھا اور صحابہ کرام بکثرت فرض کرتے ہیں اس مقام کی تفسیر میں کوئی سوال، اور تشریح کرتے ہیں کلام کی سوال وجواب کی صورت میں، لیکن اگر ہم گہری نظر سے دیکھیں تو پورا (جملہ) ایک مرتب کلام ہوتا ہے، نہیں احتمال رکھتا یکے بعد دیگرے نازل ہونے کا، اور ایک مربوط جملہ ہوتا ہے، اس کی قیود کو الگ نہیں کیا جاسکتا قواعد میں سے کسی قاعدہ کے پیش نظر۔

لغات:

مَطْوِيٌّ: (اسم مفعول) لپٹا ہوا، پوشیدہ؛ طوىٰ يَطْوِىْ طَيًّا الثوبَ: کپڑے کو لپیٹنا، طوَى الحديثَ: بات چھپانا...... مُنَسَّقٌ (اسم مفعول): مرتب؛ نَسَقَ الشيئَ: ترتیب وار رکھنا...... مُنْتَظِمَةٌ (اسم فاعل): مرتب، مربوط اِنْتَظَمَ اللؤلؤُ: ترتیب وار ہونا، اِنْتَظَمَ الأمرُ: درست ہونا۔

☆ ☆ ☆

رُتبی تقدم وتاخر، زمانی نہیں

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی تقدم وتاخر کو ذکر کرتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ فلاں آیت پہلے اور فلاں آیت بعد میں نازل ہوئی، مگر اس سے زمانی تقدم وتاخر مراد نہیں ہوتا، بلکہ رتبی تقدم وتاخر مراد ہوتا ہے، جیسے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد خداوندی ﴿والَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ (سورۂ توبہ آیت ۳۴) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

هذا قبلَ ان تُنزَلَ الزکوٰةُ، فلمّا أُنزِلَتْ جعَلَهَا اللّٰهُ طُهرًا للأموَالِ — یہ (وعید) زکوٰۃ (کا حکم) نازل کئے جانے سے پہلے تھی، پھر جب زکوٰۃ (کی آیات) نازل کی گئیں تو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو اموال کیلئے پاکی (کا ذریعہ) بنادیا۔ (بخاری شریف، کتاب التفسیر ص ۶۷۲)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ آیت پہلے اور زکوٰۃ کی آیتیں بعد میں نازل ہوئی ہیں، یہ مطلب کیسے ہو سکتا ہے؟! یہ تو سورۂ براءت یعنی سورۂ توبہ کی آیت ہے، جو نزول کے اعتبار سے آخری سورت ہے، اور یہ آیت ان واقعات کے درمیان میں آئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں پیش آئے تھے، اور زکوٰۃ کا حکم اس سے کئی سال پہلے نازل ہو چکا تھا — بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ: یہ آیت مجمل ہے، اور زکوٰۃ کا حکم مفصل ہے، اور اجمال کا درجہ اور رتبہ تفصیل سے پہلے ہوتا ہے، لہٰذا یوں سمجھنا چاہئے کہ گویا یہ وعید زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھی، جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو اموال کے لئے پاکی کا ذریعہ بنادیا، لہٰذا کوئی شخص سونا چاندی کی زکوٰۃ ادا کرتا رہے تو ان کو جمع کر کے رکھنے میں کوئی گناہ نہیں۔

قد یریدون التقدمَ والتأخرَ الرُّتبی لاالزمانی

وقد یذکر الصحابةُ رضی اللّٰه عنهم التقدُّمَ والتأخرَ، ویریدون بذلك: التقدمَ والتاخرَ الرُّتبی، لاَ الزمانی، کما قال ابنُ عمر رضی اللّٰه عنه فی قوله تعالیٰ: ﴿والَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالفِضَّةَ﴾: "إنما کان هذا قبلَ ان تُنْزَلَ الزکوةُ، فلما أُنزِلت جعلها اللّٰهُ طُهراً للأموال"؛ ومن المعلوم أن سورةَ البراءةِ آخرُسورةٍ نزلت، وهذه الآيةُ فی تضاعیف القِصَصِ المتأخرة، وقد کانت فرضیةُ الزکاة متقدمةً علیها بأعوامٍ؛ ولکن مراد ابنِ عمرَ رضی اللّٰه عنه: تَقَدُّمَ الإجمالُ علی التفصیلِ بالرُّتبةِ.

ترجمہ: کبھی (صحابہ کرام) زمانی کے بجائے رُتبی تقدم وتأخر مراد لیتے ہیں: اور کبھی صحابہ کرام تقدم وتأخر کو ذکر کرتے ہیں، اور مراد لیتے ہیں اس سے رُتبی تقدم وتأخر نہ کہ زمانی، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿والَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالفِضَّةَ﴾ کے بارے میں کہ بیشک یہ (وعید) زکوٰۃ (کا حکم) نازل کئے جانے سے پہلے تھی، پھر جب زکوٰۃ (کی

آیات) نازل کی گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اس (زکوٰۃ) کو اموال کے لئے پاکی (کا ذریعہ) بنادیا، اور معلوم ہے کہ سورۂ براءت نزول کے اعتبار کے آخری سورت ہے، اور یہ آیت آخر میں پیش آنے والے واقعات کے درمیان میں ہے، اور زکوٰۃ کی فرضیت اس سے کئی سال مقدم ہے، بلکہ ابن عمر کی مراد اجمال کا تفصیل سے مرتبہ میں مقدم ہونا ہے۔

لغات:

تَضَاعِیف: درمیان، بیچ تضاعیفُ الشیئِ: دوچند، تضاعیف الکتاب: حواشی اور بین السطور (یہ لفظ مفرد ہے جمع نہیں ہے)...... اَعْوَام؛ عامٌ کی جمع ہے: سال، برس۔

☆ ☆ ☆

مفسر کے لئے دوقسم کی باتوں کا جاننا ضروری ہے

بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ محدثین اپنی تفسیروں میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کے حوالہ سے جتنی باتیں ذکر کرتے ہیں؛ ان سب کا مفسر کے لئے جاننا ضروری نہیں بلکہ ان باتوں میں سے صرف دوقسم کی باتوں کا جاننا ضروری ہے:

(۱) ان واقعات کا جاننا ضروری ہے جن کی خصوصیات کی طرف آیتوں میں اشارہ آیا ہو چاہے وہ غزوات نبوی کے واقعات ہوں، یا ان کے علاوہ دیگر واقعات ہوں، کیونکہ ان واقعات کو جانے بغیر آیات کی حقیقت کو سمجھنا آسان نہیں، مثلاً ﴿ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ﴾ (سورۂ انفال آیت ۴۲) میں غزوۂ بدر کی خصوصیات کی طرف اشارہ ہے، اور ﴿ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ﴾ (آل عمران آیت ۱۲۱) میں غزوۂ اُحد کی خصوصیات کی طرف اشارہ ہے، اور ﴿ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ ﴾ (سورۂ توبہ آیت ۴۰) میں واقعہ ہجرت کی خصوصیات کی طرف اشارہ ہے، اور اس قسم کے اشارے قرآن کریم میں بے شمار ہیں، لہٰذا ان واقعات کا جاننا ایک مفسر کے لئے ضروری ہے۔

(۲) بعض قیود کے فوائد، اور بعض مواقع میں سختی کرنے کی وجوہات کا جاننا ضروری ہے، مگر فوائد قیود اور تشدید کی وجوہات کا جاننا چونکہ اسباب نزول کے جاننے پر موقوف ہے اس لئے ان

اسباب نزول کا جاننا بھی ضروری ہے جن سے فوائد قیود اور تشدید کی وجوہات کا پتہ چلتا ہے، مثلاً حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب سورۂ بقرۃ میں عورتوں کی عدت بیان کی گئی تو لوگوں نے کہا: کچھ عورتیں ایسی ہیں جن کی عدت بیان نہیں کی گئی، ایک چھوٹی بچیاں جن کو حیض نہیں آتا، دوسری سن رسیدہ عورتیں جن کا حیض بند ہوگیا ہے، اور تیسری حاملہ عورتیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَالّٰئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِسَائِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ، وَالّٰئِیْ لَمْ یَحِضْنَ، وَاُوْلَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (سورۂ طلاق آیت ۴ بحوالہ تفسیر مظہری) ترجمہ: اور تمہاری وہ بیویاں جو حیض سے ناامید ہو گئی ہیں، اگر تم کو (ان کے بارے میں) شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور جن لڑکیوں کو ابھی حیض نہیں آیا ان کی بھی، اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے ان کی عدت یہ ہے کہ جن لیں پیٹ کا بچہ۔

اگر یہ شان نزول ہمارے سامنے نہ ہو تو ﴿اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ (اگر تم کو شک ہو) کی قید کا فائدہ سمجھ میں نہیں آسکتا، بلکہ کسی کو یہ دھوکہ ہوسکتا ہے کہ اگر سن رسیدہ عورت کو جس کا حیض بند ہو گیا ہے حاملہ ہونے میں شک نہ ہو تو اس پر عدت نہیں، جیسا کہ بعض اہل ظواہر کا مسلک ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دل لگی کے طور پر پوچھتے تھے کہ میرا باپ کون ہے؟ اور جس کی اونٹنی گم ہو جاتی وہ پوچھتا کہ: میری اونٹنی کہاں ہے؟ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۱۰۱) (بخاری شریف، کتاب التفسیر ص ۶۶۵) اگر یہ شان نزول ہمارے سامنے نہ ہو تو فضول سوالوں سے روکنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آسکتی۔

شَرطُ المُفَسِّرِ أمرانِ:

وبالجملة: فالذی یَشترِطُ علی المفسرِ فی هذا البابِ لایزیدُ علی امرین:

الأولُ: معرفةُ قِصَصِ الغزواتِ وغیرِها، مما وقع فی الآیاتِ الإیماءُ إلی خصوصیاتها، فمالم تُعلم تلك القصصُ لایتأتّی فهمُ حقیقتِها.

والثانی: الاطلاعُ علی فوائدِ بعضِ القیودِ؛ وکذا أسبابُ التشدیدِ فی بعضِ المواضعِ، تَتوقّفُ معرفتُها علی أسبابِ النزولِ.

ترجمہ: مفسر کے لئے دو باتیں ضروری ہیں: الحاصل اس باب میں (یعنی آثار صحابہ و تابعین کے بارے میں) مفسر پر جو چیز ضروری ہے وہ دو باتوں (کو جاننے) سے زیادہ نہیں۔

اول: غزوات وغیرہ کے ان واقعات کو جاننا جن کی خصوصیات کی طرف آیتوں میں اشارہ واقع ہوا ہے کیونکہ جب تک وہ قصے معلوم نہ ہوں گے ان کی حقیقت کا سمجھنا آسان نہیں ہوگا۔

دوم: بعض قیود کے فوائد سے واقف ہونا، اور اسی طرح بعض مواقع میں سختی کرنے کی وجوہات (سے واقف ہونا) جن کی واقفیت اسباب نزول (کے جاننے) پر موقوف ہے۔

☆ ☆ ☆

فن توجیہ کا بیان

یہ آخری بحث یعنی صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار میں سے جن کا جاننا ایک مفسر کے لئے ضروری ہے یہ بحث درحقیقت توجیہ کے اقسام میں سے ایک قسم ہے، اس لئے شاہ صاحب رحمہ اللہ توجیہ کے معنی بیان کرتے ہیں اور اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

وَجَّہَ توجیھًا کے لغوی معنی ہیں ایک معین رُخ پر ڈال دینا، المعجم الوسیط میں ہے: وجَّہ الشیئَ: جعله علی جهةٍ واحدةٍ اور وَجَّہَ فلانًا: جعله یَتَّجِہ اتجاھًا معینًا، اور اصطلاحی معنی ہیں: کلام کے مقصود کو اس طرح واضح کرنا اور بات کو اس طرح پیش کرنا کہ ممکنہ اشکالات دور ہو جائیں اور بات ایک متعین رخ پر پڑ جائے اور مراد خوب واضح ہو جائے۔

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ کبھی آیت پر بظاہر کوئی اشکال ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آیت کا بظاہر جو مطلب ہے وہ مستبعد معلوم ہوتا ہے، یا دو آیتوں میں تعارض ہوتا ہے، یا مبتدی طالب علم کو آیت کا مطلب سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے، یا کسی قید کا فائدہ اس کے ناقص ذہن میں نہیں آتا، تو مفسر کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان الجھنوں کو دور کرے، اسی کا نام "توجیہ" ہے۔ مثالیں آگے آرہی ہیں۔

فن التوجیه:

وھذا المبحثُ الأخیر فی الحقیقةِ فنٌ من فنونِ التوجیهِ؛ ومعنی التوجیه: بیانُ وَجْهِ الکلام؛ وحاصلُ ھذه الکلمةِ: أنه:

● قد تقعُ فی الآیة شبهةٌ ظاهرةٌ، لاستبعادِ الصورةِ التی هی مدلولُ الآیةِ، أو للتناقُضِ بینَ الآیتینِ.
● او یَصْعُبُ فهمُ مدلولِ الآیةِ علی ذِھْنِ المبتدی.
● أو لاتَسْتَقِرُّ فی ذهنِہٖ فائدةُ قیدٍ من القیودِ.
فإذا قام المفسرُ بِحَلِّ هذهِ الإشکالاتِ سُمِّیَ ذلک توجیھًا.

ترجمہ: فن توجیہ: اور یہ آخری بحث درحقیقت توجیہ کے فنون (اقسام) میں سے ایک فن ہے اور توجیہ کے معنی ہیں: کلام کے مقصود کو واضح کرنا، اور اس لفظ کا حاصل یہ ہے کہ:
۱- کبھی آیت میں بہ ظاہر کوئی شبہ ہوتا ہے، اس صورت کو بعید سمجھنے کی وجہ سے جو آیت کا مدلول ہے، یا دو آیتوں کے درمیان (بظاہر) تعارض ہونے کی وجہ سے۔
۲- یا مبتدی کے لئے آیت کا مطلب سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔
۳- یا مبتدی کے ذہن میں قیود میں سے کسی قید کا فائدہ نہیں جمتا (نہیں بیٹھتا) پس جب مفسر ان اشکالات کو حل کرتا ہے تو اس کو توجیہ کہا جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

توجیہ کی مثالیں

شاہ صاحب نے آئندہ عبارت میں توجیہ کی پانچ مثالیں بیان فرمائی ہیں، جن میں سے پہلی استبعادِ صورت کی ہے، دوسری صعوبتِ فہم کی، تیسری تعارض کی، چوتھی اور پانچویں فوائد قیود کی مثالیں ہیں، اور آخیر میں فرمایا ہے کہ توجیہ کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، مگر یہاں توجیہ کے معنی اور مفہوم کو سمجھانے کے لئے یہی مثالیں کافی ہیں۔

أمْثِلَةُ التَوْجِیْهِ:

۱- کما فی آیة: ﴿یٰأُخْتَ هَارُوْنَ﴾ فقد سألوا: ان المدةَ بین موسی وعیسی علیهما السلام طویلةٌ، فکیف یکونُ هارونُ اَخَالِمَرْیَمَ؟ کأنَّ السائلَ اَضْمَرَ فی خاطرِہٖ: أن هارونَ هذا هوهارونُ اخو موسی علیهما السلام؛ فأجاب صلی اللّٰه علیه وسلم بأنَّ بنی إسرائیلَ کانوا یسمون بأسماءِ الصالحین قبلَهم.

٢۔ وكما سألوا: كيف يمشي الإنسانُ يومَ الحَشْر على وجهِهِ؟ فقال: " إنَّ الذي أمْشاه في الدنيا على رِجْلَيْهِ لَقادرٌ على أن يُمْشِيَهُ على وجهِه"

٣۔ وكما سألوا ابنَ عباسٍ رضي الله عنهما عن وجهِ التطبيق بين قولِه تعالى: ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلاَ أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلاَيَتَسَاءَ لُوْنَ﴾ وبين آيةٍ أخرى: ﴿وأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلى بَعْضٍ يَتَسَاءَ لُوْنَ﴾ فقال رضي الله عنه: عدمُ التساؤلِ يومَ الحشرِ، والتساؤلُ بعدَ دخولِ الجنة.

٤۔ وكما سألوا عائشةَ رضي الله عنها، فقالوا: إن كان السعيُ بين الصفا والمروةِ واجبا، فلِمَاذا قال الله تعالى: ﴿فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ الآية؟ فأجابت رضي الله عنها: بأن قوما كانوا يَتَجَنَّبُونه ويَتَحَرَّجون منه، فلذلك قال الله تعالى: ﴿ لاَجُنَاحَ﴾

٥ ۔ وكما سأل عمرُ رضي الله عنه رسولَ الله صلى الله عليه وسلم: ما معنى قيدِ ﴿إِنْ خِفْتُمْ ﴾؟ فقال صلى الله عليه وسلم: صدقةٌ تصدَّقَ اللهُ بها عليكم، فاقبلوا صدقَتَه" أي أن الكرماءَ لايُضايِقون في الصدقة، فكذلك لم يذكرِ اللهُ سبحانه وتعالى هذا القيدَ للتضييق، بل القيدُ إتفاقي.

وأمثلةُ التوجيهِ كثيرةٌ، والغرضُ هُنا التنبيهُ على معناه.

ترجمہ: توجیہ کی مثالیں: ا- جیسا کہ آیت ﴿ يٰأُخْتَ هَارُوْنَ﴾ (سورۂ مریم آیت ۲۸) کے بارے میں لوگوں نے سوال کیا تھا کہ: حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان جو زمانہ ہے وہ کافی لمبا زمانہ ہے، پھر ہارون علیہ السلام، مریم رضی اللہ عنہا کے بھائی کیسے ہو سکتے ہیں؟ گویا سائل نے اپنے دل میں یہ بات چھپا رکھی تھی کہ: یہ ہارون وہی ہارون ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں، تو آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ: بنی اسرائیل اپنے سے پہلے والے بزرگوں کے ناموں پر (بچوں کے) نام رکھتے تھے (یعنی اس آیت میں ہارون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام مراد نہیں ہیں، بلکہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے خاندان کا کوئی ہارون نامی بزرگ شخص مراد ہے) (ترمذی شریف، ابواب التفسیر ج ۲ ص ۱۴۴)

۲-اور جیسا کہ لوگوں نے سوال کیا تھا کہ: انسان حشر (قیامت) کے دن اپنے چہرے کے بل کیسے

چلے گا؟ تو آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ: جس (خدا) نے اس کو دنیا میں پیروں پر چلایا ہے وہ اس پر (بھی) قادر ہے کہ اس کو چہرے کے بل چلائے (رواہ الشیخان، مشکوۃ، باب الحشر ص ۴۸۳)

۳-اور جیسا کہ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُوْنَ﴾ (سورۂ مؤمنون آیت ۱۰۱) اور دوسری آیت ﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُوْنَ﴾ (سورۂ صافات آیت ۲۷) کے درمیان تطبیق کی صورت پوچھی تھی، تو آپؓ نے فرمایا کہ: ایک دوسرے سے سوال نہ کرنا حشر (قیامت) کے دن ہوگا، اور ایک دوسرے سے سوال کرنا جنت میں داخل ہونے کے بعد ہوگا (اخرجہ الحاکم وابن جریر کما فی الدر المنثور ج ۵ ص ۱۵)

۴-اور جیسا کہ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تھا کہ اگر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۵۸) تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ: کچھ لوگ (اساف ونائلہ کی وجہ سے) اس سے بچتے تھے اور اس میں حرج محسوس کرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فلاجُناحَ﴾ (مسلم شریف، کتاب الحج ج ۱ ص ۴۱۴)

۵-اور جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ: ﴿إِنْ خِفْتُمْ﴾ (سورۂ نساء آیت ۱۰۱) کی قید کا کیا مطلب ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: یہ خیرات ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دی ہے، پس اللہ کی خیرات کو قبول کرو یعنی سخی لوگ خیرات میں تنگی نہیں کرتے (وہ دے کر واپس نہیں لیتے) پس اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ قید تنگی کرنے کے لئے ذکر نہیں کی، بلکہ یہ قید اتفاقی ہے (جیسے سورۃ النساء کی آیت ۲۳ میں فی حُجُورکم کی قید اتفاقی ہے)

اور توجیہ کی مثالیں بہت ہیں اور یہاں (مثالیں ذکر کرنے سے) غرض اس کے معنی کو سمجھانا ہے (اور اس مقصد کے لئے مذکورہ مثالیں کافی ہیں)

☆ ☆ ☆

اسباب نزول کی روایات اور مشکل مقامات کی توجیہات

فتح الخبیر میں دو فائدوں کے لئے جمع کی گئیں ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سنن کی

کتاب التفسیر میں اور حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری نے اپنے مستدرک کی کتاب التفسیر میں، جو سند جید سے مرفوع یا موقوف روایات اسباب نزول کے سلسلہ کی یا مشکل مقامات کی توجیہ کے سلسلہ کی بیان کی ہیں، ان کو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تنقیح واختصار کے ساتھ الفوز الکبیر کے پانچویں باب میں، جس کا نام فتح الخبیر بمالابد من حفظه فی علم التفسیر ہے، دو فائدوں کے لئے جمع کر دیا ہے:

پہلا فائدہ: یہ بات بتلانا مقصود ہے کہ بس اتنی روایات کو مستحضر رکھنا ایک مفسر کے لئے ضروری ہے، جس طرح اس باب میں جس قدر مشکل الفاظ کے معانی ذکر کئے گئے ہیں، اتنی مقدار کا یاد رکھنا ضروری ہے، ان سے زائد کی حاجت نہیں۔

دوسرا فائدہ: یہ بات بتلانا مقصود ہے کہ مفسرین جو اسباب نزول کی روایات ذکر کرتے ہیں ان میں سے بیشتر کا آیات کے مطالب سمجھنے سے کوئی تعلق نہیں، بس وہ تھوڑی سی روایات کافی ہیں، جو مذکورہ بالا تفاسیر ثلاثہ میں مذکور ہیں، جو محدثین کے نزدیک صحیح ترین تفاسیر ہیں۔

يُذكَرأسبابُ النزولِ وتوجيهُ المُشْكِلِ

فی فتحِ الخبیر لفائدتین

وأرى من المناسبَ أن أذكرَ فی البابِ الخامسِ ما نَقَلَ البخاریُّ والترمذیُّ والحاکمُ فی تفاسیرِهم من أسبابِ النزولِ وتوجیهِ المشکلِ، بسندٍ جَیِّدٍ إلى الصحابةِ رضی الله عنهم، أو إلى رسولِ اللهِ صلى الله علیه وسلم مع التنقیحِ والاختصارِ لفائدتین:

الأولى: أن استحضارَ هذا القدرِ من الآثارِ لابُدَّ منه للمُفَسِّرِ، کما لابُدَّله من حفظِ القدرِ الذی ذکرناه فی ذلك البابِ من شرحِ غریبِ القرآنِ.

والثانیة: ان یُعلَمَ أنه لادَخْلَ لأکثرِ مایُرْوٰی من أسبابِ النزولِ فی فهمِ معانی الآیاتِ الکریمةِ، اللّٰهم إلاشیٔ قلیلٌ من القِصَصِ التی ذُکِرَتْ فی هذه التفاسیرِ الثلاثة التی هی أصحُ التفاسیرِ عند المحدثین.

ترجمہ: اسباب نزول اور مشکل مقامات کی توجیہ فتح الخبیر میں دو فائدوں کی وجہ سے ذکر کی گئی ہے:

اور میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ ذکر کروں پانچویں باب میں وہ اسباب نزول اور مشکل مقامات کی توجیہ جن کو نقل کیا ہے امام بخاری، امام ترمذی اور امام حاکم نے اپنی تفسیروں میں عمدہ سند سے (جو) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک (پہنچتی ہے) تنقیح وتہذیب اور اختصار کے ساتھ دو فائدوں کے لئے:

پہلا فائدہ: یہ ہے کہ اتنے آثار (روایات) کا یاد رکھنا مفسر کے لئے ضروری ہے، جس طرح قرآن کریم کے غریب الفاظ کی اتنی تشریح کا یاد رکھنا ضروری ہے جس کو ہم اس (پانچویں) باب میں ذکر کریں گے۔

اور دوسرا فائدہ: یہ ہے کہ معلوم ہو جائے کہ جو اسباب نزول نقل کئے جاتے ہیں ان میں سے بیشتر کا کوئی دخل نہیں آیات کریمہ کے مطالب سمجھنے میں، ہاں البتہ تھوڑے سے واقعات جو ذکر کئے گئے ہیں ان تین تفسیروں میں جو محدثین کے نزدیک صحیح ترین تفسیریں ہیں۔

☆ ☆ ☆

محمد بن اسحاق، واقدی اور کلبی کا غلو

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ محمد بن اسحاق، محمد بن عمر واقدی اور محمد بن سائب کلبی نے آیتوں کے جو اسباب نزول بیان کئے ہیں، ان میں سے اکثر وبیشتر محدثین کے نزدیک صحیح نہیں، اور ان کے ذکر کردہ اسباب نزول کو تفسیر کی شرطوں میں شمار کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ اور جو یہ سمجھتا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر ان کے ذکر کردہ اسباب نزول کے جاننے پر موقوف ہے، وہ کتاب اللہ سے استفادہ نہیں کر سکتا، وہ اُن واقعات ہی میں الجھ کر رہ جائے گا۔

إفراطُ ابنِ اسحاقَ والواقِدی والکَلْبِی

وأما إفراطُ محمدِ بنِ إسحاقَ والواقدیِ والکَلْبِی وما ذکروا تحت کلِ آیۃٍ مِن قصۃٍ، فأکثرُہ غیرُصحیحٍ عندالمحدثین، وفی إسنادِہ نظرٌ؛ ومن الخطأ البَیِّن: أن یُعدَّ ذلک من شروطِ التفسیر؛ ومن یَریٰ أن تدبُّرَ کتابِ اللّٰہ یتوقف علی الإحاطۃِ بھا، فقد فات حظُّہ من کتابِ اللّٰہ، وما توفیقی إلا باللّٰہ، علیہ توکلتُ وھو رَبُّ العرشِ العظیم۔

ترجمہ: ابن اسحاق، واقدی اور کلبی کا غلو: اور رہا محمد بن اسحاق، واقدی اور کلبی کا غلو (حد سے تجاوز کرنا) اور وہ واقعات جو انھوں نے ہر آیت کے تحت ذکر کیے ہیں، تو ان میں سے اکثر محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں، اور ان کی سندوں میں کلام ہے، اور واضح غلطی یہ ہے کہ ان کو تفسیر کی شرطوں میں سے شمار کیا جائے، اور جو سمجھتا ہے کہ کتاب اللہ میں غور کرنا ان واقعات کا احاطہ کرنے پر موقوف ہے، تو کتاب اللہ میں سے اس کا حصہ فوت ہو گیا اور مجھے (یہ باتیں بیان کرنے کی) توفیق نہیں ملی، مگر اللہ کی مدد سے، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔

فائدہ

محمد بن اسحاق: مدینہ منورہ کے باشندے اور عرب کے قدیم ترین مؤرخ ہیں۔ مغازی اور سیر میں نمایاں مقام رکھتے تھے، مگر غیر معتبر روایتیں اور جھوٹی باتیں بیان کرتے تھے، ۱۵۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔

واقدی: کا نام محمد بن عمر واقدی سہمی اسلمی ہے، آپ مدینہ منورہ کے باشندے اور مشہور ومعروف قدیم ترین اسلامی مؤرخ اور حفاظ حدیث میں سے ہیں مگر محدثین کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہیں آپ مدینہ منورہ میں ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں ۲۰۷ھ میں وفات پائی۔

کلبی: کا پورا نام محمد بن السائب بن بشر بن عمرو بن عبد الحارث الکلبی ہے، یہ قبیلہ بنو کلب کی طرف منسوب ہیں، کوفہ کے باشندے اور تاریخ وانساب اور تفسیر میں مشہور ہیں، مگر محدثین ان کے ناقابل اعتبار ہونے پر متفق ہیں، آپ کوفہ میں پیدا ہوئے اور کوفہ ہی میں ۱۴۶ھ میں وفات پائی۔

فصل چہارم

فہم مراد میں دشواری پیدا کرنے والے دیگر اسباب

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے دوسرے باب کے شروع میں فہم مراد میں دشواری پیدا کرنے والے اسباب اجمالی طریقہ پر ذکر کئے ہیں، پھر ان میں سے تین اسباب کی سابقہ تین فصلوں میں تفصیل کی ہے، اب اس فصل میں اور اس کے بعد پانچویں فصل میں فہم مراد میں دشواری پیدا کرنے والے دیگر اسباب کی وضاحت کرتے ہیں اور ان کی کچھ مثالیں بیان فرماتے ہیں، تاکہ طلبہ ان اسباب کو اچھی طرح سمجھ لیں، اب عبارت چونکہ آسان ہے اس لئے مطلب خیز ترجمہ پر اکتفا کیا جائے گا اور ضروری تشریح ترجمہ کے ضمن میں کر دی جائے گی۔

الفصلُ الرابعُ

فی

بقيةِ مباحثِ هذا البابِ

مما يوجِبُ الخَفاءَ: حذفُ بعضِ الأجزاء ، أو أدواتِ الكلامِ، وإبدالُ شيءٍ بشيءٍ، وتقديمُ ماحقُّه التأخيرُ، وتأخيرُ ماحقُّه التقديمُ، واستعمالُ المتشابهاتِ والتعريضاتِ والكناياتِ، لاسِيَّما تصويرالمعنى المراد بالصورةِ المحسوسةِ التي تكون من لوازمِ ذلك المعنى عادةً واستعمالُ الاستعارةِ المَكْنِيَّةِ، والمجازِ العقلي؛ فلنذكرِ شئيا من الأمثلةِ لهذه الأشياءِ باختصارٍ، لتكونَ على بصيرةٍ.

ترجمہ: چوتھی فصل: اس باب کی بقیہ بحثوں میں: جو امور (فہم مراد میں) پوشیدگی پیدا کرتے ہیں

ان میں سے چند یہ ہیں: (جملہ کے) بعض اجزاء کو یا کلام کے بعض حروف کو حذف کرنا، اور ایک چیز کو دوسری چیز سے بدلنا، اور جس کو مؤخر کرنا چاہئے تھا اس کو مقدم کرنا، اور جس کو مقدم کرنا چاہئے تھا اس کو مؤخر کرنا، اور متشابہات، تعریضات، اور کنایات کو استعمال کرنا خصوصاً معنی مرادی کی منظر کشی کرنا ایسی محسوس صورت سے جو عادۃً اس معنی کے لئے لازم ہے، اور استعارہ مکنیہ اور مجاز عقلی کا استعمال کرنا، لہٰذا ہم ان امور کی کچھ مثالیں اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، تاکہ آپ بابصیرت ہو جائیں۔

﴿فائدہ﴾ یہ فہم مراد میں دشواری پیدا کرنے والے باقی امور و اسباب کی فہرست ہے، ان میں سے تین امور یعنی حذف، ابدال اور تقدیم و تاخیر کی تفصیل اور مثالیں اسی فصل میں پیش کی گئی ہیں اور بقیہ امور کی تفصیل پانچویں فصل میں پیش کی جائے گی،

تنبیہ: یہاں شاہ صاحب نے استعارہ مَکْنِیَّہ کا تذکرہ کیا ہے، مگر آگے اس کی تشریح یا تو اس وجہ سے نہیں کی کہ کنایہ وغیرہ کی تشریح کو کافی سمجھا ہے، کیونکہ استعارہ مکنیہ کا حال کنایہ جیسا ہے، یا سہو سے اس کا بیان رہ گیا ہے، ہم ان شاء اللہ استعارہ مکنیہ کی تعریف اور اس کی مثال پانچویں فصل کے آخر میں بیان کریں گے۔

☆ ☆ ☆

حذف کا بیان

حذف کے لغوی معنی ہیں: گرانا، ساقط کرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: جملہ کے کسی جز کو یا پورے جملہ کو گرا دینا —— حذف کی کئی قسمیں ہیں، مثلاً حذف مضاف، حذف موصوف، حذف عامل وغیرہ اور ہر ایک قسم کی متعدد مثالیں متن میں آرہی ہیں، جو واضح ہیں۔

بيان الحذف

أما الحذفُ فعلى أقسامٍ: حذفُ المضافِ والموصوفِ والمتعلَّقِ وغيرِ ذلك، مثلُ:

- قولِه تعالى: ﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ﴾ أي بِرَّ مَنْ آمن.
- وقولِه تعالى: ﴿وَآتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً﴾ أي آيةً مبصرةً، لاأنها مبصِرةٌ، غيرُ عمياء.
- وقولِه تعالى: ﴿وَأُشْرِبُوْا فِي قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ أي حُبَّ العِجْلِ

ترجمہ: حذف کا بیان: حذف کی کئی قسمیں ہیں: حذف مضاف، حذف موصوف، حذف متعلّق یعنی حذف عامل وغیرہ جیسے:

۱-ارشاد خداوندی: ﴿ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۷۷) میں ﴿ مَنْ آمَنَ ﴾ سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ (بِرُّ) مَنْ آمَنَ: لیکن نیکی اس شخص کی (نیکی) ہے۔

۲-اور ارشاد خداوندی: ﴿وَآتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً﴾ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۵۹) میں مُبْصِرَةً سے پہلے موصوف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: وَآتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ (آيَةً) مُبْصِرَةً: اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی جو آنکھیں کھولنے والا معجزہ تھی —— اگر مُبْصِرَةً سے پہلے آيَةً کو محذوف نہ مانیں تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ: ہم نے قوم ثمود کو ایسی اونٹنی دی جو دیکھنے والی تھی، اندھی نہیں تھی، جبکہ آیت کا یہ مطلب نہیں ہے۔

۳-اور ارشاد خداوندی: ﴿وَأُشْرِبُوْا فِي قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۹۳) میں الْعِجْلَ سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿وَأُشْرِبُوْا فِي قُلُوْبِهِمْ (حُبَّ) الْعِجْلِ ﴾ اور ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلادی گئی (یعنی پیوست کردی گئی)

●وقولِه تعالى: ﴿أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ اى بغيرِ قتلِ نفسٍ.

●وقولِه تعالى: ﴿أَوْ فَسَادٍ﴾ اى بغيرِ فسادٍ.

●وقولِه تعالى: ﴿مَنْ فِيْ السَّمٰوٰتِ والْأَرْضِ ﴾ اى مَنْ فى السماواتِ ومَنْ فى الارضِ؛ لا أن شيئا واحدًا هو فى السماواتِ والأرضِ.

●وقولِه تعالى: ﴿ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ﴾ اى ضعفَ عذابِ الحياةِ وضعفَ عذابِ المَماتِ.

ترجمہ: ۴-اور ارشاد خداوندی: ﴿أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ (سورۂ کہف آیت ۷۴) میں نَفْسٍ سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ (قَتْلِ) نَفْسٍ﴾ کیا آپ نے ایک معصوم جان کو قتل کردیا کسی جان کے قتل کے بغیر۔

۵-اور ارشاد خداوندی: ﴿ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ

جَمِيْعًا﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۳۲) میں فَسَادٍ سے پہلے مضاف یعنی جار و مجرور محذوف ہیں، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ (قَتْلِ) نَفْسٍ أَوْ (بِغَيْرِ) فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ جس نے کسی شخص کو کسی جان کے قتل کے بغیر یا زمین میں فساد پھیلائے بغیر قتل کیا، تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔

۶- اور ارشاد خداوندی: ﴿مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ (سورۂ رحمٰن آیت ۲۹، اس کے علاوہ اور کئی جگہوں میں بھی اسی طرح آیا ہے) میں اَلْاَرْضِ سے پہلے اسم موصول اور حرف جار محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے ﴿مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ (وَمَنْ فِي) الْأَرْضِ﴾: جو آسمانوں میں ہیں، اور جو زمین میں ہیں (سب اسی سے مانگتے ہیں) —— اگر اَلْاَرْضِ سے پہلے مَنْ اسم موصول اور فِيْ حرف جار کو محذوف نہ مانیں تو مطلب یہ ہوگا کہ: ایک ہی چیز آسمانوں اور زمین دونوں میں ہے، حالانکہ آیت کا یہ مطلب نہیں۔

۷- اور ارشاد خداوندی: ﴿إِذًا لَّأَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۷۵) میں اَلْحَيٰوةِ اور اَلْمَمَاتِ سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت یہ ہے: ﴿إِذًا لَّأَذَقْنٰكَ ضِعْفَ (عَذَابِ) الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ (عَذَابِ) الْمَمَاتِ﴾ تب تو ضرور چکھاتے ہم آپ کو زندگی کا دوگنا عذاب اور مرنے کا دوگنا عذاب۔

- وقوله تعالى: ﴿وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ﴾ اى أهلَ القريةِ.
- وقوله تعالى: ﴿بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ اى فعلوامكانَ شكرِ نعمةِ اللّٰهِ كفرًا.
- وقوله تعالى: ﴿يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ﴾ اى للخصلةِ التي هي أقومُ.
- وقوله تعالى: ﴿بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾ اى بالخصلةِ التي هي أحسنُ.
- وقوله تعالى: ﴿سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى﴾ اى الكلمةُ الحسنى و العِدَةُ الحسنى

ترجمہ: ۸- اور ارشاد خداوندی: ﴿وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ﴾ (سورۂ یوسف آیت ۸۲) میں اَلْقَرْيَةَ سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿وَاسْأَلْ (أَهْلَ) الْقَرْيَةِ﴾ بستی والوں سے پوچھیے!

۹- اور ارشاد خداوندی: ﴿بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ (سورۂ ابراہیم آیت ۲۸) میں نِعْمَتَ اللّٰهِ سے پہلے مضاف اور مضاف الیہ دونوں محذوف ہیں، اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ﴿فَعَلُوْا (مَكَانَ

شُكْرِ) نِعْمَتِ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ انھوں نے اللہ کی نعمت کے شکر کی جگہ ناشکری کی۔

۱۰- اور ارشاد خداوندی: ﴿ إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۹) میں "اَلَّتِيْ" سے پہلے موصوف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلْخَصْلَةِ الَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ﴾ یہ قرآن ایسی بات کی راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔

۱۱- اور ارشاد خداوندی: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ ﴾ (حم السجدہ آیت ۳۴) میں بھی اَلَّتِيْ سے پہلے موصوف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿ اِدْفَعْ بِالْخَصْلَةِ الَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾ آپ جواب دیجئے ایسے طریقہ سے جو بہتر ہے۔

۱۲- اور ارشاد خداوندی: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى﴾ (سورۂ انبیاء آیت ۱۰۱) میں اَلْحُسْنٰى سے پہلے موصوف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا (الْكَلِمَةُ) الحسنى ر (الْعِدَةُ) الْحُسْنٰى﴾ جن کے لئے پہلے سے ٹھہر چکی ہے ہماری طرف سے اچھی بات، اور اچھا وعدہ۔

●وقوله تعالى: ﴿عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمَانَ﴾ اى على عهد مُلْكِ سليمانَ.

●وقوله تعالى: ﴿ وَعَدْ تَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ﴾ اى على أَلْسِنَةِ رسلِك.

●وقوله تعالى: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ اى أنزلنا القرآنَ، وإن لم يَسْبِقْ له ذكرٌ.

ترجمہ: ۱۳- اور ارشاد خداوندی: ﴿عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمَانَ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۰۲) میں مُلْكِ سُلَيْمَانَ سے پہلے مضاف اول محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿عَلٰى (عَهْدِ) مُلْكِ سُلَيْمَانَ﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کے زمانہ میں۔

۱۴- اور ارشاد خداوندی: ﴿مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ﴾ (آل عمران آیت ۱۹۴) میں بھی رُسُلِكَ سے پہلے مضاف اول محذوف ہے۔ اور تقدیر عبارت ہے: ﴿ مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى (أَلْسِنَةِ) رُسُلِكَ﴾ جو آپ نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے اپنے پیغمبروں کی زبانی۔

۱۵- اور ارشاد خداوندی ﴿ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (سورۂ قدر آیت ۱) نازل کیا ہم نے اس کو یعنی قرآن کریم کو شب قدر میں —— اس میں ضمیر کے مرجع کو حذف کیا گیا ہے کیونکہ اِنْزَال قرآن پر دلالت کرتا ہے، اس لئے اس کی طرف ضمیر لوٹانا صحیح ہے۔

●وقولِه تعالى: ﴿حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ اى توارتِ الشمسُ.
●وقولِه تعالى: ﴿وَمَايُلَقّٰهَا﴾ اى خصلةَ الصبرِ.
●وقولِه تعالى: ﴿وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ﴾ ــــ فيمن قرأ بالنصبِ ــــ اى جعل منهم مَنْ عَبَدَ الطاغوتَ.
●وقولِه تعالى: ﴿فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا﴾ اى جعل له نسبًا وصهرًا.
●وقولِه تعالى: ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ﴾ اى من قومِه.
●وقولِه تعالى: ﴿أَلاَ اِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ﴾ اى كفروا نعمةَ ربِهم، أو: كفروا بربهم، بنزع الخافضِ.

ترجمہ: ۱۶- اور ارشاد خداوندی: ﴿حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ (سورۂ ص آیت ۳۲) یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اوٹ میں ــــ اس میں بھی ضمیر کے مرجع کو حذف کیا گیا ہے، کیونکہ مشہور تفسیر کے مطابق تَوَارَتْ کی ضمیر کا مرجع "الشمس" ہے جو پہلے مذکور نہیں۔

مگر راجح تفسیر کے اعتبار سے تَوَارَتْ کی ضمیر کا مرجع اَلصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ ہے جو پہلے مذکور ہے، اور یہ تفسیر دو وجہ سے راجح ہے: اولاً اس وجہ سے کہ اس میں اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا، اور ثانیا اس وجہ سے کہ تمام مؤنث ضمیروں کا مرجع ایک رہتا ہے، اور مشہور تفسیر پر اضمار قبل الذکر اور انتشار ضمائر دونوں کو تسلیم کرنا پڑتا ہے جو خلاف اولیٰ ہے۔

۱۷- اور ارشاد خداوندی: ﴿وَمَايُلَقّٰهَا اِلاَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا، وَمَا يُلَقّٰهَا اِلاَّ ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ (سورۂ حم السجدۃ آیت ۳۵) اور یہ بات (یعنی صبر کی خصلت) ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، جو مستقل مزاج ہوتے ہیں، اور یہ بات (یعنی صبر کی خصلت) اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے جو بڑی قسمت والا ہوتا ہے ــــ اس میں بھی ضمیر کا مرجع محذوف ہے، اور وہ خَصْلَةُ الصَّبْرِ ہے۔

۱۸- اور ارشاد خداوندی: ﴿قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ، مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۶۰)

وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ میں دو قرائتیں ہیں (۱) حمزہ کی قراءت میں عَبُدَ کی باء مضموم اور اَلطَّاغوتِ کی تاء مکسور ہے، اور ان کے علاوہ دیگر تمام قراء نے باء کو مفتوح اور تا کو منصوب پڑھا ہے، حمزہ کی قرأت میں کوئی حذف نہیں ہے، اور عَبُد؛ عَبْدٌ کی جمع ہے اور اس کا عطف اَلْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ پر ہے، اور

دیگر حضرات کی قرأت میں عَبَدَ فعل ماضی ہے اور اس سے پہلے "مَنْ" اسم موصول محذوف ہے، اور آیت کا ترجمہ دونوں قرأتوں کے اعتبار سے اس طرح ہے:

آپ فرمادیجئے: کیا میں تم کو بتاؤں اس سے بدتر شخص عقوبت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک؟ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کردیا، اور جس پر غضب نازل فرمایا، اور ان میں سے بعضوں کو بندر اور بعض کو سُوّر بنادیا۔ اور بعضوں کو شیطان کا پجاری بنایا —— اور بعض کو ایسا بنایا جنھوں نے شیطان کی پرستش کی۔

۱۹- اور ارشاد خداوندی: ﴿ فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ﴾ (سورۂ فرقان آیت ۵۴) میں حرف جار کو حذف کر کے فعل کو ضمیر مجرور کے ساتھ ملادیا ہے، اور تقدیر عبارت یوں ہے: ﴿ فَجَعَلَ لَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ﴾ پھر اس کے لئے نسب اور سسرال بنایا۔

۲۰- اور ارشاد خداوندی: ﴿ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ ﴾ (سورۂ اعراف آیت ۱۵۵) میں حرف جار کو حذف کر کے مجرور کو منصوب بنادیا ہے، تقدیر عبارت ہے: ﴿ وَاخْتَارَ مُوْسٰى (مِنْ) قَوْمِهٖ سَبْعِيْنَ رَجُلًا ﴾ اور چن لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر مرد۔

۲۱- اور ارشاد خداوندی: ﴿ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ﴾ (سورۂ ہود آیت ۶۰) میں مضاف یا حرف جار کو حذف کر کے مجرور کو منصوب بنادیا ہے، تقدیر عبارت ہے: ﴿ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا (نِعْمَةَ) رَبِّهِمْ، اَوْ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ﴾: سنو! قوم عاد نے اپنے رب کی نعمت کی ناشکری کی، یا اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔

- وقولِه تعالى: ﴿تَفْتَؤُا﴾ أى لا تفتؤ، ومعناه: لاتزال.
- وقولِه تعالى: ﴿مَانَعْبُدُهُمْ إِلاَّ لِيُقَرِّبُوْنَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ أى يقولون: ما نعبدهم.
- وقولِه تعالى: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا الْعِجْلَ﴾ أى الذين اتخذوا العجلَ إلٰها.
- وقولِه تعالى: ﴿تَأْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ﴾ أى وعن الشمال.
- وقولِه تعالى: ﴿فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ، إِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ﴾ أى تقولون: إنا لمغرمون.
- وقولِه تعالى: ﴿لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَامِنْكُمْ مَلاَئِكَةً﴾ أى بدلا منكم.
- وقولِه تعالى: ﴿ كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ﴾ أى إمض.

ترجمہ: ۲۲- اور ارشاد خداوندی: ﴿تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ﴾ (سورۂ یوسف آیت ۸۵) میں تَفْتَؤُا

سے پہلے "لا" حرف نفی محذوف ہے، ای لاتفتؤ تذکر یوسف: آپ برابر یوسف کو یاد کرتے رہیں گے۔

۲۳- اور ارشاد خداوندی: ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ، مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (سورۂ زمر آیت ۳) میں مَا نَعْبُدُهُمْ سے پہلے قول محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿يَقُوْلُوْنَ مَانَعْبُدُهُمْ﴾ جنھوں نے اللہ کے سوا اور شرکاء تجویز کر رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں۔

۲۴- اور ارشاد خداوندی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ﴾ (سورۂ اعراف آیت ۱۵۲) میں مفعول ثانی محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ (اِلٰهًا)﴾ بیشک جنھوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ـــــ اگر مفعول ثانی کو محذوف نہ مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ: جنھوں نے بچھڑا بنایا، جو خلاف مراد معنی ہیں۔

۲۵- اور ارشاد خداوندی: ﴿تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ﴾ (سورۂ صافات آیت ۲۸) میں جملہ کا ایک جزء محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ (وَعَنِ الشِّمَالِ)﴾: تم ہمارے پاس آتے تھے داہنی طرف سے، اور بائیں طرف سے۔

۲۶- اور ارشاد خداوندی: ﴿فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ، اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ﴾ (سورۂ واقعہ آیت ۶۵ و ۶۶) میں اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ سے پہلے قول محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ، (تَقُوْلُوْنَ) اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ﴾: پھر تم حیرت زدہ ہو کر کہتے ہو کہ: ہم تو قرض دار رہ گئے۔

۲۷- اور ارشاد خداوندی: ﴿لَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰۗىِٕكَةً﴾ (سورۂ زخرف آیت ۶۰) میں مِنْكُمْ سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿لَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنَا (بَدَلًا) مِنْكُمْ مَّلٰۗىِٕكَةً﴾: اگر ہم چاہتے تو تمہارے بدلے فرشتے بناتے۔

۲۸- اور ارشاد خداوندی: ﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ﴾ (سورۂ انفال آیت ۵) میں كَمَا سے پہلے فعل امر محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿(اِمْضِ) كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ﴾ آپ چلتے رہئے جس طرح آپ کے رب نے آپ کو آپ کے گھر سے نکالا ہے۔

حذفُ خبرِ إنَّ والجزاءِ والمفعولِ والمبتدأِ وماشابهها مُطَّرِدٌ.

ولْيُعلم ان حذف خبر "إنّ" أوحذف جزاءِ الشرطِ، أو مفعولِ الفعلِ، أو مبتدأ

الجملةِ، وماأشبَهَ ذلك مطّرِدٌ في القرآنِ الكريم إذا كان فيما بعدَه دلالةٌ على حذفِه، نحوُ:

● قولِه تعالى: ﴿فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِيْنَ﴾ أى لو شاء هدايتكم لهداكم.

● وقولِه تعالى: ﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ أى هذا الحقُّ من ربك.

● وقولِه تعالى: ﴿لَايَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ، أُوْلٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ أَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا﴾ أى لا يستوى من أنفق من قبل الفتح ومن أنفق من بعد الفتح. فحذَفَ الثاني لدلالة قولِه: ﴿أُوْلٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ أَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ﴾.

● وقولِه تعالى: ﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَابَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ: وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلاَّ كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ﴾ أى إذا قيل لهم: اتقوا مابين أيديكم وماخلفكم أعرَضوا.

ترجمہ: قاعدہ: اِنَّ کی خبر، جزاء، مفعول، مبتدااوران کے مشابہ چیزوں کا حذف عام ہے:
جاننا چاہئے کہ قرآن کریم میں اِنَّ کی خبر کا، یاشرط کی جزاء کا، یافعل کے مفعول کا یا جملہ کے مبتداکااور ان جیسی دوسری چیزوں کاحذف کرناایک عام بات ہے، جب اس کے مابعد میں اس کے حذف پر دلالت کرنے والا قرینہ ہو، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی: ﴿فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِيْنَ﴾ (سورۂ انعام آیت ۱۴۹ میں مفعول کو حذف کیا گیاہے، اور حذف پر لَهَدَاكُمْ دلالت کرتا ہے) اور تقدیر عبارت ہے: ﴿فَلَوْ شَاءَ (هِدَايَتَكُمْ) لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِيْنَ﴾: اگر اللہ تعالیٰ تمہاری ہدایت کاارادہ فرماتے توتم سب کوہدایت دیدیتے۔

۲- اور ارشاد خداوندی: ﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۴۷ میں مبتدامحذوف ہے) اور تقدیر عبارت ہے: ﴿هٰذَا الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾: یہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے، اس ترکیب میں مِنْ رَّبِّكَ یاتوحال ہے یاخبر ثانی ہے۔ اور بعض حضرات کے نزدیک اَلْحَقُّ مبتداہے، اور مِنْ رَّبِّكَ خبرہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿اَلْحَقُّ مَاثَبَتَ مِنْ رَّبِّكَ﴾

۳- اور ارشاد خداوندی: ﴿لَايَسْتَوِىْ مِنْكُمْ﴾ الخ (سورۂ حدید آیت ۱۰ میں جملہ کا ایک جزء محذوف ہے) اور تقدیر عبارت ہے: ﴿لَايَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ، (وَمَنْ أَنْفَقَ مِنْ بَعْدِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ)﴾ جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا، اور جس نے فتح مکہ کے

بعد خرچ کیا اور قتال کیا دونوں برابر نہیں ـــــ پس جزء ثانی کو حذف کر دیا ارشاد خداوندی: ﴿ أُولٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ﴾ (اِن لوگوں کا درجہ بڑا ہے اُن سے جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا) کی دلالت کی وجہ سے۔

۴- اور ارشاد خداوندی: ﴿ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ ﴾ الخ (سورۂ یٰسین آیت ۴۵ میں شرط کی جزاء کو حذف کیا گیا ہے) تقدیر عبارت ہے: ﴿ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَابَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ: (أَعْرَضُوْا) ﴾ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے (یعنی دنیا میں ہے) اور جو تمہارے پیچھے ہے (یعنی مرنے کے بعد ہے) تاکہ تم پر مہربانی کی جائے تو روگردانی کرتے ہیں (اور جزاء کے حذف پر یہ آیت دلالت کرتی ہے) ﴿ وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلاَّ كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴾ (سورۂ یٰس آیت ۴۶) اور ان کے رب کی آیتوں میں سے کوئی آیت بھی ان کے پاس نہیں آتی جس سے یہ سرتابی نہ کرتے ہوں۔

لغت:

مُطَّرِدٌ کے معنی ہیں: عام، شائع وذائع، کہا جاتا ہے: حُكْمٌ مُطَّرِدٌ: عام حکم، قَاعِدَةٌ مُطَّرِدَةٌ: مشہور قاعدہ۔ اس کا مقابل شاذ ہے۔

﴿ فائدہ ﴾ خبر اِنَّ کے حذف کی مثال متن میں بیان نہیں کی گئی ہے۔ اس لئے اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے: ارشاد خداوندی: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، إِنَّا لاَنُضِيْعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلاً ﴾ (سورۂ کہف آیت ۳۰) میں اِنَّ اولی کی خبر محذوف ہے، اور حذف پر اِنَّا لاَنُضِيْعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلاً دلالت کرتا ہے۔

☆ ☆ ☆

قاعدہ: "اِذْ" کا عامل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ "اِذْ" دراصل کسی فعل کا ظرف ہوتا ہے، لیکن ﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلاَئِكَةِ ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۳۰) اور ﴿ وَإِذْ قَالَ مُوْسٰى ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۵۴) جیسی آیتوں میں تخویف وتہویل کے لئے استعمال ہوا ہے، اس لئے قرآن کریم میں جہاں کہیں گذشتہ واقعات کے ذکر سے پہلے اِذْ استعمال ہوا ہے، وہاں اِذْ کا عامل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں،

کیونکہ ان واقعات کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مخاطب کے ذہن میں ان واقعات کی صورتیں نقش ہو جائیں، اور لوگ ان واقعات سے خوف زدہ ہو جائیں، جیسے کوئی شخص جب ہولناک جگہوں اور خوفناک حوادث کا ذکر کرتا ہے تو ان پر اعراب ظاہر نہیں کرتا، بغیر ترکیب کے ان کو بیان کرتا ہے۔ تاکہ سامعین ان واقعات اور حوادثات سے خوف زدہ ہو جائیں، اسی طرح قرآن کریم میں ماضی کے اہم واقعات اس لئے ذکر کئے گئے ہیں کہ لوگ خوف زدہ ہو کر اللہ جل شانہ کی طرف رجوع کریں اور گناہوں سے باز آجائیں، لہٰذا اِذْ کا عامل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

لاحاجةَ إلى تفتيشِ العاملِ في كلمة "إذ"

وَلْيُعلَمْ ايضا: ان الأصلَ في مِثْلِ قولِه تعالى: ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ﴾ وقولِه: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ﴾ أن تكونَ كلمةُ "إذ" ظرفا لفعلٍ من الأفعالِ، ولكنها نُقلتْ هٰهنا إلى معنى التخويفِ والتهويلِ، كَمَثَلِ الذى يذكر المواضعَ الهائلةَ أو الوقائعَ العظيمةَ على سبيلِ التعدادِ، من دون تركيبٍ للجُمَلِ، ومن غيرِ وقوعِ الكلماتِ في حَيِّزِ الإعرابِ؛ بل المقصودُ ذكرُها باعيُنِها، حتى ترتسمَ صورتُها في ذهن المخاطب، ويستولي الخوفُ منها على قلبه.

فالتحقيق: أنه لايلزم في أمثالِ هذه المواضع تفتيشُ العاملِ، والله أعلم.

ترجمہ: کلمہ "اِذْ" میں عامل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں: اور نیز جاننا چاہئے کہ ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ﴾ اور ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ﴾ جیسے ارشاداتِ خداوندی میں اصل یہ ہے کہ کلمہ "اِذْ" افعال میں سے کسی فعل کا ظرف ہو، لیکن کلمہ اِذْ کو یہاں منتقل کیا گیا ہے تخویف و تہویل کے معنی کی طرف، جیسے اس شخص کا حال ہوتا ہے جو ہولناک جگہوں یا عظیم واقعات کو ذکر کرتا ہے، شمار کرنے کے طریقہ پر، جملوں کی ترکیب کے بغیر، اور کلمات کو محل اعراب میں رکھے بغیر، بلکہ مقصود بعینہ ان واقعات کو ذکر کرنا ہے، تاکہ ان کی صورتیں نقش ہو جائیں مخاطب کے ذہن میں، اور ان واقعات سے اس کے دل پر خوف چھا جائے۔ لہٰذا تحقیقی بات یہ ہے کہ ایسی جگہوں میں عامل تلاش کرنا ضروری نہیں، واللہ اعلم۔

لغات:

اِرْتَسَمَ اِرْتِسَامًا: نقش ہونا، راسخ ہونا، جاگزین ہونا...... اِسْتَوْلٰی علیه اِسْتِیْلَاءً: غالب ہونا، قدرت یافتہ ہونا، چھاجانا۔

☆ ☆ ☆

قاعدہ: کبھی اَنْ مصدریہ سے پہلے جار محذوف ہوتا ہے

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ کلام عرب میں کبھی اَنْ مصدریہ سے پہلے جار محذوف ہوتا ہے، جیسے ارشاد خداوندی: ﴿ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ﴾ (سورۂ انعام آیت ۱۳۱) میں اَنْ لَّمْ يَكُنْ سے پہلے لام حرف جار محذوف ہے۔ اور تقدیر عبارت ہے: ﴿لِاَنْ لَّمْ يَكُنْ﴾ (روح المعانی)

اور ارشاد خداوندی: ﴿ فَلَمَّا جَآءَ هَا نُوْدِیَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (سورۂ نمل آیت ۸) میں اَنْ بُوْرِكَ سے پہلے باء حرف جار محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: ﴿فَلَمَّا جَآءَ هَا نُوْدِیَ بِاَنْ بُوْرِكَ﴾ (جلالین)

حذفُ الجارِ من "أنْ" مُطَّرِدٌ

وَلْيعلم أيضًا: ان حذفَ الجارِ مِنْ " اَنِ" المصدريةِ مطردٌ في كلامِ العربِ؛ والمعنى : لأنْ ، أو: بأنْ.

ترجمہ: اَنْ کے جار کا حذف عام ہے: اور نیز جاننا چاہئے کہ اَنْ مصدریہ کے جار کا حذف کلام عرب میں عام ہے، اور معنی لِاَنْ یا بِاَنْ ہوتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

قاعدہ: لو کا جواب تلاش کرنے کی ضرورت نہیں

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ: ﴿وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ﴾ (اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں، سورۂ انعام آیت ۹۳) اور ﴿وَلَوْ يَرٰى

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ﴾ (اور اگر دیکھ لیں یہ ظالم اس وقت کو جبکہ دیکھیں گے عذاب: سورۂ بقرۃ آیت ۱۶۵) جیسی آیتوں میں دراصل لَوْ شرطیہ کا جواب محذوف ہوتا ہے۔ چنانچہ مفسرین ایسی جگہوں میں ﴿لَرَأَيْتَ اَمْرًا عَجِيْبًا﴾ یا اس کے مانند کوئی جواب شرط محذوف مانتے ہیں، لیکن یہ ترکیب (یعنی وَلَوْ تَرَى اور وَلَوْ يَرَى) کلام عرب میں تعجب کے لئے استعمال ہوتی ہے، اور قرآن کریم میں بھی تعجب ہی کے لئے استعمال ہوئی ہے، اس لئے قرآن کریم میں جہاں کہیں آئندہ پیش آنے والے ہولناک واقعات کے تذکرہ سے پہلے وَلَوْ تَرَى یا وَلَوْ يَرَى آیا ہے، وہاں لَوْ شرطیہ کا جواب تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

حذفُ جوابِ "لو" الشرطيةِ

وليعلم أيضًا: ان الأصلَ فى مِثْلِ قولِه تعالى: ﴿وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُوْنَ فِيْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ﴾، وقولِه تعالى: ﴿وَلَوْيَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ﴾: ان يكونَ جوابُ الشرطِ محذوفا، إلا أنهم نقلوا هذاالتركيبَ إلى معنى التعجبِ، فلاحاجةَ إلى تفتيشِ المحذوفِ واللهُ أعلم.

ترجمہ: لَوْ شرطیہ کے جواب کا حذف: اور نیز جاننا چاہئے کہ ﴿وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُوْنَ فِيْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ﴾ اور ﴿وَلَوْيَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ﴾ جیسے ارشادات خداوندی میں اصل یہ ہے کہ شرط کا جواب محذوف ہو، مگر لوگوں نے اس ترکیب کو تعجب کے معنی کی طرف منتقل کیا ہے اس لئے محذوف کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔

☆ ☆ ☆

ابدال کا بیان

جس طرح جملہ کے بعض اجزاء کو یا پورے جملہ کو حذف کرنا فہم مراد میں دشواری پیدا کرتا ہے، اسی طرح ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے بدلنا بھی فہم مراد میں دشواری پیدا کرتا ہے اور حذف کی طرح ابدال کی بھی کئی قسمیں ہیں: اس لئے شاہ صاحب حذف کی مثالیں ذکر کرنے کے بعد اب ابدال کی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔

بيانُ الإبدالِ

أما الإبدالُ فإنه تصرّفٌ كثيرُ الفنونِ.

إبدالٌ فعلٍ بفعلٍ:

قد يذكر سبحانه وتعالى فعلا مكانَ فعلٍ، لأغراضٍ شتّى، وليس استقصاءُ تلك الأغراضِ من وظيفةِ هذا الكتابِ، نحوُ:

● قولِه تعالى: ﴿أَهٰذَا الَّذِىْ يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ﴾ اى يَسُبُّ آلهتكم؛ وكان أصلُ الكلامِ: أهذا الذى يَسُبُّ، ولكن كَرِه ذكرَ السَّبِّ، فأبدَل بالذكرِ.

ومن هذا القبيلِ ما يقال فى العرف: "أُصيبَ أعداءُ فلان بمرضٍ" أو: "شَرَّفَنا بالمجِئّ عبيدُ الحضرةِ" أو: "عبيدُ الجنابِ العالى مطلعون على هذه المقدمةِ"؛ والمراد: قد مرِض فلانٌ، وقدِم سعادةُ فلانٍ واطلع سُمُوُّ فلانٍ.

● وقولِه تعالى: ﴿وَلَاهُمْ مِنَّا يُصْحَبُوْنَ﴾ اى منا لايُنْصَرون؛ لَمَّا كانتِ النصرةُ لاتتصورُ بدونِ الاجتماعِ والصحبةِ أبدَل يُنصرون بيُصْحَبون.

● وقولِه تعالى: ﴿ثَقُلَتْ فِيْ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ﴾ اى خَفِيَتْ؛ لأن الشيئ إذا خَفِيَ علمُه ثَقُلَ على أهلِ السماواتِ والأرضِ.

● وقولِه تعالى: ﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا﴾ اى عَفَوْنَ لكم عن شيٍ من طيبةِ انفُسِهن.

ترجمہ: ابدال کا بیان: رہا ابدال (یعنی ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے بدلنا) تو وہ بہت شاخوں والا (یعنی قسموں والا) تصرف ہے۔

ایک فعل کو دوسرے فعل سے بدلنا

کبھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایک فعل کی جگہ دوسرا فعل ذکر فرماتے ہیں مختلف اغراض کی وجہ سے اور ان اغراض کی چھان بین کرنا اس کتاب کا وظیفہ (یعنی فریضہ) نہیں ہے، جیسے:

۱- اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿أَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ﴾ (سورۂ انبیاء آیت ۳۶) کیا یہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے، یعنی برائی کرتا ہے، اصل کلام اَهٰذَا الَّذِيْ يَسُبُّ تھا، لیکن "سَبَّ" کے ذکر کو ناپسند فرمایا، اس لئے اس کو "ذکر" سے بدل دیا۔

اور اسی قبیل سے ہیں وہ محاورات جو عرف میں بولے جاتے ہیں، یعنی حضرت کے دشمن بیمار ہیں، یا حضور والا کے غلام ہمارے پاس تشریف لائے، یا جناب عالی کے غلام اس معاملہ سے واقف ہیں، اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ: خود حضرت بیمار ہیں، اور حضور والا تشریف لائے، اور جناب عالی واقف ہیں۔

۲- اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا هُمْ مِنَّا يُصْحَبُوْنَ﴾ (سورۂ انبیاء آیت ۴۳) اور نہ ہمارے مقابلہ میں ان کا ساتھ دیا جائے گا؛ یعنی ہمارے مقابلہ میں ان کی نصرت و مدد نہیں کی جائے گی، چونکہ اجتماع اور صحبت کے بغیر نصرت کا تصور نہیں ہو سکتا؛ اس لئے يُنْصَرُوْنَ کو يُصْحَبُوْنَ سے بدل دیا۔

۳- اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (سورۂ اعراف آیت ۱۸۷) وہ (قیامت) بھاری بات ہے آسمانوں اور زمین میں؛ یعنی مخفی ہے، کیونکہ جب کسی بات کا علم مخفی ہو جاتا ہے تو آسمانوں اور زمین والوں پر وہ بھاری ہو جاتی ہے، (اس لئے خَفِيَتْ کو ثَقُلَتْ سے بدل دیا)

۴- اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَرِيْئًا﴾ (سورۂ نساء آیت ۴) پھر اگر وہ بیویاں مہر میں سے کچھ بخوشی تم کو دے دیں تو اس کو کھاؤ مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر؛ یعنی وہ بیویاں بطیب خاطر کچھ مہر تمہارے لئے چھوڑ دیں تو اس کو کھاؤ مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر (یہاں عَفَوْنَ کو طِبْنَ سے بدلنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر عورت کسی دباؤ سے مہر معاف کرے تو معافی صحیح نہیں)

لغات:

الْاِسْتِقْصَاءُ: انتہائی چھان بین کرنا...... سُمُوٌّ: بلندی، عظمت، اعلیٰ حضرت، حضور، جناب عالی، عموماً شہزادوں اور شاہی خاندان کے افراد کے لئے استعمال ہوتا ہے...... شَرَّفَ تَشْرِيْفًا: عزت بخشنا، حیثیت بلند کرنا، شَرَّفَ بالمجيئ: تشریف لانا، قدم رنجہ فرمانا...... عَفَا عن الحق يَعْفُوْ عَفْوًا: ساقط کرنا، چھوڑ دینا...... سَعَادَةُ فُلَان: آنجناب، حضور والا، یہ تعظیمی لقب ہے۔

إبدالُ اسمٍ باسمٍ

وقد يَذكر سبحانه وتعالى اسما مكانَ اسمٍ، نحوُ:

●قولِه تعالى:﴿فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ﴾أى خاضعةً.

●وقولِه تعالى:﴿وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ﴾ أى من القانتاتِ.

●وقولِه تعالى:﴿وَمَالَهُمْ مِن نَّاصِرِيْنَ﴾ أى من ناصرٍ.

●وقولِه تعالى: ﴿فَمَا مِنكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ﴾ أى حاجزًا.

●وقولِه تعالى:﴿وَالْعَصْرِ إِنَّ الإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾أى أفرادَ بنى آدم؛ أفْرَدَ اللفظَ لأنه اسمُ جنسٍ.

●وقولِه تعالى:﴿يٰأَيُّهَا الإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا﴾المعنى: "يابنى آدمَ إنكم"؛ أفرد اللفظَ لانه اسمُ جنس.

● وقولِه تعالى:﴿وَحَمَلَهَا الإِنْسَانُ﴾ يعنى أفرادَ الإنسانِ.

ترجمہ:ایک اسم کو دوسرے اسم سے بدلنا

اور کبھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایک اسم کی جگہ دوسرا اسم ذکر کرتے ہیں، جیسے:

۱-ارشادِ خداوندی ہے:﴿ فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ﴾(سورۂ شعراء آیت ۴)یعنی خَاضِعَةً: پھر اس (نشانی) کے آگے ان کی گردنیں جھک جائیں گی (یہاں دراصل خَاضِعَةً ہونا چاہئے تھا، کیونکہ یہ اَعْنَاقُهُمْ کی خبر ہے، اور اَعْنَاق غیر ذوی العقول کی جمع ہونے کی وجہ سے واحد مؤنث کے حکم میں ہے، مگر اعناق کی اضافت چونکہ "هُمْ" ضمیر کی طرف ہو رہی ہے جو مذکر ذوی العقول کے لئے استعمال کی جاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے خَاضِعَةً کے بجائے خَاضِعِيْنَ فرمایا ہے)

۲-اور ارشادِ خداوندی ہے:﴿وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ﴾(سورۂ تحریم آیت ۱۲)یعنی مِنَ الْقَانِتَاتِ: اور وہ یعنی حضرت مریم رضی اللہ عنہا بندگی کرنے والیوں میں سے تھیں (یہاں الْقَانِتَاتِ کے بجائے الْقَانِتِيْنَ اس لئے فرمایا ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا عبادت واطاعت میں کامل مردوں سے کم نہیں تھیں)

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَمَالَهُمْ مِنْ نَّاصِرِيْنَ﴾ (سورۂ آل عمران آیت ۲۲) یعنی مِنْ نَّاصِرٍ: اور ان کا کوئی مددگار نہیں (یہاں فاصلہ کی رعایت سے مِنْ نَّاصِرٍ کے بجائے مِنْ نَّاصِرِيْنَ فرمایا ہے)

۴- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ﴾ (سورۂ حاقہ آیت ۴۷) یعنی حَاجِزًا: پھر تم میں کوئی ایسا نہیں جو اس سے بچالے (یہاں بھی فاصلہ کی رعایت سے واحد کے بجائے جمع کو ذکر فرمایا ہے)

۵- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ (سورۂ عصر آیت ۱و۲) قسم ہے زمانہ کی، بیشک انسان یعنی افراد بنی آدم ٹوٹے میں ہیں، لفظ (انسان) کو مفرد لائے؛ اس لئے کہ انسان اسم جنس ہے (اور قلیل وکثیر سب پر صادق آتا ہے)

۶- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا﴾ (سورۂ انشقاق آیت ۱۱) اے انسان تجھے اپنے رب تک پہنچنے میں کھپ کھپ کر تکلیف اٹھانی ہے، اس کے معنی ہیں: اے بنی آدم تم کوالخ —— لفظ مفرد لائے اس لئے کہ وہ اسم جنس ہے۔

۷- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ (سورۂ احزاب آیت ۷۲) اور اٹھایا اس کو انسان نے یعنی افراد بنی آدم نے (یہاں بھی لفظ کو مفرد لائے اس لئے کہ انسان اسم جنس ہے اور قلیل وکثیر پر صادق آتا ہے)

- وقولِه تعالى: ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ أى نوحًا وحدَه.
- وقولِه تعالى: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ﴾ أى إنى فتحتُ لك.
- وقولِه تعالى: ﴿إِنَّا لَقَادِرُوْنَ﴾ أى إنى لقادرٌ.

ترجمہ: ۸- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (سورۂ شعراء آیت ۱۰۵) جھٹلایا قوم نوح نے پیغمبروں کو یعنی صرف نوح علیہ السلام کو (چونکہ ایک نبی کی تکذیب سے تمام انبیاء کی تکذیب لازم آتی ہے؛ اس لئے نوح علیہ السلام کی تکذیب کو تمام پیغمبروں کی تکذیب سے تعبیر فرمایا ہے)

۹- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ﴾ (سورۂ فتح آیت ۱) بیشک ہم نے آپ کو فتح دی؛ یعنی میں نے آپ کو فتح دی (اللہ تعالیٰ واحد ہیں، اس لئے واحد متکلم کی ضمیر استعمال کرنا چاہئے تھا، مگر تعظیم کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے واحد کے بجائے جمع متکلم کی ضمیر استعمال فرمائی ہے)

۱۰-اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِنَّا لَقَادِرُوْنَ﴾ (سورۂ معارج آیت ۴۰) بلاشبہ ہم قادر ہیں؛ یعنی میں قادر ہوں (یہاں بھی تعظیم کی غرض سے واحد کے بجائے جمع کی ضمیر لائی گئی ہے)

ایک اہم مسئلہ: یہاں یہ مسئلہ اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ: جس طرح ہم تعظیم کی غرض سے اپنے بزرگوں کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں، اور واحد کا صیغہ استعمال کرنا سوئے ادبی سمجھتے ہیں، اسی طرح اللہ جل شانہ کے لئے بھی تعظیمی کلمات استعمال کرنے چاہئیں —— اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اللہ جل شانہ کے لئے جمع کے کلمات استعمال کرنا توحید کے منافی ہے، کیونکہ جمع کے کلمات استعمال کرنا اگر توحید کے خلاف ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے لئے جمع کا صیغہ ہرگز استعمال نہ فرماتے۔ حالانکہ قرآن کریم میں بے شمار جگہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جمع کے صیغے استعمال فرمائے ہیں۔

- وقوله تعالى: ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ﴾ اى يسلّط محمدًا صلى الله عليه وسلم.
- وقوله تعالى: ﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ﴾ اى عروةَ الثقفى وحدَه.
- وقوله تعالى: ﴿فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ﴾ اى طَعمَ الجوعِ؛ أبدَل الطعمَ باللباسِ إيذانا بأن الجوعَ له أثرٌ من النُّحولِ والذُّبولِ ما يَعُمُّ البدنَ كلَّه ويَشْمُلُه كاللباس.
- وقوله تعالى: ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ﴾ اى دينَ الله؛ أبدلَ بالصبغةِ إيذانا بأنه كالصِبْغِ تتلون به النفسُ؛ أو مشاكلةً بقولِ النصارى فى المَعْمودِيَّةِ.
- وقوله تعالى: ﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾ اى طور سَيناء.
- وقوله تعالى: ﴿سَلٰمٌ عَلٰى إِلْ يَاسِيْنَ﴾ اى على إلياس؛ قُلّب الاسمانِ للازدواجِ.

ترجمہ: ۱۱-اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ﴾ (سورۂ حشر آیت ۶) لیکن اللہ تعالیٰ غالب فرماتے ہیں اپنے پیغمبروں کو یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو (یہاں واحد کے بجائے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے کیونکہ اللہ جل شانہ کی سنت تمام پیغمبروں کے حق میں یکساں ہے)

۱۲-اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ﴾ (سورۂ آل عمران آیت ۱۷۳) جن سے کہا لوگوں نے، یعنی تنہا عروہ ثقفی نے کہا (یہاں شخص واحد کو اَلنَّاسُ سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کا ترجمان تھا)

۱۳-اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ﴾ (سورۂ نحل آیت ۱۱۲) پھر اللہ تعالیٰ نے چکھایا اس (بستی) کو بھوک کا لباس یعنی بھوک کا مزہ، طُعم (مزہ) کو لباس سے بدلا ہے۔ یہ بتانے

کے لئے کہ بھوک کا اثر یعنی لاغری اور پژمردگی لباس کی طرح پورے بدن کو عام اور شامل ہوتی ہے

۱۴- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۳۸) ہم نے قبول کرلیا اللہ کا رنگ یعنی اللہ کا دین؛ دین کو صِبْغَة (رنگ) سے بدلا گیا یہ بتانے کے لئے کہ دین رنگ کے مانند ہے؛ اس (دین) سے انسان کا نفس رنگین ہوتا ہے، یا (دین کو صِبْغة سے بدلا گیا ہے) بپتسمہ میں نصاری کے قول کی مشابہت اختیار کرنے کی وجہ سے (نصاری کے یہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے سر پر زرد پانی کے چھینٹے ڈالے جاتے ہیں اور اس طرح اس کو عیسائی بنایا جاتا ہے، اس رسم کو وہ بَپْتِسْمَا کہتے ہیں، یعنی عیسائیت کے رنگ میں رنگنا کہتے ہیں، اس لئے یہاں ان کے قول کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے کہا گیا کہ: ہم نے اللہ کا رنگ قبول کرلیا)

۱۵- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾ (سورۂ تین آیت ۲) اور قسم ہے طور سِینِین کی یعنی طور سیناء کی۔

۱۶- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿سَلٰمٌ عَلٰى إِلْ يَاسِيْنَ﴾ (سورۂ صافات آیت ۱۳۰) سلام ہے الیاسین پر یعنی حضرت الیاس علیہ السلام پر، دونوں اسموں (یعنی طور سیناء اور الیاس) کو بدلا گیا ہے (آیتوں کے فاصلوں میں) جوڑ پیدا کرنے کے لئے۔

لغات:

سَلَّطَهُ علیه: کسی پر غالب بنانا، قدرت دینا، قابض بنانا...... النحُوْلُ: لاغری، دُبلاپن نَحَلَ (ف ن) وَنَحِلَ (س) وَنَحُلَ (ک) نُحُوْلاً: بیماری یا تھکن یا بھوک سے دبلا ہونا...... الذُبولُ: پژمردگی؛ ذَبَلَ وَذَبُلَ (ن ک) ذُبولاً وذَبْلاً النَباتُ: نباتات کا پژمردہ ہونا، مرجھانا...... المَعْمُوْدِيَّةُ: بَپْتِسْما ...... اِزْدَوَجَ الكلامُ اِزْدِوَاجًا: کلام کے ایک حصہ کا دوسرے حصہ سے سجع یا وزن میں مشابہ ہونا۔

إبدالُ حرفٍ بحرفٍ

وقد يذكر سبحانه وتعالى حرفا مكانَ حرفٍ، نحوُ:

● قولِه تعالى: ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ﴾ اى على الجبلِ، كماتجلّى فى المرةِ الأولى على الشجرةِ.

● وقولِه تعالى: ﴿وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ﴾ إى إليها سابقون.

● وقولِه تعالیٰ: ﴿لایَخافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ، اِلاَّ مَنْ ظَلَمَ﴾ ای لکن من ظلم؛ فهو استیناف.

ترجمہ: ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا

اور کبھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف ذکر فرماتے ہیں؛ جیسے:

۱- ارشاد خداوندی: ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ﴾ (سورۂ اعراف آیت ۱۴۳) میں "علی" کی جگہ "لام" ذکر فرمایا ہے، لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہوگا: پھر جب تجلی فرمائی ان کے رب نے پہاڑ پر جیسا کہ پہلی مرتبہ تجلی فرمائی تھی درخت پر۔

۲- اور ارشاد خداوندی: ﴿وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ ﴾ (سورۂ مؤمنون آیت ۶۱) میں "اِلیٰ" کی جگہ "لام" ذکر فرمایا ہے لہٰذا آیت کا ترجمہ ہوگا: اور وہ ان (بھلائیوں) کی طرف دوڑ رہے ہیں۔

۳- اور ارشاد خداوندی: ﴿لایَخافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ، اِلاَّ مَنْ ظَلَمَ﴾ (سورۂ نمل آیت ۱۰ و ۱۱) میں "لکن" کی جگہ "اِلاَّ" ذکر فرمایا ہے؛ لہٰذا اِلاَّ مَنْ ظَلَمَ جملہ مستانفہ ہوگا، اور آیت کا ترجمہ ہوگا: اور ہمارے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے، ہاں مگر جس سے کوئی قصور ہو جائے۔

● وقولِه تعالیٰ: ﴿لَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ ای علی جذوع النخلِ.

● وقولِه تعالیٰ: ﴿أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْهِ﴾ ای یستمعون علیه.

● وقولِه تعالیٰ: ﴿السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ﴾ ای منفطرٌ فیه.

● وقولِه تعالیٰ: ﴿مُسْتَكْبِرِیْنَ بِهٖ﴾ ای عنه.

● وقولِه تعالیٰ: ﴿ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ﴾ ای حَمَلَتْه العزةُ علی الإثمِ.

● وقولِه تعالیٰ: ﴿فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا﴾ ای فاسأل عنه.

● وقولِه تعالیٰ: ﴿لَاتَأْكُلُوْا أَمْوَالَهُمْ إِلٰی أَمْوَالِكُمْ﴾ ای مع أموالِكم.

● وقولِه تعالیٰ: ﴿إِلَی الْمَرَافِقِ﴾ ای مع المرافقِ.

● وقولِه تعالیٰ: ﴿یَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ﴾ ای یشربُ منها.

● وقولِه تعالیٰ: ﴿وَمَاقَدَرُوْا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ إِذْ قَالُوْا: مَاأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِنْ شَيْءٍ﴾ ای أن قالوا.

ترجمہ: ۴-اور ارشاد خداوندی: ﴿لَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ (سورۂ طٰہٰ آیت ۷۱) میں "علیٰ" کی جگہ "لام" ذکر فرمایا ہے؛ لہٰذا آیت کا ترجمہ یہ ہوگا: اور تم سب کو کھجوروں کے درختوں پر ٹنگواتا ہوں۔

۵-اور ارشاد خداوندی: ﴿أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ﴾ (سورۂ طور آیت ۳۸) میں "علیٰ" کی جگہ "فِيْ" ہے، لہٰذا آیت کا ترجمہ یہ ہوگا: کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس پر (چڑھ کر آسمان کی) باتیں سن لیا کرتے ہیں۔

۶-اور ارشاد خداوندی: ﴿السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ﴾ (سورۂ مزمل آیت ۱۸) میں "فِيْ" کی جگہ "با" ہے؛ لہٰذا آیت کا ترجمہ یہ ہوگا: جس (دن) میں آسمان پھٹ جائے گا۔

۷-اور ارشاد خداوندی: ﴿مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ﴾ (سورۂ مؤمنون آیت ۶۷) میں "عَنْ" کی جگہ "با" ہے؛ پس ترجمہ ہوگا: اس (قرآن) سے تکبر کرکے۔

۸-اور ارشاد خداوندی: ﴿أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۲۰۶) میں "علیٰ" کی جگہ "با" ہے؛ پس ترجمہ ہوگا: غرور اس کو آمادہ کرتا ہے گناہ پر۔

۹-اور ارشاد خداوندی: ﴿فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ (سورۂ فرقان آیت ۵۹) میں "عَنْ" کی جگہ "با" ہے، لہٰذا ترجمہ یہ ہوگا: سو اللہ کی شان کے بارے میں کسی جاننے والے سے دریافت کیجئے۔

۱۰-اور ارشاد خداوندی: ﴿لَاتَأْكُلُوْا أَمْوَالَهُمْ إِلٰى أَمْوَالِكُمْ﴾ (سورۂ نساء آیت ۲) میں "مَعَ" کی جگہ "الیٰ" ذکر فرمایا ہے؛ لہٰذا ترجمہ یہ ہوگا: نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر۔

۱۱-اور ارشاد خداوندی: ﴿إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۶) میں بھی "مَعَ" کی جگہ "اِلیٰ" ہے پس ترجمہ یہ ہوگا: کہنیوں سمیت۔

۱۲-اور ارشاد خداوندی: ﴿يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ﴾ (سورۂ دہر آیت ۶) میں "مِنْ" کی جگہ "با" ہے: لہٰذا ترجمہ ہوگا: ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں اللہ کے مخصوص بندے۔

۱۳-اور ارشاد خداوندی: ﴿وَمَاقَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ إِذْ قَالُوْا: مَاأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ﴾ (سورۂ انعام آیت ۹۱) میں "اَنْ" کی جگہ "اِذْ" ذکر فرمایا ہے، لہٰذا ترجمہ یوں ہوگا: اور انھوں نے جیسا اللہ کو پہچاننا چاہئے تھا نہیں پہچانا، اسی لئے انھوں نے کہا کہ: اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری ہے۔

☆ ☆ ☆

ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے بدلنا

کبھی اللہ تعالیٰ ایک جملہ کی جگہ دوسرا جملہ ذکر فرماتے ہیں۔ مگر ایسا اس وقت کیا جاتا ہے جب جملہ مذکورہ؛ جملہ محذوفہ کے حاصل مضمون اور اس کی علت پر دلالت کرتا ہو، جیسے ﴿وَإِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۲۲۰) میں فَإِخْوَانُكُمْ کو فَلَابَأْسَ بِذٰلِكَ کی جگہ ذکر فرمایا ہے؛ کیونکہ فَإِخْوَانُكُمْ؛ فَلَابَأْسَ بِذٰلِكَ کے حاصل مضمون اور اس کی علت پر دلالت کرتا ہے، اور آیت کے معنی یہ ہیں: اور اگر تم ان (یتیم بچوں) کا خرچ ملالو، تو (اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ) وہ تمہارے بھائی ہیں (اور بھائی بھائی شامل رہا ہی کرتے ہیں)

اور جیسے ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۰۳) میں لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ کو لَوَجَدُوْا ثَوَابًا کی جگہ ذکر فرمایا ہے، کیونکہ لَمَثُوْبَةٌ الخ لَوَجَدُوْا ثَوَابًا کے حاصل مضمون پر دلالت کرتا ہے، اور آیت کے معنی یہ ہیں: اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے، تو (معاوضہ پاتے، اور) اللہ کے یہاں کا معاوضہ بہتر ہے۔

اور جیسے: ﴿إِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ﴾ (سورۂ یوسف آیت ۷۷) میں فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ کو فَلَاعَجَبَ کی جگہ ذکر فرمایا ہے، کیونکہ فَقَدْ سَرَقَ الخ فَلَاعَجَبَ کے حاصل مضمون اور اس کی علت پر دلالت کرتا ہے، اور آیت کے معنی یہ ہیں: اگر اس (بنیامین) نے چوری کی، تو (کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ) اس سے پہلے اس کا (حقیقی) بھائی بھی چوری کرچکا ہے۔

اور جیسے ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ ،فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۹۷) میں فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ کو فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لَّهُ کی جگہ ذکر فرمایا ہے، کیونکہ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ الخ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لَّهُ کے حاصل مضمون اور اس کی علت پر دلالت کرتا ہے، اور آیت کے معنی یہ ہیں: جو عداوت رکھتا ہے جبرئیل سے؛ تو (اللہ تعالیٰ اس سے عداوت رکھتے ہیں، کیونکہ) اس (قرآن) کو جبرئیل نے آپ کے قلب مبارک پر اتارا ہے اللہ کے حکم سے (لہٰذا جبرئیل کا دشمن درحقیقت اللہ کا دشمن ہے)

إبدالُ جملةٍ بجملةٍ

وقد يورِد جملةً مكانَ جملةٍ، مثلاً: إذا دلّت جملةٌ على حاصلِ مضمونِ جملةٍ أخرى، وسببِ وجودِها، فتُبدَّلُ بتلك الجملةِ؛ نحوُ:

●قولِه تعالى:﴿وَإِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ﴾اى إن تخالطوهم فلا بأسَ بذلك، لأنهم أخوانُكم؛ وشأنُ الأخِ أن يُخالِطَ أخاه.

●وقولِه تعالى:﴿ لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ﴾اى لوجدوا ثوابا؛ ومثوبةٌ من عند الله خير.

●وقولِه تعالى:﴿ إِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ﴾اى إن سرق فلا عجبَ لأنه قد سرق أخٌ له من قبل.

●وقولِه تعالى:﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيْلَ ،فَإِنَّهُ نَزَّلَه عَلىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ اى من كان عدوا لجبريلَ فإن الله عدوّله، فإنه نزله على قلبك بإذنه، فعدوُّه يستحق أنّ يعاديه اللّٰهُ تعالى؛ فَحَذَفَ:"فإن الله عدوٌّ له" بدليل الآيةِ التاليةِ، وأبْدَلَ منه: ﴿فَإِنَّهُ نَزَّلَهٗ عَلىٰ قَلْبِكَ﴾.

ترجمہ: ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے بدلنا: اور کبھی اللہ تعالیٰ مثال کے طور پر ایک جملہ کو دوسرے جملہ کی جگہ ذکر فرماتے ہیں، جب ایک جملہ دوسرے جملہ کے حاصل مضمون اور اس کے سبب وجود (یعنی علت اور دلیل) پر دلالت کرتا ہو، تو اِس کو اُس جملہ سے بدل دیا جاتا ہے (یعنی دوسرے جملہ کی جگہ پہلا جملہ (جو دوسرے جملہ کے حاصل مضمون پر دلالت کرتا ہے) ذکر کیا جاتا ہے) جیسے:

۱- اور ارشاد خداوندی ہے:﴿وَإِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ﴾ یعنی اگر تم ان کا خرچ ملالو، تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ تمہارے بھائی ہیں، اور بھائی کی شان یہ ہے کہ اپنے بھائی کو ملائے۔

۲- اور ارشاد خداوندی ہے:﴿ لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ﴾ یعنی پاتے وہ معاوضہ، اور اللہ کے یہاں کا معاوضہ بہتر ہے۔

۳- اور ارشاد خداوندی ہے:﴿ إِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی اگر اس نے چوری

کی، تو کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کرچکا ہے۔

۴- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيْلَ ، فَإِنَّهُ نَزَّلَه عَلىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ یعنی جو عداوت رکھتا ہے جبرئیل سے، تو اس سے اللہ تعالیٰ عداوت رکھتے ہیں، کیونکہ اس (قرآن) کو جبرئیل نے آپ کے دل پر اتارا ہے اللہ کے حکم سے، پس جبرئیل کا دشمن مستحق ہے اس کا کہ اللہ تعالیٰ اس سے عداوت رکھیں، پس ﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لَهُ﴾ کو حذف فرمادیا بعد والی آیت کی دلالت کی وجہ سے، اور اس کو بدل دیا ﴿ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلىٰ قَلْبِكَ﴾ سے۔

إبدال التنكير بالتعريف

وقد يقتضى أصلُ الكلام التنكيرَ، فَيَتَصَرَّفُ فيه بإدخالِ اللامِ والإضافةِ، ويبقَى المعنى على التنكير الأولِ، نحوُ:

- قولِه تعالى: ﴿وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ﴾ اى قيلٍ له: يارب، فابدل بقيْلِه، لأنه أخصرُ فى اللفظ.
- وقولِه تعالى: ﴿حَقُّ الْيَقِيْنِ﴾ اى حقٌّ يقينٌ؛ اضِيْفَ ليكونَ أيسرَ فى اللفظ.

ترجمہ: تنکیر کو تعریف سے بدلنا:

اور کبھی اصل کلام تنکیر کا تقاضا کرتا ہے، پھر اس میں اللہ تعالیٰ تصرف فرماتے ہیں لام تعریف داخل کرکے، اور اضافت فرماکر، اور معنی پہلی تنکیر پر باقی رہتے ہیں (یعنی کبھی نکرہ پر لام تعریف داخل کرکے؛ اور کبھی نکرہ کی دوسرے اسم کی طرف اضافت کرکے نکرہ کو معرفہ بنایا جاتا ہے، مگر معنی کے اعتبار سے نکرہ، نکرہ ہی رہتا ہے) جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ﴾ (سورۂ زخرف آیت ۸۸) اصل میں قِيلٍ لَهُ: يَارَبِّ! تھا پھر اس کو قِيْلِهٖ سے بدل دیا، کیونکہ یہ (یعنی قِيْلِهٖ) تلفظ میں (قِيلٍ لَهُ) سے مختصر ہے۔

تشریح: وَقِيْلِهٖ: يَارَبِّ! کا عطف السَّاعَةِ پر ہے جو پہلے مذکور ہے، اور اصل عبارت اس طرح ہے: وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ؛ وَقِيْلِهٖ: يَارَبِّ! اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُوْنَ (سورۂ زخرف آیت ۸۵ و آیت ۸۸) اکثر مفسرین کے نزدیک قِيْلِهٖ کی ضمیر کا مرجع رسول اکرم ﷺ ہیں، اور آیت کے معنی یہ ہیں: اور اس کو قیامت کی خبر ہے، اور اس کو رسول کے اس کہنے کی بھی خبر

ہے کہ: اے میرے رب! یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے (بیان القرآن)

لیکن شاہ صاحب کے نزدیک قِیْلِهٖ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہیں، اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ: قِیْلِهٖ (اس کا کہنا) اصل میں قِیْلٍ لَهٗ (اس سے کہنا) تھا، لہٰذا شاہ صاحب کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہوں گے: اور اس کو قیامت کی خبر ہے، اور اس کو (یعنی اللہ کو) رسول کے اس کہنے کا بھی علم ہے کہ اے میرے رب! یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے۔

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿حَقُّ الْيَقِيْنِ﴾ برحق یقین (سورۂ واقعہ آیت ۹۵) اصل میں حَقٌّ يَقِيْنٌ تھا، پھر اضافت کی گئی تاکہ تلفظ میں آسانی ہو۔

إبدالُ التذكيرِ والتأنيثِ والإفرادِ بأضدادِها

وقد يقتضى سَنَنُ الكلام الطبيعي تذكيرَ الضمير، أو تانيثَه، أو إفرادَه، فيُخْرجه سبحانه وتعالى عن ذلك السنن الطبيعي، ويذكر المؤنثَ مقامَ المذكرِ، وبالعكسِ، ويأتى بالجمعِ مكانَ المفردِ، رعايةً للمعنى، نحوُ:

- قولِه تعالى: ﴿ فَلَمَّا رَاَى الشَّمْسَ بَازِغَةً، قَالَ: هٰذَا رَبِّىْ ، هٰذَا أَكْبَرُ﴾.
- وقولِه تعالى: ﴿مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾.
- وقولِه تعالى: ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِىْ اسْتَوْقَدَ نَارًا ، فَلَمَّا أَضَاءَ تْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ﴾

ترجمہ: مذکر و مؤنث اور مفرد کو ان کی اضداد سے بدلنا

اور کبھی کلام کا طبعی اور فطری اسلوب تقاضا کرتا ہے کہ ضمیر کو مذکر یا مؤنث، یا مفرد لایا جائے، پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کو اس فطری اسلوب سے نکالتے ہیں، اور مذکر کی جگہ مؤنث اور اس کے برعکس ذکر فرماتے ہیں، اور مفرد کی جگہ جمع لاتے ہیں؛ معنی کی رعایت کرتے ہوئے؛ جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿ فَلَمَّا رَاَى الشَّمْسَ بَازِغَةً، قَالَ: هٰذَا رَبِّىْ ، هٰذَا أَكْبَرُ﴾ پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ: یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔ (سورۂ انعام آیت ۷۸) هٰذَا کا مشار الیہ " الشمس " ہے، جو مؤنث سماعی ہے، لہٰذا یہاں هٰذَا کے بجائے هٰذِهٖ ہونا چاہئے تھا، مگر معنی کی رعایت کرتے ہوئے " هٰذَا " اسم اشارہ مذکر لائے؛ تفسیر مظہری میں

ہے: قیل: ذکر اسم الاشارۃ.......... ردٌّ الی المعنی، وھو الضِیاءُ والنورُ(ج ۳ص ۲۶۱)

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ﴾ ظالم لوگوں سے (سورۂ مؤمنون آیت ۲۸) "القَوْم" مفرد ہے، لہٰذا ﴿مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِ﴾ کہنا چاہئے تھا؛ مگر معنی کی رعایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ مفرد کی جگہ جمع لائے، کیونکہ "القوم" معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِیْ اسْتَوْقَدَ نَارًا ، فَلَمَّا أَضَاءَ تْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ﴾ اُن (منافقین) کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب روشن کردیا آگ نے اس کے آس پاس کو تو زائل کردی اللہ نے ان کی روشنی (سورۂ بقرۃ آیت ۱۷) اَلَّذِیْ لفظوں میں مفرد ہے، اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے، اس لئے اِسْتَوْقَدَ میں مفرد کی ضمیر اور نُوْرِهِمْ میں جمع کی ضمیر لائی گی ہے۔

إبدالُ التَثْنِيَةِ بالمفردِ

وقد یورد المفردَ مکانَ التثنیۃِ، نحوُ:

- وقولِه تعالی: ﴿وَمَا نَقَمُوْا إِلاَّ أَنْ أَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِه﴾.
- وقولِه تعالی: ﴿إِنْ كُنْتُ عَلىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ، وَآتَانِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ، فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ﴾ والأصل: "فَعُمِّيَتَا" فافرد، لأنهما کشیْءٍ واحدٍ؛ ومثلُه: اَللّٰه وَرَسُوْله اَعْلَم.

ترجمہ: تثنیہ کو مفرد سے بدلنا

اور کبھی اللہ تعالیٰ تثنیہ کی جگہ مفرد کو ذکر کرتے ہیں؛ جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَمَا نَقَمُوْا إِلاَّ أَنْ أَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِه﴾ اور یہ سب کچھ اسی کا بدلہ تھا کہ دولت مند کردیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے (سورۂ توبہ آیت ۷۴) دراصل مِنْ فَضْلِهِمَا ہونا چاہئے تھا، مگر فضل سے مراد چونکہ رزق ہے، اور رزاق صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اس لئے تثنیہ کے بجائے مفرد ضمیر لائی گئی)

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِنْ كُنْتُ عَلىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ، وَآتَانِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ، فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ﴾ اگر میں اپنے رب کی طرف سے صاف راستہ پر ہوں، اور اس نے مجھے اپنے پاس

سے رحمت عطا فرمائی ہو، پھر وہ (بیّنہ اور رحمت) تم پر مخفی ہو جائے (سورۂ ہود آیت ۲۸) دراصل فَعُمِّيَتَا (پھر وہ دونوں یعنی بینہ اور رحمت مخفی ہو جائیں) ہے، مگر مفرد لائے، اس لئے کہ وہ دونوں شیئ واحد کے مانند ہیں، اور اسی کے مانند ہے: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ (اصل میں اَعْلَمَانِ ہونا چاہئے، لیکن رسول کا علم درحقیقت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، لہٰذا رسول کا علم اور اللہ کا علم دونوں شیئ واحد کے مانند ہیں، اس لئے اَعْلَمَانِ کے بجائے اَعْلَمُ کہا جاتا ہے)

إبدالُ الجزاءِ وجوابِ القسمِ بجملةٍ مستقلةٍ

وقد تقتضي طبيعةُ الكلامِ أن يُذكَرَ الجزاءُ في صورةِ الجزاءِ، والشرطُ في صورةِ الشرطِ، وجوابُ القسمِ في صورة جوابِ القسم، فيتصرف سبحانه وتعالى في الكلامِ، ويجعلُ ذلك الجزءَ من الكلام جملَةً مستقلةً مستأنفةً، لتنتظم بالمعنى، ويُقيمُ شيئًا يدل عليه بوجهٍ من الوجوهِ، نحوُ:

●قولِه تعالى:﴿وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا، وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطًا، والسَّابِحَاتِ سَبْحًا، فَالسَّابِقَاتِ سَبْقًا، فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا، يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾المعنى:البعثُ والحشرُ حقٌّ يدل عليه قولُه تعالى :﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾.

●وقولِه تعالى:﴿والسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ والْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ، وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ، قُتِلَ اَصْحَابُ الأُخْدُوْدِ﴾المعنى: المُجازاةُ على الأعمالِ حقٌّ.

●وقولِه تعالى:﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ، وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ،وَإِذَا الأَرْضُ مُدَّتْ، وَاَلْقَتْ مَا فِيهَا وتَخَلَّتْ،وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ، يٰاَيها الإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ﴾ المعنى :الحسابُ والجزاءُ كائنٌ.

ترجمہ: جزاء اور جواب قسم کو مستقل جملہ سے بدلنا

۱ اور کبھی کلام کی طبیعت تقاضا کرتی ہے کہ جزاء کو جزاء کی صورت میں ذکر کیا جائے اور شرط کو شرط کی صورت میں، اور جواب قسم کو جواب قسم کی صورت میں (ذکر کیا جائے) پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کلام میں تصرف فرماتے ہیں، اور کلام کے اس جزء کو (یعنی جزاء اور جواب قسم کو) مستقل جملہ مستانفہ بنادیتے

ہیں، اور قائم فرماتے ہیں (قرینہ کے طور پر) کوئی ایسی چیز جو دلالت کرے اس (محذوف) پر کسی نہ کسی طریقہ سے؛ جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: قسم ہے ان فرشتوں کی جو سختی سے جان نکالتے ہیں، اور جو بند کھولتے ہیں اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں، پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں، پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں۔ جس دن ہلانے والی چیز ہلاڈالے گی (سورۂ نازعات آیت ۱-۶) یعنی بعث اور حشر حق ہے (یہ جواب قسم ہے جو محذوف ہے، اور) اس پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: جس دن ہلانے والی چیز ہلاڈالے گی۔

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: قسم ہے برجوں والے آسمانوں کی، اور وعدہ کئے ہوئے دن کی، اور حاضر ہونے والے (دن) کی، اور اس (دن) کی جس میں (لوگوں کی) حاضری ہوتی ہے، مارے گئے کھائیاں کھودنے والے (سورۂ بروج آیت ۱-۴) یعنی اعمال کی جزاوسزا برحق ہے، (یہ جواب قسم ہے جو محذوف ہے اور اس پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: مارے گئے کھائیاں کھودنے والے)

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: جب آسمان پھٹ جائے گا، اور اپنے رب کا حکم سن لیگا اور وہ آسمان اسی لائق ہے، اور جب زمین پھیلادی جائے گی، اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس میں ہے، اور خالی ہو جائے گی، اور وہ اپنے رب کا حکم سن لے گی، اور وہ زمین اسی لائق ہے، اے انسان! تجھے تکلیف اٹھانی ہے (سورۂ انشقاق آیت ۱-۶) یعنی حساب وکتاب اور جزاوسزا ہونے والی ہے (یہ شرط کی جزاء ہے جو محذوف ہے، اور اس پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: اے انسان تجھے تکلیف اٹھانی ہے)

إبدالُ الخطابِ بالغيبةِ

وقد يُقَلِّب الله تعالى أسلوبَ الكلام ، بأن يقتضي الأسلوبُ الخطابَ فيأتي بالغائبِ، نحوُ قوله تعالى: ﴿حَتّٰى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ، وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ﴾.

ترجمہ: حاضر کو غائب سے بدلنا

اور کبھی اللہ تعالیٰ کلام کے اسلوب کو پلٹ دیتے ہیں، اس طرح کہ اسلوب حاضر (کی ضمیر) کا تقاضا کرتا ہو تو غائب (کی ضمیر) لاتے ہیں، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿حَتّٰى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ، وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ﴾. یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو، اور وہ کشتیاں ان کو عمدہ ہوا

کے ذریعے سے لے کر چلتی ہیں (سورۂ یونس آیت ۲۲) یہاں جَرَیْنَ بِهِمْ کے بجائے جَرَیْنَ بِكُمْ ہونا چاہئے تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے حاضر سے غائب کی طرف التفات فرمایا ہے۔

إبدالُ الإخبارِ بالإنشاءِ وبالعكسِ

وقد يذكرسبحانه وتعالى الإنشاءَ مكانَ الإخبارِ، والإخبارَ مكانَ الإنشاءِ، نحوُ:

● قولِه تعالى: ﴿فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا﴾ أي لِتَمْشُوا.

● وقولِه تعالى: ﴿إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ أي إيمانكم يقتضي هذا.

● وقولِه تعالى: ﴿مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلىٰ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ﴾ المعنى: على قياسِ حالِ ابنِ آدمَ كتبنا، أو: على مثالِ حالِ ابنِ آدمَ؛ فابدَل منه: ﴿مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ﴾ لأن القياسَ لايكونُ إلا بملاحظةِ العلةِ؛ فكأنَّ القياسَ نوعٌ من التعليلِ.

● وقولِه تعالى: ﴿أَرَأَيْتَ﴾ هو في الأصل بمعنى الاستفهامِ، من الرؤية، ولكن نقل هُنا ليكونَ تنبيها على استماع الكلامِ الآتي بعدَه كما يقال في العرف: تَرى شيْئًا؟ تَسْمَعُ شيئًا؟

ترجمہ: خبر کو انشاء سے بدلنا اور اس کے برعکس کرنا

اور کبھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ اور انشائیہ کی جگہ خبریہ ذکر کرتے ہیں، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلاً، فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا﴾ (سورۂ ملک آیت ۱۵) وہ ایسا (مُنعِم) ہے کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا؛ سو تم اس کے راستوں میں چلو، یعنی تاکہ تم اس کے راستوں میں چلو ــــــ) یہاں فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا کو بیان غایت (یعنی زمین کو مسخر کرنے کی غرض وغایت بیان کرنے) کی جگہ پر رکھا گیا ہے، اس لئے فَامْشُوْا کی بجائے لِتَمْشُوْا ہونا چاہئے تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ کو ذکر فرمایا ہے۔ تَمْشُوْا مضارع کا صیغہ ہونے کی وجہ سے خبر ہے۔ اور اِمْشُوْا امر کا صیغہ ہونے کی وجہ سے انشاء ہے)

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَاتَهِنُوْا وَلَاتَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾

(سورۂ آل عمران آیت ۱۳۹) اور تم ہمت نہ ہارو، نہ رنج کرو، اور تم ہی غالب رہو گے، اگر تم ایمان (کامل) رکھتے ہو؛ یعنی تمہارا ایمان اس کا تقاضا کرتا ہے (کہ تم ہمت نہ ہارو، نہ رنج کرو، اور انجام کے اعتبار سے تم ہی غالب رہو گے ـــــ یہ بھی جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ ذکر کرنے کی مثال ہے)

۳-اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَائِيْلَ﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۳۲) اسی (شر انگیزی) کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا، یعنی آدم علیہ السلام کے بیٹے (قابل) کے حال سے اندازہ کر کے ہم نے لکھ دیا، یا آدم علیہ السلام کے بیٹے کی جیسی صورت حال تھی ویسی صورت میں ہم نے لکھ دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ سے بدل دیا، اس لئے کہ اندازہ کرنا علت کالحاظ کئے بغیر نہیں ہو سکتا، پس گویا اندازہ کرنا بھی تعلیل کی ایک قسم ہے ـــــ (یہ ایک جملہ کی جگہ دوسرا جملہ ذکر کرنے کی مثال ہے، کیونکہ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا، اور عَلٰى قِيَاسِ حالِ ابنِ آدم كَتَبْنَا دونوں جملہ خبریہ ہیں، پس یہ تسامح نہیں، بلکہ مثال بیان کرنے میں توسع ہے)

۴-اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿أَرَأَيْتَ﴾ (یہ جملہ قرآن کریم میں متعدد جگہ آیا ہے، مثلاً سورۂ ماعون کے شروع میں، اور سورۂ علق کی نویں، گیارہویں اور تیرہویں آیت میں) وہ (یعنی اَرَاَيْتَ) اصل میں "دریافت کرنے" کے معنی میں ہے اور رؤیت سے بنا ہے لیکن یہاں اللہ نے (اس کو) منتقل فرمایا ہے؛ تاکہ اس کے بعد آنے والے کلام کو غور سے سننے پر تنبیہ ہو جائے، جیسا کہ عرف میں کہا جاتا ہے: آپ نے کچھ دیکھا؟ آپ نے کچھ سنا؟ (اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ: میں آپ کو متنبہ کرتا ہوں، یا میں آپ کو آگاہ کرتا ہوں، اسی طرح اَرَاَيْتَ (کیا آپ نے دیکھا؟) مخاطب کو متنبہ کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ـــــ یہ بھی جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ ذکر کرنے کی مثال ہے)

تنبیہ: شاہ صاحب نے جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ ذکر کرنے کی متعدد مثالیں بیان فرمائی ہیں، مگر جملہ انشائیہ کی جگہ جملہ خبریہ ذکر کرنے کی کوئی مثال اس لئے بیان نہیں فرمائی کہ قرآن کریم میں اس کی مثالیں بے شمار ہیں؛ مثلاً ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۲۲۸) اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۲۳۴) ان دونوں آیتوں میں يَتَرَبَّصْنَ فعل مضارع کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے جو بمعنی امر غائب ہے۔

التقديمُ والتأخيرُ والتعلقُ بالبعيدِ وما شابَهَهُما

وقد يوجب التقديمُ والتأخيرُ أيضًا صعوبةً في فهمِ المراد ،كما في الشعرِ المشهورِ:

بُثَيْنَةُ شأنُها سلبتْ فُؤادى ÷ بلاجرم أتيتُ به سلاما

والتعلقُ بالبعيد أيضًا مما يوجب الصعوبةَ في الكلامِ، وكذلك مايكونُ من هذا القبيلِ، نحوُ:

●قولِه تعالى: ﴿إِلاَّ آلَ لُوْطٍ،إِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ أَجْمَعِيْنَ،إِلاَّ امْرَأَتَهُ﴾ادخَلَ الاستثناءَ على الاستثناءِ فصعُب.

●وقولِه تعالى: ﴿فَمَايُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ﴾متصلٌ بقولِه: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾

●وقولِه تعالى: ﴿يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ﴾اى يدعوا مَنْ ضَرُّهُ .

●وقولِه تعالى: ﴿ لَتَنُوْأُ بِالْعُصْبَةِ أُوْلِي الْقُوَّةِ﴾ اى لتنوأ العصبةُ بها.

●وقولِه تعالى: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ﴾اى اغسلوا أرجلَكم .

●وقولِه تعالى: ﴿وَلَوْلاَ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَاَجَلٌ مُسَمًّى﴾ اى ولولا كلمةٌ سبقت وأجلٌ مسمًّى لكان لزامًا.

●وقولِه تعالى: ﴿إِلاَّ تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ﴾متصلٌ بقولِه: ﴿فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ﴾ .

●وقولِه تعالى: ﴿إِلاَّ قَوْلَ إِبْرَاهِيْمَ ﴾متصلٌ بقوله﴿لَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيْمَ﴾

●وقولِه تعالى: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا﴾اى يسئلونك عنها كأنك حفى.

ترجمہ: تقدیم و تاخیر، تعلق بالبعید اور ان کے مانند امور کا بیان

اور کبھی تقدیم و تاخیر بھی فہم مراد میں دشواری پیدا کرتی ہے، جیسا کہ اس مشہور شعر میں تقدیم و تاخیر کی وجہ سے شاعر کی مراد سمجھنے میں دشواری ہو گئی ہے۔

بُثَیْنَۃُ شانُها سلبتْ فُؤادی ÷ بلاجرم أتیتُ به سلاما

(اس شعر کی اصل اس طرح ہے: بُثَیْنَۃُ سَلَبَتْ فُؤادی بلاجُرْمٍ اَتَیْتُ بِہٖ، شانُها یکونُ سلامًا: بُثَیْنَۃ نے چھین لیا میرا دل کسی جرم کے بغیر جس کو میں نے کیا ہو، اس کی شان سلامت رہے —— مگر شاعر نے شانُها کو مقدم اور سَلَبَتْ فُؤادی بلا جرمٍ اَتَیْتُ بِہٖ کو مؤخر کر دیا ہے جس کی وجہ سے شاعر کی مراد تک پہنچنا دشوار ہو گیا ہے)

اور تعلق بالبعید (یعنی کلام کے کسی جزء کا دور سے تعلق ہونا) بھی کلام (کی مراد تک پہنچنے) میں دشواری پیدا کرتا ہے، اور اسی طرح وہ امور (بھی فہم مراد میں دشواری پیدا کرتے ہیں) جو اسی قبیل سے ہیں، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِلاَّ آلَ لُوْطٍ، إِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ أَجْمَعِيْنَ، إِلاَّ امْرَأَتَهٗ﴾ (سورۂ حجر آیت ۵۹ و ۶۰) مگر لوط علیہ السلام کے گھر والے۔ ہم ان سب کو بچالیں گے، بجز ان کی بیوی کے (اس ارشاد میں) اللہ تعالیٰ نے استثناء پر استثناء داخل فرمایا ہے، پس (مراد خداوندی کا سمجھنا) دشوار ہو گیا —— (یہ مایکون من هذا القبیل کی مثال ہے)

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ﴾ (پھر کون سی چیز تجھ کو جزاء کے بارے میں منکر بنا رہی ہے) متصل ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾: ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے (سورۂ تین) —— (یہ تعلق بالبعید کی مثال ہے)

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهٖ يعنى يَدْعُوْا مَنْ ضَرُّهٗ﴾ (سورۂ حج آیت ۱۳) پکارتا ہے اس کو جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے (لَمَنْ ضَرُّهٗ دراصل يَدْعُوْا کا مفعول ہے، لہٰذا اس پر لام نہیں ہونا چاہئے، مگر اللہ تعالیٰ نے لام کا اضافہ فرمایا ہے جس کی وجہ سے مراد خداوندی تک پہنچنے میں دشواری ہو رہی ہے —— یہ بھی مایکون من هذا القبیل کی مثال ہے)

۴- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿ لَتَنُوْأُ بِالْعُصْبَةِ أُوْلِي الْقُوَّةِ﴾، یعنی لَتَنُوْأُ الْعُصْبَةُ بِهَا (سورۂ قصص آیت ۷۶) تھک جاتی ہے طاقت ور جماعت (قارون کے خزانوں کی) چابیاں اٹھانے سے (اس میں ترکیب کو پلٹ دیا ہے جس کی وجہ سے مراد خداوندی کے سمجھنے میں دشواری ہو گئی ہے —— یہ

بھی مایکون من ھذا القبیل کی مثال ہے)

۵- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ یعنی اغسلوا اَرْجُلَكُمْ﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۶) اور اپنے سروں پر مسح کرو، اور اپنے پیروں کو دھوو ـــــ (یہ تعلق بالبعید کی مثال ہے)

۶- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَوْلاَ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ یعنی وَلَوْلاَ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى لَكَانَ لِزَامًا (سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲۹) اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے فرمائی ہوئی نہ ہوتی، اور ایک میعاد معین نہ ہوتی، تو عذاب لازمی طور پر ہوتا ـــــ (اس ارشاد میں لَكَانَ لِزَامًا کو مقدم اور وَاَجَلٌ مُّسَمًّى کو مؤخر کردیا ہے جس کی وجہ سے فہم مراد میں دشواری ہورہی ہے)

۷- اور ارشاد خداوندی: ﴿اِلاَّ تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ﴾ (اگر تم ایسا نہیں کروگے تو فتنہ پھیلے گا) متصل ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے: ﴿فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ﴾ سو تمہارے ذمہ مدد کرنا واجب ہے (سورۂ انفال آیت ۷۲و۷۳ ـــــ یہ تعلق بالبعید کی مثال ہے)

۸- اور ارشاد خداوندی: ﴿ اِلاَّ قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ﴾ متصل ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے: ﴿لَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرَاهِيْمَ﴾ تمہارے لئے اچھا نمونہ ہے ابراہیم علیہ السلام میں (سورۂ ممتحنہ آیت ۴ ـــــ یہ بھی تعلق بالبعید کی مثال ہے)

۹- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا﴾ یعنی ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنْهَا كَاَنَّكَ حَفِيٌّ﴾ (سورۂ اعراف آیت ۱۸۷) لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں گویا آپ پوری تحقیق کرچکے ہیں ـــــ اس میں كَاَنَّكَ حَفِيٌّ کو مقدم اور عَنْهَا کو مؤخر کردیا ہے جس کی وجہ سے فہم مراد میں دشواری ہورہی ہے)

☆ ☆ ☆

کلام میں زیادتی کا بیان

جس طرح حذف، ابدال، اور تقدیم و تاخیر وغیرہ امور فہم مراد میں دشواری پیدا کرتے ہیں، اسی طرح عرف میں گفتگو کا جو طریقہ رائج ہو اس پر زیادتی کرنا بھی فہم مراد میں دشواری پیدا کرتا ہے، اور حذف وابدال کی طرح زیادتی کی بھی کئی قسمیں ہیں؛ مثلاً (۱) صفت کے ذریعہ

زیادتی کرنا(۲) بدل کے ذریعہ زیادتی کرنا(۳) عطف تفسیری کے ذریعہ زیادتی کرنا(۴) تکرار کے ذریعہ زیادتی کرنا(۵) اور حرف جر کی زیادتی کرنا، آئندہ عبارت میں شاہ صاحب ان پانچوں قسموں کی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔

الزيادة في الكلام

والزيادةُ على السَنَنِ الطبيعي أيضًا على أقسامٍ:

الزيادةُ بالصفةِ:

قد تكون الزيادةُ في الكلامِ بالصفةِ، نحوُ:

- قولِه تعالى: ﴿وَلَاطَائِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ﴾.
- وقولِه تعالى: ﴿إِنَّ الإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا: إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا، وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾.

الزيادةُ بالإبدالِ

وقد تكون بالإبدال، نحوُقوله تعالى: ﴿لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ﴾

الزيادةُ بالعطفِ التفسيرى

وقد تكون بالعطف التفسيرى، نحوُ قولِه تعالى: ﴿حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ، وَبَلَغَ ارْبَعِيْنَ سَنَةً﴾

ترجمہ: کلام میں زیادتی کرنا

اور فطری انداز (یعنی عرف میں گفتگو کا جو طریقہ رائج ہو اس) پر زیادتی کرنے کی بھی کئی صورتیں ہیں:

صفت کے ذریعہ زیادتی کرنا: کبھی کلام میں صفت کے ذریعہ زیادتی کی جاتی ہے، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَاطَائِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ﴾ اور نہیں ہے کوئی پرندہ جو اڑتا ہو اپنے دو بازوؤں سے (سورۂ انعام آیت ۳۸ —— یہاں بظاہر يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ کے اضافہ کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ ہر پرندہ اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے، مگر مجاز کا احتمال ختم کرنے کے لئے اس صفت کا اضافہ

فرمایا ہے، کیونکہ مجازاً تیز رفتار سواری کو بھی طائر کہا جاتا ہے)

۲- اور ارشاد خداوندی ہے:﴿إِنَّ الإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا: إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا، وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾ بیشک انسان پیدا کیا گیا ہے جی کا کچا: جب اس کو برائی پہنچتی ہے تو بے صبرا ہو جاتا ہے، اور جب اس کو بھلائی پہنچتی ہے تو بخیل ہو جاتا ہے (سورۂ معارج آیت ۱۹-۲۱ —— إِذَا مَسَّهُ الخ دراصل ھلوع کی تفسیر ہے، وضاحت کی غرض سے اس کو بڑھایا گیا ہے)

بدل کے ذریعہ زیادتی کرنا: اور کبھی زیادتی بدل کے ذریعہ ہوتی ہے؛ جیسے ارشاد خداوندی ہے:﴿لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ﴾ غریب لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لا چکے تھے (سورۂ اعراف آیت ۷۵ —— لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ حرف جار کے اعادہ کے ساتھ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا سے بدل ہے اور وضاحت کی غرض سے اس کو بڑھایا گیا ہے)

عطف تفسیری کے ذریعہ زیادتی کرنا: اور کبھی زیادتی عطف تفسیری کے ذریعہ ہوتی ہے، جیسے ارشاد خداوندی ہے:﴿ حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ، وَبَلَغَ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ یہاں تک کہ جب پہنچا وہ اپنی قوت کو یعنی پہنچ گیا چالیس برس کو (سورۂ احقاف آیت ۱۵ —— یہ عطف؛ تفسیر اور وضاحت کے لئے ہے اس لئے "واؤ" کا ترجمہ "یعنی" سے کیا گیا ہے)

الزيادة بالتكرار

وقد تكون بالتكرار، نحوُ:

● قولِه تعالى:﴿وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاءَ، إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلاَّ الظَّنَّ﴾

أصل الكلام: وما يتبع الذين يدعون من دون الله شركاءَ إلا الظنَ.

● وقولِه تعالى:﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ —— وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا —— فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهِ﴾

● وقولِه تعالى:﴿وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوْا اللّٰهَ﴾.

ترجمہ: تکرار کے ذریعہ زیادتی کرنا: اور کبھی زیادتی تکرار کے ذریعہ ہوتی ہے، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے:﴿وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ﴾ الخ (سورۂ یونس آیت ۶۶، اس میں إِنْ

یَتَّبِعُوْنَ کا تکرار ہے، اور) اصل کلام اس طرح ہے: ﴿وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُرَکَاءَ، إِلاَّ الظَّنَّ﴾ اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کرتے ہیں وہ محض بے سند خیال کا اتباع کرتے ہیں۔

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَمَّا جَاءَ ھُمْ کِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ﴾ الخ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایسی کتاب پہنچی، جو تصدیق کرنے والی ہے اس (کتاب) کی جو ان کے پاس ہے —— اور پہلے سے فتح مانگتے تھے وہ کافروں پر —— پھر جب ان کے پاس پہنچی وہ (کتاب) جس کو وہ لوگ پہچانتے تھے، تو اس کا انکار کر بیٹھے (سورۂ بقرۃ آیت ۸۹ —— اس میں فَلَمَّا جَاءَ ھُمْ مَاعَرَفُوْا کا تکرار ہے، کیونکہ مَاعَرَفُوْا سے کتاب مذکور ہی مراد ہے، اور تکرار کا مقصد یہود کی ہٹ دھرمی کو واضح کرنا ہے کہ یہ لوگ جانتے بوجھتے حق کا انکار کرتے ہیں، اور نحوی اعتبار سے تکرار کی وجہ یہ ہے کہ شرط یعنی وَلَمَّا جَاءَ ھُمْ کِتَابٌ اور جزاء یعنی کَفَرُوْا بِہٖ میں جملہ معترضہ کی وجہ سے فاصلہ طویل ہو گیا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے شرط کا اعادہ فرمایا ہے)

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَکُوْا﴾ الخ اور چاہئے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑیں وہ اپنے پیچھے ضعیف اولاد تو اندیشہ کریں ان پر (کہ ہمارے پیچھے ان کا حال بھی ایسا ہی ہوگا) پس چاہئے کہ ڈریں وہ اللہ سے اور کہیں وہ سیدھی بات (سورۂ نساء آیت ۹ —— اس میں فَلْیَتَّقُوْا اللّٰہَ کو مکرر لایا گیا ہے، کیونکہ وَلْیَخْشَ کا جو مفہوم ہے وہی اس کا بھی ہے، اور تکرار کا مقصد بات کو مؤکد کرنا اور اس کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے، اور نحوی اعتبار سے تکرار کی وجہ وہی ہے جو سابقہ مثال میں گذری ہے)

●وقولِه تعالى: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الأهِلَّةِ، قُلْ: هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ أى هى مواقيتُ للناس باعتبارِ أن اللّٰهَ تعالى شَرَعَ لهم التوقيتَ بها، وللحجِ باعتبارِ أن التوقيتَ بها حاصلٌ للحجِ، ولوقيل: "هى مواقيتُ للناسِ في حَجِّهِم" لكان أخصرَ؛ ولكن أطْنَبَ.

●وقولِه تعالى: ﴿لِتُنْذِرَ أُمَّ القُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا، وَتُنْذِرَ يَوْمَ الجَمعِ﴾ أى تنذر أمَّ القرى يومَ الجمعِ.

●وقولِه تعالى: ﴿وَتَرَى الجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً﴾ أى ترى الجبالَ جامدةً؛ أدخَلَ "الحِسبان" لأن "الرؤية" تجيء لمعان، والمرادُ بها ههنا معنى "الحِسبان"

ترجمہ: ۴-اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ، قُلْ: هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ لوگ آپؐ سے سوال کرتے ہیں مہینہ کے شروع کے چاندوں کے بارے میں، آپؐ فرمادیجئے کہ: وہ چاند وقت متعین کرنے کا ذریعہ ہے، لوگوں کے لئے اور حج کے لئے (سورۂ بقرۃ آیت ۱۸۹) یعنی وہ چاند وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے لوگوں کے لئے اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمایا ہے لوگوں کے لئے ان چاندوں سے وقت کی تعیین کرنا (یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے شمسی حساب کے بجائے قمری حساب کو مشروع فرمایا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: وہ چاند لوگوں کے لئے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں) اور حج کے لئے اس اعتبار سے کہ ان چاندوں سے وقت کی تعیین کرنا حج کے لئے ثابت ہے (یعنی حج کے وقت کی تعیین چونکہ چاند سے ہوتی ہے، اس لئے فرمایا ہے: اور حج کے لئے) اور اگر کہا جاتا: هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ فِيْ حَجِّهِمْ: وہ چاند لوگوں کے لئے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں ان کے حج میں، تو کلام مختصر ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بات کو طویل کیا ہے۔

تشریح: یہاں شاہ صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ: هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ میں تکرار ہے، اور چاند درحقیقت لوگوں کے لئے حج کا وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے، اس لئے وَالْحَجِّ کے بجائے فِيْ حَجِّهِمْ ہوتا، تو کلام میں تکرار نہ ہوتا، اور کلام مختصر ہوتا؛ کیونکہ جس کلام میں تکرار ہوتا ہے وہ اطناب سے خالی نہیں ہوتا۔

لیکن الفوز الکبیر کے شارح، محدث کبیر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: اس ارشاد خداوندی میں نہ تکرار ہے نہ اطناب، بلکہ ایک اہم مسئلہ کی وجہ سے حج کو خاص طور پر ذکر فرمایا ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ فرمادیجئے کہ: چاندوں سے لوگ اپنے دنیوی کاموں اور دینی امور کے اوقات جان لیتے ہیں، جیسے رمضان کے روزے، عید کی نماز، زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور قربانی کے اوقات لوگوں کو چاندوں سے معلوم ہو جاتے ہیں، اور حج کا وقت بھی چاند سے معلوم ہو جاتا ہے، مگر حج کے علاوہ دیگر امور دینیہ میں اپنے اپنے علاقوں اور ملکوں کے چاندوں اور تاریخوں کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور حج میں پوری دنیا کے لوگوں پر ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے علاقوں کے چاندوں اور تاریخوں کو چھوڑ کر مکہ کے چاند اور تاریخ کے اعتبار سے حج ادا کریں (العون الکبیر)

۵-اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا، وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ﴾ یعنی ﴿لِتُنْذِرَ

أُمَّ الْقُرىٰ يَوْمَ الْجَمْعِ﴾: تاکہ آپ مکہ والوں کو اور جو مکہ کے آس پاس رہتے ہیں ان کو ڈرائیں جمع ہونے کے دن سے یعنی قیامت کے دن سے (سورۂ شوریٰ آیت ۷ —— اس میں "انذار" کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے وَتُنْذِرَ کو مکرر لایا گیا ہے)

۶- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً﴾ یعنی ﴿تَرَى الْجِبَالَ جَامِدَةً﴾ اور تو پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے کہ وہ جمے ہوئے ہیں (سورۂ نمل آیت ۸۸) اللہ تعالیٰ نے "حِسْبَان" کو (دو مفعولوں کے درمیان) داخل فرمایا ہے، اس لئے کہ لفظ "رؤیت" کئی معنوں کے لئے آتا ہے، اور اس (رؤیت) سے مراد یہاں حِسْبَان (گمان کرنے اور خیال کرنے) کے معنی ہیں۔

●وقوله تعالى: ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً، فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ —— وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلاَّ الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَ تْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ —— فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ،وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَشَاءُ إِلىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ أدخل: ﴿وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلاَّ الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ﴾ فى تضاعيف الكلامِ المنتظمِ بعضُه ببعضٍ بيانا لضميرِ: "اختلفوا" وإيذانا بأن المرادَ من "الاختلاف" ههنا: هو الاختلافُ الواقعُ فى أمةِ الدعوةِ بعدَ نزولِ الكتابِ: بأن آمن بعضٌ و كفر بعضٌ.

ترجمہ: ۷- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ الخ سب لوگ ایک ہی طریقہ کے تھے (یعنی گمراہ تھے) پھر اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو بھیجا جو خوشخبری سنانے والے، اور ڈرانے والے تھے، اور ان کے ساتھ برحق کتاب اتاری، تاکہ لوگوں کے درمیان جو باتیں مختلف فیہ تھیں ان میں اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادیں —— اور اس کتاب میں اختلاف نہیں کیا مگر ان لوگوں نے جن کو وہ کتاب ملی تھی، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلائل آچکے تھے، آپس کی ضد سے —— پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایمان والوں کو وہ حق بات بتادی جس میں وہ اختلاف کررہے تھے، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سیدھا راستہ بتاتے ہیں (سورۂ بقرۃ آیت ۲۱۳) اور اللہ تعالیٰ نے ﴿وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلاَّ الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَ تْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ کو ایسے کلام کے درمیان داخل فرمایا ہے جس کا بعض حصہ بعض سے مربوط (اور جڑا ہوا) ہے، اِخْتَلَفُوْا کی ضمیر (کا مرجع) واضح کرنے کے لئے، اور یہ بتانے کے لئے کہ یہاں اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو امت دعوت میں واقع ہوا ہے

کتاب اللہ کے نازل ہونے کے بعد، اس طرح کہ کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ لوگ کافر رہے۔

زيادةُ حرفِ الجر

وقد يزيد سبحانه وتعالى حرفَ الجرِ على الفاعلِ، أو المفعولِ به، ويجعلُه معمولًا للفعلِ بواسطةِ حرفِ الجرِ، لتأكيدِ الاتصالِ، نحوُ:

- قولِه تعالى: ﴿يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا﴾ أى تُحْمٰى هى.
- وقولِه تعالى: ﴿وَقَفَّيْنَا عَلٰى آثَارِهِمْ بعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ أى قفينا هم بعيسى ابنِ مريمَ.

ترجمہ: حرف جر کو زیادہ کرنا

اور کبھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ فاعل یا مفعول بہ پر حرف جر زیادہ کرتے ہیں، اور اسکو (یعنی فاعل یا مفعول بہ کو) فعل کا معمول بناتے ہیں حرف جر کے واسطہ سے اتصال کی تاکید کے لئے (عامل اور معمول کے درمیان جو اتصال ہوتا ہے اس کو مؤکد کرنے کے لئے) جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا﴾ یعنی تُحْمٰى هِيَ: جس دن اس کو (یعنی سونے چاندی کے خزانے کو) تپایا جائے گا (سورۂ توبہ آیت ۳۵ —— اس میں نائب فاعل پر عَلٰی داخل کیا گیا ہے)

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَقَفَّيْنَا عَلٰى آثَارِهِمْ بعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ اور ہم نے ان کے پیچھے بھیجا عیسیٰ ابن مریم کو (سورۂ مائدہ آیت ۴۶ —— اس میں مفعول بہ پر علیٰ داخل کیا گیا ہے، اور قَفّٰى فلانًا بفُلانٍ یا بِاَثَرِ فلانٍ کے معنی ہیں: ایک کو دوسرے کے پیچھے بھیجنا)

واوُ الاتصالِ

وينبغى أن يُعلَم هنا نكتةٌ، وهى أن "الواوَ" تُسْتَعْمَلُ فى مواضعَ كثيرةٍ لتوكيدِ الاتصالِ، لا للعطفِ، نحوُ:

- قولِه تعالى: ﴿إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ – إلى قولِه تعالى – وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلاثَةً﴾
- وقولِه تعالى: ﴿حَتّٰى إِذَا جَاءُوْهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾.
- وقولِه تعالى: ﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾.

ترجمہ: واو اتصال کا بیان

اور یہاں ایک نکتہ جان لینا مناسب ہے، اور وہ یہ ہے کہ "واو" بہت جگہوں میں اتصال کی تاکید کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، نہ کہ عطف کے لئے، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ —— تا ارشاد خداوندی —— وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً﴾: جب قیامت واقع ہوگی —— اور تم تین قسم کے لوگ ہو جاوے (سورۂ واقعہ آیت ۱-۷ —— یہاں کُنْتُمْ سے پہلے جو "واو" ہے وہ عطف کے لئے نہیں ہے، بلکہ ماقبل سے اتصال کی تاکید کے لئے ہے)

۲- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿حَتّٰى إِذَا جَاءُوْهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾ یہاں تک کہ جب متقی لوگ پہنچ جائیں گے جنت کے پاس اور کھولے جائیں گے جنت کے دروازے (سورۂ زمر آیت ۷۳ —— یہاں فُتِحَتْ سے پہلے جو "واو" ہے وہ نہ عاطفہ ہے نہ حالیہ ہے جیسا کہ اکثر مفسرین کا خیال ہے، بلکہ ماقبل سے اتصال کی تاکید کے لئے ہے)

۳- اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ پاک صاف فرمادیں ایمان والوں کو (سورۂ آل عمران آیت ۱۴۱ —— یہاں آیت نقل کرنے میں صاحب کتاب سے چوک ہوگئی ہے، کیونکہ لِيُمَحِّصَ سے پہلے جو "واو" ہے اس کو عاطفہ ماننے میں کوئی اشکال نہیں، البتہ اس سے پہلی آیت میں وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا میں جو "واو" ہے اس کو عاطفہ ماننے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا عطف کس پر ہے؟ اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا عطف علت محذوفہ پر ہے، پھر علت محذوفہ کی تشریح میں مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے، اور شاہ صاحب کے نزدیک يَعْلَمَ سے پہلے جو واو ہے وہ عطف کے لئے نہیں ہے، بلکہ ماقبل سے اتصال کی تاکید کے لئے ہے، کیونکہ اس "واو" کو عاطفہ ماننے میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کا عطف کس پر ہے؟ اور اگر اس "واو" کو اتصال کی تاکید کے لئے مانا جائے، تو نہ کوئی اشکال ہوتا ہے، نہ علتِ محذوفہ کے تلاش کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے)

فاءُ الاتصالِ

وكذلك تُزاد "الفاءُ" أيضا، قال القسطلاني في شرح كتابِ الحجِ، في بابِ المعتمرِ إذا طاف طوافَ العُمْرةِ ثم خرج، هل يُجْزيه من طوافِ الوَداعِ؟:

"ويجوز توسطُ العاطف بين الصفةِ والموصوفِ لتاكيدِ لُصوقِها بالموصوفِ، نحوُ: ﴿إِذْ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ﴾قال سيبويه: هو مثلُ: "مررتُ بزيدٍ وصاحبِك" إذا أردتَ بصاحبِك زيدًا.

وقال الزمخشری فی قوله تعالیٰ: ﴿وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلاَّ وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ﴾: جملةٌ واقعةٌ صفةٌ لقريةٍ؛ والقياس أن لاتتَوَسّطَ الواوُ بينهما، كما فی قوله تعالیٰ: ﴿وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلاَّ لَهَا مُنْذِرُوْنَ﴾وإنما تَوَسّطت لتاكيدِ لُصوقِ الصفةِ بالموصوفِ، كما يقال فی الحالِ: جاء نی زيدٌ عليه ثوبٌ، وجاء نی زيدٌ وعليه ثوبٌ (انتهی)

ترجمہ: فائے اتصال کا بیان

اور اسی طرح (اتصال کی غرض سے) "فاء" بھی بڑھائی جاتی ہے (جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا﴾: سواسی پر ان کو خوش ہونا چاہئے (سورۂ یونس آیت ۵۸) اس ارشاد میں بِذٰلِكَ سے پہلے جو "فا" ہے وہ ربط واتصال کے لئے ہے، تفسیر مظہری میں ہے: والفاءُ فی قوله فَبِذٰلِكَ ...... لِلرَّبْطِ بما قبلَها (ج۵ ص۳۵ — آگے "واو" بھی اتصال کی تاکید کے لئے آتا ہے اس کا حوالہ ہے)

علامہ قسطلانی نے (بخاری شریف کی) کتاب الحج کی شرح میں، بابُ الْمُعْتَمِرِ إِذَا طاف طوافَ الْعُمْرَةِ ثم خَرَجَ، هَلْ يُجْزِيهِ مِنْ طوافِ الوَداعِ؟ میں فرمایا ہے کہ:

"صفت اور موصوف کے درمیان حرف عطف کو لانا جائز ہے، موصوف کے ساتھ صفت کے اتصال کی تاکید کے لئے، جیسے ﴿إِذْ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ﴾(سورۂ انفال آیت ۴۹ میں موصوف کے ساتھ صفت کے اتصال کو مؤکد کرنے کے لئے "واو" لایا گیا ہے) سیبویہ نے کہا ہے: یہ ارشاد خداوندی مَرَرْتُ بِزيدٍ وصاحبِكَ کے مانند ہے، جب آپ صَاحِبِكَ سے زید کو مراد لیں۔

اور علامہ زمخشری نے ارشاد خداوندی: ﴿وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلاَّ وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ (سورۂ حجر آیت ۴) کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ: یہ جملہ (یعنی وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ) قَرْيَة کی صفت واقع ہوا ہے، اور قیاس (کا تقاضا) یہ تھا کہ ان دونوں (یعنی موصوف، صفت) کے درمیان "واو" نہ آتا، جیسا کہ ارشاد خداوندی: ﴿وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلاَّ لَهَا مُنْذِرُوْنَ﴾(سورۂ شعراء آیت

۲۰۸) میں ہے، اور بیشک (موصوف، صفت) کے درمیان میں "واو" آیا ہے موصوف کے ساتھ صفت کے اتصال کی تاکید کے لئے، جیساکہ حال میں کہا جاتا ہے: جاء نی زیدٌ علیہ ثوبٌ، اور جاء نی زیدٌ وعلیہ ثوبٌ (انتھی یعنی زمخشری کا کلام ختم ہوا، اور اسی پر قسطلانی کی عبارت بھی پوری ہوئی)

فائدہ

علامہ قسطلانی: مصر کے نامور محدث تھے، آپ کا نام احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک قَسطلانی، قُتَیبِیْ مصری ہے، ۸۵۱ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے، اور ۹۲۳ھ میں قاہرہ میں ہی وفات پائی، آپ کی تصانیف میں سے بخاری شریف کی شرح "ارشاد الساری" اور سیرت پاک میں "مواھب لَدُنیہ" کافی مشہور ہیں۔

سیبویہ: نحو کے مشہور و معروف امام ہیں، آپ کا نام عمرو بن عثمان بن قَنْبَر اور کنیت ابو بشر اور لقب سیبویہ ہے، ۱۴۸ھ میں شیراز کی کسی بستی میں پیدا ہوئے، اور ۱۸۰ھ میں اَھواز میں وفات پائی، کل ۳۲ یا ۳۳ سال کی عمر پائی مگر اتنی قلیل مدت میں علم نحو میں ایسا کمال پیدا کیا کہ اپنے استاذ خلیل بن احمد سے آگے بڑھ گئے، آپ کی تالیف "کتاب سیبویہ" فن نحو میں نہایت عمدہ کتاب ہے۔

زَمَخْشَرِیْ: مشہور مفسر اور لغت و ادب کے امام ہیں مگر معتزلی تھے، آپ کا نام محمود بن عمر خوارزمی زمخشری اور کنیت ابو القاسم ہے اور جار اللہ زمخشری سے مشہور ہیں، خوارزم کی مشہور بستی زَمَخْشَر میں ۴۶۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۳۸ھ میں وفات پائی۔

انتشارُ الضمائرِ، وإرادةُ المَعْنَيَيْنِ من كلمةٍ واحدةٍ

وربما تكون الصعوبةُ فی فهمِ المرادِ لانتشارِ الضمائرِ، وإرادةِ المعنيين من كلمةٍ واحدةٍ، نحوُ:

●قولِه تعالى: ﴿وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ، وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُوْنَ﴾ يعنی أن الشياطينَ ليصدونَ الناسَ عن السبيلِ، ويَحسَبُ الناسُ أنهم مهتدون.

●وقولِه تعالى: ﴿قَالَ قَرِيْنُهُ﴾ المرادُ به الشيطانُ فی موضعٍ واحدٍ، وفی الموضعِ

الآخرِ الملَكُ.

●وقولِه تعالى:﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَايُنْفِقُوْنَ؟ قُلْ: مَاأَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ﴾وقولِه تعالى: ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ؟ قُلِ:الْعَفْوَ﴾فالأولُ معناه: أيُّ إنفاقٍ ينفقون؟ وأيُّ نوعٍ من الإنفاقِ ينفقون؟ وهو صادقٌ بالسؤال عن المَصْرِفِ، لأن الإنفاق يصير باعتبارِ المصارفِ أنواعا؛ والثاني معناه: أيُّ مالٍ يُنفقون؟

ترجمہ:انتشار ضمائر اور ایک لفظ سے دو معنی مراد لینے کا بیان

اور کبھی مراد خداوندی کے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے ضمیروں (کے مراجع) منتشر اور مختلف ہونے کی وجہ سے، اور ایک لفظ سے دو معنی مراد لینے کی وجہ سے؛ جیسے:

۱-ارشاد خداوندی ہے:﴿وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ، وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُوْنَ﴾یعنی شیاطین لوگوں کو راہ حق سے روکتے ہیں، اور لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں (سورۂ زُخرف آیت ۳۷ —— یہ انتشار ضمائر کی مثال ہے)

۲-اور ارشاد خداوندی ہے:﴿قَالَ قَرِيْنُهُ﴾ایک جگہ قَرِیْن سے مراد شیطان ہے اور دوسری جگہ فرشتہ ہے —— (یہ ایک لفظ سے دو معنی مراد لینے کی مثال ہے، اور جن دو آیتوں میں یہ کلمہ آیا ہے وہ یہ ہیں:(الف)وَقَالَ قَرِيْنُهُ: هٰذَا مَالَدَىَّ عَتِيْدٌ:اور اس کا ساتھی (یعنی جو فرشتہ اس کے ساتھ رہتا تھا وہ) کہے گا:یہ (روزنامچہ) ہے جو میرے پاس تیار ہے (سورۂ ق آیت ۲۳) —— (ب) قَالَ قَرِيْنُهُ: رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ، وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلَالٍ مُبِيْنٍ:اور اس کا ساتھی (یعنی جو شیطان اس کے ساتھ رہتا تھا وہ) کہے گا:اے ہمارے پروردگار! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا، لیکن یہ خود دور دراز کی گمراہی میں تھا (ق آیت ۲۷)

۳-اور ارشاد خداوندی ہے:﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَايُنْفِقُوْنَ؟ قُلْ: مَاأَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ﴾(سورۂ بقرۃ آیت ۲۱۵) اور ارشاد خداوندی ہے:﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ؟ قُلِ:الْعَفْوَ﴾(سورۂ بقرۃ آیت ۲۱۹) پس پہلے سوال کرنے کے معنی ہیں: کیسا خرچ کریں؟ اور انفاق کی کونسی قسم اختیار کریں؟ اور یہ معنی مصرف کے بارے میں سوال کرنے پر صادق آتے ہیں، کیونکہ مصارف کے اعتبار سے انفاق کی کئی قسمیں ہو جاتی ہیں، اور دوسرے سوال کے معنی ہیں: کونسا مال خرچ کریں؟ —— (یہ بھی ایک کلمہ

سے دو معنی مراد لینے کی مثال ہے)

ومن هذا القبيل: مجيء لفظ "جعل" و"شيء" ونحوِهما لمعان شتّى:

● قديجيء "جعل" بمعنى خلق، كقوله تعالى: ﴿جَعَلَ الظُّلُمَاتِ والنُّوْرَ﴾

● وقد يكون بمعنى اعتقد، كقوله تعالى: ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأ﴾

ويجيء "شيء" مكانَ الفاعلِ، والمفعولِ به والمفعولِ المطلقِ وغيرِها، نحوُ:

● قوله تعالى: ﴿أَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾ أى من غير خالق.

● وقوله تعالى: ﴿فَلاَ تَسْأَلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ﴾ أى عن شيء مما تتوقف فيه من أمرى.

وقد يريد بالأمر والنبأ والخَطْب المخبر عنه، نحوُ:

● قوله تعالى: ﴿هُوَ نَبَأٌ عَظِيْمٌ﴾ أى قصة عجيبة.

و كذلك: كلمتا الخير والشر وما في معناهما يختلف المرادُ منهما حسب اختلافِ المواضع.

ترجمہ: اور اسی قبیل سے (یعنی ایک کلمہ سے دو معنی مراد لینے کے قبیل سے) ہے لفظ "جعَل" اور "شیئ" اور ان دونوں کے مانند دیگر الفاظ کا مختلف معانی کے لئے آنا (چنانچہ)

کبھی "جَعَلَ" خَلَقَ کے معنی میں آتا ہے، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿جَعَلَ الظُّلُمَاتِ والنُّوْرَ﴾: اللہ نے تاریکیاں اور روشنی پیدا کی (سورۂ انعام آیت ۱)

اور کبھی "جَعَلَ" اعْتَقَدَ کے معنی میں آتا ہے، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأ﴾: اور وہ اللہ کے لئے ٹھہراتے ہیں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے (سورۂ انعام آیت ۱۳۶)

اور "شیئ" فاعل، اور مفعول بہ اور مفعول مطلق اور ان کے علاوہ کی جگہ میں آتا ہے، جیسے: ارشاد خداوندی ہے: ﴿أَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾ یعنی مِنْ غَيْرِ خَالِقٍ: کیا یہ لوگ کسی خالق کے بغیر خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ (سورۂ طور آیت ۳۵ ـــــ یہ اسم فاعل کی جگہ "شیئ" کو ذکر کرنے کی مثال ہے)

اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَلاَ تَسْأَلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ﴾: مجھ سے کوئی چیز نہ پوچھنا، یعنی میرے معاملہ میں سے جس معاملہ میں آپ کو تأمل ہو اس کے بارے میں نہ پوچھنا (سورۂ کہف آیت ۷۰ ـــــ یہ اَمْرِیْ کی جگہ "شیئ" کو ذکر کرنے کی مثال ہے، یعنی مذکورہ دونوں مثالیں فاعل، اور مفعول بہ،

اور مفعول مطلق کے ماسواء کی ہیں، اور فاعل کی جگہ "شیئ" کوذکر کرنے کی مثال یہ ہے: ﴿وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اَیْ زَوْجٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ﴾ (سورۂ ممتحنہ آیت ۱۱)

اور مفعول بہ کی جگہ "شیئ" کوذکر کرنے کی مثال یہ ہے: ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾ اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو (سورۂ نساء آیت ۳۶) اور مفعول مطلق کی جگہ "شیئ" کوذکر کرنے کی مثال یہ ہے: ﴿وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ای من الضُّرِّ﴾: ان کا فریب تم کو کوئی نقصان نہیں دے گا (آل عمران آیت ۱۲۰)

اور کبھی اللہ تعالیٰ اَمْرٌ، نَبَأ اور خَطْبٌ سے مُخْبَر عنہ یعنی خبر اور قصہ مراد لیتے ہیں، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿هُوَ نَبَأٌ عَظِيْمٌ یعنی قِصَّةٌ عَجِيْبَةٌ﴾ یہ ایک بڑی خبر ہے —— (سورۂ صٓ آیت ۶۷)، اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ﴾ بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں (سورۂ نبأ آیت ۲) اور ارشاد خداوندی ہے: قَالَ: بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا: یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ تم نے اپنی طرف سے ایک قصہ گھڑ لیا ہے (سورۂ یوسف آیت ۱۸ و ۸۳) اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ؟﴾ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اب تم کو کیا مہم در پیش ہے اے فرستادو؟ (سورۂ حجر آیت ۵۷، سورۂ ذاریات آیت ۳۱) اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿قَالَ: فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ﴾ موسی علیہ السلام نے فرمایا: اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟ (سورۂ طٰہٰ آیت ۹۵ —— پہلی مثال کے علاوہ تمام مثالیں الفوز الکبیر کے شارح مولانا خورشید انور صاحب فیض آبادی نے بڑھائی ہیں)

اور اسی طرح لفظ "خیر" اور لفظ "شر" اور جو الفاظ ان دونوں کے ہم معنی ہیں (جیسے لفظ حسنة اور سیئة) ان کی مراد مواقع کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے۔

☆ ☆ ☆

انتشار آیات کا بیان

انتشار آیات کے معنی ہیں: آیتوں کا ترتیب میں آگے پیچھے ہونا، جس طرح انتشار ضمائر فہم مراد میں دشواری کا سبب ہوتا ہے، اسی طرح انتشار آیات سے بھی فہم مراد میں دشواری ہوتی ہے، اور انتشار آیات کی کئی صورتیں ہیں:

(۱) کبھی ایک آیت جس کو قصے کے اختتام پر ذکر کرنا چاہیے تھا، اس کو قصہ ختم ہونے سے پہلے ذکر کیا جاتا ہے، پھر قصہ پورا کیا جاتا ہے، جیسے ارشاد خداوندی ہے:﴿ فَذَبَحُوْهَا، وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (البقرۃ ۷۱) پھر اس (بچھڑے) کو ذبح کیا، اور کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے —— پھر آیت ۷۲ و ۷۳ میں قصہ کا ابتدائی حصہ بیان کیا ہے۔ تاکہ وہ ﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ ﴾ سے متصل رہے۔

(۲) کبھی جو آیت نزول کے اعتبار سے مقدم ہوتی ہے اس کو تلاوت اور ترتیب میں مؤخر کردیا جاتا ہے، جیسے ﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۴۴) نزول کے اعتبار سے مقدم ہے، اور ﴿ سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۴۲) نزول کے اعتبار سے مؤخر ہے، اور تلاوت میں اس کے برعکس ہے۔

(۳) اور کبھی کافروں کے کلام کے بیچ میں ان کی بات کا جواب دیا جاتا ہے، جیسے ارشاد خداوندی ہے:﴿وَلَا تُؤْمِنُوْا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ —— قُلْ: إِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ —— اَنْ يُّؤْتٰى اَحَدٌ مِثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ ﴾: اور تم بجز اس شخص کے جو تمہارے دین کا پیرو ہے کسی کے سامنے یہ اقرار نہ کرنا —— آپ فرما دیجئے کہ: یقیناً ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے —— کہ کسی کو ایسی چیز مل سکتی ہے جیسی تم کو ملی ہے (سورۂ آل عمران آیت ۷۳) اس آیت میں یہود کے قول کے درمیان: قُلْ: اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ سے ان کی بات کا جواب دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے فہم مراد میں دشواری پیدا ہو گئی ہے اگر اَنْ يُّؤْتٰى اَحَدٌ مِثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ کو مقدم اور قُلْ: اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ کو مؤخر کردیا جاتا تو فہم مراد میں کوئی دشواری پیش نہ آتی۔

ومن هذا القبيل: انتشارُ الآياتِ: قد يُبادِر إلى آيةٍ مقامُها الأصلي بعدَ إيرادِ القصةِ، فيذكرها قبلَ تمامِ القصةِ، ثم يعود إلى القصة فيُتِمُّهَا

وقد تكون الآيةُ: متقدمةً في النزولِ، متأخرةً في التلاوةِ نحوُقولِه تعالى: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ﴾ مقدمةٌ في النزولِ وقولِه تعالى:﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ﴾ متأخرةٌ؛ وفي التلاوةِ بالعكس.

وقد يُدرَج الجوابُ في تضاعيف أقوالِ الكفارِ، نحو قولِه تعالى : ﴿وَلَا تُؤْمِنُوْا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ــ قُلْ: إِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ــ اَنْ يُّؤْتٰى اَحَدٌ مِثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ ﴾

ترجمہ:اور اسی (یعنی انتشار ضمائر کے) قبیل سے ہے انتشار آیات: کبھی اللہ تعالیٰ سبقت فرماتے ہیں ایسی آیت کی طرف جس کا اصلی مقام قصہ کے تذکرہ کے بعد ہوتا ہے، پس اس کو قصہ پورا ہونے سے پہلے ذکر فرماتے ہیں، پھر قصہ کی طرف لوٹتے ہیں، اور اس کو مکمل فرماتے ہیں۔

اور کبھی آیت نزول میں مقدم ہوتی ہے، اور تلاوت میں مؤخر، جیسے ارشاد خداوندی: ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ﴾ نزول میں مقدم ہے اور ارشاد خداوندی: ﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ﴾ مؤخر ہے، اور تلاوت میں برعکس ہے۔

اور کبھی جواب داخل کیا جاتا ہے کافروں کے اقوال کے بیچ میں، جیسے ارشاد خداوندی ہے: اور تم کسی کے سامنے اقرار نہ کرنا مگر اس شخص کے سامنے جو تمہارے دین کا پیرو ہے —— آپ فرمادیجئے: یقیناً ہدایت اللہ کی ہدایت ہے —— کہ کسی کو ایسی چیز مل سکتی ہے جیسی تم کو ملی ہے۔

لغات: اَدْرَجَ الشَّيْءَ فی الشَّيْءِ: داخل کرنا..... تَضَاعِيْف: درمیان، بیچ، ضمن۔

وبالجملة: فهذه المباحثُ تحتاج إلى تفصيلٍ كثيرٍ، وفيما ذكرناه كفايةٌ؛ ومن قرأ القرآنَ الكريمَ من أهل السعادة، واستحضر هذه الأمورَ عند تلاوته؛ أدرك بأدنى تأملٍ غرضَ الكلام ومغزاه، ويقيس غيرَ المذكورِ على المذكورِ، وينتقل من مثالٍ إلى أمثلةٍ أخرى.

ترجمہ: الحاصل یہ مباحث (یعنی وہ امور جو فہم مراد میں دشواری پیدا کرتے ہیں) مزید تفصیل کے محتاج ہیں، اور ہم نے جو باتیں ذکر کی ہیں وہ کافی ہیں، اور سعادت مندوں میں سے جو قرآن کریم (سمجھ کر) پڑھے گا، اور ان باتوں کو تلاوت کے وقت ذہن میں رکھے گا، وہ (ان شاء اللہ) معمولی غور وفکر سے کلام خداوندی کی غرض اور اس کا مقصد پالے گا، اور غیر مذکور کو مذکور پر قیاس کرے گا، اور ایک مثال سے دوسری مثالوں کی طرف منتقل ہوگا۔

فصل پنجم

محکم، متشابہ، کنایہ، تعریض اور مجاز عقلی کے بیان میں

محکم کا بیان: محکم وہ کلام ہے جس سے زبان کا جاننے والا ایک ہی معنی سمجھے، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ﴾ تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں (سورۂ نساء آیت ۲۳) مگر یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ یہاں پہلے زمانہ کے عربوں کی سمجھ کا اعتبار ہے، ہمارے زمانہ کے محققین کا، جو بال کی کھال نکالتے ہیں اور ہندی کی چندی کرتے ہیں، ان کی سمجھ کا اعتبار نہیں، کیونکہ فضول تحقیق و تدقیق ایسی لاعلاج بیماری ہے جو محکم کو مبہم اور معلوم کو نامعلوم بنا دیتی ہے۔

الفصلُ الخامسُ

في

بيانِ المحكمِ، والمتشابهِ والكنايةِ والتعريضِ والمجازِ العقلي

المحكمُ

لِيُعلم أن المحكمَ هو مالا يُدرِك العارفُ باللغة من ذلك الكلامِ إلا معنى واحدًا؛ والمعتبرُ فَهمُ العربِ الأولين، لافهمُ مدقِّقِيْ زماننا الذين يشقُّون الشَّعرةَ، فإن التدقيقَ الفارغَ داءٌ عُضالٌ يجعلُ المحكَمَ متشابها، والمعلومَ مجهولاً.

ترجمہ: پانچویں فصل محکم، متشابہ، کنایہ، تعریض اور مجاز عقلی کے بیان میں: محکم کا بیان: جاننا چاہئے کہ محکم وہ کلام ہے جس سے زبان کا جاننے والا ایک ہی معنی سمجھے، اور (ایک ہی معنی سمجھنے میں) پہلے زمانہ کے عربوں کی سمجھ کا اعتبار ہے، نہ کہ ہمارے زمانہ کے ان محققین کی سمجھ کا جو بال کی کھال نکالتے

ہیں، کیونکہ فضول تحقیق ایسی لاعلاج بیماری ہے جو محکم کو متشابہ اور معلوم کو مجہول بنادیتی ہے۔

☆ ☆ ☆

متشابہ کا بیان

اور متشابہ: وہ کلام ہے جو دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے بچند وجوہ:

(۱) یا تو اس وجہ سے کہ کلام میں جو ضمیر ہے وہ دو مرجعوں کی طرف لوٹ سکتی ہے، جیسے کوئی کہے: اَمَا اِنَّ الامیرَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَلْعَنَ فُلاَنًا، لَعَنَهُ اللّٰهُ (سنو! حاکم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فلاں پر لعنت کروں، اللہ کی لعنت ہو اس پر) اس قول میں لَعَنَهُ اللّٰهُ کی ضمیر کا مرجع "فلان" بھی ہو سکتا ہے، اور حاکم بھی ہو سکتا ہے۔

(۲) یا اس وجہ سے کہ ایک کلمہ دو معنوں میں مشترک ہے، جیسے ارشاد خداوندی: ﴿لاَمَسْتُمْ﴾ (سورۂ نساء آیت ۴۳ اور سورۂ مائدہ آیت ۶) ہم بستری اور ہاتھ سے چھونے کے معنی میں مشترک ہے۔

(۳) یا اس وجہ سے کہ ایک کلمہ کا عطف قریب پر بھی ہو سکتا ہے اور بعید پر بھی، جیسے ارشاد خداوندی: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۶) میں اَرْجُلِكُمْ کا عطف کسرہ والی قرأت میں رُءُ وْسِكُمْ پر بھی ہو سکتا ہے، اور وُجُوْهَكُمْ پر بھی ہو سکتا ہے، اور جَرّ، جَرِ جوار ہو۔

(۴) یا اس وجہ سے کہ ایک جملہ میں عطف کا بھی احتمال ہے اور استیناف کا بھی، جیسے ارشاد خداوندی: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهُ إِلاَّ اللّٰهُ، والرَّاسِخُوْنَ فِي العِلْمِ﴾ (سورۂ آل عمران آیت ۷) میں یہ بھی احتمال ہے کہ ﴿والرَّاسِخُوْنَ فِي العِلْمِ﴾ کا عطف "اللّٰهُ" پر ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ﴿والرَّاسِخُوْنَ فِي العِلْمِ﴾ جملہ مستانفہ ہو۔

تنبیہ: یہاں شاہ صاحب نے محکم اور متشابہ کی جو تعریفات کی ہیں وہ عرف شرع کے اعتبار سے ہیں، اور اصول فقہ میں محکم اور متشابہ کی جو تعریفات کی جاتی ہیں وہ اس سے مختلف ہیں، کیونکہ اصول فقہ میں اصولیوں کی اصطلاح کے اعتبار سے تعریف کی جاتی ہے، اور یہاں عرف شرع کے اعتبار سے تعریف کی گئی ہے اور دونوں اصطلاحوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، شرعی اصطلاح عام ہے اور فقہی اصطلاح خاص ہے، اس فرق کو اگر آپ ذہن میں رکھیں تو

ان شاء اللہ کوئی الجھن پیش نہیں آئے گی۔

المتشابه

والمتشابهُ هو ما يحتمل معنيين:

●لاحتمالِ رجوعِ الضميرِ إلى المَرْجَعَيْنِ، كما قال رجلٌ: "أمَا إن الأميرَ أمرني أن ألْعَنَ فُلانا، لعنه اللّٰهُ!"

●أو لاشتراكِ الكلمةِ في معنيين،نحوُ قوله تعالى﴿لاَمَسْتُمْ﴾في الجماع واللمسِ باليد.

● أو لاحتمالِ العطفِ على القريبِ والبعيدِ، نحوُ قوله تعالى:﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَأرْجُلِكُمْ﴾في قراءةِ الكسرِ.

●أو لاحتمالِ العطفِ والاستينافِ، نحوُ قوله تعالى:﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهُ إلاَّ اللّٰهُ، والرَّاسِخُوْنَ فِي العِلْمِ﴾.

ترجمہ: متشابہ کا بیان: اور متشابہ وہ کلام ہے جو دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے:

ضمیر کے دو مرجعوں کی طرف لوٹنے کے احتمال کی وجہ سے، جیسے کسی شخص نے کہا: سنو! امیر نے مجھے حکم دیا کہ میں فلاں پر لعنت کروں، اللہ کی لعنت ہو اس پر۔

یا ایک کلمہ کے دو معنوں میں مشترک ہونے کی وجہ سے، جیسے ارشاد خداوندی: ﴿ لاَمَسْتُمْ﴾ ہم بستری اور ہاتھ سے چھونے میں مشترک ہے۔

یا قریب اور بعید پر عطف کے احتمال کی وجہ سے، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَأرْجُلِكُمْ ﴾ کسرہ والی قرأت میں۔

یا عطف اور استیناف کے احتمال کی وجہ سے، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهُ إلاَّ اللّٰهُ، والرَّاسِخُوْنَ فِي العِلْمِ﴾

☆ ☆ ☆

کنایہ کا بیان

كِنَايَة؛ كَنَا يَكْنُوْ يا كَنٰى يَكْنِيْ بكذا وعن كذا کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: صراحت نہ کرنا اور اصطلاحی معنی ہیں: لفظ بول کر اس کے لازم معنی کا ارادہ کرنا، چاہے لزوم عادی ہو

یا عقلی، جیسے عَظِیْمُ الرَّمَادِ (بہت راکھ والا) بول کر کثرت ضیافت کا ارادہ کرنا، اور ﴿یَدَاہُ مَبْسُوْطَتَانِ﴾ (اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) سے کثرت سخاوت کا ارادہ کرنا "کنایہ" ہے۔

الكناية:

والكنايةُ هي أن يُثْبِتَ حكما من الأحكام، ولا يَقْصُد به ثبوتَ ذلك الأمرِ بعينِه، بل يقصُد أن ينتقلَ ذهنُ المخاطبِ إلى لازمِهِ بلزومٍ عاديٍ أوعقليٍ، كما يُفْهَمُ معنى كثرةِ الضيافةِ من قولِهم: "عظيمُ الرَّمَادِ" ويُفْهَمُ معنى السخاوةِ من قولِه تعالى: ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ﴾.

ترجمہ: کنایہ کا بیان: اور کنایہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ احکام میں سے کوئی حکم ثابت فرمائیں، اور اس سے بعینہٖ اس حکم کے ثبوت کا ارادہ نہ فرمائیں، بلکہ اس بات کا ارادہ فرمائیں کہ سامع کا ذہن منتقل ہو اس کے لازم کی طرف لزوم عادی یا عقلی کی وجہ سے، جیسے کثرت ضیافت کے معنی سمجھے جاتے ہیں لوگوں کے قول: عَظِیْمُ الرَّمَادِ (بہت راکھ والے) سے، اور سخاوت کے معنی سمجھے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿بَلْ یَدَاہُ مَبْسُوْطَتَانِ﴾ (بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) سے (سورۂ مائدہ آیت ۶۴)

☆ ☆ ☆

معنویات کو محسوس پیکر میں بیان کرنا بھی کنایہ کی ایک صورت ہے

کبھی معنویات کو محسوس پیکر میں بیان کیا جاتا ہے یعنی مرادی معنی کا نقشہ کھینچا جاتا ہے، اور یہ منظر کشی بھی کنایہ کی ایک قسم ہے، شعراء کے کلام میں اور خطیبوں کے بیان میں یہ بات بکثرت پائی جاتی ہے، قرآن کریم اور احادیث نبویہ بھی اس سے بھری پڑی ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے اس سلسلہ کی تین مثالیں اور عرف سے متعدد نظریں پیش کی ہیں، جن کی تفصیل متن میں آرہی ہے۔

تصويرُ المعنى المرادِ بالصورةِ المحسوسةِ:

وتصويرُ المعنى المرادِ بالصورةِ المحسوسةِ من هذا القبيلِ؛ وذلك بابٌ واسعٌ في أشعارِ العربِ وخُطَبِهم؛ والقرآنُ العظيمُ وسنةُ نبينا صلى الله عليه وسلم مشحونٌ به، نحوُ:

●قوله تعالى:﴿وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ﴾:شبّه الشيطانَ برئيس قُطّاع الطريقِ، حيث ينادى أصحابَه، فيقول:"تعالَ من هذه الجهة" و"ادْخل من تلك الجهة".

●وقوله تعالى:﴿وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا﴾وقوله تعالى: ﴿إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلاَلاً﴾شبّه إعراضهم عن تدبُّر الآياتِ بِمَنْ غُلَّتْ يداه، أو بُنِيَ حواليه سَدٌّ من كلِ جهةٍ فلم يستطع النظرَ أصلاً.

●وقوله تعالى:﴿وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ﴾يعنى اجْمَعْ خاطرَك، ودَع الاضطرابَ وقَلَقِ البالِ.

ترجمہ: معنی مرادی کا محسوس صورت میں نقشہ کھینچنا: اور معنی مرادی کی محسوس صورت میں منظر کشی اسی (کنایہ کے) قبیل سے ہے، اور یہ ایک وسیع باب (قسم) ہے عربوں کے اشعار اور ان کے خطبوں میں، اور قرآن عظیم اور ہمارے نبی ﷺ کی احادیث اس سے بھری ہوئی ہیں، جیسے:

۱- ارشاد خداوندی ہے:﴿وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ﴾: تو ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھالا (سورۂ اسراء آیت ۶۴ —— اس ارشاد میں) اللہ تعالیٰ نے شیطان کو راہ زنوں کے سردار کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جب وہ اپنے چیلوں کو للکارتا ہے، اور کہتا ہے: اِدھر سے حملہ کرو، اور اُدھر سے گھس پڑو۔

۲- اور ارشاد خداوندی ہے:﴿وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا﴾اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار بنادی (سورۂ یٰس آیت ۹) اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلاَلاً﴾: بیشک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں (سورۂ یٰس آیت ۸ —— ان دونوں ارشادوں میں) اللہ تعالیٰ نے قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر کرنے سے کافروں کی روگردانی کو تشبیہ دی ہے ایسے شخص سے جس کے دونوں ہاتھ طوق سے جکڑ دیئے گئے ہوں، یا جس کے ارد گرد ہر طرف سے دیوار چن دی گئی ہو جس کی وجہ سے وہ بالکل دیکھ نہ سکتا ہو۔

۳- اور ارشاد خداوندی ہے:﴿وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ﴾: اپنا بازو اپنی طرف ملالو ڈر سے (سورۂ قصص آیت ۳۲) یعنی اپنے دل کو تھامو، اور بے چینی اور دل کی پریشانی کو دفع کرو (اس ارشاد خداوندی میں اللہ تعالیٰ نے دل کو تھامنے اور قابو میں رکھنے کو اس پرندے سے تشبیہ دی ہے جو

گھبراہٹ اور پریشانی کے وقت اپنے بازو ملالیتا ہے تاکہ گھبراہٹ دور ہو)

لغات:

صَوَّرَہٗ تَصْوِیْرًا: منظر کشی کرنا، نقشہ کھینچنا...... مَشْحُوْنٌ: بھرا ہوا، شَحَنَ(ف) شَحْنًا المدینةَ بالخیل: بھرنا...... الخَیْلُ: گھوڑوں کا گروہ جمع خُیُوْلٌ و اَخْیَال، اور مجازاً خَیْل کا اطلاق سواروں پر بھی ہوتا ہے...... رَجِلٌ؛ رَاجِلٌ کی جمع ہے: پیدل چلنے والا، کہاجاتا ہے: اَتٰی بِخَیْلِهٖ ورَجِلِهٖ: وہ اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ آیا...... اَغْلَال، غُلٌّ کی جمع ہے: ہتھکڑی یا طوق...... غَلَّهٗ(ن) غَلاًّ: ہاتھ میں ہتھکڑی یا گلے میں طوق ڈالنا...... قَلِقَ(س) قَلَقًا: مضطرب ہونا، بے قرار ہونا۔

ونظیرُ ذلك فی العُرْفِ:

● أنه إذا أراد أحدٌ أن یُبینَ شَجاعةَ رَجُلٍ یشیرُ بالسیفِ أنه یضربُ إلی هذه الجهةِ، ویضربُ إلی تلك الجهةِ، ولیس مقصودُه إلا بیانَ غلبتِه أهلَ الآفاقِ بصفةِ الشَجاعةِ، ولو لم یأخذِ السَّیْفَ بیدِه مرةً من الدهرِ.

● أو یقولون: فلان یقول: "لاأریٰ أحدا علیٰ وجهِ الأرضِ یُبارِزُنی"؛ أو یقولون: "فلان یفعلُ کذا وکذا" ویشیرون بهیئةِ أهلِ المُبارزةِ وقتَ مُغالَبةِ الخَصْمِ؛ ولو لم یصدُرْ عنه هذا القولُ قَطُّ، ولم یفعل هذا الفعلَ أصلاً.

● أو یقولون: " فلانٌ خَنَقَنی ونَزَعَ اللُقْمَةَ من فَمِی "

ترجمہ: اور عرف میں اس کی نظیر: یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی مرد کی بہادری بیان کرنا چاہتا ہے تو تلوار سے اشارہ کرتا ہے کہ فلاں مرد اِدھر مارتا ہے اور اُدھر مارتا ہے، اور اس (تلوار چلانے والے) کا مقصد نہیں ہوتا مگر وصف بہادری سے اہل دنیا پر اس (بہادر مرد) کے غلبہ (اور تسلط) کو بیان کرنا (یعنی جو شخص کسی کی بہادری بیان کرنا چاہتا ہے، وہ اِدھر اُدھر تلوار چلا کر اشارہ کرتا ہے کہ فلاں مرد اپنی بہادری کی وجہ سے پوری دنیا پر چھا گیا ہے) اگرچہ اس (بہادر مرد) نے اپنے ہاتھ میں زندگی میں ایک مرتبہ بھی تلوار نہ پکڑی ہو۔

یا لوگ کہتے ہیں: فلاں شخص یوں کہتا ہے کہ: مجھے روئے زمین پر کوئی مائی کا لال نظر نہیں آتا جو مجھ

سے مقابلہ کر سکے ـــــ یا لوگ کہتے ہیں: فلاں شخص ایسا ایسا کرتا ہے اور اشارہ کرتے ہیں حریف پر غلبہ کے وقت اہل مبارزت (لڑنے والوں) کی ہیئت سے، اگرچہ اس نے کبھی یہ بات نہ کہی ہو، یا یہ کام بالکل نہ کیا ہو۔

یا لوگ کہتے ہیں: فلاں نے میرا گلا گھونٹ دیا، اور میرے منہ میں سے لقمہ نکال لیا (یہ سب معنی مرادی کو محسوس صورت میں پیش کرنے کی تعبیرات ہیں جو عرف میں رائج ہیں)

☆ ☆ ☆

تعریض کا بیان

عَرَّضَ له بالقول کے لغوی معنی ہیں: کسی پر ڈھال کر بات کہنا، گول گول بات کہنا، کھول کر نہ کہنا، اس کی ضد تصریح ہے یعنی صاف صراحت سے بات کہنا اور اصطلاحی معنی ہیں: کوئی عام بات کہہ کر کسی خاص شخص کی حالت کی طرف اشارہ کرنا یا کسی معین شخص کی حالت پر تنبیہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے کلام پاک میں کبھی کوئی عام حکم یا غیر معین بات ذکر فرماتے ہیں اور مقصود کسی خاص شخص کی حالت کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے یا کسی معین شخص کی حالت پر تنبیہ مقصود ہوتی ہے، اسی کا نام تعریض ہے، تعریض میں بات کے دوران اس شخص کی بعض خصوصیات بھی ذکر کی جاتی ہیں، جن خصوصیات کی وجہ سے مخاطب اس شخص کو پہچان لیتا ہے، ایسی جگہ میں قاری قرآن سوچ میں پڑ جاتا ہے اور وہ آیت کو سمجھنے کے لئے شان نزول کا محتاج ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ بھی تعریض استعمال فرماتے تھے، جب آپ کسی پر نکیر فرماتے تو ارشاد فرماتے: کیا بات ہے لوگ یہ یہ کام کرتے ہیں، اور قرآن میں تعریض کی مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ (سورۂ احزاب آیت ۳۶)	اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایمان دار عورت کے لئے گنجائش نہیں جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا فیصلہ فرمادیں کہ ان کو ان کے معاملہ میں کوئی اختیار رہے۔

اس ارشاد خداوندی میں حضرت زینب بن جحش اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش

کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اور وہ واقعہ یہ ہے کہ: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے تھے جب جوان ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نکاح کے لئے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش کا انتخاب فرما کر نکاح کا پیغام دیا، مگر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ چونکہ آزاد کردہ غلام تھے، اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا قریش کے معزز خاندان کی خاتون تھیں، اس لئے زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اس رشتہ سے انکار کر دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، تو حضرت زینب اور ان کے بھائی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہما دونوں رضامند ہو گئے اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح ہو گیا۔

(۲) اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ، وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا، أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ، وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (سورۂ نور آیت ۲۲)	اور جو لوگ تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرما دیں بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

اس ارشاد خداوندی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مِسطح بن اُثاثہ رضی اللہ عنہ جو حضرت ابو بکر صدیق کے عزیز قریب اور غریب آدمی تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی امداد فرمایا کرتے تھے، جب واقعہ افک میں ان کی یک گونہ شرکت ثابت ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیق کو رنج ہوا، اور قسم کھالی کہ آئندہ ان کی کوئی مالی مدد نہیں کریں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، احادیث میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب سنا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ: کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرمائیں، تو فوراً بول اٹھے: بَلٰی یَا رَبَّنَا إِنَّا نُحِبُّ: بیشک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں یہ کہہ کر حضرت مسطح کی جو امداد پہلے کیا کرتے تھے وہ بدستور جاری کر دی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دوگنی کر دی، رضی اللہ عنہما۔

التعریض

والتعریضُ أن یذکرَ اللّٰهُ تعالی حکما عاما أو مُنکرًا، ویکونُ الغرضُ منه الإیماءَ إلی حالِ رجلٍ خاصٍ، أو التنبیهَ علی حالِ رجلٍ معینٍ، ویأتي في غُضونِ الکلام بعضُ خصوصیاتِ ذلك الرجلِ التی یُعرِّف المخاطبَ علیه، فیغرَق القارئ فی الفکر فی مثلِ هذا الموضع، ویحتاج إلی تلك القصةِ؛ و کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إذاأراد أن یُنکِرَ علی شخصٍ یقول:" مابالُ أقوامٍ یفعلون کذا و کذا"،وکما:

● فی قولِه تعالی: ﴿وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلاَ مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا﴾ الآیة تعریضٌ لقصةِ زینبَ وأخیها.

● وفی قولِه تعالی: ﴿وَلاَیَاْتَلِ أُوْلُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ﴾ تعریضٌ بابی بکر الصدیقِ رضی اللّٰه عنه.

ففی هذه الصُّورِ مالم یطلعوا علی تلك القصةِ لایُدْرِکون فَحْوىَ الکلام.

ترجمہ: تعریض کا بیان: اور تعریض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عام حکم یا غیر معین بات ذکر فرمائیں، اور اس کا مقصد کسی خاص شخص کے حال کی طرف اشارہ کرنا، یا کسی معین شخص کی حالت پر تنبیہ کرنا ہو، اور کلام کے بیچ میں اس شخص کی بعض خصوصیات آتی ہیں جو مخاطب کو اس شخص کی پہچان کراتی ہیں، اس لئے قرآن پاک کا پڑھنے والا ایسی جگہوں میں سوچ میں ڈوب جاتا ہے، اور اس واقعہ کا محتاج ہوتا ہے، اور نبی کریم ﷺ جب کسی شخص پر نکیر کرتے تو فرماتے کہ: "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسے ایسے کام کرتے ہیں" اور جیسے

۱- ارشاد خداوندی: ﴿وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلاَ مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا﴾: میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

اور ارشاد خداوندی: ﴿وَلاَیَاْتَلِ أُوْلُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ﴾: میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔

پس ان صورتوں میں جب تک لوگوں کو وہ واقعہ معلوم نہ ہو کلام خداوندی کا مطلب نہیں سمجھ سکتے۔

لغات:

غُضُوْن: غَضَنٌ اور غُضْنٌ کی جمع ہے: درمیان، بیچ، کپڑے کی شکن، سلوٹ...... غرِق (س)

غرقًا فی الماء: ڈوبنا...... أنكرَ عليه فِعلَهٗ: عیب لگانا اور منع کرنا...... فَحوَی الکلام: مضمون کلام، مطلب، مفہوم جمع فَحاوٍ.

☆ ☆ ☆

مجاز عقلی کا بیان

مجاز عقلی یہ ہے: فعل یا شبہ فعل کی کسی ملابست ومناسبت کی وجہ سے غیر فاعل یا غیر مفعول بہ کی طرف نسبت کرنا، قرآن پاک میں اس کی مثالیں بے شمار ہیں، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ اور جب اللہ کی آیات ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیات ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہے (سورۂ انفال آیت ۲) اس ارشاد میں زَادَتْ کی نسبت آیات کی طرف کی گئی ہے، یہ اسناد مجاز عقلی ہے، کیونکہ حقیقت میں ایمان زیادہ کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں، اور آیات ایمان میں زیادتی کا سبب ہیں ـــــ اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَ هُمْ﴾ فرعون ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا (سورۂ قصص آیت ۴) اس ارشاد میں ذبح کرنے کی نسبت فرعون کی طرف کی گئی ہے، یہ اسناد مجاز عقلی ہے، کیونکہ حقیقت میں ذبح کرنے والے فرعون کے نوکر چاکر تھے، اور فرعون صرف حکم دینے والا تھا۔

المجاز العقلی

والمجاز العقلی: هو أن يُسْنَدَ الفعلُ إلى غير فاعله، أو يُجعلَ المفعولُ به ماليس بمفعولٍ به فی الحقیقة، لعلاقة المشابهةِ بينهما، ويدَّعی المتكلمُ أنه داخلٌ فی عَداده، وفردٌ من أفراده

- كمايقولون: "بنی الأميرِ القصرَ" مع أن البانی بعضُ البنّائين.
- وكما يقولون: "أنبتَ الربيعُ البقلَ" مع أن المنبِت هو اللّٰه سبحانه وتعالى فی فصل الربيع، واللّٰه أعلم بالصواب.

ترجمہ: مجاز عقلی کا بیان: اور مجاز عقلی یہ ہے کہ: فعل کی اس کے فاعل کے علاوہ کی طرف نسبت کرنا، یا جو حقیقت میں مفعول بہ نہیں ہے اس کو مفعول بہ بنانا، ان دونوں (یعنی فاعل اور غیر فاعل، یا مفعول

بہ اور غیر مفعول بہ) کے درمیان علاقۂ مشابہت کی وجہ سے، اور متکلم کا دعوی کرنا کہ یہ (غیر فاعل اور غیر مفعول بہ) اس (فاعل یا مفعول بہ) کی گنتی میں داخل ہے، اور اس کے افراد میں سے ایک فرد ہے۔

جیسے لوگ کہتے ہیں: امیر نے محل تعمیر کیا، جبکہ تعمیر کرنے والا کوئی معمار ہوتا ہے ——— اور جیسے لوگ کہتے ہیں: موسم بہار نے سبزہ اگایا، حالانکہ اگانے والے اللہ سبحانہ وتعالی ہیں موسم بہار میں (پہلی مثال میں علاقۂ سببیت کی وجہ سے، اور دوسری مثال میں علاقۂ ظرفیت کی وجہ سے فعل کی غیر فاعل کی طرف نسبت کی گئی ہے) واللہ اعلم بالصواب

☆　　☆　　☆

استعارہ مَکْنِیَّہ کا بیان

شاہ صاحب نے چوتھی فصل کے شروع میں جن اسباب صعوبت کو اجمالی طریقہ پر بیان کیا ہے، ان سب کی وضاحت فرمادی، مگر استعارہ مکنیہ کی وضاحت نہیں فرمائی، اس لئے ذیل میں اس کی وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

استعارہ مکنیہ جس کو استعارہ بالکنایہ بھی کہتے ہیں یہ ہے: مشبہ بہ کو حذف کرنا، اور اس کے لوازم میں سے کسی لازم کو ذکر کر کے اس کی طرف اشارہ کرنا، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ اور سر میں بڑھاپے کا شعلہ بھڑک اٹھا، (سورۂ مریم آیت ۴) اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے رَأس (سر) کو وَقود (ایندھن) سے تشبیہ دی ہے، اور اشْتَعَلَ (شعلہ بھڑک اٹھا) سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللهِ﴾ جو لوگ اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں (سورۂ بقرۃ آیت ۲۷) اس میں اللہ تعالیٰ نے عہد کو حبل (رسی) کے ساتھ تشبیہ دی ہے، اور رسی کے لوازم میں سے نقض کو ذکر فرما کر اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب سوم

نظم قرآن کے لطائف کی توضیح،اور اس کے انوکھے انداز کی تشریح

فصل اول

قرآن کریم کی ترتیب،اور سورتوں کے اسلوب کی وضاحت

اس باب میں نظم قرآن کے لطائف اور خوبیوں کو بیان کیا جائے گا، اور قرآن کریم کے انوکھے انداز بیان کی تشریح کی جائے گی، اس باب میں کل چار فصلیں ہیں، ان میں سے پہلی فصل میں قرآن کریم کی موجودہ ترتیب اور سورتوں کے اسلوب کی وضاحت کی گئی ہے۔

قرآن کریم، مکاتیب کے مجموعہ کی طرح ہے

قرآن کریم میں جو علوم صراحۃً بیان کئے گئے ہیں وہ کل پانچ ہیں، پہلے باب کے شروع میں ان کی وضاحت گذر چکی ہے، لیکن ان علوم خمسہ کے مقاصد و مسائل کو الگ الگ ابواب اور فصلوں میں بیان نہیں کیا گیا ہے، جیسا کہ اہل متون کا طریقہ ہے، بلکہ قرآن کریم کا حال شاہی فرمانوں کے مجموعہ جیسا سمجھنا چاہئے، جس طرح ایک بادشاہ اپنی رعایا کے نام حسب ضرورت یکے بعد دیگرے فرمان جاری کرتا رہتا ہے، اور جب بہت سے فرمان ہو جاتے ہیں، تو کوئی شخص ان کو خاص ترتیب سے جمع کر دیتا ہے، اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت واصلاح کے لئے حالات کے تقاضوں کے مطابق آنحضور ﷺ پر متفرق سورتیں اور آیتیں نازل فرماتے رہے، نزول میں موجودہ ترتیب جو توقیفی ہے ملحوظ نہیں ہوتی تھی، البتہ نزول کے ساتھ ساتھ سماوی ترتیب کے مطابق سورتوں کو اور آیتوں کو لکھ لیا جاتا تھا۔

الباب الثالث

في

بيانِ لطائفِ نظمِ القرآنِ ، وشرحِ أسلوبِه البديع

الفصلُ الأولُ

في

ترتيبِ القرآنِ الكريمِ، وأسلوبِ السُّوَرِ فيه

لم يُجعلِ القرآنُ مبوبا مفصلا على مَنْهَجِ المتونِ، لِيُذكرَ كلُ مطلبٍ منه في بابٍ أوفصلٍ، بل افترضِ القرآنَ الكريمَ كمجموعةِ المكتوباتِ، فكما يُوجِّهُ الملوكُ إلى رعاياهم حَسَبَ متقضياتِ الأحوالِ فرمانًا، وبعدَ زمانٍ يكتبون فرمانا آخرَ، وهلم جرًّا،حتى تجتمعَ فرامينُ كثيرةٌ، فيدوِّنها شخصٌ ويجعلُها مجموعا مرتبا، كذلك أنزل الملِكُ على الإطلاقِ جلَّ شأنُه على نبيه صلى الله عليه وسلم لهدايةِ عبادِه سورةً بعدَ سورةٍ حَسَبَ مُتطلّباتِ الظروفِ.

تیسرا باب

نظم قرآن کے لطائف کی توضیح میں، اور اس کے انوکھے انداز کی تشریح میں

پہلی فصل

قرآن کریم کی ترتیب، اور اس کی سورتوں کے اسلوب کی وضاحت میں

قرآن کریم کو متون کے طرز پر ابواب وار اور فصل وار نہیں بنایا گیا ہے کہ اس کا ہر مسئلہ ایک

باب، یا ایک فصل میں ذکر کیا جائے، بلکہ قرآن کریم کو مکاتیب کے مجموعہ کی طرح سمجھنا چاہئے، پس جس طرح بادشاہ اپنی رعایا کی طرف ایک فرمان بھیجتے ہیں، حالات کے تقاضوں کے مطابق، اور ایک زمانہ کے بعد دوسرا فرمان لکھتے ہیں، اور اسی طرح سلسلہ چلتا رہتا ہے، یہاں تک کہ بہت سے فرمان اکٹھا ہو جاتے ہیں، تو ان کو ایک شخص مدون کر دیتا ہے اور ان کو مرتب مجموعہ بنا دیتا ہے، اسی طرح شہنشاہ مطلق جل شانہ نے اپنے نبی ﷺ پر اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے ایک سورت کے بعد ایک سورت نازل فرمائی، احوال کے تقاضوں کے مطابق۔

لغات:

لَطَائِفُ؛ لَطِيْفَة کی جمع ہے: نکتہ جس سے انبساط پیدا ہو...... اُسْلُوب: طرز، انداز بیان جمع اَسالیب...... بَدِيْع: انوکھا، نرالا، بَدُعَ (ک) بَدْعًا: انوکھا ہونا، بے مثال ہونا...... مَنْهَجٌ، وَمِنْهَجٌ: کشادہ راستہ، طریقہ جمع مَنَاهِج...... مَطْلَبٌ: مقصد، مسئلہ جمع مَطَالِب...... وَجَّهَهٗ الى فلانٍ: کسی کے پاس بھیجنا...... مُقْتَضَيَاتٌ؛ مُقْتَضٰى کی جمع ہے: تقاضا، مصلحت...... مُتَطَلَّبَاتٌ؛ مُتَطَلَّبٌ کی جمع ہے: تقاضا، مصلحت...... ظروف؛ ظَرْف کی جمع ہے، حالت۔

☆ ☆ ☆

تدوین قرآن کی تاریخ

آنحضرت ﷺ کے مبارک عہد میں قرآن کریم کی ہر سورت الگ الگ محفوظ تھی، مگر پورا قرآن کریم ایک جلد میں جمع نہیں کیا گیا تھا، کیونکہ قرآن کریم کا نزول مکمل نہیں ہوا تھا، اور جو سورتیں اور آیتیں نازل ہو چکی تھیں ان میں نسخ کا سلسلہ جاری تھا، جب آنحضرت ﷺ دنیا سے رحلت فرما گئے تو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے قرآن کریم کی تدوین کی طرف توجہ فرمائی، اور تمام سورتوں کو خاص ترتیب سے ایک جلد میں جمع فرمادیا، اور اس مجموعہ کا نام مُصْحَف رکھا، جس کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے:

"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ یمامہ کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا، میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، حضرت

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آ کر مجھ سے کہا کہ جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بڑی جماعت شہید ہو گئی، اور اگر آئندہ معرکوں میں اسی طرح قرآن کریم کے حفاظ شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ ناپید نہ ہو جائے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کریم کے جمع کرنے کا حکم دیں، میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جس کام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کو آپ کیسے کریں گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ مجھے اس کام پر شرح صدر ہو گیا، اور اب میری رائے بھی وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سمجھ دار نوجوان ہو، ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں، اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وحی کی کتابت کرتے رہے ہو، لہٰذا تم قرآن کریم کو تلاش کر کے جمع کرو۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھے اتنا مشکل معلوم نہ ہوتا جتنا قرآن کریم کے جمع کرنے کا حکم مشکل معلوم ہوا، چنانچہ میں نے کہا: آپ حضرات وہ کام کیسے کر رہے ہیں، جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بار بار یہی بات دہراتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ اس کام کے لئے کھول دیا، جس کام کے لئے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھول دیا تھا، چنانچہ میں نے کھجور کی شاخوں پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کریم تلاش کر کے جمع کرنا شروع کر دیا۔۔۔۔۔۔
پھر یہ صحیفے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہے، یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے۔ پھر حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے پاس رہے (بخاری شریف، باب جمع القرآن ص ۷۴۵)

> وقد كانت كلُ سورةٍ في عهدِ النبي صلى الله عليه وسلم محفوظةً مضبوطةً على حِدَةٍ، ثم دُوِّنَتِ السُوَرُ كلُها في مجلَّدٍ واحدٍ بترتيبٍ خاصٍ في عهدِ أبي بكرٍ وعمرَ رضي الله عنهما، وسُمِّيَ هذاالمجموعَ بالمُصْحَفِ

ترجمہ: اور نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں ہر سورت علیحدہ محفوظ اور ضبط شدہ تھی، پھر تمام سورتوں کو ایک جلد میں خاص ترتیب سے مدون کیا گیا حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک میں، اور نام رکھا اس مجموعہ کا مصحف۔

لغت:

مُصْحَفٌ (میم پر تینوں حرکتیں): لکھے ہوئے کاغذات کا مجلد مجموعہ، مجلد کتاب، جمع مَصَاحِفُ؛ علامہ سیوطی نے الاتقان فی علوم القرآن میں مظفری کے حوالہ سے یہ بات نقل فرمائی ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم جمع فرمالیا تو لوگوں سے کہا کہ: اس کا نام رکھو، چنانچہ بعض حضرات نے اس کا نام "انجیل" تجویز کیا، مگر یہ نام لوگوں کو پسند نہیں آیا، تو دوسرے حضرات نے اس کا نام "سِفْر" تجویز کیا، مگر لوگوں نے یہود کی مشابہت کی وجہ سے اس کو بھی ناپسند کیا، بالآخر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حبشہ میں ایک کتاب دیکھی ہے جس کو لوگ مُصْحَف کہتے ہیں، یہ نام سب کو پسند آیا اس لئے اس مجموعہ کا نام لوگوں نے مصحف رکھا (الاتقان نوع ۱۷)

☆ ☆ ☆

سورتوں کی تقسیم اور ان کی ترتیب

آیتوں کے کم و بیش ہونے کے اعتبار سے صحابہ کرام کے نزدیک قرآن کریم کی سورتیں چار قسموں میں منقسم تھیں: (۱) سَبْعِ طُوَل (۲) مِئُوْن (۳) مثانی (۴) اور مُفَصَّل۔

(۱) طُوَل؛ طُوْلٰی (اسم تفضیل مؤنث) کی جمع ہے؛ جیسے کُبَر؛ کُبْریٰ کی جمع ہے، اور سَبْعِ طُوَل کے معنی ہیں سات بڑی سورتیں —— صحابہ کرام قرآن کریم کی سات بڑی سورتوں کو جو سورۂ بقرہ سے شروع ہو کر سورۂ توبہ پر ختم ہوتی ہیں، سَبْعِ طُوَل کہتے تھے، اور سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کو ایک ہی سورت شمار کرتے تھے، کیونکہ ان دونوں سورتوں میں حضور اکرم ﷺ کے غزوات کا تذکرہ ہے، اسی لئے مصحف عثمانی میں ان دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ کے ذریعہ فصل نہیں کیا گیا۔

(۲) مِئُوْن؛ مِاَۃ (سو) کی جمع ہے، اور یہاں مئون سے مراد وہ سورتیں ہیں جن میں سو یا سو سے کچھ زائد آیتیں ہیں۔

(۳) مثانی: مَثْنٰی کی جمع ہے، جیسے معانی: معنٰی کی جمع ہے، اور مَثْنٰی کے معنی ہیں: دو دو، دوہرا، ڈبل اور یہاں مَثَانِیْ سے مراد وہ سورتیں ہیں جن میں سو سے کم آیتیں ہیں ——— ان سورتوں کو مثانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی تلاوت سَبْع طُوَلْ اور مِئُوْنْ کی بہ نسبت زیادہ کی جاتی ہے، یعنی ان کو بار بار دہرانے کی وجہ سے مثانی کہا جاتا ہے۔

(۴) مُفَصَّلْ: تفصیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اور مُفَصَّلْ سے مراد وہ سورتیں ہیں جن میں چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں، مشہور قول کے مطابق ان کی ابتداء سورۂ حجرات سے اور راجح قول کے مطابق سورۂ ق سے ہوتی ہے، پھر مفصل کی تین قسمیں ہیں: (۱) طِوَالِ مفصل (۲) اوساط مفصل (۳) قصارِ مفصل۔

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب میں عام طور پر پہلے طوال پھر مئون پھر مثانی پھر مفصل سورتوں کو رکھا گیا ہے، مگر بعض جگہوں میں اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا، مثلاً سورۂ رعد کی کل آیتیں ۴۳، اور سورۂ ابراہیم کی کل آیتیں ۵۲، اور سورۂ حجر کی کل آیتیں ۹۹، اور سورۂ مریم کی کل آیتیں ۹۸، اور سورۂ حج کی کل آیتیں ۷۸ ہیں، اس لئے یہ پانچوں سورتیں مثانی کے درمیان رکھی جانی چاہئے تھیں، مگر ان کو مئون کے درمیان رکھا گیا ہے، کیونکہ ان سورتوں کے مضامین مثانی کے بجائے مئون سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔

اسی طرح سورۂ شعراء کی کل آیتیں ۲۲۷، اور سورۂ صافات کی کل آیتیں ۱۸۲ ہیں، اس لئے ان کو بڑی سورتوں کے درمیان رکھنا چاہئے تھا، مگر ان کو مثانی کے درمیان رکھا گیا ہے، اس لئے کہ ان کے مضامین مثانی سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم کی موجودہ ترتیب میں ایک تصرف یہ بھی کیا گیا ہے کہ سورۂ انفال جو مثانی میں سے ہے، اور سورۂ توبہ جو مئون میں سے ہے، دونوں کو ملا کر سبع طول میں رکھا گیا ہے۔

تقسیمُ السُّور

وقد کانتِ السور مقسومةً عند الصحابةِ رضی اللّٰہ عنہم إلی أربعةِ أقسامٍ:

القسمُ الأولُ: السبعُ الطُّوَلُ التی ھی أطولُ السُّوَرِ.

والقسمُ الثانی: المِئُوْنُ: وھی التی تشتمل کلُ واحدةٍ منھا علی مِائَة آیةٍ، أو

تزيدُ قليلاً.
والقسمُ الثالثُ: المَثانی : وهی ماتقِلُّ آیاتُها عن المائةِ.
والقسمُ الرابعُ : المفصلُ
وقد أُدخِلَتْ سورتان أو ثلاثٌ هی من عِدادِ المَثانی فی المِئینَ، لمناسبةِ سیاقِها بسیاقِ المئینَ؛ وهکذا جری التصرفُ فی بعضِ الأقسامِ الأخری أیضًا.

ترجمہ: سورتوں کی تقسیم: اور سورتیں تقسیم شدہ تھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک چار قسموں کی طرف:
پہلی قسم: سبع طول ہے، جو سورتوں میں سب سے لمبی ہیں۔
اور دوسری قسم: مئون ہے، اور مئون وہ ہیں جن میں سے ہر ایک سورت سو آیتوں پر مشتمل ہے، یا کچھ بڑھی ہوئی ہے۔
اور تیسری قسم: مثانی ہے، اور مثانی وہ ہیں جن کی آیتیں سو سے کم ہیں۔
اور چوتھی قسم: مفصل ہے۔
اور داخل کی گئی ہیں دو یا تین سورتیں جو مثانی کی تعداد میں سے ہیں مئون میں، ان کے مضمون کے مئون کے مضمون سے مناسبت رکھنے کی وجہ سے، اور اسی طرح تصرف ہوا ہے بعض دوسری سورتوں میں بھی۔

☆ ☆ ☆

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کارنامہ

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قرآن کریم کی تمام سورتوں کو خاص ترتیب سے ایک جلد میں جمع کر کے اس کا نام مصحف رکھا گیا تھا۔
پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو حضرت عثمانؓ نے اسی مصحف صدیقی سے قرآن کریم کے چند نسخے تیار کرائے، اور ان نسخوں کو اطراف عالم میں پھیلا دیا، تاکہ مسلمان ان سے استفادہ کریں، اور دوسری ترتیب کی طرف متوجہ نہ ہوں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس کارنامہ کی تفصیل بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ:

آرمینیہ اور آذربیجان کو فتح کرنے میں اہل شام اور اہل عراق شریک تھے، وہاں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں ممالک کے مسلمانوں کے درمیان قرأتوں کا اختلاف دیکھا تو سخت پریشان ہوئے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ امیر المومنین اس سے پہلے کہ یہ امت اللہ کی کتاب میں یہود و نصاری کی طرح اختلاف کرے، آپ اس کی خبر لیجئے۔

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے وہ صحیفے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں تیار کئے گئے تھے، یہ کہہ کر منگوائے کہ ہم ان کو نقل کر کے واپس بھیج دیں گے ـــــ جب حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے بھیج دیئے تو حضرت عثمان نے حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص، اور حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث رضی اللہ عنہم کو ان کی نقلیں تیار کرنے کا حکم دیا، اور یہ کہا کہ جب تمہارا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قرآن کریم کے کسی کلمہ کے بارے میں اختلاف ہو تو اُسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا، کیونکہ قرآن کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔

ان حضرات نے حضرت عثمانؓ کے حکم کی تعمیل کی، اور جب ان حضرات نے صُحُف صدیقی سے چند نسخے تیار کر لئے تو حضرت عثمانؓ نے حسب وعدہ وہ صحیفے حضرت حفصہؓ کو واپس کر دیئے، اور حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف تیار کرائے تھے ان کو ہر طرف بھیج دیا، اور یہ حکم دیا کہ ان کے علاوہ جتنے مصاحف اور صحیفے ہیں ان کو نذر آتش کر دیا جائے (بخاری شریف ص ۷۴۶)

الغرض حضرت عثمانؓ نے مصحف صدیقی سے قرآن کریم کے پانچ یا سات نسخے تیار کرائے تھے، اور ان میں سے ایک نسخہ اپنے پاس رکھ لیا تھا، اور ایک ایک نسخہ مکہ، کوفہ، بصرہ، شام، یمن اور بحرین میں بھیج دیا تھا، اور ان کے علاوہ لوگوں کے پاس جتنے مصاحف اور صحیفے تھے ان کو نذر آتش کرنے کا حکم دیا تھا۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ درحقیقت جامع قرآن نہیں ہیں، بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور حضرت عثمانؓ جامع الناس علی القرآن ہیں، مگر حضرت ابو بکرؓ نے جو فریضہ انجام دیا تھا وہ عام طور پر لوگوں کی نگاہوں سے مخفی تھا، اور حضرت عثمانؓ نے جو کارنامہ انجام دیا وہ لوگوں کے سامنے آیا، اس لئے لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ قرآن کریم

کو جمع کرنے والے اور موجودہ ترتیب پر مرتب کرنے والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، لہٰذا یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن کریم کو جمع کرنے والے اور اس کو موجودہ ترتیب پر مرتب کرنے والے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نہیں، بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ (العون الکبیر)

القرآنُ فی عهدِ عثمانَ رضی اللّٰه عنه

وقد استنسخ عثمانُ رضی اللّٰه عنه عِدَّةَ نُسَخٍ من ذلك المُصْحَفِ، وأرسلها إلى الآفاقِ، ليستفيدَ المسلمون منها، ولايميلون إلى ترتيبٍ آخرَ.

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن کریم (کی خدمت): اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف (صدیقی) سے چند نسخے نقل کرائے، اور ان کو اطراف میں بھیج دیا، تاکہ مسلمان ان سے استفادہ کریں، اور دوسری ترتیب کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

لغات:

اِسْتَنْسَخَ الْكِتَابَ: نقل کرانا، نسخہ لکھنے کو کہنا..... آفاق؛ اُفُقٌ و اُفْقٌ کی جمع ہے: کنارہ، طرف۔

☆ ☆ ☆

اکثر سورتوں کا آغاز شاہی فرمانوں کے نہج پر ہوا ہے

قرآن کریم کی سورتوں اور شاہی فرمانوں کے درمیان چونکہ مناسبت تامہ ہے، اس لئے اکثر سورتوں کی ابتداء میں خطوط کا نہج اپنایا گیا ہے، چنانچہ جس طرح لوگ بعض تحریروں کو حمد باری سے شروع کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کو حمد وتسبیح سے شروع فرمایا ہے، جیسے سورۂ فاتحہ اور سورۂ کہف وغیرہ کو حمد سے، اور سورۂ حشر، سورۂ صف، اور سورۂ جمعہ وغیرہ کو تسبیح سے شروع کیا ہے۔

اور جس طرح لوگ بعض نوشتوں کے شروع میں تحریر کی غرض اور مقصد بیان کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کے شروع میں نزول قرآن کی غرض اور نزول سورت کا مقصد بیان فرمایا ہے، جیسے سورۂ بقرہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَارَيْبَ فِيْهِ، هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ اور سورۂ نور کے شروع میں ہے: ﴿سُوْرَةٌ أَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا﴾

سورتوں کی یہ قسم ان نوشتوں اور ناموں کے مشابہ ہے جن کے آغاز میں لوگ لکھتے ہیں: هٰذا مَاصَالَحَ علیه فلانٌ وفلانٌ: یہ وہ معاہدہ ہے جس پر فلاں فلاں حضرات نے صلح کی ہے، اور کبھی یہ لکھتے ہیں: هذا ما اَوْصٰی بِهٖ فلانٌ: یہ فلاں کا وصیت نامہ ہے، اور آنحضرت ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر لکھا تھا: هٰذَا ما قاضٰی علیه محمدٌ (ﷺ) یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد (ﷺ) نے صلح کی ہے۔

نیز جس طرح لوگ بعض مکاتیب کے آغاز میں مُرسِل (کاتب) اور مرسَل الیہ (مکتوب الیہ) کے نام کی وضاحت کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کے آغاز میں مُرسِل (بھیجنے والے) اور مُرسَل الیہ (جس کی طرف بھیجا گیا) کا تذکرہ فرمایا ہے، جیسے سورۂ جاثیہ اور سورۂ احقاف کے آغاز میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ اور سورۂ ھود کے آغاز میں ہے: ﴿كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ، ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾

سورتوں کی یہ قسم ان شاہی فرمانوں کے مشابہ ہے جن کے شروع میں لکھا جاتا ہے: صَدَرَ الحکمُ مِنَ البابِ العالی: بارگاہ عالی سے حکم صادر ہوا، اور کبھی یہ لکھا جاتا ہے: هٰذا اِعْلامٌ مِنْ حَضْرَةِ الخلافةِ الی سُكّانِ البلدِ الفلانی بِاَنَّ الخ: بارگاہ خلافت کی طرف سے فلاں شہر کے باشندوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ الخ، اور آنحضرت ﷺ نے شاہ روم کے نام جو خط لکھا تھا اس کے شروع میں تھا: مِنْ محمدٍ رسولِ اللّٰه إلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّوْمِ: محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے شاہ روم ہرقل کے نام۔

نیز جس طرح لوگ پرچیوں اور چٹھیوں میں کسی عنوان کے بغیر اصل مقصد ذکر کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں میں یہی نہج اپنایا ہے، جیسے سورۂ منافقون، سورۂ مجادلہ، اور سورۂ تحریم کا آغاز اسی نہج پر ہوا ہے۔

الحاصل اللہ تعالیٰ نے اکثر سورتوں کے آغاز میں مکاتیب اور نوشتوں کا نہج اور طرز اپنایا ہے اور مکتوبات جس طرح چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، اسی طرح سورتیں بھی چھوٹی بڑی ہیں۔

استهلالُ السُّوَرِ علی أسلوبِ الفرامین

ولما كانت بين أسلوبِ السور وأسلوبِ فرامينَ الملوكِ مناسبةٌ تامةٌ، رُوْعِيَ في

البدايةِ والنهايةِ طريقُ المكاتيبِ؛ فكما أنهم يبتدؤن بعضَها بحمدِ اللّٰه تعالى، وبعضَها ببيانِ غرضِ الإملاء، وبعضَها ببيانِ اسمِ المُرْسِلِ والمرسَلِ إليه؛ وبعضُها تكون رُقْعةً وَشِقَّةً بغيرِعنوانٍ، وبعضُها تكون طويلةً، وأخرى مختصرةً،كذلك استهَلَّ اللّٰه تعالى بعضَ السورِ بالحمدِ والتسبيحِ، وبعضَها ببيانِ غرضِ التنزيلِ،كما قال تعالى:﴿ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَارَيْبَ فِيْهِ، هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ وقال تعالى:﴿سُوْرَةٌ أَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنَاهَا﴾

وهذاالقسمُ من السُّورِ يُشبِهُ بما يكتبون:"هذا ماصالح عليه فلانٌ وفلانٌ" و"هذا ما أوصٰى به فلانٌ" وقد كتب النبيُ صلى اللّٰه عليه وسلم فى صُلْحِ الحُدَيْبِيَّةِ: "هذا ما قاضٰى عليه محمدٌ ـــــ صلى اللّٰه عليه وسلم.

واستهلَّ بعضَها بذكرِالمُرْسِلِ والمُرسَلِ إليه،كما قال تعالى:﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾وقال تعالى:﴿كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهٗ، ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾.

وهذاالقسمُ يُشْبِهُ بما يكتبون:"صَدَرَ الحكمُ من البابِ العالى"أو يكتبون: "هذا إعلامٌ من حضرةِ الخلافةِ إلى سكّانِ البلدِ الفلانى بأنَّ الخ"؛ وقد كتب النبيُ صلى اللّٰه عليه وسلم :"من محمدٍ رَسولِ اللّٰه إلى هِرَقْلَ عظيمِ الرُّوْمِ"

واستهلَّ بعضَها على أسلوبِ الرِّقاعِ والشُّقَقِ بغيرعنوانٍ،كما قال تعالى: ﴿إِذَاجَاءَ كَ الْمُنَافِقُوْنَ﴾وقال تعالى:﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا﴾وقال تعالى:﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ﴾.

ترجمہ :سورتوں کا آغاز شاہی فرمانوں کے نہج پر ہے: اور جب سورتوں کے اسلوب اور شاہی فرمانوں کے اسلوب کے درمیان مناسبت تامہ ہے، تو رعایت رکھی گئی ہے (سورتوں کی) ابتداء اور انتہاء میں مکاتیب کے نہج کی، چنانچہ جس طرح لوگ بعض مکاتیب کو اللہ کی حمد سے شروع کرتے ہیں، اور بعض مکاتیب کو تحریر کی غرض کی وضاحت سے، اور بعض مکاتیب کو مرسِل اور مرسَل الیہ کے نام کی وضاحت سے (شروع کرتے ہیں) اور بعض تحریرات عنوان کے بغیر پرچیاں اور چٹھیاں ہوتی

ہیں،اور بعض تحریرات طویل اور دوسری مختصر ہوتی ہیں ——— اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کو حمد و تسبیح سے شروع فرمایا ہے،اور بعض سورتوں کو تنزیل کی غرض کی وضاحت سے (شروع فرمایا ہے) جیسے اللہ نے فرمایا ہے:﴿ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَارَيْبَ فِيْهِ، هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ :(سورۂ بقرہ آیت ۲)اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿سُوْرَةٌ أَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنَاهَا﴾ (سورۂ نور آیت ۱)

اور سورتوں کی یہ قسم ان (دستاویزوں) کے مشابہ ہے جن (کے آغاز) میں لوگ لکھتے ہیں:''یہ عہد نامہ ہے جس پر فلاں فلاں نے مصالحت کی ہے''اور''یہ فلاں صاحب کا وصیت نامہ ہے''اور نبی کریم ﷺ نے صلح حدیبیہ میں لکھا تھا:یہ معاہدہ ہے جس پر محمد (ﷺ) نے صلح کی ہے''

اور بعض سورتوں کو مرسِل اور مرسَل الیہ کے ذکر سے شروع فرمایا ہے،جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾(سورۂ جاثیہ آیت ۲اور سورۂ احقاف آیت ۲)اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ، ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾(سورۂ ھود آیت ۱)

اور یہ قسم ان (شاہی فرمانوں) کے مشابہ ہے جن (کے آغاز) میں لکھتے ہیں،بارگاہ عالی سے حکم صادر ہوا،یا لکھتے ہیں یہ آگاہی ہے بارگاہِ خلافت کی طرف سے فلاں شہر کے باشندوں کے لئے کہ الخ، اور نبی کریم ﷺ نے لکھا تھا:محمد رسول اللہ (ﷺ) کی جانب سے شاہ روم ہرقل کے نام۔

اور بعض سورتوں کو بلا عنوان پرچیوں اور چٹھیوں کے طرز پر شروع فرمایا ہے،جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ﴾(سورۂ منافقون آیت ۱)اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا﴾(سورۂ مجادلہ آیت ۱)اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے﴿يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ﴾(سورۂ تحریم آیت ۱)

لغات:

اِسْتِهْلَالٌ:شروع کرنا...... رُقْعَةٌ:پرچی،تحریر کا پرزہ جمع رِقَاعٌ...... شِقَّةٌ:چٹھی،کپڑے وغیرہ کی لمبی چیٹ جمع شِقَقٌ...... قَاضَاهُ عَلٰى مالٍ:صلح کرنا۔

☆ ☆ ☆

بعض سورتوں کے آغاز میں قصائد کا نہج ہے۔

عربوں کی فصاحت و بلاغت چونکہ قصیدوں سے آشکارا ہوتی ہے،اور وہ قصیدوں کے آغاز

میں عجیب وغریب مناظر اور ہولناک واقعات کا تذکرہ کر کے اپنے قصیدوں کو مزین اور آراستہ کرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کے آغاز میں قصائد کا نہج اپنایا ہے، جیسے سورۂ صافات، سورۂ ذاریات، سورۂ مرسلات، سورۂ نازعات اور سورۂ تکویر وغیرہ کے شروع میں عجیب وغریب مناظر اور ہولناک واقعات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

مَنْهَجُ القصائدِ فی مُبْتدأِ بعضِ السُّوَرِ

ولماكانت فصاحةُ العربِ تتجلّٰى فى القصائدِ، وكان من عاداتِهم القديمةِ فى مَبْدَأِ القصائدِ التشبيبُ بذكرِ المواضعِ العجيبةِ والوقائعِ الهائلةِ، فاختار سبحانه وتعالى هذا الأسلوبَ فى بعضِ السورِ،كما قال تعالى:﴿وَالصَّافَّاتِ صَفًّا، فَالزَّاجِرَاتِ زَجْرًا﴾ وقال تعالى:﴿والذّٰرِيَاتِ ذَرْوًا، فَالْحَامِلاَتِ وِقْرًا﴾ وقال تعالى: ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ،وَإِذَا النُّجُوْمُ انكَدَرَتْ﴾

ترجمہ: بعض سورتوں کے آغاز میں قصائد کا نہج ہے: اور جب عربوں کی فصاحت جھلکتی تھی قصیدوں میں، اور ان کی قدیم عادت تھی قصیدوں کے آغاز میں عجیب وغریب مقامات اور ہولناک واقعات کے تذکرہ سے (قصیدوں کو) مزین اور آراستہ کرنے کی، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس انداز کو بعض سورتوں میں اپنایا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿وَالصَّافَّاتِ صَفًّا، فَالزَّاجِرَاتِ زَجْرًا﴾ (سورۂ صافات آیت ۱و۲) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿والذّٰرِيَاتِ ذَرْوًا، فَالْحَامِلاَتِ وِقْرًا﴾ (سورۂ ذاریات آیت ۱و۲) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ،وَإِذَا النُّجُوْمُ انكَدَرَتْ﴾ (سورۂ تکویر آیت ۱و۲)

لغات:

تَجَلّٰى الشيئُ تَجَلِّيًا: اچھی طرح ظاہر ہونا...... شَبَّبَ قَصِيْدَتَهُ تَشْبِيْبًا: قصیدے کو عورتوں کے ذکر سے آراستہ اور مزین کرنا، شعراء کی عادت تھی کہ قصائد مدحیہ کی ابتداء میں تشبیب کیا کرتے تھے، یعنی ایام شباب اور عورتوں کے ذکر سے قصیدے کو مزین اور آراستہ کیا کرتے تھے، پھر ہر چیز کی ابتداء کو تشبیب کہنے لگے، اگرچہ اس میں ایام شباب اور عورتوں کا تذکرہ نہ ہو۔

☆ ☆ ☆

سورتوں کا اختتام بھی شاہی فرامین کے نہج پر ہوا ہے

قرآن کریم کی سورتوں اور شاہی فرمانوں کے درمیان چونکہ مناسبت تامہ ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمام سورتوں کے اختتام میں شاہی فرمانوں کا نہج اختیار فرمایا ہے، چنانچہ جس طرح سلاطین اپنے فرمانوں کے آخیر میں جامع کلمات، نادر وصیتیں اور احکام مذکورہ پر گامزن ہونے کی سخت تاکیدیں اور احکام مذکورہ کی مخالفت کرنے والوں کے لئے شدید دھمکیاں ذکر کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورتوں کے آخیر میں جامع کلمات، پر حکمت باتیں، سخت تاکیدیں اور بھاری دھمکیاں دی ہیں۔

> **خواتمُ السورِ علی منهج الفرامین**
>
> وکما أن الملوكَ یختمون فرامینَهم بجوامعِ الکَلِمِ، ونوادِرِ الوَصایا، والتأکیدِ البلیغِ بتمسُّكِ الأوامرِ المذکورةِ، والتهدیدِ الشدیدِ لکل من یُخالفها، کذلك خَتَمَ اللّٰهُ تبارك وتعالی أواخرَ السورِ بجوامعِ الکَلِمِ، ومَنابِعِ الحِکَمِ والتأکیدِ البلیغِ والتهدیدِ العظیمِ.

ترجمہ: سورتوں کا اختتام شاہی فرمانوں کے نہج پر ہے: اور جیسا کہ سلاطین اپنے فرمانوں کو ختم کرتے ہیں جامع کلمات اور نادر وصیتوں پر، اور احکام مذکورہ کو مضبوط تھامنے کی انتہائی تاکید پر، اور ہر اس شخص کے لئے جو ان (احکام) کی مخالفت کرے سخت دھمکی پر، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورتوں کے اواخر کو ختم فرمایا ہے، جامع کلمات اور پرحکمت باتوں اور انتہائی تاکید اور بھاری دھمکی پر۔

لغات:

خَواتِم؛ خَاتِمَةٌ کی جمع ہے: انجام، آخر...... جَوَامِعُ الْکَلِم: جامع کلمات؛ اس میں صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے، اور جوامع؛ جامع کی جمع ہے، اور کَلِمْ؛ کلمة کی جمع ہے، اور الکلام الجامع اس کلام کو کہتے ہیں: جس کے الفاظ کم اور معنی زیادہ ہوں...... نَوادِرُ الْوَصَایا: نادر وصیتیں؛ اس میں بھی صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے، اور نوادر؛ نَادِرَةٌ کی جمع ہے: نایاب، کمیاب،

اور وَصایا؛ وَصِیَّۃٌ کی جمع ہے...... مَنَابِعُ الْحِکَمِ: حکمتوں کے چشمے، پر حکمت باتیں، مَنَابِع؛ مَنْبَعٌ کی جمع ہے: چشمہ، اور حِکَمٌ؛ حِکْمَۃٌ کی جمع ہے: دانائی۔

☆ ☆ ☆

کبھی سورتوں کے بیچ میں بلیغ کلام ذکر کیا جاتا ہے

کبھی کسی سورت کے درمیان میں نہایت مفید اور انوکھے انداز کا بلیغ کلام ذکر کیا جاتا ہے، جو اللہ جل شانہ کی حمد و تسبیح یا انعام واحسان پر مشتمل ہوتا ہے، جیسے سورۂ نمل کے بیچ میں: ﴿قُلِ: الحَمْدُ لِلّٰهِ، وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، آللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴾ (آیت ۵۹) سے خالق و مخلوق کے مابین فرق مراتب کا تذکرہ شروع فرمایا ہے، جو اللہ کی حمد و تسبیح پر مشتمل ہے، پھر اس مضمون کو پانچ آیتوں میں نہایت بلیغ اور انوکھے انداز سے بیان فرمایا ہے۔

اور سورۂ بقرۃ کے بیچ میں: ﴿یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْکُرُوْا﴾ (آیت ۴۷) سے بنی اسرائیل کے ساتھ مخاصمہ اور مجادلہ کا آغاز فرمایا ہے، اور آخیر میں اسی کلام پر مخاصمہ کو ختم فرمایا ہے، اور جس بات سے گفتگو شروع کی گئی ہو اسی پر ختم کرنا فصاحت و بلاغت میں بڑا اہم مقام رکھتا ہے۔

اسی طرح سورۂ آل عمران میں ﴿إِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الإِسْلَامُ﴾ (آیت ۱۹) سے یہود ونصاریٰ کے ساتھ مخاصمہ اور مجادلۃ کا آغاز فرمایا ہے، تاکہ محل نزاع کی تعیین ہو جائے اور اسی دعویٰ پر بات چیت اور بحث چلتی رہے۔

تَخَلُّلُ الكلامِ البليغِ فى أثناءِ السورِ

وقد يؤتى فى أثناءِ السور بالكلامِ البليغِ العظيمِ الفائدةِ البديعِ الأسلوبِ، الذى يشتمل على نوعٍ من الحمدِ والتسبيحِ، أوعلى نوعٍ من النِعَمِ والامتنانِ، كما:

● بَدَأَ بيانَ التباينِ بينَ مرتبةِ الخالقِ والمخلوقِ بقوله: ﴿قُلِ: الحَمْدُ لِلّٰهِ، وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، آللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ ثم بَيَّنَ هذا الموضوعَ فى خَمْسِ آياتٍ بأبلغِ وجهٍ وأبدعِ أسلوبٍ.

● وبدأ مخاصمةَ بنى إسرائيلَ فى أثناءِ سورةِ البقرةِ بقوله: ﴿يٰبَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ

اذْكُرُوْا﴾ ثم ختمها بنفسِ هذا الكلامِ؛ فابتداءُ المحاجَّةِ بهذه الكلمةِ، وانتهاءُ ها بها يَحْتَلُّ مكانا عظيما فی البلاغة.
●وبدأ المخاصمةَ مع أهلِ الكتابِ فی سورةِ آل عمرانَ بقوله:﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الإِسْلَامُ﴾ليتَّضِحَ محلُّ النزاعِ، ويدورَ الحِوارُ على ذلك المُدَّعٰى والله أعلم بحقيقةِ الحالِ.

ترجمہ: سورتوں کے درمیان میں بلیغ کلام کا آنا: اور کبھی لایا جاتا ہے سورتوں کے درمیان میں نہایت عمدہ اور انتہائی مفید انوکھے انداز کا کلام، جو مشتمل ہوتا ہے حمد و تسبیح کی کسی نوع پر، یا نعمتوں اور احسان کی کسی قسم پر، جیسے خالق اور مخلوق کے مرتبہ کے درمیان جو فرق ہے اس کو بیان کرنا شروع فرمایا ہے اپنے اس ارشاد سے:﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، آللّٰهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (سورۂ نمل آیت ۵۹) پھر اس مضمون کو بیان فرمایا ہے پانچ آیتوں میں نہایت بلیغ طریقہ اور انتہائی انوکھے انداز سے۔

اور سورۂ بقرہ کے درمیان میں بنی اسرائیل کے مخاصمہ کا آغاز فرمایا ہے اپنے اس ارشاد سے: ﴿يٰبَنِيْ إِسْرَائِيْلَ اذْكُرُوْا﴾ (آیت ۴۷) پھر اس (مخاصمہ) کو ختم فرمایا ہے بعینہٖ اسی کلام پر، پس مباحثہ کو اس بات سے شروع کرنا، اور اسی پر ختم کرنا بلاغت میں اہم مقام رکھتا ہے

اور سورۂ آل عمران میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ساتھ مخاصمہ شروع فرمایا ہے اپنے اس ارشاد سے:﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الإِسْلَامُ﴾ (آیت ۱۹) تاکہ واضح ہو جائے محل نزاع، اور اس دعوی کے گرد گفتگو گھومتی رہے، اور اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو خوب جاننے والے ہیں۔

لغات:

تَخَلَّلَ تَخَلُّلاً: دو چیزوں کے درمیان آنا...... اِحْتَلَّ مَكَانًا: اترنا، قبضہ کرنا، مقام حاصل کرنا، یہاں یہی معنی مراد ہیں...... الحِوَارُ: بحث و مباحثہ، گفتگو، بات چیت؛ حَاوَرَهٗ مُحَاوَرَةً، وحِوَارًا وَحُوَارًا: بحث کرنا، بات چیت کرنا، گفتگو کرنا...... العظيمُ الفائدةِ اور البديعُ الاسلوبِ میں مضاف پر الف لام داخل کیا گیا ہے، اور دونوں جملوں میں صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے۔

☆ ☆ ☆

فصل دوم

سورتوں کو آیتوں میں تقسیم کرنے کی حکمت، اور سورتوں کے منفرد اسلوب کی وضاحت

اس فصل میں سورتوں کو آیتوں میں تقسیم کرنے کی حکمت، اور سورتوں کے منفرد انداز بیان کی وضاحت کی جائے گی، شاہ صاحب اس فصل میں جو باتیں بیان فرمارہے ہیں؛ وہ مبتدی طلبہ کے لئے قدرے دقیق ہیں، اور ان باتوں کو شاہ صاحب سے پہلے کسی نے بیان نہیں کیا، اس لئے شاہ صاحب اس فصل میں قدرے طویل کلام فرمارہے ہیں، تاکہ مبتدی طلبہ قرآن کریم کے منفرد اسلوب اور انوکھے انداز بیان کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مخصوص وزن اور مخصوص قافیہ کا خیال رکھتے ہوئے اکثر سورتوں کو آیتوں میں اس طرح تقسیم فرمایا ہے جس طرح شعراء قصائد کو ابیات اور اشعار میں تقسیم کرتے ہیں (اکثر کی قید کا فائدہ ان شاء اللہ فصل کے آخر میں بیان کیا جائے گا)

اور اسی مشابہت کی وجہ سے آیات اور ابیات دونوں کو ترنم اور خوش الحانی سے پڑھا جاتا ہے، تاکہ پڑھنے والا اور سننے والے لطف اٹھائیں، مگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو آیات اور ابیات میں بہت بڑا فرق ہے، اور وہ یہ ہے کہ ابیات کا مدار ان اوزان و قوانی پر ہے جن کو خلیل نحوی نے مدون کیا ہے، اور آیات کا مدار اس اجمالی وزن اور اجمالی قافیہ پر ہے جو فطرت انسانی سے بہت زیادہ ہم آہنگ ہیں۔

الفصل الثانی

فی

تقسیم السُّوَرِ إلی الآیاتِ، وأسلوبِها الفریدِ

لقد جرت سنةُ اللّٰه تعالی فی أکثرِ السورِ بتقسیمِها إلی الآیاتِ، کما کانوا

يقسمون القصائدَ إلى الأبياتِ.

الفرقُ بين الآياتِ والأبياتِ

وغايةُ مايقال في الفرقِ بينهما: أن كلا منهما نَشَائِدُ، التي تُنشَدُ لالتذاذِ نفسِ المتكلمِ والسامعِ؛ إلا أن الأبياتِ مقيدةٌ بالعَروضِ والقَوافِي. التي دوَّنها الخليلُ بنُ أحمدَ وتلقَّاها منه الشعراءُ، وبناءُ الآياتِ على الوزنِ والقافيةِ الإجماليَّيْنِ، يُشْبِهَان أمرا طبيعيا، لا على أفاعيلِ العَروضيين وتَفاعيلِهم. وقوافِيهم المعينةِ التي هي أمرٌ صناعِيٌّ واصْطلاحِيٌّ.

ترجمہ: دوسری فصل: سورتوں کو آیتوں میں تقسیم کرنے، اور ان کے منفرد انداز بیان میں: اللہ تعالیٰ کی سنت جاری ہے اکثر سورتوں میں ان (سورتوں) کو آیتوں میں تقسیم کرنے کی طرف، جس طرح شعراء قصائد کو ابیات (اشعار) میں تقسیم کرتے ہیں۔

آیات اور ابیات کے درمیان فرق: اور زیادہ سے زیادہ وہ بات جو ان دونوں کے درمیان فرق کے سلسلہ میں کہی جاسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک راگ (ترنم سے پڑھا جانے والا کلام) ہے، جو بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے پڑھنے والے اور سننے والے کے نفس کی لذت کے لئے، مگر ابیات ان اوزان اور قافیوں کے ساتھ مقید ہیں، جن کو خلیل بن احمد نے مدون کیا ہے، اور اس سے شعراء نے ان (اوزان و قوافی) کو سیکھا ہے، اور آیات کا مدار اجمالی وزن اور اجمالی قافیہ پر ہے، جو فطری بات سے مشابہت رکھتے ہیں، اہل عروض کے افاعیل و تفاعیل پر اور ان کے معین قافیوں پر مدار نہیں ہے جو ایک مصنوعی اور اصطلاحی چیز ہے۔

لغات:

قَصائد؛ قَصِیْدۃ کی جمع ہے: وہ نظم جس میں کسی کی تعریف یا ہجو ہو، اس کے پہلے دونوں مصرعوں اور ہر شعر کے آخری مصرع میں قافیہ کا التزام ہوتا ہے (فیروز اللغات)...... اَبْیَات؛ بَیْت کی جمع ہے: شعر، وہ منظوم کلام جو دو مصرعوں پر مشتمل ہو...... نَشَائِدُ؛ نِشِیْدٌ ونَشِیْدَۃٌ کی جمع ہے: وہ منظوم کلام جس کو راگ اور ترنم سے پڑھا جائے، ترانہ، گانا، اَنْشَدَ الشِعْرَ: بلند آواز سے پڑھنا...... العَروض (بفتح العین): (۱) اشعار کا وزن (۲) وہ علم جس سے نظم کے قواعد معلوم ہوتے ہیں (۳) شعر کے پہلے مصرع کا

آخری جزء، یہاں پہلے معنی مراد ہیں،...... القَوافي؛ القافية کی جمع ہے: شعر کا آخری کلمہ، اس کی مزید وضاحت آگے آئے گی...... تَلَقَّى الشَّيئَ منه: سیکھنا...... افاعيل وتفاعيل: اشعار کے اوزان کو علم عروض کی اصطلاح میں افاعیل و تفاعیل سے تعبیر کرتے ہیں، اور اوزان کل چار ہیں: (۱) فَعُوْلُنْ (۲) مَفَاعِيْلُنْ (۳) مُفَاعَلَتُنْ (۴) فَاعِلَاتُنْ، بقیہ اوزان انہی سے ماخوذ ہیں...... الْعَرُوْضِيِّيْنَ ؛ العَرُوْضِى کی جمع ہے: علم عروض کا جاننے والا۔

﴿فائدہ﴾ خلیل بن احمد فراہیدی: علم نحو اور ادب کے امام، علم عروض کے واضع و مدون اور سیبویہ کے استاذ ہیں، ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۰ھ میں وفات پائی۔

☆ ☆ ☆

آیات و ابیات میں مشترک چیز حلاوت و مٹھاس ہے

جس طرح ایک جنس کی انواع میں ایک امر تو مشترک ہوتا ہے اور ایک امر ما بہ الامتیاز ہوتا ہے، مثلاً حیوان کی انواع: انسان و فرس میں حیوانیت تو امر مشترک ہے، جو ان دونوں انواع کی جنس ہے، انسان کی تعریف ہے حیوانٌ ناطقٌ اور فرس کی تعریف ہے حیوانٌ صاهلٌ اور ناطق وصاہل فصلیں ہیں، جن کے ذریعہ ہر نوع دوسری نوع سے جدا ہوتی ہے۔ اسی طرح آیات وابیات میں بھی ایک چیز مشترک ہے جو بمنزلۂ جنس ہے اور ایک چیز فصل ہے جو آیات کو ابیات سے ممتاز کرتی ہے، دونوں میں مشترک چیز حلاوت و مٹھاس ہے جس کو ہم نِشَیْدْ سے تعبیر کرتے ہیں یہ دونوں کے لئے بمنزلۂ جنس ہے اور آیات میں جن امور کا التزام کیا گیا ہے، جو آیات کو ابیات سے ممتاز کرتے ہیں وہ آیات کی فصل ہیں یہ دونوں باتیں تفصیل طلب ہیں، عبارت ذیل میں پہلے امر مشترک کی تفصیل بیان کی جاتی ہے پھر ان امور کی وضاحت کی جائے گی جن کا آیات میں التزام کیا گیا ہے۔ غرض یہ بحث دور تک چلے گی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فطرت سلیمہ اپنے ذوق سے موزون و مقفّٰی قصائد میں، عمدہ اور پسندیدہ رَجزوں میں اور اس طرح کے دوسرے کلاموں میں حلاوت و مٹھاس محسوس کرتی ہے، اور غور کرنے سے اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جب کسی کے سامنے ایسا کلام پیش کیا جاتا ہے جس کے اجزاء میں ہم آہنگی اور یکسانیت ہوتی ہے تو مخاطب کو کلام میں ایک خاص قسم کی لذت

محسوس ہوتی ہے، اور وہ کلام نفس کو اُسی جیسے دوسرے کلام کا مشتاق بناتا ہے، پھر جب نفس دوسرا شعر سنتا ہے جس کے اجزاء میں وہی توافق اور ہم آہنگی ہوتی ہے، اور جس چیز کا انتظار تھا وہ چیز پائی جاتی ہے تو لذت دوبالا ہو جاتی ہے، اور اگر دونوں شعروں کا قافیہ بھی ایک ہو تو لذت سہ گنا ہو جاتی ہے۔ غرض اس راز کی وجہ سے فطرت انسانی اشعار سے لطف اندوز ہوتی ہے، اور یہ ایک فطری چیز ہے، اور معتدل ممالک کے سلیم المزاج لوگ اس امر پر متفق ہیں۔

پھر ہر شعر کے اجزاء میں ہم آہنگی اور یکسانیت پیدا کرنے کے لئے لوگوں نے مختلف راہیں اپنائی ہیں، اسی طرح مشترک قافیہ کے قوانین بھی جدا جدا ہیں۔ عربوں نے وہ اصول وضوابط اختیار کئے ہیں جو خلیل نحوی نے وضع کئے ہیں، اور ہندوستان کے لوگ اس قانون کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے فطری ذوق نے تجویز کیا ہے، اسی طرح ہر زمانہ کے لوگوں نے الگ الگ قوانین اور طریقے اپنائے ہیں۔

الأمرُ المشتركُ بين الآياتِ والأبياتِ

وأما تنقيحُ الأمرِ المُشْتَرَكِ بينَ الآياتِ والأبياتِ ـــــ ونعبِّرُ ذلك الأمرَ العامَّ بالنَّشائِدِ ـــــ ثم ضبطُ تلكَ الأمورِ التى التُزِمَ بها فى الآياتِ ـــــ وذلك بمنزلةِ الفَصْلِ ـــــ فكلُّ ذلك يحتاج إلى تفصيلٍ، واللهُ وَلِيُّ التوفيقِ.

وتفصيلُ هذا الإجمالِ: أن الفطرةَ السليمةَ تُدْرِكُ بِذَوْقِها فى القصائدِ الموزونةِ المُقفَّاةِ، والأراجيزِ الرائقةِ الجميلةِ، وأمثالِها، حَلاوةً وعَذُوبةً؛ وإذا تأمَّلَ أحدٌ فى سَبَبِ إدراكِ تلكَ الحَلاوةِ، وَجَدَ أن نَفْسَ المخاطَبِ تتذوَّقُ لذةً خاصةً فى الكلامِ الذى يُوافِقُ بعضُه بعضا، ويجعلُها منتظِرًا إلى كلامٍ آخرَ مِثْلِه، فإذا سمعتْ بعد ذلك البيتَ الآخرَ مع ذلك التوافُقِ والانسجامِ بين أجزائِه، وتحقَّق الأمرُ المنتظَرُ، تضاعفتِ اللذةُ عند ذلك؛ ولما كان البيتانِ مُشْتَرَكَيْنِ فى قافيةٍ واحدةٍ، ازدادتِ اللذةُ ثلاثةَ أضعافِها؛ فالتمتُّعُ والالتذاذُ بالأبياتِ بهذا السِّرِّ فطرةٌ قديمةٌ فُطِرَ الناسُ عليها، وأصحابُ الأمزجةِ السليمةِ من أهلِ الأقاليمِ المُعْتَدِلَةِ متفقونَ على ذلك.

ثم حدثتْ بعد ذلك مذاهبُ مختلِفةٌ ورسومٌ متباينةٌ فى توافقِ الأجزاءِ فى كل

بيتٍ من الأبياتِ، وكذا في شروطِ القوافي المشترَكةِ بين الأبياتِ: فالعربُ عندهم ضوابطُ وأصولٌ بيَّنَهَا الخليلُ، والهنودُ يتبعون قانونا يحكم به سليقتُهم اللغويةُ وقريحتُهم الفِطريةُ، وهكذا اختار أهلُ كلِ عصرٍ وَضعا من الأوضاع وسلكوا مسلكا من المسالكِ.

ترجمہ: آیات اور ابیات کے درمیان مشترک امر کا بیان: آیات اور ابیات کے درمیان جو بات مشترک ہے اس کو نکھارنا —— اور ہم اس عام بات کو "نَشَائِد" سے تعبیر کرتے ہیں (اور یہ عام بات جنس کے درجہ میں ہے) —— پھر ان باتوں کو بیان کرنا جن کا آیات میں التزام کیا گیا ہے —— اور یہ باتیں فصل کے درجہ میں ہیں —— پس ان میں سے ہر ایک تفصیل کی محتاج ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی (تفصیل کرنے کی) توفیق دینے والے ہیں۔

اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فطرت سلیمہ اپنے ذوق سے موزون اور مُقفّٰی قصیدوں میں، اور پسندیدہ اور نفیس رَجزوں میں اور ان کے مانند نظموں میں حلاوت وشیرنی محسوس کرتی ہے، اور جب کوئی شخص اس حلاوت کے پانے کی وجہ میں غور کرے تو وہ پائے گا کہ مخاطب کا نفس خاص لذت محسوس کرتا ہے اس کلام میں جس کا بعض حصہ بعض سے ہم آہنگ ہو، اور وہ کلام مخاطب کے نفس کو اس جیسے دوسرے کلام کا منتظر بناتا ہے، پھر جب اس کے بعد مخاطب کا نفس دوسرے شعر کو سنتا ہے، اسی توافق اور کلام کے اجزاء میں ہم آہنگی کے ساتھ اور جس بات کا انتظار تھا وہ بات پائی جاتی ہے، تو اس وقت لذت دوگنی ہو جاتی ہے، اور جب دونوں شعر ایک قافیہ میں مشترک ہوں، تو لذت سہ گنا ہو جاتی ہے، چنانچہ اسی راز کی وجہ سے اشعار سے متمتع اور لطف اندوز ہونا قدیم فطرت ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے، اور معتدل ممالک کے رہنے والے سلیم مزاج لوگ اس پر متفق ہیں۔

پھر اس کے بعد پیدا ہوئے مختلف طریقے اور الگ الگ رواج اشعار میں سے ہر شعر کے اجزاء کے توافق کے بارے میں، اور اسی طرح اشعار کے درمیان مشترک قافیوں کی شرطوں کے بارے میں چنانچہ عربوں کے یہاں وہ قوانین اور قواعد رائج ہیں جن کو خلیل نحوی نے بیان کیا ہے، اور اہل ہند اس قانون کی پیروی کرتے ہیں جس کا فیصلہ کیا ہے ان کے لسانی سلیقہ نے اور ان کی فطری طبیعت نے، اور اسی طرح ہر زمانہ کے لوگوں نے وضعوں میں سے ایک خاص وضع اپنائی ہے، اور وہ طریقوں میں سے ایک مخصوص طریقہ پر چلے ہیں۔

لغات:

الأَرَاجِيْز؛ الأُرْجُوزَة کی جمع ہے: رَجْز اشعار کی سولہ بحروں میں سے ایک بحر ہے، اور وہ یہ ہے: مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ ÷ مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ...... الرَّائِقَة: پسندیدہ...... اِنْسِجَمَ الکلامُ اِنْسِجَامًا: کلام کا مرتب ہونا...... تَضَاعَفَ: دوچند ہونا...... اَضْعَاف؛ ضِعْفٌ کی جمع ہے: دوچند، دوگنا...... الأَجْزَاء؛ الجُزْء کی جمع ہے: جزء سے یہاں مراد رکن ہے جیسے مُسْتَفْعِلُنْ ایک رکن ہے، بعض اشعار میں چھ ارکان ہوتے ہیں، اور بعض میں چار ارکان ہوتے ہیں...... القَرِيْحَةُ مِنَ الانسانِ: انسان کی طبیعت جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے...... وَضْعٌ: شکل، ظاہری حالت، طرز، ڈھنگ جمع اَوْضَاع۔

☆ ☆ ☆

مختلف شاعریوں میں مشترک چیز تقریبی توافق ہے

ابھی اوپر یہ بات گذری ہے کہ اشعار کے اجزاء وارکان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے لوگوں نے مختلف راہیں اپنائی ہیں، اسی طرح مشترک قافیہ کے قوانین بھی جدا جدا ہیں۔ اب اگر ہم دنیا کی مختلف شاعریوں کے قواعد میں غور کر کے ہمہ گیر مشترک چیز نکالنا چاہیں اور ہم اس بھید کو سوچیں جو تمام شاعریوں کو عام اور سب میں پھیلا ہوا ہے تو ہمیں بس توافقِ تقریبی ہی ایک ایسی چیز ملے گی جو سب شاعریوں میں قدر مشترک ہے۔ توافق کے معنی ہیں: یکسانیت، ایک دوسرے کے قریب ہونا، ایک دوسرے کے موافق ہونا اور تقریبی کے معنی ہیں: تخمینی، قریب قریب، اور توافق تقریبی کے معنی ہیں: ایک گونہ ہم آہنگی، تخمینی یکسانیت۔

دنیا کی مختلف شاعریوں میں بہمہ وجوہ ہم آہنگی اور یکسانیت نہیں ہے، بلکہ باہم شدید اختلافات ہیں، مثلاً عربی شاعری میں حشو میں زِحافات کی گنجائش ہے، فارسی میں اس کی گنجائش نہیں، اسی طرح اور بہت سی باتیں ہیں جو عربی اور فارسی شاعری میں مختلف فیہ ہیں، شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں، اور خلاصہ یہ نکالا ہے کہ مختلف منظوم کلاموں کے درمیان مشترک چیز تخمینی توافق ہی ہے، تحقیقی یعنی بہمہ وجوہ توافق نہیں ہے۔ اور اسی تقریبی توافق کی وجہ سے عربی اور فارسی دونوں شاعریوں میں حلاوت اور مٹھاس پائی جاتی ہے۔

اور ہندی شاعری تو عربی اور فارسی شاعری سے بالکل جداگانہ ہے، جس میں صرف حروف کی گنتی دیکھی جاتی ہے، حرکات وسکنات کا لحاظ نہیں کیا جاتا، اس میں بھی حلاوت ولذت ہے۔ اور بعض دیہاتی تو مزے لے کر راگ الاپتے ہیں، جن کے نہ اوزان کا ٹھکانا ہوتا ہے نہ ردیف کا، مگر وہ ان کو قصائد کی طرح خوب مزے لے کر پڑھتے ہیں۔ غرض دنیا کی ہر قوم کی شاعری کا انداز الگ ہے، مگر لطف ومزہ سب میں ہے، پس یہ بات تسلیم کرنی ہوگی کہ مختلف منظوم کلاموں کے درمیان بس تخمینی اور تقریبی توافق ہی قدر مشترک ہے۔

آگے عبارت میں چونکہ اصطلاحی الفاظ آئے ہیں، اس لئے ترجمہ سے پہلے ان کی وضاحت ضروری ہے، جو درج ذیل ہے:

صَدْر اور عَجُز کے معنی: فن عروض کی اصطلاح میں شعر کے پہلے مصرع کو صدر اور دوسرے مصرع کو عَجُز کہتے ہیں، جیسے یہ مصرع (ہم کو ملا جو لطف کوئے یار کا) "صدر" ہے اور یہ مصرع (کب وہ صبا کو لطف ہے گلزار کا) عَجُز ہے۔

صَدْر، عروض، ابتداء، ضَرْب اور حَشْو کے معنی: فن عروض کی اصطلاح میں شعر کے پہلے مصرع کے پہلے جزء اور رکن کو "صدر" کہتے ہیں ـــــ اور پہلے مصرع کے آخری جزء کو "عروض" کہتے ہیں ـــــ اور دوسرے مصرع کے پہلے جزء کو "ابتداء" اور آخری جزء کو "ضرب" کہتے ہیں ـــــ اور صدر اور عروض یا ابتداء اور ضرب کے درمیان جو اجزاء اور ارکان ہوتے ہیں ان کو "حشو" کہتے ہیں، جیسے مذکورہ شعر میں "ہم کو ملا" (بروزن مُسْتَفْعِلُنْ) صدر ہے۔ اور "جو لطف کو" (بروزن مُسْتَفْعِلُنْ) حشو ہے۔ اور "ئے یار کا" (مُسْتَفْعِلُنْ) عروض ہے، اور "کب وہ صبا" (مُسْتَفْعِلُنْ) ابتداء ہے، اور "کو لطف ہے" (مُسْتَفْعِلُنْ) حشو ہے، اور "گلزار کا" (مُسْتَفْعِلُنْ) ضرب ہے۔

﴿نوٹ﴾ جس بحر میں چار ارکان ہوں اس میں حشو نہیں ہوتا۔

سَبَبْ، وَتِدْ اور فاصلہ کے معنی: فن عروض کی اصطلاح میں دو حرفی کلمہ کو "سبب" (رسی) کہتے ہیں، پھر سَبَبْ کی دو قسمیں ہیں: (۱) سبب خفیف (۲) اور سبب ثقیل، ایسے دو حرفی کلمہ کو جس کا آخری حرف ساکن ہو سبب خفیف کہتے ہیں، جیسے فِیْ، مَنْ، مُذْ، لَمْ، اور اگر دونوں حرف متحرک ہوں تو اس کو سبب ثقیل کہتے ہیں، جیسے مَعَ، لَكَ، اَرَ ـــــ اور تین حرفی کلمہ کو

"وَتِد" (میخ، کیل) کہتے ہیں، پھر وَتِد کی دو قسمیں ہیں: (۱) وَتِد مجموع (۲) وَتِد مفروق، جس تین حرفی کلمہ کے پہلے دونوں حرف متحرک اور تیسرا حرف ساکن ہو اس کو وتد مجموع کہتے ہیں: جیسے عَلٰی ، اَقِمْ،اور اگر بیچ کا حرف ساکن ہو تو اس کو وَتِد مفروق کہتے ہیں، جیسے ظَھْرِ، کَیْفَ، حَیْثُ، اَمْسِ ـــــ اور چار یا پانچ حرفی کلمہ کو فاصلہ کہتے ہیں، پھر فاصلہ کی دو قسمیں ہیں (۱) فاصلہ صغری (۲) اور فاصلہ کبری، اگر پہلے تین حرف متحرک اور چوتھا حرف ساکن ہو تو اس کو فاصلہ صغری کہتے ہیں، جیسے ضَرَبَتْ اور مَعَ مَنْ اور جَبَلٌ (یہ بھی چار حرفی کلمہ ہے کیونکہ اس کا تلفظ اس طرح ہوتا ہے: جَبَلُنْ) اور اگر پہلے چار حرف متحرک اور پانچواں حرف ساکن ہو تو اس کو فاصلہ کبری کہتے ہیں، جیسے ضَرَبَکُمْ، سَمَکَةٌ (یہ بھی پانچ حرفی کلمہ ہے، کیونکہ اس کا تلفظ اس طرح ہوتا ہے: سَمَکَتُنْ) ـــــ مذکورہ بالا تمام اقسام اس مقولہ میں پائے جاتے ہیں، لَمْ اَرَ عَلٰی ظَھْرِ جَبَلٍ سَمَکَةً (میں نے کسی پہاڑ کی پشت پر کوئی مچھلی نہیں دیکھی)

زِحاف اور عِلَّت کے معنی: اشعار کے اجزاء اور ارکان میں جو تغیر ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) زِحاف (۲) علت، زحاف اس تغیر کو کہتے ہیں جو سبب خفیف یا ثقیل کے دوسرے حرف میں ہوتا ہے، زحاف ہمیشہ حشو میں ہوتا ہے اور لازم نہیں ہوتا، یعنی ایک شعر میں اگر زحاف ہوا ہو تو دوسرے شعر میں زحاف کا ہونا ضروری نہیں ـــــ اور جو تغیر عروض اور ضرب یعنی مصرع کے آخیری رکن میں ہوتا ہے اس کو علت کہتے ہیں، علت، اسباب و اوتاد دونوں میں ہوتی ہے اور لازم ہوتی ہے یعنی قصیدے کے پہلے شعر میں جو تغیر ہوا ہو وہ قصیدے کے تمام اشعار میں ہوگا۔

زِحاف مُنْفَرِدْ اور مُزْدَوِج کے معنی: زحاف کی دو قسمیں ہیں (۱) منفرد (۲) اور مزدوج، اگر کسی رکن میں ایک ہی جگہ تغیر ہوا ہو، تو اس کو زحاف منفرد کہتے ہیں، اور اگر ایک ہی رکن میں دو جگہ تغیر ہوا ہو تو اس کو زحاف مزدوج کہتے ہیں، پھر زحاف منفرد کی آٹھ قسمیں ہیں: (۱) خَبْن (۲) وَقْص (۳) اِضْمار (۴) طَیّ (۵) قَبْض (۶) عَقْل (۷) عَصْب (۸) اور کَفّ اور زحاف مزدوج کی چار قسمیں ہیں: (۱) خَبْل (۲) خَزْل (۳) شَکْل (۴) اور نَقْص.

خَبْن، وَقْص، اِضْمار اور طَیّ کے معنی: جس رکن کے شروع میں سبب خفیف ہو اس کے دوسرے حرف کو حذف کرنے کا نام خَبْن ہے، جیسے مُسْتَفْعِلُنْ کی سین کو حذف کیا جائے

تو مُتَفْعِلُنْ باقی رہتا ہے، اور مَفَاعِلُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے ــــــ اور جس رکن کے شروع میں سبب ثقیل ہو اس کے دوسرے حرف کو گرانے کا نام وقص ہے، جیسے مُتَفَاعِلُنْ کی تاء کو گرایا جائے تو مَفَاعِلُنْ ہو جاتا ہے ــــــ اور جس رکن کے شروع میں سبب ثقیل ہو اس کے دوسرے حرف کو ساکن کرنے کا نام اضمار ہے، جیسے مُتَفَاعِلُنْ کی تاء کو ساکن کیا جائے تو مُتْفَاعِلُنْ ہو کر مُسْتَفْعِلُنْ ہو جاتا ہے ــــــ اور جس رکن کے شروع میں سبب خفیف مکرر ہو اس کے چوتھے حرف کو گرانے کا نام طی ہے، جیسے مُسْتَفْعِلُنْ کی فاء کو گرایا جائے تو مُسْتَعِلُنْ ہو کر مُفْتَعِلُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے۔

قبض، عقل، عصب اور کف کے معنی: کسی رکن کے پانچویں حرف ساکن کو حذف کرنے کا نام قبض ہے، جیسے فَعُوْلُنْ کی نون کو حذف کیا جائے تو فَعُوْلُ ہو جاتا ہے، اور مَفَاعِیْلُنْ کی یاء کو گرایا جائے تو مَفَاعِلُنْ ہو جاتا ہے ــــــ اور کسی رکن کے پانچویں حرف متحرک کو گرانے کا نام عقل ہے، جیسے مُفَاعَلَتُنْ کے لام کو گرایا جائے تو مُفَاعَتُنْ ہو کر مَفَاعِلُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے ــــــ اور کسی رکن کے پانچویں حرف متحرک کو ساکن کرنے کا نام عصب ہے، جیسے مُفَاعَلَتُنْ کے لام کو ساکن کیا جائے تو مُفَاعَلْتُنْ ہو کر مَفَاعِیْلُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے ــــــ اور کسی رکن کے ساتویں حرف ساکن کو گرانے کا نام کف ہے، جیسے فَاعِلَاتُنْ کی نون کو گرایا جائے تو فَاعِلَاتُ ہو جاتا ہے۔

خَبْل، خَزْل، شکل اور نقص کے معنی: اگر کسی رکن میں خبن اور طی دونوں اکٹھا ہوں تو اس کو خبل کہتے ہیں، جیسے مُسْتَفْعِلُنْ کی سین کو خبن کی وجہ سے اور اس کی فاء کو طی کی وجہ سے حذف کیا جائے تو مُتَعِلُنْ باقی رہتا ہے اور فَعَلَتُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے ــــــ اور اگر کسی رکن میں اضمار اور طی جمع ہوں تو اس کو خزل کہتے ہیں، جیسے مُتَفَاعِلُنْ کی تاء کو اضمار کی وجہ سے ساکن کیا جائے اور الف کو طی کی وجہ سے گرایا جائے تو مُتْفَعِلُنْ باقی رہتا ہے اور مُفْتَعِلُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے ــــــ اور کسی رکن میں خبن اور کف جمع ہوں تو اس کو شکل کہتے ہیں، جیسے مُسْتَفْعِلُنْ کی سین کو خبن کی وجہ سے اور نون کو کف کی وجہ سے گرایا جائے تو مُتَفْعِلُ ہو جاتا ہے، اور فَاعِلَاتُنْ کے الف اور اس کی نون کو گرایا جائے تو فَعِلَاتُ ہو جاتا ہے ــــــ اور اگر کسی رکن میں عصب اور کف جمع ہوں تو اس کو نقص کہتے ہیں، جیسے مُفَاعَلَتُنْ کے لام کو عصب کی وجہ

سے ساکن کیا جائے اور نون کو کف کی وجہ سے حذف کیا جائے تو مُفَاعَلْتُ ہو کر مَفَاعِيْلُ کے وزن پر ہو جاتا ہے۔

قافیہ کی تعریف: آخری دو ساکنوں سے پہلے جو حرف متحرک ہو وہاں سے آخر شعر تک جتنے حروف ہیں ان کے مجموعہ کو قافیہ کہتے ہیں (هي مِنَ المتحرك قبلَ الساكنَين الى آخر البيت) اور کبھی پورا کلمہ قافیہ ہوتا ہے، اور کبھی بعض کلمہ، جیسے درج ذیل شعر میں "حَوْمَلِ" پورا کلمہ قافیہ ہے:

قِفَانَبْكِ مِنْ ذِكْرىٰ حَبِيْبٍ وَّمَنْزِلِ   بِسِقْطِ اللِّوىٰ بَيْنَ الدَّخُوْلِ فَحَوْمَلِ

اور درج ذیل دوسرے شعر میں "قَارِبُهٗ" بعض کلمہ قافیہ ہے

وَمَا مِثْلُهٗ فِيْ النَّاسِ اِلَّا مُمَلَّكًا   اَبُوْ اُمِّهٖ حَيٌّ اَبُوْهُ يُقَارِبُهٗ.

رَوِی کی تعریف: قافیہ کا اصلی حرف جس پر قافیہ کا مدار ہوتا ہے، اور جس کی طرف قافیہ کی نسبت کی جاتی ہے اس کو روی کہتے ہیں، جیسے مذکورہ بالا دونوں اشعار میں سے پہلے شعر میں حرف لام رَوِی ہے، اور دوسرے شعر میں حرف باء رَوِی ہے۔

مُقَيَّدہ، مطلَقہ، مُرْدَفہ اور موصولہ کے معنی: اگر رَوِی ساکن ہو تو اس کو مقید اور قافیہ کو مقیدہ کہتے ہیں، جیسے كُلُّ عَيْشٍ صَائِرٌ لِلزَّوَالْ —— اور رَوِی متحرک ہو تو اس کو مطلق اور قافیہ کو مطلقہ کہتے ہیں جیسے حَوْمَلِ —— اور رَوِی سے پہلے حرف مدہ یا حرف لین ہو تو اس کو رِدْف اور قافیہ کو مُرْدَفہ کہتے ہیں —— اور رَوِی کے بعد حرف مدہ یا ہائے ساکنہ بلا فصل ہو تو اس کو وَصْل اور قافیہ کو موصولہ کہتے ہیں، اور مردفہ موصولہ کی مثال یہ ہے: وَمِنْ اَيْنَ لِلْوَجْهِ الْمَلِيْحِ ذُنُوْبُ، اس مصرع میں باء سے پہلے جو واو ہے وہ رِدْف ہے، اور باء کے پیش کو کھینچنے کی وجہ سے جو واو پیدا ہوتا ہے وہ وَصْل ہے، اسی طرح وَقُلْنَا الْقَوْمُ اِخْوَانُ میں نون سے پہلے جو الف ہے وہ رِدْف ہے اور نون کے پیش کو کھینچنے کی وجہ سے جو واو پیدا ہوتا ہے وہ وصل ہے اور نُوْبُ اور وَانُ میں سے ہر ایک قافیہ مردفہ موصولہ ہے (یہ تمام تعریفات اور معانی محیط الدائرۃ اور اس کے حواشی سے ماخوذ ہیں)

ردیف کی تعریف: فن عروض کی اصطلاح میں ردیف اس کلمہ کو کہتے ہیں جو غزل کے مطلع کے دونوں مصرعوں میں اور ہر شعر کے آخر میں قافیہ کے پیچھے بار بار آتا ہے، جیسے قمر سنبھلی

صاحب کے درج ذیل نعتیہ کلام میں "کی روشنی" ردیف ہے، اور اس سے پہلے قافیہ ہے:

غار حراء سے ابھری جو بعثت کی روشنی ÷ پھیلی زمانہ بھر میں حقیقت کی روشنی
جس در سے ہم نے پائی شریعت کی روشنی ÷ اس در سے ہی ملے گی سیاست کی روشنی
عُشْرِ عَشِیْر بھی کہیں اس کا نہ مل سکا ÷ اُمی لقب سے پائی جو حکمت کی روشنی
پھوٹی دلیل بن کے شہادت کے واسطے ÷ پشت نبی سے مہر نبوت کی روشنی
ابھری کچھ اس طرح کہ زمانہ پہ چھاگئی ÷ ارضِ حرم سے شمع رسالت کی روشنی

التوافق التقريبيُّ هو الأمر المشتركُ

بَيْنَ مختلَفِ الكلامِ المنظومِ

وإذا أردنا أن ننتزعَ من بين هذه الرسومِ والمذاهبِ المختلفةِ أمراً جامعًا مشتركًا، وتأملنا السِّرَّ المنتشرَ الشاملَ فيها، وجدنا أنه هو التوافقُ التقريبي، لاغيرُ، لأن العربَ يستعملون مَفَاعِلُنْ ومُفْتَعِلُنْ مكانَ مستفعلُن، ويعتبرون فَعِلاتُنْ بدلَ فاعلاتُنْ وفقَ القاعدةِ، ويجعلون موافقةَ ضَرْبِ بيتٍ بضرب بيتٍ آخرَ، وموافقة عَروضِ بيتٍ بعروضِ بيتٍ آخرَ، أمرًا مهمًّا؛ ويُجَوِّزون زِحافاتٍ كثيرةً في الحشو بخلاف شعراءِ الفُرس، فإن الزِّحافاتِ عندهم مستهجنةٌ.

وكذلك تستحسن العربُ كونَ القافيةِ في البيتِ "قبورًا" وفي البيتِ الآخر "منيرا" بخلاف شعراءِ العَجَمِ.

وهكذا يرى الشعراءُ العربُ أن "حاصلْ" و"داخلْ" و"نازلْ" من قسمٍ واحدٍ، بخلاف الشعراء العجمِ.

وكذلك وقوعُ كلمةٍ واحدةٍ بين شَطْرَيِ البيتِ، بحيثُ يكونُ نصفُها في الصَدْرِ والنصفُ الآخرُ في العَجُزِ صحيحٌ عند العربِ، لاعندالعجمِ.

وفَذْلَكَةُ القولِ: أن الأمرَالجامعَ المشتركَ بين الكلامِ المنظومِ العربي والفارسي هو التوافقُ التقريبي، لاالتوافقُ التحقيقي.

وقد وضع الهنودُ أوزانَ شعرِهم على عددِ الحروفِ بدونِ ملاحظةِ الحركاتِ

والسكناتِ، وهي أيضًا تَمْنَحُ لذةً وحلاوةً، وقد سَمِعْنا بعضَ أهلِ البَدَاوَةِ يختارون في تغريداتِهم التي يتلذذون بها، كلامًا متوافقًا بتوافُقٍ تقريبي، أوْرديفًا —— تارةً يكونُ كلمةً واحدةً، وأخرى يزيد عليها —— ويُنْشِدونَها مثلَ القصائِد، ويَتَلَذَّذون بها؛ ولكلِ قومٍ أسلوبٌ خاصٌ في كلامِهم المنظومِ.

ترجمہ: مختلف منظوم کلاموں کے درمیان امر مشترک توافق تقریبی ہے: اور جب ہم ان مختلف رواجوں اور طریقوں سے جامع امر جو ان میں مشترک ہے نکالنے کا ارادہ کریں، اور اس منتشر راز میں غور کریں جو سب کو عام ہے تو ہم پائیں گے کہ وہ صرف تقریبی توافق ہے، اس لئے کہ عرب مَفَاعِلُنْ اور مُفْتَعِلُنْ کو مُسْتَفْعِلُنْ کی جگہ استعمال کرتے ہیں (کیونکہ مُسْتَفْعِلُنْ کی سین جب خبن کی وجہ سے گر جاتی ہے، تو وہ مَفَاعِلُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے، اور مُسْتَفْعِلُنْ کی فاء جب طی کی وجہ سے گر جاتی ہے تو مُفْتَعِلُنْ کے وزن پر ہو جاتا ہے) اور فَاعِلاَتُنْ کے بدلے فَعِلاَتُنْ کو قاعدے کے موافق سمجھتے ہیں (کیونکہ فَاعِلاَتُنْ کا الف جب خبن کی وجہ سے گر جاتا ہے تو فَعِلاَتُنْ ہو جاتا ہے)

اور (عرب) ایک شعر کی ضرب کی دوسرے شعر کی ضرب کے ساتھ موافقت کو اور ایک شعر کے عروض کی دوسرے شعر کے عروض کے ساتھ موافقت کو بہت اہمیت دیتے ہیں، اور حشو میں زحافات (تغیرات) کثیرہ کو جائز سمجھتے ہیں، برخلاف فارسی شعراء کے، کیونکہ ان کے نزدیک زحافات قبیح ہیں (یعنی عربی شعراء صرف مصرع کے آخیری جزء کی موافقت کو ضروری سمجھتے ہیں، اور درمیان میں تغیرات کثیرہ کو جائز سمجھتے ہیں، مگر فارسی شعراء زحافات کو اچھا نہیں سمجھتے)

اسی طرح عرب شعراء اس کو اچھا سمجھتے ہیں کہ ایک شعر میں قافیہ "قبورا" ہو، اور دوسرے شعر میں "مُنِيْرًا" ہو، برخلاف شعراء عجم کے (کہ وہ اس کو اچھا نہیں سمجھتے) اسی طرح شعرائے عرب سمجھتے ہیں کہ حاصل، داخل، اور نازل ایک ہی قسم میں سے ہیں (یعنی تینوں لفظ ہم قافیہ ہیں) برخلاف شعرائے عجم کے (کہ وہ ان کو ہم قافیہ نہیں سمجھتے —— مگر یہ شاہ صاحب کا خیال ہے، میں نے دارالعلوم دیوبند کی تدریس کے زمانہ میں حضرت مولانا معراج الحق صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہما سے دریافت کیا تھا کہ ان دونوں باتوں میں شعرائے عرب اور عجم کے درمیان کوئی اختلاف ہے؟ تو دونوں حضرات نے یہی جواب دیا کہ: یہ شاہ صاحب کا خیال ہے، درحقیقت ان دونوں باتوں میں شعرائے عرب اور عجم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں)

اور اسی طرح ایک کلمہ کا شعر کے دو مصرعوں کے درمیان اس طرح واقع ہونا کہ آدھا کلمہ پہلے مصرع میں ہو، اور آخری آدھا دوسرے مصرع میں ہو، عربوں کے نزدیک صحیح ہے، نہ کہ عجمیوں کے نزدیک۔

اور بات کا خلاصہ: یہ ہے کہ عربی اور فارسی منظوم کلام کے درمیان جامع اور مشترک بات توافق تقریبی ہے، نہ کہ توافق تحقیقی۔

اور اہل ہند نے اپنے اشعار کے اوزان کا مدار حروف کی تعداد پر رکھا ہے، حرکات وسکنات کا لحاظ کئے بغیر، اور یہ بھی لذت اور حلاوت دیتا ہے، اور ہم نے بعض بدویوں کو سنا ہے کہ وہ اپنے گانوں میں جن سے وہ لطف اندوز ہوتے ہیں، ایسا کلام اختیار کرتے ہیں جس میں توافق تقریبی ہوتا ہے، یا ایسی ردیف اختیار کرتے ہیں جو کبھی ایک کلمہ ہوتی ہے، اور کبھی ایک کلمہ سے بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ (بدوی) ان (گانوں) کو قصیدوں کی طرح بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اور ہر قوم کا اپنے منظوم کلام میں ایک خاص انداز ہے۔

لغات:

فَذْلَكَةٌ: میزان کل، خلاصہ...... **مَنَحَهُ الشيئَ** (ف، ض) **مَنْحًا:** دینا، عطا کرنا...... **تَغْرِيْدات،** **تَغْرِيْد** کی جمع ہے: گیت، گانا، **غَرَّدَ الطائرُ والانسانُ تَغْرِيْدًا:** گانے میں آواز بلند کرنا۔

☆ ☆ ☆

دوسری قوموں کی شاعریوں میں بھی توافق تقریبی ہے

جس طرح عربی، فارسی اور ہندی کے منظوم کلاموں میں حقیقی توافق نہیں ہوتا، صرف تقریبی توافق ہوتا ہے، اسی طرح دوسری قوموں کی شاعری میں بھی حقیقی توافق نہیں ہے، صرف تقریبی توافق ہے اور قواعد میں بڑا اختلاف ہے، مثلاً اہل ہند کے یہاں کل چھ راگ ہیں، اور ہر راگ کی پانچ راگنیاں ہیں، اور اہل یونان کے یہاں کل بارہ راگ ہیں، جن کو وہ "مقامات" کہتے ہیں، اور ہر راگ کی دو راگنیاں ہیں جن کو شُعَب کہتے ہیں، اور ہر راگنی کے کئی سُر ہیں جن کی تعداد سال کے ایام کے برابر یعنی ۳۶۰ ہے، اگر شاعری میں حقیقی توافق ہوتا تو اہل ہند اور اہل یونان کے راگوں کی تعداد میں اتنا بڑا تفاوت نہ ہوتا کہ اہل ہند کے یہاں کل ۳۶ راگ ہیں، اور

اہل یونان کے یہاں ۳۶۰ راگ ہیں، نیز کچھ خانہ بدوش لوگ ایسے بھی ہیں جو اہل ہند اور اہل یونان کی اصطلاحوں سے نا آشنا ہیں، پھر بھی وہ اپنے گیت خاص انداز سے گاتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مختلف شاعریوں میں حقیقی توافق نہیں، صرف تقریبی توافق ہے۔

وهكذا وقع اتفاقُ الأُمَمِ على الالتذاذِ بألحانٍ ونَغَماتٍ، وتحقَّق اختلافُهم في قوانينِ تغريدِهم، وأساليبِ تلحينهم

وقد وضع اليونانيون عددًا من الأوزان، يسمونها "المقاماتِ" واستنبطوا منها أصواتا وَشُعَبا، ودوَّنوا لأنفسهم فنًّامبسوطا مفصلاً.

وكذلك وضع الهنودُ ستةَ نَغماتٍ، وفرَّعوا منها نُغَيْمَاتٍ؛ وقد رأينا أهلَ البَداوةِ منهم الذين لايعرفون هذين المصطلحين، تفطنوا بحسب سليقتهم لتأليفِ الكلامِ وتلحينِه، وتغنَّوا به من دون ان يَضْبُطُوا له الكلياتِ، ويَحْصُروا له الجزئياتِ.

ترجمہ: اسی طرح امتیں سریلی آوازوں اور راگوں سے لطف اندوز ہونے پر متفق ہیں، اور ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے گانے کے قوانین اور خوش الحانی سے پڑھنے کے طریقوں میں۔

اور اہل یونان نے (گانے کے) چند اوزان (راگ) وضع کئے ہیں، جن کو وہ "مقامات" کہتے ہیں، اور ان راگوں سے بہت سی آوازیں اور قسمیں نکالی ہیں، اور اپنے لئے ایک مبسوط مفصل فن مدون کیا ہے۔

اسی طرح اہل ہند نے چھ راگ مقرر کئے ہیں، اور ان راگوں سے بہت سی راگنیاں نکالی ہیں، اور ہم بدوی لوگوں میں سے بعض کو دیکھتے ہیں —— جو ان دونوں اصطلاحوں سے نا آشنا ہیں —— کہ انھوں نے اپنے سلیقہ سے نظم کلام اور اس کو خوش الحانی سے پڑھنے کے (طریقہ) کو سمجھ لیا ہے، اور اُسی (طریقہ) پر گاتے ہیں، مگر انھوں نے اس کے لئے نہ کلیات کو محفوظ کیا ہے، نہ اس کے لئے جزئیات کا احاطہ کیا ہے۔

لغات:

اَلْحَان؛ لَحْن کی جمع ہے: سریلی آواز، خوش خوانی...... نَغَمَاتٌ؛ نَغْمَةٌ وَنَغَمَةٌ کی جمع ہے: راگ...... تَلْحِيْنٌ: خوش الحانی سے پڑھنا، گانا...... مَقَامات؛ مَقَام کی جمع ہے: ٹھہرنے کی جگہ

راگ،...... اَصْوات؛ صَوْت کی جمع ہے: آواز، سُر...... شُعَبٌ؛ شُعْبَة کی جمع ہے: شاخ، قسم، راگنی...... تَفَطَّنَ لکلامه: سمجھنا...... ضَبَطَهٗ(ن، ض) ضَبْطًا: خوب حفاظت کرنا۔

☆ ☆ ☆

گفتگو کا خلاصہ

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مختلف قوموں کے منظوم کلاموں اور راگوں کے بارے میں جو تفصیل ماقبل میں پیش کی گئی ہے، اس کو سامنے رکھ کر اگر ہم سوچیں اور غور کریں، تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مختلف منظوم کلاموں میں قدر مشترک چیز توافق تقریبی ہے، اور عقل انسانی کو اسی قدر مشترک چیز سے دلچسپی ہے، مردفہ موصولہ قافیوں سے کوئی دلچسپی نہیں، اور ذوق سلیم اسی حلاوت کو چاہتا ہے، بحر طویل اور مدید سے اس کو کوئی واسطہ نہیں۔

> وإذا حكّمنا الحَدْسَ بعد هذه المُلاحظاتِ، لم نجد الأمرَ المشتركَ سوى التوافقِ التقريبي؛ ولاغرضَ للعقلِ إلا بذلك المنتزعِ الإجمالي، ولاهمَّ له في تفاصيلِ القوافي المُرْدَفَةِ الموصولَةِ؛ولايحب الذوقُ السليمُ إلا تلك الحلاوةَ المَحْضةَ والعذوبَةَ الخالصةَ، ولاعلاقةَ له بطويلِ البَحْرِ ومديدِه.

ترجمہ: اور جب ہم حدس کو حکم بنائیں ان معروضات کے بعد، تو ہم توافق تقریبی کے سوا کوئی چیز مشترک نہیں پائیں گے، اور عقل کو کوئی غرض نہیں مگر اس نکالی ہوئی اجمالی چیز سے، اور اس کو کوئی دلچسپی نہیں مردفہ موصولہ قافیوں کی تفصیل سے، اور ذوق سلیم نہیں چاہتا مگر اسی خالص حلاوت اور خالص شرینی کو، اور اس کو کوئی واسطہ نہیں بحر طویل اور بحر مدید سے۔

لغات:

حَكَّمَهٗ: حَکَم بنانا...... الحَدْسُ: دانائی، زیرکی، ذہن کا مطلوب کی طرف دفعۃً منتقل ہونا...... مُلاحَظات؛ مُلاحَظه کی جمع ہے: معروض، پیش کردہ بات...... المَحْضَةُ: خالص...... بحر طویل یہ ہے: فَعُوْلُنْ مَفَاعِيْلُنْ فَعُوْلُنْ مَفَاعِيْلُنْ دو مرتبہ...... اور بحر مدید یہ ہے: فَاعِلَاتُنْ فَاعِلُنْ فَاعِلَاتُنْ فَاعِلُنْ دو مرتبہ۔

☆ ☆ ☆

قرآن کریم نے مشترک حسن اجمالی کی رعایت کی ہے

جب خلاق عالم نے ــــ جن کی قدرت بلند و بالا ہے ــــ انسان سے ــــ جو ایک مشت خاک ہے ــــ گفتگو کرنے کا ارادہ فرمایا تو صرف اس حسن اجمالی اور مشترک خوبی کو پیش نظر رکھا جو مختلف اقوام کے منظوم کلام میں پائی جاتی ہے، ان سانچوں اور پیمانوں کا لحاظ نہیں فرمایا جو ایک قوم کے نزدیک پسندیدہ ہیں تو دوسری قوم کے نزدیک ناپسندیدہ۔ اور جب مالک الملک نے انسانوں کی طرح گفتگو کرنا چاہا تو اسی سادہ بنیاد کو اور مشترک راز کو ملحوظ رکھا جو مختلف شاعریوں میں پایا جاتا ہے، اُن قواعد و قوانین کی پابندی نہیں کی جو زمانے اور طور و طریق کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔

اور اصطلاحی قواعد سے چمٹنے کی بنیاد عجز و جہل ہے یعنی جو قواعد کی پابندی کیئے بغیر کلام میں حسن پیدا کرنے کا طریقہ نہیں جانتا اور عاجز ہے وہ قواعد سے چمٹتا ہے، اور ان کے سہارے کلام میں مطلوبہ خوبی پیدا کرتا ہے، کیونکہ شاعری کے مقررہ قواعد کے توسط کے بغیر کلام میں حسن اجمالی اور فنی خوبی پیدا کرنا ــــ اس طرح کہ ہر نشیب و فراز میں انداز بیان یکساں رہے، اور میدانوں میں اور گھاٹیوں میں کلام ضائع نہ ہو ــــ محال اور ناممکن ہے۔ ہم برابر دیکھتے ہیں کہ جب آدمی کوئی طویل کلام کرتا ہے تو وہ یکساں نہیں ہوتا بلکہ کوئی جملہ فصیح، کوئی غیر فصیح، کوئی صحیح، کوئی غیر صحیح، کوئی سچا کوئی جھوٹا، کوئی موافق کوئی ناموافق کوئی مطابق حال کوئی غیر مطابق حال اور کبھی باہم متناقض کلام ہوتا ہے۔ انسان ایک حال میں نہیں رہتا کبھی غصہ میں ہوتا ہے کبھی مہربان، کبھی خوش دل ہوتا ہے کبھی تنگ دل، کبھی انبساط ہوتا ہے کبھی انقباض اور آدمی جس حالت میں ہوتا ہے اسی حالت کے موافق کلام کرتا ہے، ایک حالت میں دوسری حالت کا دھیان نہیں رہتا، یہ اللہ ہی کی شان ہے کہ ان کا کلام ہر حال میں یکساں رہتا ہے وہ اس پر پوری طرح قادر ہیں کہ مقررہ قواعد و ضوابط کی پابندی کے بغیر اپنے کلام میں حسن و خوبی پیدا کریں۔ اس کے بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ کلام اللہ کو سامنے رکھ کر ایک بنیاد منتزع کرتے ہیں اور ایک ضابطہ بناتے ہیں، جس کا اللہ پاک نے اپنے کلام میں لحاظ فرمایا ہے۔

اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر سورتوں میں سانس کی درازی کا لحاظ فرمایا ہے،

عروضیوں کی بحروں کا لحاظ نہیں فرمایا، اسی طرح فاصلوں (آیات کے آخری کلمات) میں اس بات کا لحاظ فرمایا ہے کہ سانس حرف مدہ پر یا اس حرف پر جاکر ختم ہو جس پر حرف مدہ تکیہ کرتا ہے، فن قافیہ کے قواعد کی رعایت نہیں کی۔

اور یہ بات بھی وضاحت طلب ہے، آگے اسکی وضاحت آرہی ہے، قارئین اس کو بغور پڑھیں۔

مراعاة القرآنِ الكريمِ للحسنِ الإجمالى المشتركِ

ولمّا أراد الخلاّقُ ـــ جلّتْ قدرتُه ـــ أن يُخاطِبَ الإنسانَ المخلوقَ من قُبضةِ طِيْنٍ، نظر إلى ذلك الحسنِ الإجمالى والجمالِ المشتركِ فحَسْبُ، ولم ينظر إلى قوالبَ مستحسنةٍ عند قومٍ دون قومٍ؛ وحينما شاء مالكُ المُلْكِ أن يتكلمَ على مَنْهَجِ الآدميين، لاحظ ذلك الأصلَ البسيطَ والسرَ المشتركَ، ولم يراع هذه القوانين المتغيرةَ بتغيرِ الأدوارِ والأطوارِ

ومبنى التمسُّكِ بالقوانين الاصطلاحيةِ هو العَجْزُ والجهلُ؛ وتحصيلُ تلك الحسنِ الإجمالى والجمالِ الفنى بدون توسُّطِ تلك القواعدِ ـــ بحيث لايتغير البيانُ فى الوِهاد والأنجادِ ولايَضيع الكلامُ فى السُّهولِ والجِبالِ ـــ معجزٌ وَمُفْحِمٌ، وأنا أنتزعُ من جرَيانِ الحقِ تعالى على ذلك السَّنَنِ أصلاً، وأضع منه قاعدةً:

وتلك القاعدةُ: أنه تعالى قد رَاعَى فى أكثرِ السورِ امتدادَ النفَسِ لاالبحرَ الطويلَ والمديدَ؛ وكذلك اعتبر فى الفواصلِ انقطاعَ النَفَسِ بالمدَّةِ، وبما تستقر عليه المدّةُ، لاقواعدَ فنِ القافيةِ.

وهــذه الكلمــةُ أيضًــا تقتضى بسطــا وتفصيــلاً فَلْيُلْقِ القارئُ السمعَ لما يُذكر بالتالى :

ترجمہ: قرآن کریم نے مشترک حسن اجمالی کی رعایت کی ہے: اور جب خالق کائنات نے ـــ جن کی قدرت نہایت بڑی ہے ـــ انسان سے گفتگو کرنے کا ارادہ فرمایا، جو ایک مشت خاک سے پیدا کیا گیا ہے؛ تو صرف اس حسن اجمالی اور مشترکہ خوبی کو پیش نظر رکھا (جس کی وضاحت پہلے گذر چکی ہے) اور ان سانچوں کو پیش نظر نہیں رکھا، جو ایک قوم کے نزدیک پسندیدہ ہیں نہ کہ دوسری قوم

کے نزدیک، اور جب مالک الملک نے انسانوں کے نہج پر کلام کرنا چاہا؛ تو اسی سادہ بنیاد اور مشترک راز کا لحاظ فرمایا، اور ان قوانین کی رعایت نہیں فرمائی جو زمانوں اور احوال کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔

اور اصطلاحی قوانین کی پابندی کا سبب عاجزی اور جہالت ہے، اور اس حسن اجمالی اور فنی خوبی کو ان قواعد کے توسط کے بغیر حاصل کرنا —— اس طرح کہ (کلام کے) نشیب و فراز میں، خوش بیانی میں کوئی فرق نہ آئے اور کلام (کی خوبی) میدانوں اور گھاٹیوں میں ضائع نہ ہو —— عاجز کرنے والا اور لاجواب کرنے والا ہے، اور میں اللہ تعالیٰ کے اس طرز کو اپنانے سے ایک اصل نکالتا ہوں، اور اس سے ایک قاعدہ بناتا ہوں۔

اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اکثر سورتوں میں سانس کی درازی کا لحاظ فرمایا ہے، نہ کہ بحر طویل اور مدید کا، اور اسی طرح فاصلوں میں اعتبار فرمایا ہے سانس کا حرف مدہ اور اس حرف پر ختم ہونے کا جس پر حرف مدہ ٹھہرتا ہے، نہ کہ فن قافیہ کے قواعد کا —— اور یہ بات بھی وضاحت اور تفصیل چاہتی ہے، لہٰذا پڑھنے والا غور سے وہ باتیں سنے جو ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

[illegible]ت:

الخَلاَّق (صیغہ مبالغہ) پیدا کرنے و[illegible] ؛ یعنی اللہ تعالیٰ...... قَوَالِب؛ قَالَب وقَالِب کی جمع ہے: سانچہ، ڈھانچہ، فرمہ...... الحُسْنُ الاجمالی، الجمالُ المشترك؛ الاصل البسیط؛ السِرُّ المشترك؛ اورالجمالُ الفَنّی یہ مختلف تعبیرات ہیں اور ان سے مراد وہ خوبی ہے جو مختلف قوموں کے منظوم کلام میں پائی جاتی ہے، یعنی توافق تقریبی...... الاَدْوار؛ الدَوْرُ کی جمع ہے: حرکت، چکر یہاں الدَور سے زمانہ کا ایک حصہ مراد ہے...... الاَطْوار؛ الطَوْر کی جمع ہے: حالت، طریقہ...... الوِهاد؛ الوَهْدَةُ کی جمع ہے: پست زمین، نشیب...... الاَنْجاد؛ النَجْد کی جمع ہے: بلند زمین فراز...... السُّهُولُ؛ اَلسَّهْلُ کی جمع ہے: ہموار زمین، میدانی علاقہ...... اَلْجِبَالُ؛ اَلْجَبَلُ کی جمع ہے، پہاڑ، سنگلاخ زمین...... مُعْجِز (اسم فاعل) عاجز کرنے والا...... مُفْحِم (اسم فاعل) لاجواب کرنے والا...... السَنَنُ: طریقہ، طرز...... النَفَسُ (بفتح الفاء) سانس جمع اَنْفاس...... الفَواصِل؛ الفاصَلة کی جمع ہے: آیت کا آخری کلمہ...... اَلْقَی الیه السَمْعَ: کان لگانا، غور سے سننا...... التالی: پیچھے آنے والا، مابعد۔

☆ ☆ ☆

سانس کی فطری درازی قرآن کریم کا وزن ہے

ابھی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر سورتوں میں سانس کی درازی کا لحاظ فرمایا ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ سانس کا اندر جانا اور باہر نکلنا ایک فطری چیز ہے اور سانس کو انسان اپنے اختیار سے لمبا بھی کرسکتا ہے،اور کوتاہ بھی کرسکتا ہے، لیکن اگر اس کو اس کی طبعی رفتار پر چھوڑ دیا جائے تو اس کی ایک محدود درازی ہوتی ہے یعنی سانس اندر جانے کے بعد چند سکنڈ کے بعد باہر نکلتا ہے، یہ دخول وخروج کے درمیان کا وقفہ اس کی درازی ہے۔اور انسان جب سانس لیتا ہے تو طبیعت میں نشاط اور انبساط پیدا ہوتا ہے، پھر وہ نشاط آہستہ آہستہ کم ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ آخر میں بالکل ختم ہوجاتا ہے اور آدمی تازہ نیا سانس لینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

اور سانس کی اس درازی کی ایک مبہم حد ہے یعنی متعین تو ہے مگر تقریبی طور پر متعین ہے، تحقیقی طور پر متعین نہیں اور وہ ایک ایسی مقدار کے ساتھ اندازہ کی ہوئی ہے جو سب لوگوں میں مشترک ہے یعنی تقریباً سبھی لوگوں کا سانس اسی قدر دراز ہوتا ہے اور اس کی درازی اس طرح متعین ہے کہ دو تین کلموں کی کمی بیشی مضر نہیں، بلکہ سانس کی جو فطری درازی ہے اس کو کوئی تہائی یا چوتھائی کے بقدر گھٹا بڑھانا چاہے تو آسانی سے گھٹا بڑھا سکتا ہے،اور آدمی جو شعر پڑھتا ہے اس میں اوتاد و اسباب کی کمی بیشی کی بھی گنجائش ہے یعنی لمبا شعر بھی ایک سانس میں پڑھ سکتا ہے اور چھوٹا شعر بھی،اسی طرح بعض ارکان کو بعض پر مقدم کرنے سے بھی پڑھنے میں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔

غرض سانس کی اس فطری درازی کو قرآن کریم میں وزن بنایا گیا ہے،اور اسی پر آیات کریمہ کو ڈھالا گیا ہے، پھر اس وزن (سانس کی درازی) کو تین قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے: طویل، قصیر،اور متوسط۔لمبی آیات جیسے سورۂ نساء کی آیات، متوسط آیات جیسے سورۂ اعراف وانعام کی آیات اور قصیر آیات جیسے سورۂ شعراء اور دخان کی آیات۔اس طرح سانس کے چھوٹے بڑے کا لحاظ کرکے قرآن کریم میں آیات کو موزون کیا گیا ہے۔

الامتدادُ النفَسی الطبیعی ھوالوزنُ فی القرآنِ

إعلم أن دخولَ النفَس فی الحُلقومِ وخروجَه منه أمرٌ طبیعی فی الإنسانِ، وإن کان تمدیدُہ وتقصیرُہ من مَقدورِہ، ولٰکنه إذا تُرِکَ علی سَجِیَّتِه فلا بُدَّ له من امتدادٍ

محدودٍ؛ والإنسانُ حينما يتنفسُ يجد النشاطَ، ثم يضمَحِلُّ ذلك النشاط تدريجا، حتى ينقطعَ كلياً في آخرِ الأمرِ، ويضطر إلى أخذِ النفَسِ الجديدِ الطازجِ.

وهذا الامتدادُ أمرٌمحدَّدٌ بحدٍ مُبْهَمٍ، ومقدَّرٌ بمقدارٍمشتركٍ،بحيث لايُضُرُّه نقصانُ كلمتين أو ثلاثٍ، بل ولا نقصانُ قَدْرِ الثُلثِ والربعِ وكذلك لايُخرجه عن الحد زيادةُ كلمتين أوثلاثٍ، بل ولازيادةُ قدر الثُلثِ والربعِ؛ ويسع فيه اختلافُ عدد الأوتاد والأسباب ويُسامَح فيه بتقدم بعض الأركان على بعض

فَجُعِلَ هذا الامتدادُ النفسي وزنًا، وقُسِّم على ثلاثة أقسام:

١- طويلٌ ٢- ومتوسطٌ ٣- وقصيرٌ

أما الطويلُ: فنحوُ سورةِ النساءِ.

وأما المتوسطُ: فنحوُ سورةِ الأعرافِ والأنعامِ.

وأما القصيرُ: فنحوُ سورةِ الشعراءِ والدخانِ.

ترجمہ: سانس کی فطری درازی ہی قرآن کریم کا وزن ہے: جان لیں کہ گلے میں سانس کا داخل ہونا، اور اس سے سانس کا نکلنا انسان میں ایک فطری چیز ہے، اگرچہ سانس کا دراز کرنا اور کوتاہ کرنا انسان کی قدرت میں ہے، لیکن سانس کو جب اس کے فطری حال پر چھوڑ دیا جائے تو اس کیلئے محدود درازی ضروری ہے، اور انسان جب سانس لیتا ہے، تو انبساط پاتا ہے، پھر وہ انبساط آہستہ آہستہ کم ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ آخر میں بالکل ختم ہو جاتا ہے، اور انسان نیا تازہ سانس لینے پر مجبور ہوتا ہے۔

اور درازی مبہم حد کے ساتھ محدود ہے، اور مشترک مقدار کے ساتھ اندازہ کی ہوئی ہے ــــ اس طور پر کہ اس کو دو یا تین کلموں کی کمی کوئی ضرر نہیں پہنچاتی، بلکہ تہائی اور چوتھائی مقدار کے بقدر کمی (بھی) کوئی ضرر نہیں پہنچاتی، اور اسی طرح دو یا تین کلموں کی زیادتی اس کو اس کی حد سے نہیں نکالتی، بلکہ تہائی اور چوتھائی کے بقدر زیادتی بھی اس کو محدود حد سے نہیں نکالتی، اور اس (درازی) میں اوتاد اور اسباب کی تعداد کے مختلف ہونے کی گنجائش ہوتی ہے، اور اس میں (کلام کے) بعض اجزاء کے بعض پر مقدم ہونے کے معاملہ میں چشم پوشی کی جاتی ہے۔

الغرض سانس کی اس درازی کو وزن بنایا گیا ہے، اور اس کو تین قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

۱-طویل ۲-متوسط ۳-اور قصیر

رہی طویل: تو جیسے سورۂ نساء، اور رہی متوسط: تو جیسے سورۂ اعراف اور انعام، اور رہی قصیر: تو جیسے سورۂ شعراء اور دخان۔

لغات:

الحُلقوم: نرخرہ، گلا، سانس کی نالی...... **سَجِيَّة**: طبیعت، عادت، حالت...... **نَشاط**: انبساط، فرحت، خوشی...... **اِضمَحَلَّ**: نیست ونابود ہونا، کمزور ہونا...... **اَوْتَاد**؛ **وَتِدِ** کی جمع ہے اور **اَسْباب**؛ **سَبَبٌ** کی جمع ہے ان دونوں کے معنی پہلے گذر چکے ہیں...... **مَسَامَحَةٌ فی الاَمْرِ وبالاَمْرِ**: نرمی کرنا، چشم پوشی کرنا۔

☆ ☆ ☆

سانس کا حرف مدہ پر ختم ہونا قرآن کریم میں قافیہ ہے

واؤ، الف اور یاء (جن کا مجموعہ وَایٗ ہے) جب یہ حروف ساکن ہوں اور ان کے ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو تو یہ حروف مدہ کہلاتے ہیں۔ الف تو ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور اس سے پہلے زبر ہی ہوتا ہے اس لئے وہ صرف حرف مدہ ہوتا ہے البتہ واؤ اور یاء جب ساکن ہوں اور واؤ سے پہلے پیش ہو اور یاء سے پہلے زیر ہو تو دونوں حرف مدہ ہوتے ہیں، اور اگر دونوں ساکن ہوں اور ان سے پہلے زبر ہو تو وہ حروف لین کہلاتے ہیں۔ الغرض حروف مدہ سے پہلے ایک ایسا حرف ہونا ضروری ہے جس کی موافق حرکت حروف وَایٗ کو حروف مدہ بناتی ہے اس لئے حروف مدہ کا اس حرف پر اعتماد اور تکیہ ہوتا ہے۔

اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ پہلے یہ قاعدہ گذرا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیتوں کے فاصلوں میں اس بات کا اہتمام فرمایا ہے کہ سانس حرف مدہ پر اور اس حرف پر ختم ہو جس پر حرف مدہ کا اعتماد ہے، اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ سانس کا حرف مدہ اور اس حرف پر ختم ہونا جس پر حرف مدہ کا اعتماد اور تکیہ ہوتا ہے ایک ایسا عام قافیہ ہے جس کو بار بار دہرانے سے لذت اور حلاوت محسوس ہوتی ہے۔ چاہے حرف مدہ کسی جگہ ''الف'' ہو، اور کسی جگہ ''واؤ'' ہو، اور کسی جگہ ''یا'' ہو، اور خواہ وہ آخری حرف جس پر حرف مدہ کا اعتماد ہوتا ہے کہیں ''با'' ہو تو کہیں ''میم'' یا ''قاف'' ہو،

لہٰذا یَعْلَمُوْنَ، مُؤْمِنِیْنَ اور مُسْتَقِیْمٌ سب ہم قافیہ ہیں، اسی طرح خُرُوْج، مَرِیج، تَحِید، تَبار، فُواق اور عُجَاب بھی ہم قافیہ ہیں، کیونکہ ان تمام کلمات میں سانس حرف مدہ اور اس حرف پر جاکر ختم ہوتا ہے جس پر حرف مدہ کا اعتماد ہے۔

خاتمة النفَسِ على المدَّةِ هي القافيةُ في القرآنِ

وخاتمةُ النفَسِ على المدَّةِ المعتمِدَةِ على حرفٍ، هي القافيةُ المتسعةُ التي يتلذذ الطبعُ من إعادتِها مرارًا؛ ولو كانت تلك المدَّةُ في موضعٍ "ألفًا" وفي موضعٍ آخرَ "واوًا" أو "ياءً" وسواءٌ كان ذلك الحرفُ الأخيرُ في موضعٍ "باء" وفي موضعٍ آخرَ "مِيما" أو "قافا" فـ "يعلمون" و "مؤمنين" و "مستقيم" كلُّها متوافقةٌ؛ و "خُروج" و "مَريج" و "تَحيد" و "تَبار" و "فُواق" و "عُجاب" كلُّها على قاعدةٍ.

ترجمہ: سانس کا حرف مدہ پر ختم ہونا قرآن کریم میں قافیہ ہے: اور سانس کا ایسے حرف مدہ پر ختم ہونا جو کسی حرف پر اعتماد رکھتا ہے، ایسا عام قافیہ ہے۔ کہ اس کو بار بار دہرانے سے طبیعت لذت محسوس کرتی ہے، اگرچہ وہ مدہ ایک جگہ "الف" ہو اور دوسری جگہ "واو" یا "یاء" ہو، اور چاہے وہ آخری حرف ایک جگہ "باء" ہو اور دوسری جگہ "میم" یا "قاف" ہو، لہٰذا یَعْلَمُوْنَ، مُؤْمِنِیْنَ اور مُسْتَقِیْم سب باہم موافق ہیں، اور خُرُوج، مَرِیج، تحید، تبار، فُواق اور عُجاب سب قاعدے کے مطابق ہیں۔

☆ ☆ ☆

کلمہ کے آخر میں الف کا آنا بھی قافیہ ہے

جس طرح سانس کا حرف مدہ اور اس حرف پر ختم ہونا جس پر حرف مدہ کا اعتماد ہے قرآن کریم میں قافیہ ہے، اسی طرح کلمہ کے آخر میں الف کا آنا بھی قرآن کریم میں دوسرا عام قافیہ ہے، جس کو بار بار دہرانے سے لذت اور حلاوت محسوس ہوتی ہے، چاہے حرف روی بدلتا رہے، اسی لئے ایک جگہ کَرِیْمًا، دوسری جگہ حَدِیْثًا اور تیسری جگہ بَصِیْرًا کہا جاتا ہے ــــ اور قافیہ کی اس قسم میں کبھی التزام کے بغیر حرف روی میں اتحاد ہو جاتا ہے، جیسے سورۂ مریم کے ابتدائی فاصلوں میں الف سے پہلے "یا" ہے، اور سورۂ فرقان کے ابتدائی فاصلوں میں الف سے پہلے "راء" اور "لام" ہیں۔

لحوقُ الألفِ في آخرِ الكلمةِ أيضًا قافيةٌ

وكذلك لحوقُ الألفِ في آخرِ الكلمةِ قافيةٌ متسعةٌ، في إعادتِها لذةٌ، ولو كان حرفُ الرَوِيِ مختلفًا، فيقول في موضعٍ "كريما" وفي موضعٍ آخرَ "حديثا" وفي موضعٍ ثالثٍ " بصيرا".

فإن التُزِمَ في هذه الصورةِ موافقةُ الرَوِي، كان من قبيل :"التزامِ مالايلتزم" كما وقع في أوائلِ سورة مريمَ وسورة الفرقانِ.

ترجمہ: کلمہ کے آخر میں الف کا آنا بھی قافیہ ہے: اور اسی طرح کلمہ کے آخر میں الف کا آنا عام قافیہ ہے، اس کے دہرانے میں لذت ہے، اگرچہ حرف رَوی مختلف ہو، چنانچہ ایک جگہ میں کَرِیۡمًا اور دوسری جگہ میں حَدِیۡثًا اور تیسری جگہ میں بصیرا فرماتے ہیں۔

پھر اگر اس صورت میں رَوی کی موافقت کا التزام کیا جائے، تو وہ التزام مالایلتزم (جو ضروری نہیں تھا اس کو ضروری قرار دینے) کے قبیل سے ہوگا، جیسا کہ سورۂ مریم اور سورۂ فرقان کے ابتدائی فاصلوں میں واقع ہوا ہے۔

نوٹ: رَوی کی تعریف اور مثالیں پہلے گذر چکی ہیں۔

☆ ☆ ☆

آیتوں کے آخر میں ایک ہی حرف کا آنا، اور ایک ہی جملہ کو بار بار لانا لذت بخش ہے

جس طرح ہر کلمہ کے آخر میں الف کا آنا فرحت افزا ہے، اسی طرح ہر آیت کے آخر میں ایک ہی حرف کا آنا لذت بخش ہے، جیسے سورۂ محمد میں ہر آیت کے آخر میں "میم" ہے اور سورۂ رحمٰن میں ہر آیت کے آخر میں "نون" ہے، اس سے بھی طبیعت میں سرور اور فرحت پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح کلام کی ایک مقدار کے بعد ایک ہی جملہ کا بار بار آنا بھی لذت بخش ہے، جیسے سورۂ شعراء میں ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً، وَمَا کَانَ اَکۡثَرُھُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ، وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ﴾ بار بار آیا ہے، اور سورۂ قمر میں ﴿فَکَیۡفَ کَانَ عَذَابِیۡ وَنُذُرِ، وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَھَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ﴾ بار بار آیا ہے، اور سورۂ رحمٰن میں ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ بار

بار آیا ہے۔ اور سورۂ مرسلات میں ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ بار بار آیا ہے، اس سے بھی طبیعت میں سرور و فرحت پیدا ہوتی ہے، چنانچہ بعض غزلوں اور ترانوں میں فرحت و سرور ہی کی غرض سے مطلع کو بار بار دہرایا جاتا ہے۔

توافق الآياتِ على حرفٍ واحدٍ وإعادةُ الجملةِ مفيدُ لذةٍ

وكذلك توافقُ الآيات على حرف واحد، كحرفِ "الميمِ" في سورةِ القِتالِ، و"النونِ" في سورةِ الرحمٰن يفيد لذةً وحلاوةً.

وكذلك إعادةُ جملةٍ بعد طائفةٍ من الكلامِ مفيدُ لذةٍ كما وقع في سورة الشعراءِ، وسورةِ القمرِ، وسورةِ الرحمٰنِ، وسورةِ المرسلاتِ.

ترجمہ: آیتوں کی ایک حرف میں موافقت، اور ایک جملہ کی تکرار لذت بخش ہے: اسی طرح آیتوں کی ایک حرف میں موافقت، جیسے سورۂ محمد میں میم اور سورۂ رحمٰن میں نون (کی موافقت) لذت اور حلاوت کا فائدہ دیتی ہے، اور اسی طرح ایک جملہ کا کلام کے ایک ٹکڑے کے بعد دہرانا لذت بخش ہے، جیسا کہ سورۂ شعراء سورۂ قمر، سورۂ رحمٰن اور سورۂ مرسلات میں واقع ہوا ہے۔

☆ ☆ ☆

کبھی سورت کے آخری فاصلے ابتدائی فاصلوں سے مختلف ہوتے ہیں

کبھی سامع میں نشاط پیدا کرنے کے لئے، اور کلام کی لطافت کو واضح کرنے کے لئے سورت کے آخری فاصلوں کو ابتدائی فاصلوں سے مختلف لایا جاتا ہے، مثلاً سورۂ مریم کے آخر میں اِدًّا هَدًّا، وُدًّا اور لُدًّا جیسے فاصلے آئے ہیں، جو ابتدائی فاصلوں سے مختلف ہیں ابتدائی فاصلے یہ ہیں: زَكَرِيَّا، خَفِيًّا، وَلِيًّا اور رَضِيًّا اور سورۂ فرقان کے آخر میں سَلَامًا، كِرَامًا، اِمَامًا اور لِزَامًا جیسے فاصلے ہیں، جو ابتدائی فاصلوں سے مختلف ہیں، ابتدائی فاصلے اس طرح ہیں: نَذِيْرًا، تَقْدِيْرًا، نُشُوْرًا، زُوْرًا، اَصِيْلاً اور رَحِيْمًا، اسی طرح سورۂ صٓ کے آخر میں سَاجِدِيْنَ، کافرین، مُنْظَرِيْنَ اور طِيْن جیسے فاصلے آئے ہیں جو ابتدائی فاصلوں سے مختلف ہیں، کیونکہ ابتدائی فاصلے اس طرح کے ہیں: شقاق، مَناص، كَذَّاب، عُجاب اور وَهَّاب۔

الغرض جس وزن اور قافیہ کی ماقبل میں وضاحت کی گئی ہے، ان کو اکثر سورتوں میں بہت اہمیت دی گئی ہے۔

اختلاف فواصلِ آخرِ السورةِ من أوائلِها

وقد تُبدَّل فواصلُ آخرِالسورةِ أوائلَها تَنْشيطًا للسامع، وإشعارا بلطافةِ الكلامِ، مثلُ: "إدًّا" و"هَدًّا" فی آخرِ سورةِ مريمَ؛ ومثلُ: " سلامًا" و" كرامًا" فی آخرِ سورةِ الفرقانِ؛ ومثلُ: "طينٍ" و" ساجدينَ" و"منظرينَ" فی آخر سورةِ ص، مع أن الفواصلَ فی أوائلِ هذه السورِ جاء ت مختلفةً عنها، كمالا يخفى

فجُعل الوزنُ والقافيةُ اللذان مضى التعبيرُ عنهما مُهمًّا فی أكثرِ السورِ.

ترجمہ: سورت کے آخری فاصلوں کا ابتدائی فاصلوں سے مختلف ہونا: اور کبھی سورت کے آخری فاصلوں کو اس کے ابتدائی فاصلوں سے مختلف لایا جاتا ہے، سامع میں نشاط پیدا کرنے کے لئے، اور کلام کی لطافت (خوبی) ظاہر کرنے کے لئے، مثلاً سورہ مریم کے آخر میں اِدًّا اور ھَدًّا (جیسے فاصلے ہیں) اور سورۂ فرقان کے آخر میں سَلَامًا اور کِرَامًا (جیسے فاصلے ہیں) اور سورہ صٓ کے آخر میں طِیْن، ساجدین اور منظرین (جیسے فاصلے ہیں) جبکہ ان سورتوں کے ابتدائی فاصلے ان سے مختلف آئے ہیں، جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

الغرض اُس وزن اور قافیہ کو جن کی وضاحت گذر چکی ہے، اکثر سورتوں میں بہت اہمیت دی گئی ہے

لغات:

نَشَّطَهٗ تَنْشِیْطًا: نشاط پیدا کرنا...... اَشْعَرَهٗ بِالْاَمْرِ: جتانا، خبر دینا۔

☆ ☆ ☆

فاصلوں کے سلسلے میں قرآن کا انداز

اگر آیت کا آخری کلمہ قافیہ بننے کے لائق ہوتا ہے، تو اسی کو قافیہ بنایا جاتا ہے، ورنہ آیت کے آخر میں ایسا جملہ بڑھایا جاتا ہے جس میں اللہ کی نعمتوں کا بیان ہوتا ہے یا مخاطب کے لئے تنبیہ ہوتی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ اور ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

حَكِيْمًا﴾ اور ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَاتَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ اور کبھی فرماتے ہیں: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ اور ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّاُوْلِي الْاَلْبَابِ﴾ اور ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

اور کبھی ایسی جگہوں میں اطناب سے کام لیتے ہیں، جیسے سورۂ فرقان کی آیت ۵۹ کے آخر میں ﴿فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ کا اضافہ اطناب ہے، کیونکہ اس کو کلام سابق کی مزید وضاحت اور تاکید کے لئے لایا گیا ہے، اور جو کلام مزید وضاحت یا تاکید کی غرض سے لایا جائے اس کو اصطلاح میں اطناب کہتے ہیں۔ اسی طرح سورۂ فلق کی آخری آیت ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ میں ﴿اِذَا حَسَدَ﴾ کا اضافہ اطناب ہے۔

اور کبھی ایسی جگہوں میں تقدیم و تاخیر کی جاتی ہے، جیسے ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳) میں تقدیم و تاخیر ہے، کیونکہ رَءُوْفٌ میں مبالغہ زیادہ ہے اور رَحِيْمٌ میں کم، لہٰذا قاعدے کی رو سے رَءُوْفٌ کو موخر اور رَحِيْمٌ کو مقدم کرنا چاہئے تھا۔ مگر فاصلہ کی رعایت سے رَءُوْفٌ کو مقدم اور رَحِيْمٌ کو مؤخر کیا گیا ہے، چنانچہ صاحب جلالین فرماتے ہیں: وَقُدِّمَ الْاَبْلَغُ لِلْفَاصِلَة: فاصلہ کی وجہ سے ابلغ کو بلیغ پر مقدم کیا گیا ہے۔

اور کبھی ایسی جگہوں میں قلب و زیادتی کی جاتی ہے، جیسے سورۂ صافات کی آیت ۱۳۰ کے آخر میں اِلْیَاس کو ''اِلْ یَاسِیْن'' سے بدلا گیا ہے، اور سورۂ تین کی دوسری آیت میں سِیْنَاء کو سِیْنِیْن سے بدلا گیا ہے، یہ دونوں قلب و زیادتی کی مثالیں ہیں، کیونکہ الیاس اور سیناء کے آخر میں یا اور نون کا اس طرح اضافہ کیا گیا ہے کہ ان دونوں کی صورتیں بدل گئی ہیں، اور واحد کے صیغے جمع جیسے ہوگئے ہیں، اور صرف زیادتی کی مثالیں یہ ہیں: وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا (سورۂ احزاب آیت ۱۰) اور ﴿وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا﴾ (سورۂ احزاب آیت ۶۶) اور ﴿فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴾ (سورۂ احزاب آیت ۶۷) ان تینوں آیتوں کے آخر میں فاصلہ کی رعایت سے الف کی زیادتی کی گئی ہے۔

منهجُ القرآنِ فی الفواصلِ

إن كان اللفظ فی آخرِ الآيةِ صالحا للقافِية فَبِهَا، وإلاّ وصل بجملةٍ فيها بيانُ آلاءِ اللّٰه، أو تنبيهٌ للمخاطبِ، كما يقول: ﴿وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ

لأولي الألباب﴾ ﴿إنّ في ذلك لآيات لقوم يتفكرون﴾
وقد يُطنِب في مِثْلِ هذه المواضع، مثلُ: ﴿فَسْئَلْ بِهِ خَبِيْرًا﴾ ويستعمل التقديمَ والتاخيرَ تارة، والقلبَ والزيادةَ أخرى، مثلُ: ﴿إِلْ يَاسِيْنَ﴾ في إلياس، ﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾ في سَيناء.

ترجمہ: فاصلوں میں قرآن کریم کا نہج: اگر آیت کا آخری کلمہ قافیہ کے لائق ہوتا ہے تو اسی کو قافیہ بنایا جاتا ہے، ورنہ (آخر میں) ایسا جملہ ملایا جاتا ہے جس میں اللہ کی نعمتوں کا بیان ہو، یا مخاطب کے لئے تنبیہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾، ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾، ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ﴿إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّأُوْلِي الْأَلْبَابِ﴾ ﴿إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

اور کبھی ایسی جگہوں میں کلام کو طویل کرتے ہیں، جیسے ﴿فَسْئَلْ بِهِ خَبِيْرًا﴾ اور کبھی تقدیم و تاخیر سے کام لیتے ہیں، اور کبھی قلب وزیادتی سے (کام لیتے ہیں) جیسے الیاس میں ﴿إِلْ يَاسِيْنَ﴾ اور سیناء میں ﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾

☆ ☆ ☆

چھوٹی آیتوں کے ساتھ لمبی آیت لانے، یا اس کے برعکس کرنے کی حکمت

یہاں یہ جان لینا چاہئے کہ جس کلام میں نئے الفاظ اور جدید کلمات ہوتے ہیں اس کی ادائیگی میں قدرے رکاوٹ اور دشواری ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس کلام کے ادا کرنے میں دیر لگتی ہے، اور جو کلام بار بار دہرایا جاتا ہے، یا جو کہاوت لوگوں میں رائج ہوتی ہے، اس کی ادائیگی میں روانی اور سہولت ہوتی ہے۔ اور کلام کی روانی اور سلاست طویل کلام کو مختصر کلام کے ہم وزن بنادیتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم کی بعض سورتوں میں کبھی چھوٹی آیتوں کے درمیان کوئی طویل آیت آجاتی ہے، جیسے سورۂ نجم کے پہلے رکوع میں چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں، مگر آیت نمبر ۲۳ طویل ہے، اور وہ یہ ہے: إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوْهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ، إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ، وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى.

اسی طرح سورۂ بروج میں چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں، مگر آیت ۱۰ اور ۱۱ دونوں طویل ہیں، اور

وہ یہ ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ، اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ﴾ ان آیتوں کو طویل لانے میں حکمت اور راز یہ ہے کہ ان آیتوں میں جو کلمات استعمال ہوئے ہیں وہ قرآن پاک میں بار بار آئے ہیں اس لئے یہ طویل آیتیں چھوٹی آیتوں کے ہم وزن شمار کی گئی ہیں۔

اور کبھی کلام میں حلاوت پیدا کرنے کے لئے شروع کے فقرے آخر کے فقرے سے چھوٹے لائے جاتے ہیں، جیسے سورۂ حاقہ میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوْه، ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ، ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ﴾ اسی طرح سورۂ مدثر کے بالکل آخر میں ارشاد باری ہے: ﴿ كَلاَّ اِنَّهُ تَذْكِرَةٌ، فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ، وَمَا یَذْكُرُوْنَ اِلاَّ اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰی وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ﴾ اس قسم کے کلام میں متکلم کا دلی منشا یہ ہوتا ہے کہ جب پہلے فقرے کو دوسرے فقرے کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے گا تو دونوں فقرے مل کر تیسرے فقرے کے برابر ہو جائیں گے۔

السِّرُّ فی الآیة الطویلةِ مع الآیاتِ القصیرةِ، وبالعکس

ولْیُعلم ههنا: أن انسجامَ الکلامِ وسهولتَه علی اللسانِ ـــــ لکونه مَثَلاً سائرًا أولتکررِ ذکره فی الآیة ـــــ یَجعل الکلامَ الطویلَ موزونا مع الکلامِ القصیرِ.

وربما یؤتیٰ بالفِقَرِ الأُوَل أقصرَ من الفقر التالیة، وهو یفید عذوبةً فی الکلام نحوُ قوله تعالی: ﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوْه ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ، ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ﴾؛ فکأن المتکلمَ یُضمرفی نفسِه فی مثل هذا الکلام: أن الفِقْرَةَ الأُولی مع الثانیة فی کِفَّةٍ والفقرةَ الثالثةَ وحدَها فی کفة.

ترجمہ: چھوٹی آیتوں کے ساتھ لمبی آیت (لانے) اور اس کے برعکس (کرنے) کا راز: اور چاہئے کہ جانا جائے یہاں کہ کلام کی روانی، اور زبان پر اس کی آسانی ـــــ اس کے رائج کہاوت ہونے کی وجہ سے، یا آیت میں اس کا بار بار ذکر آنے کی وجہ سے ـــــ طویل کلام کو مختصر کلام کے ہم وزن بنا دیتی ہے۔

اور کبھی شروع کے فقرے پچھلے فقروں سے چھوٹے لائے جاتے ہیں، اور یہ کلام میں حلاوت کا فائدہ دیتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ، ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ﴾ گویا متکلم اس جیسے کلام میں اپنے دل میں یہ ارادہ کرتا ہے کہ پہلا فقرہ دوسرے فقرے کے ساتھ ایک پلڑے میں ہے، اور تیسرا فقرہ تنہا ایک پلڑے میں ہے۔

لغات:

اِنْسِجَام: روانی، سلاست، اِنْسَجَمَ الماءُ: بہنا، اِنْسَجَمَ الکلامُ: کلام کا مرتب ہونا...... السَّائِرُ: رائج، سَارَ(ض) سَيْرًا: چلنا، سفر کرنا...... الموزون: ہم وزن...... اَضْمَرَ الْاَمْرَ: چھپانا، پوشیدہ کرنا، اَضْمَرَ فی نفسه شیئًا: دل میں کسی چیز کا عزم وارادہ کرنا...... الکِفَّةُ وَالْکُفَّةُ من المیزان: ترازو کا پلڑا۔

☆ ☆ ☆

تین حصوں والی آیت

کبھی کوئی آیت تین پایوں والی ہوتی ہے یعنی اس میں تین حصے ہوتے ہیں۔ اگر ہر حصہ کو الگ پڑھا جائے تو کوئی آیت طویل نہیں ہوگی مگر عام لوگ ایک حصہ کو دوسرے حصہ کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں تو پہلی آیت طویل معلوم ہوتی ہے اور دوسری چھوٹی ہو جاتی ہے، جیسے ارشاد خداوندی ہے ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ :—— فَأَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ؛ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ —— وَأَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؛ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (سورۂ آل عمران آیت ۱۰۶ و ۱۰۷) اس ارشاد میں تین جزء ہیں پہلا ﴿ يَوْمَ تَبْيَضُّ ﴾ الخ دوسرا ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ ﴾ الخ اور تیسرا ﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ ﴾ الخ اگر ہر جز کو الگ الگ پڑھا جائے تو کوئی آیت طویل نہ ہوگی، اسی طرح سورۂ فاتحہ میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ —— صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ —— غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ اس ارشاد میں بھی تین جزء ہیں، پہلا ﴿ اِهْدِنَا ﴾ الخ دوسرا ﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ ﴾ الخ اور تیسرا ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ ﴾ الخ اگر ہر جزء کو الگ الگ پڑھا جائے تو کوئی آیت طویل نہ ہوگی۔ مگر لوگ آخری دو حصوں کو ملا کر ایک ساتھ پڑھتے

ہیں اس لئے آخری آیت طویل ہو جاتی ہے۔

الآيةُ ذاتُ القوائمِ الثلاثِ

وربما تكون الآية ذاتَ قوائمَ ثلاثٍ، نحوُ قولِه تعالى: ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ: فَأَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ الآية ، وَأَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ الآية﴾ والعامَّةُ يصِلون الأولى مع الثانيةِ فيحسبونها طويلةً.

ترجمہ: تین پایوں والی آیت: اور کبھی کوئی آیت تین پایوں (حصوں) والی ہوتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ: فَأَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ الآية ، وَأَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ الآية﴾، اور عام لوگ پہلے پایہ (حصہ) کو دوسرے پایہ (حصہ) کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور اس کو طویل گمان کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

دو فاصلوں والی آیت

جس طرح شعراء کبھی ایک شعر میں دو قافیے لاتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کبھی ایک آیت میں دو فاصلے لاتے ہیں، جیسے سورۂ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾ (آیت ۱۷) اور سورۂ واقعہ میں ہے: ﴿فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ؛ مَا اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ﴾ (آیت ۸) ﴿وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ؛ مَا اَصْحٰبُ الشِّمَالِ﴾ (آیت ۴۱) اور سورۂ نوح میں ہے، ﴿وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا، وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا﴾ (آیت ۱۶) ﴿وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا؛ وَلَاتَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلاَّ ضَلٰلاً﴾ (آیت ۲۴) ﴿مِمَّا خَطِيْئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا؛ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا﴾ (آیت ۲۵) اور سورۂ صف میں ہے: ﴿نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ، وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (آیت ۱۳) اور سورۂ تغابن میں ہے: ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ؛ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (آیت ۱۲) یہ سب دو فاصلوں والی آیتیں ہیں، کیونکہ جس طرح نورًا اور سِراجًا، کَثِیْرًا اور ضَلٰلاً، نارًا اور اَنْصارًا قرآن پاک کے قافیے ہیں اسی طرح قَرِیْبٌ اور مُؤْمِنِیْنَ رسول اور مبین بھی قرآن پاک کے قافیے ہیں، اگر آپ کو ان کلمات کے ہم قافیہ ہونے میں شک ہو تو قرآن کریم کے قافیہ کی بحث جو پہلے گذر چکی ہے اس کو غور سے پڑھئے۔

الآيةُ ذاتُ الفاصلتَيْنِ

وقد يجيء سبحانه وتعالى بفاصلتين في آيةٍ واحدةٍ كما يكونُ ذلك في البيتِ أيضًا، نحوُ:

كالزهرِ في تَرَفٍ، والبدرِ في شرفٍ والبحرِ في كرمٍ، والدهرِ في هِمَمٍ

ترجمہ: دو فاصلوں والی آیت: اور کبھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایک آیت میں دو فاصلے لاتے ہیں، جیساکہ شعر میں بھی ایسا ہوتا ہے، جیسے:

کالزهر في تَرَفٍ، والبدر في شرف والبحرِ في كرم، والدهر في هِمَم

ترجمہ: (آنحضرت ﷺ) لطافت ونفاست میں شگوفہ کی طرح ہیں، اور عظمت ورفعت میں بدر کی طرح ہیں، اور جود وسخا میں سمندر کی طرح ہے۔ اور عزم وہمت میں زمانہ کی طرح ہیں۔

لغات:

الزَهْرُ: کلی، شگوفہ جمع اَزْهَار...... تَرَفٌ: خوش حالی، تازگی، لطافت، نفاست...... شَرَفٌ: عظمت ورفعت...... البَدْرُ: چودھویں کا چاند جمع البدور...... الدهْرُ: زمانہ جمع الدُهور...... هِمَمٌ؛ هِمَّةٌ کی جمع ہے: عزم، پختہ ارادہ۔

﴿فائدہ﴾ یہ شعر شیخ شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بن سعید البوصیری رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۱ھ یا ۶۹۶ھ) کے مشہور قصیدہ بردہ کا ہے، جو آپ نے آنحضرت ﷺ کی مدح میں اس وقت کہا تھا جب آپ فالج کی بیماری میں مبتلا ہوگئے تھے، آپ نے جب یہ قصیدہ پورا کیا تو رات میں آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپؐ نے شیخ کے بدن پر اپنا دست مبارک پھیرا، اور اپنی چادر میں لپیٹ لیا؛ صبح اٹھے تو بالکل تندرست تھے، چونکہ آنحضرت ﷺ نے شیخ کو خواب میں اپنی چادر میں لپیٹ لیا تھا اور چادر کو عربی میں بردہ کہتے ہیں، اس لئے اس قصیدہ کو قصیدہ بُردہ کہا جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

چھوٹی آیتوں کے ساتھ بہت لمبی آیت لانے کی حکمت

کبھی چھوٹی آیتوں کے ساتھ ایک بہت لمبی آیت لائی جاتی ہے، جیسے سورۂ مزمل میں چھوٹی

چھوٹی آیتیں ہیں، مگر آخری آیت بہت لمبی ہے، اسی طرح سورۂ مدثر کی آیتیں بھی چھوٹی چھوٹی ہیں مگر آیت ۳۱ بہت لمبی ہے۔ ایسا اس لئے کیا جاتا ہے کہ حسن کلام کی دو قسمیں ہیں: حسن ظاہری اور حسن معنوی۔ حسن ظاہری: وہ حسن ہے جو وزن کی یکسانیت اور قافیہ کی رعایت سے پیدا ہوتا ہے، اور حسن معنوی: وہ حسن ہے جو تین باتوں کے اکٹھا ہونے سے پیدا ہوتا ہے ایک: زبان سے کلام کی ادائیگی کا آسان ہونا یعنی کلام خوب رواں ہو، دوسری: کلام فطری نہج پر ہو یعنی آمد ہو آورد نہ ہو، تیسری: شروع سے آخر تک کلام ایک انداز پر ہو، درمیان میں انداز بدلا نہ ہو۔

اب وہ راز سمجھنا چاہئے جو چھوٹی آیتوں کے ساتھ بہت لمبی آیت لانے میں ہے کہ فطرت سلیمہ حسن ظاہری پر حسن معنوی کو ترجیح دیتی ہے، اس لئے چھوٹی چھوٹی آیتوں کے بعد، جن میں حسن ظاہری ہوتا ہے، بہت لمبی آیت حسن معنوی کی رعایت سے لائی جاتی ہے، بالفاظ دیگر یوں کہیں کہ چھوٹی چھوٹی آیتیں چل رہی ہوتی ہیں جن میں حسن ظاہری ملحوظ ہوتا ہے اور قاری اسی انداز کی آیت کا منتظر ہوتا ہے کہ اچانک حسن معنوی کی بھرپور رعایت کے ساتھ بہت لمبی آیت لائی جاتی ہے اور قاری امر منتظَر سے اس کو بہت ہی بہتر خیال کرتا ہے، کیونکہ حسن معنوی، حسن ظاہری سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

أطولُ آيةٍ مع الآياتِ القصارِ

وقد يجيء بالآية الواحدة أطولَ من سائرِ الآياتِ و السِرُّ فيه: أنه لو وُضِعَ حسنُ الكلام الذى نَشَأ من تقارُبِ الوزنِ ووجدانِ الأمرِ المنتظَرِ الذى هو القافيةُ، فى كِفَّةٍ، ووُضع حسنُ الكلام الذى نشأ من سهولةِ الأداءِ و موافقةِ طبع الكلامِ، وعدمِ لحوقِ التغيرِ فيه، فى كفةٍ أُخرى، تُرجِّح الفطرةُ السليمةُ جانبَ المعنى فيُهمِلُ أحدَ الانتظارَيْنِ، ويَوفِّي الحقَ فى الانتظار الثانى.

ترجمہ: چھوٹی آیتوں کے ساتھ بہت طویل آیت: اور کبھی اللہ تعالیٰ ایک آیت دیگر آیتوں سے بہت طویل لاتے ہیں، اور اس میں راز یہ ہے کہ ایک پلڑے میں رکھا جائے کلام کے اس حسن کو جو وزن کے قریب قریب ہونے سے اور اس بات کے پائے جانے سے پیدا ہوتا ہے جس کا انتظار ہے، اور وہ قافیہ ہے، اور کلام کے اس حسن کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے جو ادائیگی کی سہولت

سے اور کلام کی طبیعت کی موافقت سے اور اس میں تغیر نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، تو فطرت سلیمہ معنیٰ کی جانب کو ترجیح دے گی، پس اللہ تعالیٰ دو انتظاروں میں سے ایک کو چھوڑ دیتے ہیں اور دوسرے انتظار کا حق پورا پورا ادا فرماتے ہیں۔

لغات:

سَائِر : دیگر...... نَشَأَ(ف) نَشْأً وَنَشْأَةً: پیدا ہونا...... تَقَارَبَهُ تَقَارُبًا: قریب ہونا...... اَهْمَلَهُ اِهْمَالاً: جان بوجھ کر یا بھولے سے چھوڑ دینا۔

☆ ☆ ☆

بعض سورتوں میں مذکورہ وزن و قافیہ کی رعایت نہیں کی ہے

پہلے جس وزن و قافیہ کی وضاحت کی گئی ہے، اس کی اکثر سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے رعایت فرمائی ہے، مگر بعض سورتوں میں اس کا لحاظ نہیں کیا، بلکہ بعض سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے خطیبوں کے انداز کو اور حکیموں کے طرز بیان کو اختیار فرمایا ہے، سورۂ علق؛ سورۂ قدر اور سورۂ مدثر کے انداز بیان میں اور قافیوں میں غور کیجیے، معلوم ہوگا کہ ان سورتوں کا قافیہ اور انداز بیان حدیث ام زرع کے انداز بیان اور قافیوں سے ملتا جلتا ہے، حدیث اُم زرع کا کچھ حصہ یہ ہے:

قالتِ الْأُوْلٰی: زَوْجِی لَحْمُ جَمَلٍ غَثٌّ؛ عَلٰی راسِ جَبَلٍ وَعْرٍ، لاسَهْلٍ فَیُرْتقٰی؛ ولا سَمِینٍ فَیُنْتقٰی.

قالتِ الثانیةُ: زَوْجِی لاَ اَبُثُّ خَبَرَهُ، اِنِّی اَخَافُ اَنْ لاَ اَذَرَهُ، اِنْ اَذْكُرْهُ اَذْكُرْ عُجَرَهُ وَبُجَرَهُ،

قالت الثالثةُ: زَوْجِی العَشَنَّقُ، اِن اَنْطِقْ اُطَلَّقْ؛ وَاِنْ اَسْكُتْ اُعَلَّقْ.

قالتِ الرابعةُ: زَوْجِی كَلَیْلِ تِهَامَةَ؛ لاَحَرٌّ وَلاَقُرٌّ، وَلاَ مَخَافَةَ وَلاَسَامَةَ.

قالتِ التاسعةُ: زَوْجِی رَفِیْعُ العِمَادِ، طویلُ النِّجَادِ، عظیمُ الرَّمَادِ، قریبُ البیتِ مِنَ النَّادِ.

قالتِ العاشرةُ: زَوْجِی مالكٌ، ومَامَالِكٌ؟! خَیْرٌ مِنْ ذٰلِكَ، لَهُ اِبِلٌ كَثِیْرَاتُ الْمَبَارِكِ، قلیلاتُ المَسَارِحِ، واذا سمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ اَیْقَنَّ اَنَّهُنَّ هَوَالِكُ (بخاری شریف ص۷۷۹ شمائل ترمذی ص۱۸)

اور بعض آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کسی بات کی رعایت کئے بغیر عربوں کے رسائل و مکاتیب کا نہج اور طرز اختیار فرمایا ہے، یعنی جس طرح لوگ آپس میں گفتگو کرتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے جیسے سورۂ مزمل کی آخری آیت، اور سورۂ مدثر کی اکتسویں آیت میں بالکل سادہ انداز اور فطری نہج پر اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے مگر اللہ تعالیٰ ہر کلام کو اس طرح پورا کرتے ہیں جس طرح اس کو پورا ہونا چاہئے

اور اس میں راز یہ ہے کہ عربی زبان میں وقف ایسی جگہ کیا جاتا ہے جہاں سانس ختم ہو جائے، اور نشاط باقی نہ رہے اور وقف میں اس کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ سانس حرف مدہ پر ختم ہو۔

الغرض انہی رموز کی وجہ سے جو اس فصل میں بیان کئے گئے ہیں کلام خداوندی آیتوں کی صورت میں ظہور پذیر ہوا ہے اور یہ وہ رموز ہیں جو اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب پر منکشف فرمائے ہیں، واللہ اعلم۔

لم يُراعِ ذلك الوزنَ والقافيةَ في بعض السورِ

وأماما قلنا في فاتحةِ المَبْحَثِ: أن سنةَ اللّٰهِ تعالى قد جرتْ في أكثرِ السورِ على ذلك، فإنما هو لأجلِ أن اللّٰهَ سبحانه وتعالى لم يُراعِ في بعضِ السورِ ذلك النوعَ من الوزنِ والقافيةِ فجاء ت طائفةٌ من الكلامِ على مَنْهَجِ خُطَبِ الخطباء وأمثالِ الحكماء؛ ولعلك قد سمعتَ مسامرةَ النساء المرويةَ عن سيدتنا عائشة رضي اللّٰه عنها وفهِمتَ قوافِيَهَا؛ ووقع الكلامُ في بعض السورِ على منهج رسائلِ العربِ بدون رعايةِ شيءٍ، مثلُ محاورةِ الناسِ؛ إلا أنه يختتم كلَّ كلامٍ بشيء يكون مبنيا على الاختتامِ.

والسرُّ هنا: أن الأصلَ في لغةِ العربِ هو الوقفُ في موضعٍ ينتهي إليه النَفَسُ، ويضمحلُّ نشاطُ الكلامِ؛ والمستحسنُ في محلِ الوقفِ انتهاءُ النفَسِ على المدَّةِ؛ ومن أجلِ هذا تشكّلَ الكلامُ في صورةِ الآياتِ، هذا ما فتح اللّٰهُ تعالى على العاجزِ في هذا البابِ، واللّٰه أعلم.

ترجمہ: بعض سورتوں میں اس وزن و قافیہ کی رعایت نہیں کی: اور ہم نے بحث کے آغاز میں (یعنی اس فصل کے شروع میں) جو کہا تھا کہ "اللہ کی سنت اکثر سورتوں میں یہ رہی ہے" تو وہ اس وجہ

سے (کہا تھا) کہ اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں میں اس قسم کے وزن اور قافیہ کی رعایت نہیں فرمائی، چنانچہ کلام خداوندی کا ایک حصہ خطیبوں کی تقریروں اور دانشمندوں کی کہاوتوں کے نہج پر وارد ہوا ہے، اور شاید آپ نے ان عورتوں کی رات کی باتیں سنی ہونگی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور آپ نے اس کے قافیوں کو سمجھا ہوگا ——— اور بعض سورتوں میں کلام خداوندی واقع ہوا ہے عربوں کے رسائل کے نہج پر کسی بات کی رعایت کئے بغیر، جیسے لوگوں کی عام گفتگو ہوتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے ہر کلام کو ایسی بات پر ختم فرمایا ہے جو اختتام کے قابل ہوتی ہے۔

اور یہاں راز یہ ہے کہ دراصل عربی زبان میں ایسی جگہ وقف کیا جاتا ہے جہاں سانس ختم ہو جاتا ہے، اور گفتگو کا نشاط فنا ہو جاتا ہے، اور محل وقف میں اس کو اچھا سمجھا جاتا ہے کہ سانس حرف مدہ پر ختم ہو، اور اسی وجہ سے کلام خداوندی آیتوں کی صورت میں ظہور پذیر ہوا ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس باب میں اس عاجز پر منکشف فرمائی ہیں، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

لغات:

اَمْثَال؛ مَثَلٌ کی جمع ہے: کہاوت، عمدہ بات...... سَامَرَہٗ مُسَامَرَۃً: رات کو باتیں کرنا، چاند کی روشنی میں قصہ گوئی کرنا...... تَشَکَّل تَشَکُّلاً: صورت اختیار کرنا۔ متشکل ہونا۔

﴿فائدہ﴾ کسی زمانہ میں عرب کی گیارہ عورتوں نے چاند کی روشنی میں بیٹھ کر آپس میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہر ایک اپنے میاں کا صحیح حال بیان کرے، پھر ہر ایک نے اپنے شوہر کا حال بیان کیا تھا، ان عورتوں میں ایک کا نام ام زرع تھا اس لئے اس قصہ کو حدیث ام زرع کہتے ہیں۔ یہ گفتگو آنحضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنائی تھی۔

☆ ☆ ☆

نئے اوزان اور قوافی اختیار کرنے کی وجہ

سوال: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جن اوزان و قوافی کو اختیار فرمایا ہے؛ ان کے بارے میں اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ان اوزان و قوافی میں اتنی لذت وحلاوت نہیں جتنی اشعار کے اوزان و قوافی میں ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اشعار کے اوزان و قوافی کو کیوں اختیار نہیں فرمایا؟

جواب: تو اس کا اولاً یہ جواب ہے کہ اَلَذّ (زیادہ لذیذ) ہونا اقوام واذہان کے اعتبار سے مختلف

ہوتا ہے، کسی قوم کو یا کسی شخص کو شعراء کے اوزان و قوافی زیادہ پسند ہوتے ہیں تو کسی کو قرآن کریم کے، پس مطلقاً یہ بات صحیح نہیں ہے کہ شاعری کے اوزان و قوافی الذ ہیں۔

ثانیاً: اگر ہم تسلیم کرلیں کہ شاعری کے اوزان و قوافی میں بہ نسبت قرآنی وزن و قافیہ کے زیادہ لذت وحلاوت ہے، تو پھر ہم یہ جواب دیں گے کہ قرآن کریم میں نئے اوزان و قوافی اس لئے اختیار کئے گئے ہیں تاکہ ہر شخص پر قرآن کریم کی برتری اور فضیلت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے، کیونکہ نئے طرز کے کلام کی برتری اور فوقیت آسانی سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے، اور قدیم طرز کے کلام کی برتری اور فوقیت ہر شخص نہیں سمجھ سکتا، صرف ماہرین فن ہی سمجھ سکتے ہیں، اسی لئے جب کوئی بلیغ شاعر یا ماہر ادیب اپنی برتری اپنے ہم سروں پر واضح کرنا چاہتا ہے تو نئے طرز پر غزل کہتا ہے، یا نئے انداز پر مقالہ لکھتا ہے، اور کہتا ہے: کیا کوئی شخص اس طرز پر غزل کہہ سکتا ہے؟! یا اس انداز پر مقالہ لکھ سکتا ہے؟!

الغرض آنحضرت ﷺ کے امی ہونے کے باوجود آپ کی زبان مبارک سے نئے اور نرالے اوزان و قوافی کا صادر ہونا؛ آپ کی نبوت ورسالت کی روشن نشانی اور واضح دلیل ہے، اگر قرآن کریم اشعار کے معروف اوزان و قوافی پر نازل ہوا ہوتا تو کفار یہ گمان کرتے کہ یہ تو وہی شاعری ہے جو عربوں کے یہاں مشہور و معروف ہے، اور اس گمان سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوتا، کیونکہ اس گمان کی وجہ سے وہ نہ قرآن پاک کی خوبی اور برتری کو پہچان سکتے اور نہ آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کو جان پاتے۔

وجهُ اختيارِ الأوزانِ والقوافي الجديدةِ:

وإن سألوا: لماذا لم يختر سبحانه وتعالى تلك الوزنَ والقافيةَ اللذَيْنِ هما معتبران عند الشعراء، وهما الَذُّ من هذا؟

قلنا: كونُهما الَذَّ يختلف باختلاف الأقوامِ والأذهانِ؛ ولو سلمنا: فإبداعُ أسلوبٍ من الوزنِ والقافيةِ على لسانِ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم ــــ وهو اُميّ ــــ آيةٌ ظاهرةٌ على نبوته صلى الله عليه وسلم.

ولو نزل القرآنُ على أوزانِ الأشعارِ وقوافيها لَحَسِبَ الكفارُ أنه هو الشعرُ المعروفُ المشهورُ عند العربِ، ولم يَجْنُوا من ذلك الحِسْبَانِ فائدةً، كما أن

البلغاءَ من الشعراءِ والكُتّابِ حين يحاولون إبرازَ مزيتِهم، ورجحانِهم على أقرانِهم على رءُوسِ الأشهادِ يستنبطون صناعةً جديدةً، ويتحدَّون: " هل من رجل يقرِض الشعرَ مِثْلي، ويكتب الرسالةَ نحوي؟!" ولو جرى هؤلاء على النَمَطِ القَدِيْمِ لم تظهر براعتُهم إلا على المحققين البارعين.

ترجمہ: نئے اوزان و قوافی اختیار کرنے کی وجہ: اگر لوگ پوچھیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کیوں اختیار نہیں فرمایا اس وزن و قافیہ کو جو شعراء کے نزدیک معتبر ہیں؟ جبکہ وہ دونوں (وزن و قافیہ) اس سے زیادہ لذت بخش ہیں؟

تو ہم جواب دیں گے کہ ان دونوں کا زیادہ لذت بخش ہونا قوموں اور ذہنوں کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے اور اگر ہم تسلیم کرلیں (کہ اشعار کے اوزان و قوافی زیادہ لذت بخش ہیں) تو (پھر جواب یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک پر انوکھے انداز کے وزن و قافیہ کا جاری ہونا ——— حالانکہ آپؐ امی تھے ——— آنحضرت ﷺ کی نبوت کی واضح نشانی ہے، اور اگر قرآن کریم اشعار کے اوزان و قوافی پر نازل ہوتا تو کفار یہ گمان کرتے کہ یہ وہی شعر ہے، جو عربوں کے یہاں مشہور و معروف ہے، اور وہ اس گمان کی وجہ سے کوئی فائدہ نہ اٹھاتے، جیسا کہ بلیغ شاعر اور ادیب جب اپنی برتری اور فضیلت اپنے ہم سروں پر برسرِ عام ظاہر کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، تو نیا طریقہ ایجاد کرتے ہیں، اور چیلنج کرتے ہیں: کیا کوئی مرد میری طرح شعر کہہ سکتا ہے؟! اور میرے طرز پر مقالہ لکھ سکتا ہے؟! اور اگر یہ لوگ قدیم طرز اپناتے تو ان کی مہارت واضح نہ ہوتی مگر محققین ماہرین پر۔

لغات:

جَنَى الثَّمرَ (ض) جَنْيًا: درخت سے پھل توڑنا، مجازاً: فائدہ اٹھانا...... حَاوَلَ الشيئَ مُحَاوَلَةً وحِوالاً: ارادہ کرنا...... الكُتَّاب، الكاتب کی جمع ہے: ادیب، انشاء پرداز...... أَبْرَزَهُ إِبْرَازًا: ظاہر کرنا، أَبرزَ الكتابَ: شائع کرنا...... أَقْرَان، قِرْن کی جمع ہے: ہم سر، ہم پلہ...... تَحَدَّى الرجلَ: مقابلہ کرنا، چیلنج کرنا...... قَرَضَ الشِعْرَ (ض) قَرْضًا: شعر کہنا...... النَمَط: طریقہ، روش، طرز...... البَرَاعَةُ: مہارت، کمال، بَرَعَ (ن، س، ک) بَرَاعَةً: علم یا فضیلت یا جمال میں کامل ہونا، صفت بَارِعٌ ج بارعون۔

فصل سوم

علوم خمسہ کو بار بار دہرانے اور ان کو غیر مرتب بیان کرنے کی وجہ

اس فصل میں قرآن کریم کے اسلوب کے بارے میں دو اہم سوال اور ان کے جواب ذکر کیے جاتے ہیں۔

پہلا سوال: اگر لوگ سوال کریں کہ قرآن کریم میں جو پانچ علوم صراحۃً بیان کیے گئے ہیں ان کے مطالب اور مباحث کو بار بار کیوں دہرایا گیا ہے؟ اور اللہ نے ایک جگہ ذکر کرنے پر اکتفا کیوں نہیں کیا؟

جواب: تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ مخاطب کے سامنے جو بات پیش کی جاتی ہے، اس کے دو مقصد ہوتے ہیں: کبھی مخاطب کے سامنے کلام اس لئے پیش کیا جاتا ہے کہ وہ جو بات نہیں جانتا اس کو جان لے، چنانچہ جب مخاطب کے سامنے کلام پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس بات سے واقف ہو جاتا ہے جس سے وہ ناواقف تھا۔

اور کبھی مخاطب کے سامنے کلام اس لئے پیش کیا جاتا ہے کہ جو بات اس کو بتائی جارہی ہے، وہ اس کے ذہن میں مستحضر ہو جائے، اور اس کے دل و دماغ میں اچھی طرح جم جائے اور مخاطب اس کے رنگ میں رنگ جائے، چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر ہم کبھی جانا پہچانا شعر بار بار دہراتے ہیں، اور ہر بار نیا لطف اٹھاتے ہیں۔

الغرض کلام ان دو مقصدوں اور فائدوں کی وجہ سے مخاطب کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، اور قرآن کریم نے علوم خمسہ میں سے ہر علم کے بارے میں مذکورہ بالا دونوں فائدوں کا ارادہ کیا ہے، یعنی ناواقف کو واقف کرنا، اور جاننے والوں کے نفوس کو ان علوم سے رنگین کرنا۔ اور اسی

دوسرے فائدے کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بہ کثرت تلاوت کرنے کا اور بار بار دہرانے کا حکم دیا ہے محض سمجھ لینا کافی نہیں سمجھا۔

البتہ احکام کے اکثر مباحث کو بار بار نہیں دہرایا گیا، کیونکہ احکام کے مباحث میں یہ دوسرا فائدہ مطلوب نہیں، صرف پہلا فائدہ مقصود ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے جن مباحث کو بار بار ذکر فرمایا ہے ان کو ہر جگہ تازہ عبارت اور نئے انداز سے ذکر فرمایا ہے، تاکہ وہ مطالب و مباحث دلوں میں پیوست ہو جائیں، اور دل و دماغ باغ باغ ہو جائیں —— اگر ان مباحث کو ایک ہی عبارت اور ایک ہی انداز کے ساتھ بار بار دہرلیا جاتا، تو وہ وظیفہ کی طرح ہو جاتے، اور لوگ ان مباحث و مطالب میں غور و خوض نہ کرتے، کیونکہ ایک بات جب ایک ہی عبارت اور ایک ہی انداز کے ساتھ بار بار دہرائی جائے تو ذہن غور و خوض نہیں کرتا، اور جب ایک بات مختلف تعبیروں اور الگ الگ اسلوبوں کے ساتھ دہرائی جائے تو ذہن غور و خوض کرتا ہے اور دل و دماغ گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

الفصل الثالث

فی

وجهِ التكرارِ فی العلومِ الخمسةِ، وعدمِ الترتیبِ فی بیانِها

۱- إن سألوا: لماذا كُرِّرتْ مطالبُ العلومِ الخمسة فی القرآنِ العظیم؟ ولِمَ لم یكتفِ سبحانه وتعالى ببیانِها فی موضعٍ واحدٍ؟

قلنا: إن ما نرید إفادتَه للسامع على قسمین:

الأول: أن یكون المقصودُ هناك مجردَ تعلیم مالا یعلمُ؛ فالمخاطبُ الذی لایدری حكما من الأحكام، ولم یُدرِكه عقلُه، إذا سمع هذا الكلامَ یصیر ذلك المجهولُ عنده معلومًا.

والثانی: أن یكون المقصودُ استحضارَ صورةِ ذلك العلمِ فی قوتِه المُدرِكةِ

لیتلذذَ به لذةً تامةً، وتفنَى القُوَى القلبيةُ والإدراكيةُ فی ذلك العلمِ؛ ويغلب لونُ ذلك العلمِ القُوى كلَّها، حتی تنصبغَ به؛ كما نُكرِّر الشعرَ الذی علمنا معناه، فنجد كلَّ مرةٍ لذةً جديدةً، ونُحِبُّ التكرارَ لأجلِ هذه الفائدةِ.

والقرآنُ العظيمُ أراد إفادةَ القسمين المذكورَين بالنسبة إلى كُلِّ واحدٍ من مباحثِ العلومِ الخمسةِ، فأرادتعليمَ مالا يعلم بالنسبة إلى الجاهلِ، وأراد انصباغَ النفوسِ بتلك العلوم بتكرارِها بالنسبة إلى العالِمِ؛اللهم إلا أكثرُ مباحثِ الأحكامِ، فإنه لم يقع فيها هذا التكرارُ؛ لأن الإفادةَ الثانيةَ غيرُ مطلوبةٍ فيها.

ولأجلِ ذلك أمرنا اللّٰهُ تعالی بتكرارِ التلاوةِ والإكثارِ منها، ولم يَكتفِ بمجردِ الفهمِ.

ولكن رَاعٰی سبحانه وتعالی مع التكرارِ هذا القدرَ من الفَرْقِ: أنه اختار فی أكثرِ الأحوالِ تكرارَ تلك المطالبِ بعبارةٍ طَرِيَّةٍ، وأسلوبٍ جديدٍ، ليكونَ أوقعَ فی النفوس، وألذَّ فی الأذهان، ولو كرَّرَ سبحانه وتعالی بلفظٍ واحدٍ لكان كالوِرْدِ الذی يُكررونه؛ وأما فی صورةِ اختلافِ التعابيرِ، وتنوُّعِ الأساليبِ فيخوض الذهنُ، ويتعمَّق الخاطرُ بأسرِه فی تلك المطالبِ.

ترجمہ: تیسری فصل: علوم خمسہ کو بار بار دہرانے، اور ان کو غیر مرتب بیان کرنے کی وجہ کے بیان میں: اگر لوگ سوال کریں کہ قرآن عظیم میں علوم خمسہ کے مباحث (مضامین) بار بار کیوں دہرائے گئے ہیں؟ اور اللہ سبحانہ وتعالی نے ایک جگہ بیان کرنے پر اکتفا کیوں نہیں فرمایا؟

(تو) ہم جواب دیں گے کہ سامع کو جس چیز کا فائدہ پہنچانے کا ہم ارادہ کرتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلا فائدہ: یہ ہے کہ یہاں مقصود صرف اس چیز سے واقف کرنا ہوتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا، پس مخاطب (کلام سننے سے پہلے) احکام میں سے ایک حکم کو نہیں جانتا، اور اس کی عقل اس کا علم وادراک نہیں رکھتی، (پھر) جب مخاطب اس کلام کو سنتا ہے، تو وہ نا معلوم چیز اس کے نزدیک معلوم ہو جاتی ہے۔

اور دوسرا فائدہ: یہ ہے کہ مقصود اس علم کی صورت کا اس کی قوت مدرکہ میں مستحضر کرنا ہوتا ہے، تاکہ مخاطب اس سے پوری لذت حاصل کرے، اور قلبی اور ادراکی قوتیں اس علم میں فنا ہو جائیں، اور اس علم کا رنگ تمام قوتوں پر چھا جائے، یہاں تک کہ تمام قوتیں اس علم سے رنگین ہو جائیں، جیسا کہ ہم اس شعر کو جس کے معنی جانتے ہیں بار بار دہراتے ہیں، اور ہر بار نئی لذت محسوس کرتے ہیں، اور اسی فائدے (اور لذت) کی وجہ سے بار بار دہرانے کو پسند کرتے ہیں۔

اور قرآن کریم نے ارادہ فرمایا ہے مذکورہ دونوں قسموں کے افادہ کا علوم خمسہ کے مباحث میں سے ہر ایک کی بہ نسبت، چنانچہ نامعلوم چیز سے واقف کرنے کا ارادہ فرمایا ہے ناواقف کی طرف نظر کرتے ہوئے، اور ان علوم سے نفوس کے رنگین ہونے کا ارادہ فرمایا ہے ان علوم کو بار بار دہرانے سے عالم کی طرف نظر کرتے ہوئے، ہاں مگر احکام کے اکثر مباحث میں یہ تکرار واقع نہیں ہوئی ہے، کیونکہ دوسرا فائدہ ان میں مطلوب نہیں ہے، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں تلاوت کو بار بار دہرانے، اور کثرت سے تلاوت کرنے کا حکم دیا ہے، اور صرف سمجھنے پر اکتفا نہیں فرمایا۔

لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بار بار دہرانے کے ساتھ اتنا فرق ملحوظ رکھا ہے کہ اکثر احوال میں ان مباحث کی تکرار کو پسند فرمایا ہے تازہ عبارت اور نئے اسلوب کے ساتھ، تاکہ وہ (مباحث) دلوں میں اچھی طرح پیوست ہو جائیں اور ذہنوں کے لئے لذیذ ترین ہو جائیں، اور اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ (ان مباحث کو) ایک ہی لفظ کے ساتھ بار بار دہراتے تو وہ (مباحث) اس وظیفہ کی طرح ہو جاتے جس کو لوگ بار بار دہراتے ہیں، اور تعبیروں کے مختلف ہونے، اور اسلوبوں کے متنوع ہونے کی صورت میں ذہن غور وخوض کرتا ہے، اور دل پوری طرح ان مباحث کی گہرائی میں اترتا ہے۔

☆ ☆ ☆

علوم خمسہ کو ترتیب وار بیان نہ کرنے کی حکمت

دوسرا سوال: اور اگر لوگ یہ سوال کریں کہ قرآن کریم میں علوم خمسہ کے مباحث ومقاصد کو غیر مرتب طریقہ پر کیوں بیان کیا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ترتیب وار کیوں بیان نہیں فرمایا؟ مثلاً سب سے پہلے آلاء اللہ (اللہ کی نعمتوں) کے مباحث مکمل ذکر فرماتے، پھر ایام اللہ (یعنی

اللہ کی نوازشوں اور سزاؤں) کو کامل طریقہ پر بیان فرماتے، پھر کفار کے ساتھ جدل اور مخاصمہ کے مباحث ذکر فرماتے الی آخرہ۔

جواب: تو ہم یہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ علوم خمسہ کے مباحث و مطالب کو ترتیب وار بیان کرنا چاہتے، تو اللہ کے لئے یہ کوئی دشوار کام نہیں تھا، مگر ایک اہم حکمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ان مباحث کو ترتیب وار بیان نہیں فرمایا۔

اور وہ حکمت: آنحضرت ﷺ کی بعثت بلا واسطہ جن لوگوں کی طرف ہوئی تھی، ان کی زبان اور انداز بیان میں موافقت کرنا ہے، اور اس حکمت کی طرف اس ارشاد خداوندی میں اشارہ ہے: ﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا: لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ؟ ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ﴾ ترجمہ: اور اگر ہم اس کو عجمی قرآن بناتے تو لوگ یوں کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں؟ کیا عجمی کتاب اور عربی رسول؟ (یہ کیسی بے تکی بات ہے؟) (سورۂ حم السجدہ آیت ۴۴)

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عربوں کے پاس نزول قرآن کے وقت تک کوئی کتاب نہیں تھی، نہ آسمانی کتاب، نہ انسانی کتاب، اور نہ وہ کتابی انداز بیان کو جانتے تھے، نہ اس ترتیب کو پہچانتے تھے جو بعد میں ارباب تصنیف نے ایجاد کی ہے۔

آپ کو اگر اس بات میں شک ہو تو ان شعراء کے قصائد کو غور سے پڑھیے جنھوں نے جاہلیت اور اسلام کے دونوں زمانے پائے ہیں، اور نبی کریم ﷺ کے گرامی ناموں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مکاتیب کا مطالعہ کیجئے، ان شاء اللہ صحیح صورت حال واضح ہو جائے گی، اور آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عرب نزول قرآن سے پہلے نہ کتابی انداز بیان کو جانتے تھے، نہ اس ترتیب کو پہچانتے تھے جو بعد میں ارباب تصنیف نے ایجاد کی ہے،

ایسی صورت حال میں اگر اللہ تعالیٰ کتابی انداز بیان اختیار فرماتے اور ترتیب وار علوم خمسہ کے مباحث بیان کرتے، تو عرب حیرت زدہ رہ جاتے، اور پریشان ہو جاتے، اور ان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے علوم خمسہ کے مباحث کو ترتیب وار بیان نہیں فرمایا۔

نیز علوم خمسہ کے مباحث کو ترتیب وار بیان نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نزول قرآن کا مقصد صرف ناواقف کو واقف کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا بنیادی مقصد ان علوم کا ہر وقت استحضار

اور تکرار ہے، اور یہ مقصد غیر مرتب کلام سے علی وجہ الاتم پورا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں ایک بات بار بار سامنے آتی ہے جس کی وجہ سے وہ بات ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

۲۔ وإن سألوا: لماذا نُشِرت هذه المطالبُ فی القرآنِ العظیم، ولم يُراعِ الترتيبَ: فيذكر آلآءَ اللهِ اولاً، ويستوفی حقَّها، ثم يذكر ايامَ اللهِ فيُكمِلُهَا، ثم يبدأ بالجدلِ مع الكفارِ؟

قلنا: إن قدرةَ الله تبارك وتعالى وإن كانت محيطةً بجميعِ الممكناتِ، ولكنَّ الحاكمَ فی هذه الأبواب هو الحكمةُ.

والحكمة: هی موافقةُ المبعوثِ إليهم فی اللسانِ واسلوبِ البيانِ، وإلى هذا المعنى أشيرَ فی قوله تعالى: ﴿لَقَالُوْا: لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ؟ ءَ اَعْجَمِیٌّ وَعَرَبِیٌّ﴾.

ولم يكن لدی العربِ إلى وقتِ نزولِ القرآنِ ایُّ كتابٍ: لا من الكتبِ الإلٰهيةِ، ولامن مؤلَّفاتِ البشرِ؛ وإن الترتيبَ الذی اخترعه المصنفون اليومَ لم يكن يعرفُه العربُ؛ وإن كنتَ فی رَيْبٍ من هذا، فتامَّلْ قصائدَالشعراء المُخَضْرَمِيْن واقرأرسائلَ النبیِ الكريمِ صلى الله عليه وسلم، ومكاتيبَ عُمَرَ الفاروقِ رضی الله عنه، يَتَّضِحْ لك هذه الحقيقةُ؛ فلو جاء الكلامُ على غيرِما كانوا يَعهَدونه من طرائقِ البيانِ، لوقعوا فی الحَيْرةِ، وَلَوَصَلَ إلى سمعِهم شیءٌ لايألفونه، ولشوَّش عقولَهم.

وأيضًا: لم يكن المقصودُ مجردَ إفادةِ مالايعلمونه، بل المقصودُ هو الإفادةُ مع الاستحضارِ والتكرارِ؛ ويتوفَّر هذا المعنى فی غيرِ المرتَّبِ بأقوی وجهٍ وأتمِ صورةٍ.

ترجمہ: ۲-اور اگر لوگ سوال کریں کہ قرآن عظیم میں ان مباحث کو کیوں منتشر کیا گیا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ نے ترتیب کی رعایت کیوں نہیں فرمائی؟ پس آلاء اللہ کو پہلے ذکر کرتے اور اس کا پورا حق ادا فرماتے، پھر ایام اللہ کو ذکر کرتے، اور اس کو مکمل فرماتے، پھر کفار کے ساتھ مخاصمہ کا آغاز فرماتے۔

(تو) ہم جواب دیں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت اگرچہ تمام ممکنات کا احاطہ کرنے والی

ہے، لیکن ان مباحث میں حاکم حکمت ہے (یعنی حکمت کو پیش نظر رکھا گیا ہے)

اور حکمت جن لوگوں کی طرف آنحضرت ﷺ کو بھیجا گیا ہے ان کی موافقت کرنا ہے زبان اور انداز بیان میں، اور اس حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں: ﴿لَقَالُوْا: لَوْلاَ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ؟ ءَ أَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ﴾ (سورۂ فصلت آیت ۴۴)

اور عربوں کے پاس نزول قرآن کے وقت تک کوئی کتاب نہیں تھی، نہ آسمانی کتابوں میں سے کوئی کتاب، نہ انسان کی تالیفات میں سے کوئی کتاب، اور یہ ترتیب جس کو مصنفین نے آج ایجاد کیا ہے، اس کو عرب نہیں جانتے تھے، اور اگر آپ کو اس بارے میں شک ہو، تو ان شعراء کے قصائد غور سے پڑھیے جنہوں نے جاہلیت اور اسلام کے زمانوں کو دیکھا ہے، اور نبی کریم ﷺ کے گرامی ناموں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مکاتیب پڑھیے، آپ کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی، لہٰذا اگر (ان کے سامنے) کلام خداوندی بیان کے جن طریقوں کو وہ پہچانتے تھے ان کے علاوہ کسی طریقہ پر آتا، تو وہ حیرت میں پڑ جاتے، اور ان کے کانوں میں ایسی بات پہنچتی جس سے وہ مانوس نہیں تھے، اور وہ (کلام) ان کی عقلوں کو تشویش میں مبتلا کر دیتا۔

اور نیز (نزول قرآن کا) مقصد جو بات وہ نہیں جانتے تھے صرف اس کا فائدہ پہنچانا نہیں ہے، بلکہ (نزول قرآن کا) مقصد استحضار و تکرار کے ساتھ فائدہ پہنچانا ہے اور یہ مقصد غیر مرتب کلام میں اقوی طریقے اور کامل ترین صورت کے ساتھ پورا ہوتا ہے۔

لغات:

اَلْمُخَضْرَمِيْنَ؛ اَلْمُخَضْرَمُ کی جمع ہے: وہ شخص جس نے جاہلیت اور اسلام دونوں کے زمانوں کو دیکھا ہو...... عَهِدَ الأَمْرَ (س) عَهْدًا: پہچاننا، جاننا...... اَلِفَهُ (س) اَلْفًا: مانوس ہونا، محبت کرنا...... شَوَّشَ تَشْوِيْشًا: تشویش اور پریشانی میں ڈالنا...... تَوَفَّرَ تَوَفُّرًا: پورا ہونا، کامل ہونا، زیادہ ہونا۔
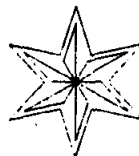
فصل چہارم

اعجاز قرآن کی وجوہات

قرآن کریم کی حقانیت کی واضح ترین دلیل اس کا اعجاز ہے، یعنی ایسا کلام ہونا ہے جس کی نظیر اور مثال پیش کرنے سے تمام انسان عاجز ہیں، اسی لئے اس کو آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ کہا جاتا ہے، قرآن کریم کے بار بار چیلنج کے باوجود آج تک کوئی فرد بشر اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کا مثل پیش نہیں کرسکا، اور نہ قیامت تک کوئی شخص اس کا مثل پیش کرسکتا ہے، اس لئے یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے معجز ہونے کی کیا وجہ ہے؟

شاہ صاحب اس فصل میں اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ہمارے نزدیک قرآن کریم کا اعجاز کسی ایک وجہ میں منحصر نہیں ہے، بلکہ اس کی وجوہات متعدد ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

پہلی وجہ: قرآن کریم کے معجز ہونے کی ایک وجہ اس کا انوکھا انداز بیان ہے ــــ قرآن کریم کے نزول سے پہلے عرب اپنی فصاحت وبلاغت اور مہارت وفوقیت کا اظہار چار طریقوں سے کیا کرتے تھے، کوئی قصیدوں کے ذریعہ اپنی فصاحت وبلاغت کا لوہا منواتا تھا، کوئی خطبوں (تقریروں) کے ذریعہ اپنے جوہر دکھاتا تھا، کوئی مکتوبات اور نوشتوں کے ذریعہ اپنی فوقیت جتاتا تھا، تو کوئی محاورات اور عام گفتگو کے ذریعہ اپنی برتری ثابت کرتا تھا، ان چار طریقوں کے علاوہ کوئی اور طریقہ عرب نہیں جانتے تھے اور نہ کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنے پر قادر تھے ــــ ایسی صورت میں نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے جو کہ امی تھے، عربوں کے معروف اسلوبوں کے علاوہ ایک انوکھے اسلوب کا ظاہر ہونا قرآن کریم کے اعجاز کی روشن دلیل ہے۔

دوسری وجہ: آنحضرت ﷺ کا کسی سے علم حاصل کئے بغیر گذشتہ زمانوں کے قصوں اور سابقہ ملتوں کے احکام کی صحیح خبر دینا، اور کتب سابقہ کی تصدیق کرنا قرآن کریم کے اعجاز کی نہایت واضح دلیل ہے، کیونکہ کوئی انسان وحی کے بغیر ایسے واقعہ کی خبر نہیں دے سکتا جس کو

اس نے دیکھا ہو نہ سنا ہو، اسی طرح کسی سے علم حاصل کئے بغیر سابقہ ملتوں کے احکام کی صحیح خبر دینا بھی کسی کے بس کی بات نہیں، اور قرآن کریم ایسے واقعات اور خبروں سے بھرا پڑا ہے، اس لئے کوئی شخص قرآن کریم کا مثل پیش کرنا چاہے، تو قیامت کی صبح تک پیش نہیں کر سکتا۔

تیسری وجہ: قرآن کریم کا آئندہ پیش آنے والے واقعات اور حالات کی خبر دینا اس کے اعجاز کی نہایت روشن دلیل ہے، جب قرآن کریم کی پیشین گوئیوں کے مطابق کوئی نیا واقعہ سامنے آتا ہے تو قرآن کریم کا نیا اعجاز ظاہر ہوتا ہے، مثلاً سورۂ روم میں رومیوں کے غلبہ کی خبر ایسے وقت میں دی گئی تھی کہ بظاہر ان کے غلبہ کا کوئی امکان نہیں تھا، مگر قرآن کریم کی پیشین گوئی کے مطابق جب چند ہی سالوں میں رومیوں کو زبردست فتح حاصل ہوئی، تو انصاف پسند لوگوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ ایسی پیشین گوئی کوئی انسان نہیں کر سکتا۔

اسی طرح جب آنحضرت ﷺ کفار مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر ہجرت کے ارادہ سے مکہ مکرمہ سے نکلے اور غار ثور میں تین دن قیام فرما کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے اور جحفہ کے قریب پہنچے، تو وہاں مکہ مکرمہ جانے والی سڑک ملی، وہ مکہ مکرمہ جہاں خدا کا گھر ہے، اور جو آپ کا وطن تھا، جس کے چھوٹنے پر آپ رنجیدہ ہوئے، تو تسلی دینے کے لئے سورۂ قصص کی یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلٰی مَعَادٍ (سورۂ قصص آیت ۵۸)	جس خدا نے آپ پر قرآن کریم (کے احکام پر عمل اور اس کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے، وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ (یعنی مکہ مکرمہ) کی طرف لوٹانے والا ہے۔

ہجرت کے وقت آنحضرت ﷺ جس بے سروسامانی کے عالم میں مکہ مکرمہ سے نکلے تھے، اس کے پیش نظر بہ ظاہر اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کی کوئی توقع نہیں تھی، مگر چند ہی سال بعد آنحضرت ﷺ اسی شہر مکہ میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے، اور یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی، اور کفار مکہ نے جو اسلام کے کٹر دشمن، اور آپ کے خون کے پیاسے تھے قرآن کریم کی حقانیت کو اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کو تسلیم کر لیا۔

چوتھی وجہ: قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت کا وہ بلند ترین درجہ جو انسان کی قدرت ودسترس سے باہر ہے، قرآن کریم کے معجز ہونے پر دلالت کرتا ہے، مگر ہم چونکہ قدیم عربوں کے بعد

آئے ہیں، اس لئے بلاغت کے اس اعلیٰ درجہ کی کُنہ اور حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے، البتہ اتنی بات ہم بھی جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں جس قدر فصیح و بلیغ کلمات اور شیریں ترکیبات جس حسن و خوبی اور بے تکلفی کے ساتھ استعمال ہوئی ہیں، اس قدر فصیح و بلیغ کلمات اور شیریں ترکیبات متقدمین اور متاخرین کے کسی قصیدے میں ہم نہیں پاتے، اور یہ ذوق و وجدان سے تعلق رکھنے والی بات ہے، جس کو ماہر شعراء ہی سمجھ سکتے ہیں، عوام اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تذکیر کی تینوں قسموں کو اور مخاصمہ کے مباحث کو ہر جگہ سورت کے اسلوب کے مطابق ایسے نئے اور تازہ انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کا دامن پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا ——— اور اگر آپ اس بات کو اور اچھی طرح بوجھنا چاہتے ہیں تو پہلے انبیائے کرام کے ان قصوں کو غور سے پڑھئے جو سورۂ اعراف، سورۂ ہود اور سورۂ شعراء میں ذکر کئے گئے ہیں، پھر ان قصوں کو سورۂ صافات میں دیکھئے، پھر ان ہی قصوں کو سورۂ ذاریات میں ملاحظہ فرمائیے، ہر جگہ سورت کے اسلوب کے مطابق نیا انداز نظر آئے گا، اور یہی حال ہے نافرمانوں کے عذاب اور فرماں برداروں کے ثواب کے تذکرہ کا کہ ہر جگہ نئے انداز میں عذاب و ثواب کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسی طرح دوزخیوں کے باہم مباحثہ اور جھگڑنے کا تذکرہ بھی ہر جگہ نئے اور نرالے انداز میں کیا گیا ہے یہ سب باتیں اگر تفصیل سے بیان کی جائیں تو بات دور جا پڑے گی، آپ خود ہی پڑھ کر اندازہ کریں۔

اسی طرح ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں جس قدر مقتضائے حال کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے اور استعاروں اور کنایوں کا استعمال کیا گیا ہے، اور ناخواندہ مخاطبین کا لحاظ جس قدر عمدہ اور احسن طریقہ پر قرآن کریم میں کیا گیا ہے، اس کا عشرِ عشیر بھی کوئی نہیں کر سکتا، قرآن کریم میں عام فہم گفتگو کے دوران ایسے عمدہ نکات بیان فرمائے گئے ہیں کہ عوام و خواص سب یکساں طور پر محظوظ ہوتے ہیں، جبکہ ایسی گفتگو کرنا جو عوام و خواص سب کے نزدیک پسندیدہ ہو نہایت دشوار کام ہے، اور انسان کی قدرت و دسترس سے باہر ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

الحاصل آپ قرآن کریم میں جتنا زیادہ غور کریں گے، آپ کو اس میں اتنی ہی زیادہ خوبیاں اور اعجاز کی دلیلیں نظر آئیں گی، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

یـزیـدك وجهـه حُسْـنـا إذا مـــا زدتَــه نـظـرًا

پانچویں وجہ: قرآن کریم کے اعجاز کی پانچویں وجہ ایسی ہے جس کو وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جو اسرار شریعت اور اس کی حکمتوں کو جانتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو پانچ علوم صراحۃً بیان کئے گئے ہیں، وہ خود اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی آدم کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے، جیسے کوئی حاذق طبیب اور ماہر حکیم جب ابو علی سینا کی کتاب "القانون" کا مطالعہ کرتا ہے اور بیماریوں کے اسباب اور ان کی علامتوں کے بارے میں ابوعلی سینا نے جو تحقیقات پیش کی ہیں اور دواؤں اور ان کی خاصیتوں کے بارے میں جو تفصیلات بیان کی ہیں، ان کو غور سے پڑھتا ہے، تو اس کو اس بات میں شک نہیں رہتا کہ اس کتاب کا لکھنے والا فن طب میں بڑی مہارت رکھتا ہے۔

اسی طرح اسرار شریعت کا ماہر جب اُن باتوں کو جان لے جن کا انسانوں کی تہذیب اور اصلاح میں دخل ہے، پھر وہ علوم خمسہ کو غور سے پڑھے تو وہ قطعی طور پر جان لے گا کہ یہ علوم ایسے عمدہ طریقہ اور مناسب انداز پر پیش کئے گئے ہیں کہ اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

الحاصل قرآن کریم کے اعجاز کے دلائل خود قرآن کریم میں موجود ہیں، لہٰذا قرآن کریم کے معجز ہونے پر دلائل پیش کرنے کی مثال کچھ ایسی ہے جیسے سورج کے روشن ہونے پر دلائل قائم کرنا:

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلت باید ازوے رومتاب

الفصلُ الرابعُ

فی

وجوهِ إعجازِ القرآنِ الكريمِ

وإن سألوا: ما هو وجهُ الإعجازِ فی القرآنِ الكريمِ؟

قلنا: الذی تحقَّق عندنا هو أن وجوهَ الإعجازِ فی القرآنِ الكريمِ كثيرةٌ:

١ـ منها: الأسلوبُ البديعُ ـــ لأن العربَ كانت لهم عِدَّةُ ميادينَ يركُضون

فيها جَوَادَ البلاغة، ويتسابقون فيها مع أقرانهم، ألا، وهي القصائدُ والخُطَبُ والرسائلُ والمُحَاوراتُ؛ ولم يكونوا يعرفون غيرَ هذه الأصنافِ الأربعةِ، ولم يكن عندهم قدرةٌ على إبداع أسلوبٍ سواها؛ فإبداعُ أسلوبٍ غيرِ أساليبِهم على لسانِ النبي الأمي صلى الله عليه وسلم عينُ الإعجاز.

۲۔ ومنها: الإخبارُ عن القِصَصِ الماضيةِ وأحكامِ المِلَلِ السابقةِ، على وجهٍ يصدِّق الكتبَ السابقةَ بدون تعلُّمٍ من أحد.

۳۔ ومنها: الإخبارُ بالأحوالِ الآتية؛ فكلّما وُجِدَ شيء منها على طَبْقِ ذلك الإخبارِ، ظهر إعجازٌ جديدٌ.

ترجمہ: چوتھی فصل: قرآن کریم کے وجوہ اعجاز کے بیان میں: اور اگر لوگ پوچھیں کہ قرآن کریم کے معجز ہونے کی وجہ کیا ہے؟

(تو) ہم جواب دیں گے کہ جو بات ہمارے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے معجز ہونے کی وجوہات بہت ہیں:

۱- ان (وجوہات) میں سے ایک وجہ (قرآن کریم کا) انوکھا انداز بیان ہے، کیونکہ عربوں کے لئے چند میدان تھے، جن میں وہ بلاغت کے گھوڑے دوڑاتے تھے، اور ان ہی میدانوں میں اپنے ہم سروں کے ساتھ مسابقہ (اور مقابلہ) کرتے تھے، سنو! وہ (میدان) قصیدے، خطبے، رسالے اور محاورے تھے، اور ان چار قسموں کے علاوہ کوئی انداز نہیں پہچانتے تھے، اور نہ ان میں ان چار قسموں کے علاوہ کسی اسلوب کے ایجاد کرنے کی طاقت تھی، پس ان کے اسلوبوں کے علاوہ انوکھے اسلوب کا ناخواندہ نبی کی زبان مبارک سے ظاہر ہونا عین اعجاز ہے ـــــ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲- اور ان (وجوہات) میں سے ایک وجہ گذرے ہوئے واقعات اور سابقہ ملتوں کے احکام کی خبر دینا ہے، اس طرح کہ وہ خبر کتب سابقہ کی تصدیق کرتی ہو کسی سے سیکھے بغیر۔

۳- اور ان (وجوہات) میں سے ایک وجہ آئندہ پیش آنے والے حالات کی خبر دینا ہے، چنانچہ جب ان (احوال) میں سے کوئی چیز اس پیشین گوئی کے مطابق پائی جاتی ہے تو (قرآن کریم کا) نیا اعجاز ظاہر ہوتا ہے۔

٤۔ ومنها: الدرجةُ العليا من البلاغةِ التی لیست من مقدورِ البشر ـــ ونحن إذ جئنا بعدَ العربِ الأولین، لانستطیع أن نصِلَ إلی کُنْهِهَا؛ ولکنَّ القدرَ الذی نعلمُه، هو أن استعمالَ الکلماتِ الجَزْلة والترکیباتِ العَذْبَةِ مع اللطافةِ وعدمِ التکلُّفِ، کما نجد ذلك فی القرآنِ العظیم، لانجد مثلَه فی ایِّ قصیدةٍ من قصائدِ المتقدمین والمتاخرین، وهذا أمرٌ ذوقی یدرکه ـــ کما ینبغی ـــ المهرةُ من الشعراءِ، ولایتذوَّقه العامةُ.

وکذلك نعلم أن فی أنواع التذکیر الثلاثةِ، والجَدَلِ مع الکفار تُکْبَسَی المطالبُ فی کل موضعِ حسبَ أسلوبِ السورة، لباسًا جدیداً طریفًا، تقصُر یدُ المتطاولِ عن ذیله.

وإن تعسَّر إدراكُ ذلك علی أحدٍ فلیتأمل فی إیرادِ قِصَص الأنبیاءِ فی سورة الأعرافِ وهودٍ والشعراءِ، ثم لِینظرْ إلیها فی الصافاتِ، ثم لیقرأ هذه القصصَ نفسَها فی الذاریاتِ، لیتجلی له الفرقُ.

وکذلك الحالُ فی ذکرِ تعذیبِ العصاةِ وتنعیمِ المطیعین، فقدیذکر ذلك فی کل مقامٍ بأسلوبٍ جدیدٍ؛ وهکذا تخاصُمُ أهلِ النار بعضِهم مع بعضٍ، یتجلی فی کل مقام فی صورةٍ جدیدةٍ؛ والکلامُ فی هذا یطول.

وکذلك نعلم أیضًا أن رعایةَ مقتضی الحالِ الذی تفصیلُه فی علم المعانی، واستعمالَ الاستعاراتِ والکنایاتِ، التی تکفَّل ببیانها علمُ البیان، مع مراعاةِ حالِ المخاطبین الأمیین الذین یجهلون هذه الصناعاتِ، لایُتَصوَّر کلُّ ذلك أحسنَ مما یوجد فی القرآنِ العظیم؛ وذلك لأن المطلوبَ فی القرآنِ الکریم أن تُودَعَ فی المخاطباتِ المعروفةِ التی یعرفها کلُّ أحدٍ من الناسِ، نکتةٌ رائقةٌ مفهومةٌ عند العامَّة، مرضیةٌ عند الخاصة؛ وهذا الأمرُ کالجَمْع بین الضدَّیْن، لیس من مقدورِ البشرِ، واللّٰهُ علی کل شیءٍ قدیر، ولله دَرُّ الشاعرِ حیث یقولُ:

یـزیـدُك وجهُـه حُسْنـا　　　إذا مـا زدتـه نـظـرًا

ترجمہ: ۴-اور ان (وجوہات) میں سے ایک وجہ (قرآن کریم کی) بلاغت کا وہ بلند ترین درجہ ہے جو انسان کی قدرت میں نہیں ہے، اور جب ہم متقدمین عرب کے بعد آئے ہیں، تو اس (درجہ)

کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے، لیکن جتنی بات ہم جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ فصیح وبلیغ کلمات اور شیریں ترکیبات کا استعمال جس خوبی اور بے تکلفی کے ساتھ ہم قرآن عظیم میں پاتے ہیں متقدمین اور متأخرین کے قصیدوں میں سے کسی قصیدے میں نہیں پاتے، اور یہ ایک ذوق سے تعلق رکھنے والی بات ہے، جس کا کماحقہ ادراک ماہر شعراء کر سکتے ہیں، اور عام لوگوں کو اس کا پتہ نہیں چل سکتا۔

اسی طرح ہم جانتے ہیں کہ تذکیر کی تینوں قسموں کو اور کفار کے ساتھ مخاصمہ کے مباحث کو ہر جگہ سورت کے اسلوب کے مطابق ایسا جدید اور نیا لباس پہنایا گیا ہے کہ (فصاحت وبلاغت میں) ید طولیٰ رکھنے والے کا ہاتھ اس کے دامن (تک پہنچنے) سے کوتاہ رہ جاتا ہے۔

اور اگر کسی پر اس بات کا سمجھنا دشوار ہو تو غور کرے انبیائے کرام کے ان قصوں کے تذکرہ میں جو سورۂ اعراف، سورۂ ہود اور سورۂ شعراء میں ہیں، پھر دیکھے ان قصوں کو سورۂ صافات میں، پھر پڑھے ان ہی قصوں کو سورۂ ذاریات میں، تاکہ اس کے لئے فرق واضح ہو جائے۔

اور یہی حال ہے نافرمانوں کو سزا دینے اور فرمانبرداروں کو نوازنے کے تذکرہ کا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو ذکر فرماتے ہیں ہر جگہ نئے انداز سے، اور اسی طرح دوزخیوں کا باہم ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا ہے، اور اس میں (یعنی مذکورہ امور کی تفصیل میں) گفتگو طویل ہے۔

اور اسی طرح ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مقتضائے حال کی رعایت جس کی تفصیل علم معانی میں ہے، اور استعاروں اور کنایوں کا استعمال جن کی وضاحت کی ذمہ داری علم بیان نے اٹھائی ہے، ناخواندہ مخاطبین کے حال کی رعایت کے ساتھ جو ان صنعتوں سے ناواقف تھے، یہ سب باتیں جتنی عمدگی کے ساتھ قرآن عظیم میں پائی جاتی ہیں اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں مطلوب یہ ہے کہ عام بات چیت میں جس کو ہر انسان جانتا ہے، ایسا عمدہ نکتہ رکھ دیا جائے جس کو عوام بھی سمجھ لیں، اور خواص کے نزدیک بھی پسندیدہ ہو، اور یہ دو متضاد باتوں کو جمع کرنے کے مانند ہے، جو انسان کی قدرت میں نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں، اور اللہ ہی کے لئے ہے شاعر کا کمال جو کہتا ہے:

اس کا چہرہ تجھے زیادہ حسین نظر آئے گا جب تو اس کی طرف زیادہ نظر کرے گا

لغات:

الكُنْه: اصل چیز، حقیقت وماہیت...... الجَزْلُ من الكلام: فصیح وبلیغ کلام...... الطَرِيف: نیا،

نادر...... المتطاوِل: کسی فن میں ید طولیٰ (مہارت تامہ) رکھنے والا۔

٥ - ومنها: وجهٌ لايتيسر فهمُه لغير المتدبرين في أسرار الشرائع؛ وذلك: أن العلومَ الخمسةَ نفسَها تدل على أن القرآن نازلٌ من عند الله تعالى، لهدايةِ بني آدمَ؛ كما أن عالمَ "الطبِ" إذا نظر في "القانون" ولاحَظَ تحقيقَه وتدقيقَه في بيان أسبابِ الأمراضِ وعلاماتِها، ووصفِ الأدويةِ وخواصِّها، لايَشُكُّ أن المؤلفَ كامل في صناعة الطب؛ كذلك إذا علم العالِمُ بأسرارِ الشرائعِ الأشياءَ التي ينبغي تلقينُها للناس لتهذيبِ نفوسِهم، ثم يتأمل في العلومِ الخمسةِ، يَعْلَم قطعا: أن هذه الفنونَ قد وقعت موقعَها، بحيث لايُتصور أحسنُ منه:

والشمسُ الساطعةُ تدل بنفسها على نفسِها
فإن كنتَ في حاجة إلى الدليـل فلا تُوَلِّ وجهَك عنها

ترجمہ: ٥- اور ان (وجوہات) میں سے ایک وجہ ایسی ہے جس کا سمجھنا آسان نہیں ہے، اسرار شریعت میں تدبر اور غور کرنے والوں کے علاوہ کے لئے، اور وہ یہ ہے کہ علوم خمسہ خود دلالت کرتے ہیں اس بات پر کہ قرآن پاک نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی آدم کی ہدایت کے لئے، جیسا کہ فن طب کا جاننے والا جب "القانون" میں غور کرتا ہے، اور اس کی تحقیق و تفتیش دیکھتا ہے امراض کے اسباب اور ان (امراض) کی علامتیں بیان کرنے میں، اور دواؤں اور ان کی خاصیتیں بیان کرنے میں، تو وہ شک نہیں کرتا کہ مصنف فن طب میں کامل (مہارت رکھتا) ہے، اسی طرح جب اسرار شریعت کا ماہر ان چیزوں کو جانتا ہے جن کا لوگوں کے سامنے پیش کرنا مناسب ہے، ان کے نفوس کی تہذیب کے لئے، پھر غور کرتا ہے علوم خمسہ میں، تو قطعی طور پر جان لیتا ہے کہ یہ علوم اپنی جگہ پر واقع ہوئے ہیں، اس طرح کہ اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اور روشن آفتاب خود اپنی ذات پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا اگر تجھے دلیل کی حاجت ہے، تو اپنا چہرہ آفتاب سے نہ پھیر (یعنی قرآن کریم خود اپنے معجز ہونے پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا قرآن میں غور کر، حقیقت واضح ہو جائے گی ــــــ یہ یعنی الشمس الساطعة الخ شعر نہیں ہے، بلکہ ماقبل میں جو فارسی شعر ذکر کیا گیا ہے اس کا عربی ترجمہ ہے)

☆☆☆

باب چہارم

تفسیر کے مختلف مناہج کا بیان اور صحابہ وتابعین کی تفسیروں میں جو اختلاف ہے اس کا حل

مفسرین کی مختلف جماعتیں:

تفسیر کے لغوی معنی ہیں: واضح کرنا، ظاہر کرنا، اور اصطلاح میں تفسیر کا اطلاق نظم قرآن کی توضیح وتشریح پر ہوتا ہے، اور نظم قرآن کی توضیح وتشریح میں علم لغت، علم نحو، علم صرف، علم معانی، بیان وبدیع، اصول فقہ اور احادیث وروایات سے مدد لی جاتی ہے، اس لئے فن تفسیر نہایت وسیع اور پہلودار فن ہے اور ہر مفسر اپنی تفسیر میں اسی علم سے بحث کرتا ہے جس کا اس پر غلبہ ہوتا ہے، چنانچہ:

(۱) محدثین اپنی تفسیروں میں صرف انہی روایتوں کو نقل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں جن میں نظم قرآن کی وضاحت ہوتی ہے، چاہے وہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات ہوں، یا صحابہ وتابعین کے اقوال ہوں، یا اسرائیلی روایات، جیسے ابن جریر طبری نے تفسیر "جامع البیان" میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر "الدر المنثور" میں اسی قسم کی روایتوں کو جمع کیا ہے۔

(۲) متکلمین اسلام اُن آیتوں کی تاویل وتفسیر کی طرف خاص توجہ فرماتے ہیں، جو صفات خداوندی اور اسمائے الٰہی پر مشتمل ہیں، متکلمین اسلام نے اس قسم کی آیتوں کی وضاحت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، جو آیتیں بظاہر مسلک تنزیہ یعنی اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہیں، ان کو ظاہر سے پھیر دیا ہے اور ان کی ایسی توجیہات بیان کی ہیں کہ وہ آیتیں اہل سنت والجماعت کے مسلک کے موافق ہو گئی ہیں، اور مخالفین جن آیتوں سے استدلال کرتے ہیں ان کی خوب تردید کی ہے ـــــ اس سلسلہ کی سب سے بہتر تفسیر امام فخر الدین رازی کی "مفاتیح الغیب" ہے، جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے، اس تفسیر میں اس کے علاوہ بھی بہت سی قیمتی باتیں ہیں۔

(۳) فقہائے کرام احکام فقہیہ کے استنباط کی طرف پوری توجہ فرماتے ہیں؛ اور بعض اجتہادات کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں، اور مخالفین کے استدلال کا جواب دیتے ہیں، جیسے امام قرطبی نے "الجامع لاحکام القرآن" میں، اور ابوبکر جصاص رازی حنفی اور ابن العربی مالکی نے "احکام القرآن" میں اور ملا جیون نے "تفسیرات احمدی" میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

(۴) اور علم نحو اور لغت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات قرآن کریم کے نحو وصرف اور لغت کی وضاحت کرتے ہیں، وہ ہر باب میں کلام عرب سے بھرپور شواہد پیش کرتے ہیں، جیسے ابو حیان نے "البحر المحیط" میں اور زجاج نے "معانی القرآن" میں، اور ابوالحسن واحدی نے "البسیط" میں قرآن کریم کے نحو وصرف اور لغت کی پوری وضاحت کی ہے، اور کلام عرب کے شواہد پیش کیے ہیں۔

(۵) اُدباء یعنی معانی، بیان اور بدیع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات علم معانی اور بیان کے نکات اور قرآن کریم کے محاسن ذکر کرتے ہیں، اس سلسلہ کی سب سے بہتر تفسیر علامہ جار اللہ زمخشری کی " الکشاف عن حقائق التنزیل" اور مفتی ابوالسعود کی " ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم " ہے۔

(۶) قراء حضرات قرآن کریم کی ان قراءتوں کو نقل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، جو ان کے اساتذہ کرام سے منقول ہیں چنانچہ کوئی سبعہ کو، کوئی عشرہ کو اور کوئی شاذ قراءتوں کو نقل کرتا ہے تو کوئی تمام قراءتوں کو ذکر کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔

(۷) صوفیائے کرام اپنی تفاسیر میں ادنیٰ مناسبت سے سلوک وحقائق سے تعلق رکھنے والے نکات بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

الحاصل ہر مفسر اپنے ہم مشربوں کے مذہب کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی ایک علم وفن سے بحث کرتا ہے، اور اپنی ہمت اور حوصلہ کے بقدر نظم قرآن کی توضیح وتشریح کرتا ہے۔ اسی وجہ سے تفسیروں کا دائرہ اتنا پھیل گیا ہے کہ کتب تفسیر سے ایک کتب خانہ بھر گیا ہے۔

(۸) اور بعض مفسرین اپنی تفسیروں میں تمام علوم تفسیر کو جمع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، اس سلسلہ کی سب سے بہتر تفسیر مفتی بغداد علامہ سید محمود آلوسی حنفی کی "روح المعانی" ہے، اور فارسی میں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی "فتح العزیز" ہے اور اردو میں حضرت

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی "بیان القرآن" ہے۔

الغرض ہر مفسر کی تفسیر کا انداز دوسری تفسیروں سے مختلف ہے، کوئی ایک علم سے بحث کرتا ہے، تو کوئی تمام علوم کو سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے، کوئی اختصار کو پسند کرتا ہے، تو کوئی دراز نفسی کو ترجیح دیتا ہے، کوئی عربی میں گفتگو کرتا ہے تو کوئی فارسی یا اردو میں خامہ فرسائی کرتا ہے، اس لئے کتب تفسیر کا میدان اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ کوئی شخص اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔

الباب الرابع

فی

بیانِ مَناهجِ التفسیر وتوضیحِ الاختلافِ الواقعِ فی تفاسیر الصحابة والتابعین.

طوائفُ المفسرین:

لِیُعلم أن المفسرین عِدَّةُ أصنافٍ:

● جماعةٌ قصدوا روایةَ آثارٍ مناسبةٍ للآیاتِ، سواءٌ کان حدیثا مرفوعا أو موقوفًا أو مقطوعًا أو خبرا إسرائیلیا ــــ وهذا طریقُ المحدثین.

● وفرقةٌ قصدوا تأویلَ آیاتِ الصفاتِ والأسماءِ؛ فمالم یُوافقْ منها مذهبَ التنزیهِ صرفوها عن الظاهرِ، ورَدّوا علی استدلالِ المخالفین ببعضِ الآیاتِ ــــ وهذا طریقُ المتکلمین.

● وقومٌ صرفوا عنایتَهم إلی استنباطِ الأحکامِ الفقهیةِ، وترجیحِ بعضِ المجتهداتِ علی بعضٍ والجوابِ عن تمسكِ المخالفین ــــ وهذا طریقُ الفقهاءِ الأصولیین.

● وجمعٌ أوضحوا إعرابَ القرآنِ ولغتَه، وأوردوا الشواهدَ من کلامِ العربِ فی کلِ بابٍ موفورةً تامةً ــــ وهذا مَنْهَجُ النُحاةِ اللغویین.

● وطائفةٌ یذکرون نِکاتِ المعانی والبیانِ بیانا شافیًا، ویتفاخرون فی ذلك الباب ــــ وهذا طریقُ الأدباءِ.

●واهتم بعضُهم بروايةِ القراء اتِ المأثورةِ عن شيوخِهم، فلم يَدَعُوا دقيقا ولا جليلا في هذا البابِ إلا جاؤا به ـــــ وهذه صفةُ القراءِ.

●وبعضُهم يُطلِقون اللسانَ بنِكاتٍ متعلقةٍ بعلمِ السلوكِ أوعلمِ الحقائقِ بأدنى مناسبةٍ ـــــ وهذا مَشْرَبُ الصوفيةِ.

وبالجملة: فالمجالُ واسعٌ، ويقصُد كلٌّ منهم تفهيمَ معانى القرآنِ الكريمِ، وخاض فى فن من الفنونِ، وتكلَّم على قدرِ فصاحتِه وفهمِه، واتَّخذ مذهبَ أصحابِه نُصْبَ عينيه؛ ولأجلِ ذلك اتَّسع مجالُ التفسيرِ اتِّساعاً لايُحَدُّ قدرُه، وصُنِّفتْ كتبٌ كثيرةٌ لايحصُرُها عددٌ.

جوامعُ التفاسيرِ

وقصد جماعةٌ منهم إلى جمعِ ذلك كلِّه في تفاسيرِهم، فمنهم من تكلَّم بالعربيةِ، ومنهم من تكلم بالفارسية، واختلفوا فى الاختصارِ والإطنابِ، ووسَّعوا أذيالَ العلمِ.

ترجمہ: چوتھا باب: تفسیر کے مناہج کا بیان، اور صحابہ و تابعین کی تفسیروں میں جو اختلاف ہوا ہے اس کی وضاحت۔

مفسرین کی جماعتیں: جاننا چاہئے کہ مفسرین کی متعدد اقسام ہیں:

۱-ایک جماعت نے ان آثار کو روایت کرنے کا قصد کیا ہے؛ جو آیتوں سے مناسبت رکھتے ہیں، چاہے وہ مرفوع حدیث ہو یا موقوف، یا مقطوع، یا اسرائیلی خبر ہو ــــ اور یہ محدثین کا طریقہ ہے۔

۲-اور ایک گروہ نے صفات خداوندی اور اسمائے الٰہی پر مشتمل آیتوں کی تشریح کا قصد کیا ہے، چنانچہ ان آیتوں میں سے جو آیتیں مذہب تنزیہ کے موافق نہیں ہیں، ان کو ظاہر سے پھیر دیا ہے، اور مخالفین کے بعض آیتوں سے استدلال کی تردید کی ہے ــــ اور یہ متکلمین کا طریقہ ہے۔

۳-اور ایک قوم نے احکام فقہیہ کے استنباط کی طرف، اور بعض اجتہادات کو بعض پر ترجیح دینے، اور مخالفین کے استدلال کا جواب دینے کی طرف توجہ مبذول کی ہے ــــ اور یہ اصولی فقہاء کا طریقہ ہے۔

۴- اور ایک جماعت نے قرآن کریم کے اعراب (یعنی نحو و صرف) اور لغت کو واضح کیا ہے، اور ہر باب میں بھرپور اور کامل طریقہ پر کلام عرب کے شواہد پیش کئے ہیں ــــ یہ لغوی نحویوں کا اسلوب ہے۔

۵-اور ایک گروہ علم معانی اور بیان کے نکات تشفی بخش وضاحت کے ساتھ ذکر کرتا ہے، اور وہ اس باب میں فخر کرتا ہے (کہ جیسے نکات اس نے بیان کئے ہیں، کسی نے بیان نہیں کئے) —— اور یہ ادیبوں کا طریقہ ہے۔

۶-اور بعض مفسرین نے ان قراءتوں کو نقل کرنے کا اہتمام کیا ہے، جو ان کے مشائخ سے منقول ہیں، چنانچہ انھوں نے اس باب میں کوئی باریک یا موٹی بات ذکر کیے بغیر نہیں چھوڑی —— اور یہ قراء حضرات کی شان ہے۔

۷-اور بعض مفسرین نے ان نکات کے بارے میں زبان کھولی ہے جو علم سلوک یا علم حقائق سے تعلق رکھتے ہیں ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے —— اور یہ صوفیاء کا مشرب (طریقہ) ہے۔

الحاصل (تفسیر کا) میدان وسیع ہے، اور مفسرین میں سے ہر ایک نے قرآن کریم کے معانی سمجھانے کا قصد کیا ہے، اور ہر ایک نے علوم میں سے ایک علم سے بحث کی ہے، اور اپنی فصاحت اور فہم کے بقدر گفتگو فرمائی ہے، اور اپنے ساتھیوں کے مذہب کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا ہے، اور اسی وجہ سے تفسیر کا میدان اتنا وسیع ہوگیا ہے کہ اس کی (یعنی کتب تفسیر کی) مقدار کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا، اور (فن تفسیر میں) اتنی زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں کہ کوئی عدد اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔

جامع ترین تفسیریں:

۸-اور مفسرین کی ایک جماعت نے اپنی تفسیروں میں ان تمام علوم کو جمع کرنے کا قصد فرمایا ہے؛ چنانچہ ان میں سے کسی نے عربی میں گفتگو کی ہے، اور کسی نے فارسی میں کلام کیا ہے، اور انھوں نے اختصار اور طول بیانی میں اختلاف کیا ہے (یعنی کسی نے اختصار کو پسند کیا ہے، تو کسی نے طول بیانی سے کام لیا ہے) اور انھوں نے علم تفسیر کے دامن کو بہت وسیع کردیا ہے۔

لغات:

مَنَاهِج؛ مَنْهَج ومِنْهَج ومِنْهَاج کی جمع ہے: کشادہ راستہ، طرز، انداز بیان...... طوائف؛ طَائِفَۃ کی جمع ہے: جماعت، گروہ...... مرفوع: اس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند آنحضرت ﷺ تک پہنچتی ہے...... موقوف: اس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند صحابی تک پہنچتی ہے...... مقطوع: اس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند تابعی تک پہنچتی ہے...... مذهب التنزیہ سے مراد اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے جو اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کے مشابہ ہونے سے پاک مانتے ہیں۔

﴿فائدہ﴾ علم السلوک اور علم الحقائق: علم تصوف کا نظری حصہ، جس میں ذات وصفات الٰہی اور دقیق واردات و تجلیات، تخلیق عالم اور ربط الحادث بالقدیم، وجود اعیانِ ثابتہ، تنزلاتِ ستہ، روح، عالم مثال، ظاہر الوجود، باطن الوجود اور دیگر حقائق سے بحث کی جاتی ہے، اس علم کو "علم الحقائق" کہتے ہیں ــــ اور تصوف کا عملی پہلو یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب ورضا حاصل کرنے کا طریقہ اور عبادت وریاضت کے مختلف طریقے اور تمام واردات کو اپنے اندر جذب کرنے کا طریقہ، جس علم میں ان امور سے بحث کی جاتی ہے، وہ "علم سلوک" کہلاتا ہے (حاشیہ الطاف القدس ص ۲۲)

☆ ☆ ☆

علم تفسیر میں شاہ صاحب کا عالی مقام

اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ کو بہت سے کمالات اور ملکات سے نوازا تھا، ان کمالات میں سے سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ تمام علوم وفنون تفسیر سے مناسبت تامہ، اور ان کے اکثر وبیشتر اصول وقواعد میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اور ان کی بہت سی جزئیات اور فروعات سے واقف تھے، اور فنون تفسیر میں سے ہر فن میں آپ اجتہاد فی المذہب کے بلند ترین مقام پر فائز تھے، اور مذکورہ بالا فنون تفسیر کے علاوہ مزید دو تین فنون تفسیر سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصی طور پر نوازا تھا، جن کی وضاحت اس باب کی چوتھی فصل میں آرہی ہے۔

بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ شاہ صاحب قرآن عظیم سے بلاواسطہ فیض یافتہ تھے، یعنی کسی مفسر اور کسی تفسیر کے توسط کے بغیر براہ راست آپ نے قرآن عظیم سے استفادہ کیا تھا، اسی طرح آپ بلاواسطہ آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح سے استفادہ کرنے والے تھے، جس طرح حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ نے آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ سے غائبانہ استفادہ فرمایا تھا، نیز آپ کعبہ شریف اور صلوٰۃ عظمیٰ سے بھی براہ راست فائدہ اٹھانے والے اور اثر قبول کرنے والے تھے، اسی لئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "مجھ ناچیز پر اللہ تعالیٰ کے اس قدر احسانات وانعامات ہیں کہ میرے ہر بال کو زبان ملے اور ہر زبان سے شکر ادا کروں تو بھی اللہ تعالیٰ کا پورا شکر ادا نہیں کر سکتا"

اگر روید از تن صد زبانم چو سوسن، شکر لطفش کئے توانم

الغرض اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو علم تفسیر میں جو بلند ترین مقام عطا فرمایا تھا اس کی بنا پر آپ آگے اس باب میں مفسرین کی مختلف تفسیروں کے مناہج کے بارے میں چند کار آمد باتیں ارقام فرمائیں گے جو نہایت قیمتی ہیں۔

اجتہاد فی المذہب کے معنی: جو شخص کسی امام کے طے کردہ اصول کی روشنی میں احکام کے استنباط کی پوری قدرت رکھتا ہو، اس کو مجتہد فی المذہب کہتے ہیں، اور اس کے ملکۂ راسخہ کو اجتہاد فی المذہب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اُوَیسی ہونے کا مطلب: اُوَیسِی حضرت اویس بن عامر قرنی کی طرف نسبت ہے، اور حضرت اویس قرنی کبار تابعین میں سے ہیں، آپ یمن کے رہنے والے تھے، اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مسلمان ہو چکے تھے، مگر اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کر سکے تھے مگر اتنے اونچے پایہ کے بزرگ تھے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ سے غائبانہ کسب فیض فرمایا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: یمن سے ایک شخص تمہارے پاس آئے گا، جس کو اُویس قرنی کہا جاتا ہے، اس نے یمن میں اپنی ماں کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑا ہے، اس کو برص کی بیماری تھی، اس نے اللہ جل شانہ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بیماری دور فرمادی، مگر ایک دینار یا ایک درہم کے بقدر بیماری اب بھی باقی ہے، تم میں سے جس کی اس شخص سے ملاقات ہو اس کو درخواست کرنی چاہئے کہ وہ اس کے لئے استغفار کرے، (رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۵۸۱)

الحاصل حضرت اویس قرنی آنحضرت ﷺ کی زیارت کا شرف تو حاصل نہیں کر سکے، مگر روحانی طور پر آنحضرت ﷺ سے فیض یافتہ تھے، اس لئے جو لوگ آنحضرت ﷺ سے روحانی طور پر کسب فیض کرتے ہیں ان کو ''اُویسی'' کہا جاتا ہے۔

کعبۂ حسناء کے معنی: حَسنَآءُ؛ حَسَنٌ کا مؤنث ہے، اور کعبۂ حسناء کے معنی ہیں: کعبہ شریف ــــ عام مسلمان کعبہ شریف سے نماز، طواف اور اس کے دیدار سے استفادہ کرتے ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بیت اللہ پر ہر روز ایک سو بیس رحمتیں نازل فرماتے ہیں (جن میں سے) ساٹھ رحمتیں طواف کرنے والوں کے لئے ہیں، اور چالیس نماز پڑھنے والوں کے لئے اور بیس بیت اللہ کو دیکھنے والوں کے

لئے (طبرانی بحوالہ معلم الحجاج ص ۱۲۴)

اور کاملین کعبہ شریف پر جو رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ان سے نماز اور طواف کے توسط کے بغیر استفادہ کرتے ہیں، جس طرح اویس قرنی نے آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح سے غائبانہ استفادہ کیا تھا۔

صلوٰۃ عظمیٰ کے معنی: عُظمیٰ ؛ اَعْظَم اسم تفضیل کا مؤنث ہے۔ اور صلوۃ عظمیٰ کے معنی ہیں بڑی نماز، اور "بڑی نماز" نماز کی وہ صورت مثالیہ ہے جو عالم مثال میں پائی جاتی ہے اور تمام فرض، واجب، سنت اور نفل نمازیں اس کی جزئیات اور افراد ہیں ـــــ عام مسلمان "بڑی نماز" یعنی نماز کی ماہیت کلیہ سے اس کی جزئیات اور افراد یعنی فرائض وسنن ونوافل وغیرہ کے توسط سے فیض یاب ہوتے ہیں، اور جو لوگ احسان وسلوک کے بلند ترین مقام پر فائز ہوتے ہیں وہ "بڑی نماز" سے افراد کے توسط کے بغیر براہ راست استفادہ کرتے ہیں، مگر کوئی شخص خواہ کتنے ہی اونچے درجہ پر پہنچ جائے صلوۃ عظمیٰ کی جزئیات وافراد سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ سرور عالم ﷺ بھی زندگی کے آخری لمحات تک جزئیات کی پوری طرح پابندی فرماتے رہے ہیں، پس جو پیشہ ور پیر اپنے مریدوں کو باور کراتے ہیں کہ وہ اتنے اونچے مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ ان کے لئے نماز معاف ہوگئی ہے، وہ سب پیر، دجال کے چیلے ہیں لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور اپنا الّو سیدھا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے مکار پیروں سے امت کی حفاظت فرمائیں (آمین)

ما منَّ اللّٰہ به علَیَّ فی علم التفسیر

وقد حصل للفقیر ـــــ بحمد اللّٰہ تعالی وتوفیقه ـــــ مناسبةٌ فی کل فن من هذه الفنون ، وأَحَطتُ بِمُعْظَمِ أصولها، وبجملةٍ صالحةٍ من فروعِها، وفُزتُ بنوع من التحقیق والاستقلال فی کل باب من أبوابها، بوجهٍ یُشْبِهُ الاجتهادَ فی المذهب وأُلقِیَ فی خاطِری من بَحْرِ الجُودِ الإلٰهی فَنَّانِ أو ثلاثةٌ من فنونِ التفسیرِ، سوی الفنونِ المذکورةِ سالفاً، وإن سألتنی عن الخبرِ الصِدْقِ فأنا تلیمذُ القرآنِ العظیمِ بلاواسطةٍ؛ کما أنی أُوَیْسِیٌّ فی الاستفادةِ من رُوحِ النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، وکما أنی مستفیدٌ من الکعبةِ الحسناءِ بدون واسطةٍ، وکذلك متأثرٌ

بالصلاةِ العظمی بغیرِ واسطةٍ:

ولو أنَّ لي في كل مَنْبِتِ شَعرةٍ　　　لسانًا لما استوفيتُ واجبَ حمدِه

وأرى من اللازم أن أكتبَ كلماتٍ عديدةً فی هذه الرسالة عن كل فنٍ من هذه الفنونِ.

ترجمہ: علم تفسیر میں اللہ تعالیٰ کا بندہ پر احسان: اور اللہ کی حمد و توفیق سے ناچیز ان علوم (تفسیر) میں سے ہر علم و فن میں اچھی خاصی مناسبت رکھتا ہے، اور میں نے ان (علوم) کے اکثر اصول اور ان کی جزئیات میں سے وافر مقدار کا احاطہ کر لیا ہے، اور میں ان (علوم) کے ابواب میں سے ہر باب میں خاص قسم کی تحقیق اور استقلال پر فائز ہوں، جو اجتہاد فی المذہب کے مشابہ ہے، اور میرے دل میں سخاوت خداوندی کے سمندر سے دو یا تین علوم تفسیر ڈالے گئے ہیں؛ جو مذکورہ بالا فنون کے علاوہ ہیں، اور اگر آپ مجھ سے سچی بات پوچھیں، تو میں قرآن عظیم کا بلا واسطہ شاگرد ہوں، جیسا کہ میں اویسی ہوں نبی کریم ﷺ کی روح سے استفادہ کرنے میں، اور جیسا کہ میں استفادہ کرنے والا ہوں کعبہ شریف سے بلا واسطہ اور اسی طرح میں اثر قبول کرنے والا ہوں عظیم ترین نماز سے بلا واسطہ۔

اور اگر میرے لئے ہر بال کی جگہ میں ایک زبان ہو، تب بھی میں اسکی حمد کا پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔

اور میں ضروری خیال کرتا ہوں کہ اس رسالہ میں ان علوم (تفسیر) میں سے ہر علم و فن کے بارے میں چند باتیں لکھوں۔

لغات:

مُعْظَمُ الشي: چیز کا بڑا حصہ، جمع معاظم کہا جاتا ہے: اِنَّ لفلان مَعاظِمَ واجبةَ المُراعاةِ: فلاں کے لئے بڑے بڑے حقوق ہیں، جن کی رعایت واجب ہے...... **جُمْلَةً صَالِحَةً:** وافر مقدار...... **مَنْبِتٌ:** اگنے کی جگہ، مَنبِتٌ (بکسر الباء) نَبَتَ (ن) نَباتًا سے اسم ظرف ہے، اور ثلاثی مجرد سے ظرف خواہ زمانی ہو یا مکانی مَفعَلٌ کے وزن پر آتا ہے، جبکہ مضارع کا عین مضموم یا مفتوح ہو، مگر اس قاعدے سے مَنبِتٌ مستثنیٰ ہے، دیکھئے مصباح اللغات ص ۸

فصل اول

محدثین کی تفسیروں میں جو روایات مروی ہیں ان کا بیان، اور ان کے متعلق کچھ کار آمد باتیں

شاہ صاحب اس فصل میں محدثین کی تفسیروں میں جو آثار وروایات منقول ہیں، اولاً ان کی وضاحت فرماتے ہیں کہ وہ کس قسم کی روایات ہیں؟ پھر ان کے متعلق کچھ کار آمد باتیں بیان فرمائیں گے، جن کا جاننا تفسیر کے ہر طالب علم کے لئے نہایت ضروری ہے۔

اسباب نزول کی دونوں قسموں کے بارے میں اہم بات

جو آثار وروایات تفسیر کی کتابوں میں مروی ہیں، ان میں سے کچھ شان نزول کی تفصیل اور وضاحت پر مشتمل ہیں، اور اسباب نزول کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں جب کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تھا، جس سے مؤمنین کا ایمان اور منافقین کا نفاق نکھر کر سامنے آتا تھا، تو اللہ تعالیٰ مؤمنین کی تعریف اور منافقین کی مذمت میں کچھ آیتیں نازل فرماتے تھے، تاکہ کلام الٰہی فریقین کے درمیان فیصلہ کن ثابت ہو، مثلاً غزوۂ احد، غزوۂ احزاب اور غزوۂ تبوک میں جب صحابہ کرام نے جانی اور مالی قربانیاں پیش کیں، اور منافقین نے بزدلی اور روگردانی کا مظاہرہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران، سورۂ احزاب اور سورۂ توبہ میں مؤمنین صادقین کی تعریف اور منافقین کی مذمت میں بہت سی آیتیں نازل فرمائیں، اور ان میں ان واقعات کی طرف اشارے کئے جو ان آیات کا پس منظر تھے، لہٰذا ان کی مختصر وضاحت کرنا مفسر کے لئے ضروری ہے، تاکہ پڑھنے والا کلام الٰہی کا مطلب اور مقصد اچھی طرح سمجھ جائے۔

دوسری قسم: آیت کے معنی آیت کے الفاظ کے عام ہونے کی وجہ سے اچھی طرح سمجھ میں

آجاتے ہیں، کیونکہ تفسیر میں شان نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا، الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے، مگر پھر بھی قدیم مفسرین (صحابہ کرام و تابعین عظام) آیت اپنے عموم کی وجہ سے جس واقعہ پر صادق آتی ہے اس کو واضح کرنے کی غرض سے کوئی واقعہ ذکر کرتے ہیں، اور محدثین ان آثار کا احاطہ کرنے کی غرض سے جو آیت سے مناسبت رکھتے ہیں اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔

شان نزول کی اس قسم کا ذکر کرنا مفسر کے لئے ضروری نہیں، کیونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام بسا اوقات نَزَلَتِ الآيَةُ فِیْ کَذَا کہہ کر ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، لیکن شان نزول بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ وہ واقعہ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جس پر آیت صادق آتی ہے، یا آیت اپنے عموم کی وجہ سے جن صورتوں کو شامل ہوتی ہے، ان میں سے بعض کو ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے خواہ وہ واقعہ آیت کے نزول سے پہلے پیش آیا ہو، یا بعد میں اور چاہے وہ واقعہ اسرائیلی ہو یا جاہلی ہو یا اسلامی، اور خواہ آیت کی تمام قیود پر منطبق ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شان نزول کی اس دوسری قسم کا مدار اجتہاد پر ہے، اور متعدد قصوں کی ایک آیت کے ذیل میں گنجائش ہے ــــ جو شخص اس نکتہ کو یاد رکھے گا وہ معمولی غور و فکر سے اسباب نزول کے اختلاف کو حل کرلے گا۔

الفصل الأول

فی

بيانِ الآثارِ المرويةِ فی تفاسيرِ أصحابِ الحديثِ، وما يتعلقُ بها

قسمان من أسبابِ النزولِ

ومن جملةِ الآثارِ المرويةِ فی كُتُبِ التفسيرِ بيانُ سببِ النزولِ؛ وأسبابُ النزولِ علی قسمين:

الأولُ: أن تقعَ حادثةٌ يُمَحَّصُ بها إيمانُ المؤمنين ونفاقُ المنافقين، كما وقع ذلك فی غزوتَیْ أُحُدٍ والأحزابِ، فأنزل اللّٰهُ تعالی مدحَ أولٰئك وذمَّ هؤلاء، ليكونَ

فَيْصَلاً بين الفَرِيْقَيْنِ؛ وتقعُ فى أثناءِ ذكرِ الحادثةِ تعريضاتٌ كثيرةٌ بخصوصياتِها؛ فيجب أن تُشْرَحَ الحادثةُ بكلامٍ مختصرٍ ليتَّضِحَ على القارئ سياقُ الكلام.

والثاني: أن يكونَ معنى الآيةِ تامًا بعمومِ صيغتِها، من دونِ حاجةٍ إلى معرفةِ القصةِ التي هي سببُ النزول، لأن العبرةَ لعمومِ اللفظِ لا لخصوصِ السببِ؛ والقدماءُ من المفسرين قد ذكروا تلك الحادثةَ بقصدِ استيعابِ الآثارِ المناسبةِ للآية، أو بقصدِ بيانِ ما صَدَقَ عليه عمومُ الآيةِ؛ وليس من الضروري ذكرُ هذا القسمِ.

وقد تحقَّق لدى الفقيرِ: أن الصحابةَ والتابعين رضي الله عنهم كثيرًا ما كانوا يقولون: "نزلتِ الآيةُ في كذا" ويكون غرضُهم تصويرَ ما صدقتْ عليه الآيةُ، أو ذكرَ بعضِ الحوادثِ التي تشتملُها الآيةُ بعمومِها، سواءٌ تقدمَّت القصةُ على نزولِ الآيةِ أو تأخرت عنه، إسرائيليةً كانت القصةُ أو جاهليةً أو إسلاميةً؛ تَنْطَبِقُ على جميعِ قيودِ الآيةِ أو بعضِها، والله أعلم.

فَعُلم من هذا التحقيقِ: أن للاجتهادِ في هذا القسمِ مَدخلاً، وللقِصَصِ المتعددةِ هناك مَجالا؛ فمن استحضر هذه النكتةَ يستطيع أن يُعالِجَ اختلافَ أسبابِ النزولِ بأدنى تأملٍ.

ترجمہ: پہلی فصل: ان آثار کے بیان میں جو محدثین کی تفسیروں میں مروی ہیں، اور ان باتوں کی وضاحت میں جو ان سے متعلق ہیں۔

اسباب نزول کی دو قسمیں: اور جو روایات تفسیر کی کتابوں میں منقول ہیں ان میں سے کچھ شان نزول کی وضاحت (پر مشتمل) ہیں، اور اسباب نزول کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: یہ ہے کہ (آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں) کوئی ایسا واقعہ پیش آتا، جس سے مؤمنین کے ایمان اور منافقین کے نفاق کو آزمایا جاتا، جیسا کہ غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب (خندق) میں یہی صورت پیش آئی، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف اور ان کی مذمت نازل فرمائی (یعنی مؤمنین کی تعریف اور منافقین کی مذمت میں آیتیں نازل فرمائیں) تا کہ (کلام الٰہی) فریقین کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہو جائے، اور (آیات میں) ایسے واقعہ کے تذکرہ کے درمیان میں واقعہ کی خصوصیات کی طرف بہت تعریضات واقع ہوئی ہیں، لہٰذا واقعہ کی مختصر کلام کے ذریعہ وضاحت کرنا (مفسر کے لئے) ضروری ہے، تا کہ پڑھنے والے کے سامنے کلام الٰہی کا مقصد واضح ہو جائے۔

اور دوسری قسم: یہ ہے کہ آیت کے معنی، آیت کے صیغہ کے عام ہونے کی وجہ سے تام ہوں، اس قصہ کی معرفت کی حاجت کے بغیر جو (آیت کے) نزول کا سبب ہے، کیونکہ اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے، نہ کہ سببِ نزول کی خصوصیت کا، اور قدیم مفسرین کبھی اس واقعہ کو ذکر کرتے ہیں ان آثار کا احاطہ کرنے کی غرض سے جو آیت کے مناسب ہیں، یا آیت کا عموم جس (صورتوں) پر صادق آتا ہے اس کو بیان کرنے کی غرض سے، اور (شان نزول کی) اس قسم کا ذکر کرنا (مفسر کے لئے) ضروری نہیں۔

اور فقیر کے نزدیک یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم بکثرت فرماتے ہیں: نزلت الآيةُ في كذا اور ان کا مقصد اس واقعہ کو بیان کرنا ہوتا ہے جس پر آیت صادق آتی ہے، یا ایسے بعض واقعات کو ذکر کرنا (مقصود) ہوتا ہے جس کو آیت شامل ہوتی ہے، اپنے عموم کی وجہ سے، خواہ وہ قصہ آیت کے نزول سے مقدم ہو، یا اس سے مؤخر ہو، (خواہ) اسرائیلی ہو وہ قصہ یا جاہلی ہو یا اسلامی، (خواہ) آیت کی تمام قیود پر منطبق ہوتا ہو، یا بعض پر، واللہ اعلم۔

پس اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ (شان نزول کی) اس قسم میں اجتہاد کو دخل ہے اور متعدد قصوں کی یہاں گنجائش ہے، لہٰذا جو شخص اس نکتہ کو یاد رکھے گا، وہ معمولی غور و فکر سے اسباب نزول کے اختلاف کو حل کرلے گا۔

لغات:

الآثار: الأَثَرُ کی جمع ہے: روایت، حدیث، صحابی یا تابعی کا قول...... مَحَّصَ الرجلَ تَمْحِيصًا آزمائش کرنا...... سِياق الكلام: اسلوب کلام، کلام کا مقصد و مطلب...... النُّكْتَةُ: مشکل بات دقت نظر سے نکالی گئی ہو، جمع نُكَتٌ و نِكَاتٌ.

نوٹ: اصل کتاب میں سے ذیلی عنوان (معنى قولهم: "نزلت الآية في كذا") مترجم دام مجد ہم کے مشورہ سے حذف کیا گیا ہے۔

☆ ☆ ☆

تفسیروں میں بے کار باتیں

تفسیر کی کتابوں میں جو آثار مروی ہیں ان میں سے کچھ آثار ان قصوں کی تفصیل اور وضاحت پر مشتمل ہوتے ہیں، جن کی طرف نظم قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے مفسرین اسرائیلی روایتوں سے اور سیرت کی کتابوں سے ان قصوں کی تمام تفصیلات اور جزئیات کو بیان کرتے ہیں۔

یہاں یہ تفصیل اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ آیت میں جس قصہ کی طرف ایسا اشارہ کیا گیا ہو، جس کی تفصیل اور وضاحت جانے بغیر عربی زبان کا جاننے والا آیت کے معنی نہ سمجھ سکتا ہو، اس قصہ کی وضاحت کرنا مفسر کی ذمہ داری ہے ــــــ اور جو تفصیل اس کے علاوہ ہے، مثلاً بنی اسرائیل کو جس بقرہ کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ بیل تھا یا گائے؟ اور اصحاب کہف کا کتا چت کبرا تھا یا سرخ؟ اور اسی طرح کی دیگر تفصیلات جن کے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ایسی باتوں کا تذکرہ لایعنی (فضول) ہے صحابہ کرام اس قسم کی تفصیل کو ناپسند فرماتے تھے، اور تضییع اوقات کے قبیل سے شمار کرتے تھے، لہٰذا مفسر کو اس قسم کی باتیں بیان نہیں کرنی چاہئیں۔

أمورٌ فى التفسيرِ لاطائِلَ تحتَها

ومن جملةِ ذلكَ:تفصيلُ قصةِ وقع فى نظمِ القرآنِ تعريضٌ بأصلِها، فيستقصِىْ المفسرون تفاصيلَها من أخبارِبنى إسرائيلَ أو من كتُبِ السِّيَرِ فيذكرونها بجميعِ أجزائِها.

وههنا أيضًا تفصيلٌ: إن كانتِ الآيةُ تشتملُ على تعريضِ بالقصة، بحيثُ يتوقفُ العارفُ باللغةِ هناك، ويبحثُ عنها ، فذكرُها من وظيفةِ المفسرِ؛ وما كان خارجا منها ــــــ مِثْلُ ذكرِبقرةِ بنى إسرائيلَ: أذكرًا كانت أم أنثى؟ ومثلُ بيانِ كلب أصحابِ الكَهْفِ: هل كان أبقعَ أم أحمرَ؟ ــــــ فذكرُه مما لا يعنيه؛وكانت الصحابةُ رضى الله عنهم يكرهونه،ويعدُّونه من قبيل تضييعِ الأوقاتِ.

ترجمہ: تفسیر میں کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا: (تفسیر کی کتابوں میں جو آثار مروی ہیں) ان میں سے کچھ اس قصہ کی تفصیل (پر مشتمل) ہوتے ہیں، جس کی اصل کی طرف نظم قرآن میں تعریض واقع ہوئی ہے، پس مفسرین اس (قصہ) کی تمام تفصیلات بیان کرتے ہیں بنی اسرائیل کی روایتوں اور سیرت کی کتابوں سے، چنانچہ اس قصہ کو اس کی تمام جزئیات (اور خصوصیات) کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

اور یہاں بھی قدرے تفصیل ہے: اگر آیت میں قصہ کی طرف ایسی تعریض ہو کہ عربی زبان کا جاننے والا وہاں ٹھہر جائے، اور قصہ کی تفتیش کرے، تو اس (قصہ) کا ذکر کرنا مفسر کی ذمہ داری ہے،

اور جو (تفصیل) اس کے علاوہ ہے ـــــ جیسے بنی اسرائیل کے بقرہ کا ذکر کہ آیا وہ نر تھا یا مادہ؟ اور جیسے اصحاب کہف کے کتے کی تفصیل کہ وہ چت کبرا تھا یا سرخ؟ ـــــ تو اس کا ذکر کرنا بے فائدہ باتوں میں سے ہے، اور صحابہ کرام ﷺ ان کو ناپسند کرتے تھے اور اس کو تضییع اوقات کے قبیل سے شمار کرتے تھے۔

لغات:

لاطائل: کوئی فائدہ نہیں، کہا جاتا ہے: هذا أمر لاطائل فيه: یہ ایسا کام ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں...... اِستَقصَی المسئلةَ ، وفیھا: مسئلہ کی تہ کو پہنچنا...... بَحَثَ (ف) عنه بَحْثًا: تفتیش کرنا...... الأَبْقَع: چت کبرا، سیاہ سفید داغوں والا۔

☆ ☆ ☆

متقدمین کبھی بر سبیل احتمال تفسیر کرتے ہیں

یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ آیات کریمہ میں جن واقعات کی طرف اشارے آئے ہیں، اُن واقعات کو بعینہ بیان کرنا چاہئے عقل سے اس میں کوئی تصرف نہیں کرنا چاہئے۔ مگر قدیم مفسرین (صحابہ و تابعین) کبھی تصرف کرتے ہیں، وہ قرآن کریم کے اشارہ کو سامنے رکھ کر، اس کا کوئی مناسب محمل (مصداق) فرض کرتے ہیں، پھر اس فرضی واقعہ کو بر سبیل احتمال آیت کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں، ایسے مواقع میں متاخرین مفسرین حیرت میں پڑ جاتے ہیں، اور متقدمین ایسا اس لئے کرتے تھے کہ ان کے زمانہ میں اسلوب بیان منقح نہیں ہوئے تھے، اس زمانہ میں حقیقی اور احتمالی شان نزول میں فرق نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ آج بھی اساتذۂ تفسیر کبھی آیت کی تفہیم کے لئے اس قسم کی احتمالی باتیں علی سبیل المثال بیان کرتے ہیں، غرض ایسے مواقع میں متاخرینؒ پر معاملہ کبھی مشتبہ ہو جاتا ہے، وہ احتمالی تفسیر اور حتمی تفسیر میں امتیاز نہیں کرتے، اور ایک کو دوسری کی جگہ ذکر کر دیتے ہیں جبکہ علی سبیل الاحتمال (مثال کے طور پر) تفسیر کرنا ایک اجتہادی امر ہے اور نظر عقلی کے لئے اس میں بہت گنجائش ہے اور قیل و قال کا گھوڑا دوڑانے کے لئے وسیع جولان گاہ ہے۔

جو شخص اس نکتہ کو یاد رکھے گا، وہ مفسرین کے درمیان بہت سی اختلافی جگہوں میں برحق فیصلہ کر سکے گا، اور صحابہ کرام کے بہت سے مباحثوں اور مذاکروں میں جان لیگا کہ یہ ان کی قطعی اور حتمی رائیں نہیں ہیں، بلکہ علمی اشکالات واعتراضات ہیں، جن کو مجتہدین ایک دوسرے کے سامنے پیش

کرتے ہیں۔

اور اسی محمل اور توجیہ پر محمول کرنا چاہئے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اُس قول کو جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۶) کی تفسیر میں منقول ہے: کہ "میں اللہ کی کتاب میں مسح کے سوا کوئی حکم نہیں پاتا، لیکن لوگوں نے غسل کی ماسوا کا انکار کیا ہے" ابن عباسؓ کے اس قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے، نہ ابن عباس کا یہ مذہب ہے، بلکہ ابن عباسؓ کے نزدیک بھی پیروں کو دھونا فرض ہے، لیکن انھوں نے یہاں ایک علمی اشکال پیش کیا ہے، اور ایک احتمال ظاہر فرمایا ہے، تاکہ دیکھیں کہ ان کے زمانہ کے علماء اس اشکال کا کیا جواب دیتے ہیں؟ اور اس تعارض کو کس طرح دفع کرتے ہیں؟ مگر جو شخص اسلاف کے محاورات اور ان کے انداز بیان سے واقفیت نہیں رکھتا، وہ اس کو ابن عباسؓ کا قول گمان کرتا ہے، اور اس کو ابن عباسؓ کا مذہب سمجھتا ہے۔ حالانکہ ابن عباس کا یہ مذہب ہرگز نہیں۔

القدماءُ ربما يفسّرون على سبيلِ الاحتمالِ

ولْيُحْفظ ههنا أيضًا نكتتان:

الأولى: أن الأصلَ فى هذا البابِ إيرادُ القِصَصِ المسموعةِ، كما رُوِيتْ: من غيرِ تصرُّفٍ عقليٍ فيها،وأما طائفةٌ من قدماءِ المفسرين فيضعون ذلك التعريضَ نُصْبَ أعْيُنِهم، ويَفْرِضون له مَحمِلا مناسبا، ويبينونه على سبيل الاحتمالِ، فيشتبه الأمرُ على المتأخرين.ولمَّا لم تكن أساليبُ البيانِ منقحةً فى ذلك العصرِ، فربما يشتبه التفسيرُ على سبيلِ الاحتمالِ بالتفسيرِ مع الجزمِ، فيذكرون أحَدَهما مكانَ الآخرِ؛ وهذا أمرٌ اجتهاديٌ، وللنظرِ العقلى فيه مجالٌ، ورَكْضُ جِيادِ القيلِ والقالِ هناك ممكنٌ.

ومن حفظ هذه النكتةَ فإنه يستطيع أن يحكمَ حكمًا فَصْلاً فى كثيرٍ من مواضعِ الاختلافِ بين المفسرين؛ ويمكن أن يَعلَمَ فى كثيرٍ من مناظراتِ الصحابةِ رضى الله عنهم: أنها ليست آرائَهم القطعيةَ، بل هى بُحوثٌ علميةٌ، يتداولُها المجتهدون

فيما بينهم.

وعلى هذا المَحمِلِ يُحمِل العبدُ الضعيفُ قولَ ابنِ عباسٍ رضى الله عنهما فى تفسيرِقوله تعالى: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾: "لاأجدُ فى كتابِ الله إلا المسحَ، لٰكنهم أبَوْا إلا الغَسلَ" فالذى يفهمه الفقيرُ: أنه ليس هذا بذهابٍ منه إلى وجوبِ المسحِ، وليس فيه جَزمٌ بحملِ الآيةِ على رُكنيةِ المسحِ؛ بل الذى ثبت عند ابنِ عباسٍ رضى الله عنهما هو الغَسْلُ؛ ولكنه يقرِّرهُنا إشكالاً، ويُبدى احتمالا، ليرى كيف يُطَبِّق علماءُ عصرِه فى هذا التعارضِ؟ وأىَّ مسلكٍ يسلكونه؟ فزعم الذى لم يطَّلِعْ على حقيقةِ محاوراتِ السلفِ هذا قول ابنِ عباسٍ رضى الله عنه، وعدَّه مذهبا له حاشاه! ثم حاشاه!!

ترجمہ: کبھی قدیم مفسرین احتمالی تفسیر بیان کرتے ہیں: اور یہاں دو نکتے یاد رکھنے چاہئیں:

پہلا نکتہ: یہ ہے کہ اصل اس باب میں (یعنی شان نزول کے واقعات کی تفصیل میں) سنے ہوئے قصوں کو ذکر کرنا ہے جس طرح وہ مروی ہیں، ان میں کوئی عقلی تصرف کیئے بغیر، مگر قدیم مفسرین کا ایک گروہ اس تعریض کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے، اور (تعریض) کا کوئی مناسب مصداق فرض کرتا ہے، اور (اس فرضی مصداق) کو احتمال کے طور پر بیان کرتا ہے، پس متأخرین پر معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے، اور جب بیان کے اسلوب اس زمانہ میں نکھرے ہوئے نہیں تھے، تو بسا اوقات احتمالی تفسیر حتمی تفسیر سے مشتبہ ہو جاتی ہے، اور ایک کو دوسرے کی جگہ ذکر کر دیتے ہیں، اور یہ (احتمالی تفسیر) اجتہادی چیز ہے، اور عقلی غور و فکر کی اس میں گنجائش ہے، اور بحث و مباحثہ کے گھوڑے دوڑانا یہاں ممکن ہے۔

اور جو شخص اس نکتہ کو یاد رکھے گا، وہ صحیح فیصلہ کر سکے گا مفسرین کے درمیان بہت سی اختلافی جگہوں میں، اور صحابہ کرام کے بہت سے علمی مباحثوں (مذاکروں) میں جان لیگا کہ یہ ان کی قطعی (اور حتمی) رائیں نہیں ہیں، بلکہ وہ علمی اشکالات ہیں جن کو مجتہدین ایک دوسرے کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اور اسی محمل (توجیہ) پر بندۂ ضعیف محمول کرتا ہے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو، (جو) اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ کی تفسیر میں (منقول) ہے کہ "میں اللہ کی کتاب میں مسح کے سوا نہیں پاتا، لیکن لوگوں نے دھونے کے علاوہ کا

انکار کیا ہے"پس فقیر جو بات سمجھتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ان (ابن عباس) کا مسح کے وجوب کی طرف جانا نہیں ہے (یعنی ان کا یہ مذہب نہیں ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے) اور نہ اس (قول) میں آیت کو مسح کی فرضیت پر محمول کرنے کا حتمی فیصلہ ہے، بلکہ جو بات ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ثابت ہے، وہ غسل ہی ہے، لیکن انھوں نے یہاں ایک اشکال پیش کیا ہے، اور ایک احتمال ظاہر کیا ہے، تاکہ دیکھیں کہ ان کے زمانہ کے علماء اس تعارض میں کس طرح تطبیق دیتے ہیں؟ اور کونسی راہ اختیار کرتے ہیں؟ پس جو شخص اسلاف کی باہمی گفتگو کی حقیقت سے واقف نہیں ہے، وہ گمان کرتا ہے کہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اور وہ اس کو ان (ابن عباس) کا مذہب سمجھتا ہے ایسا ہرگز نہیں، پھر (کہتا ہوں) ایسا ہرگز نہیں۔

لغات:

النُصْبُ و النُصُبُ: کھڑی کی ہوئی چیز، کہا جاتا ہے: هذا نُصْبُ عَيْنِيْ: یہ میری نگاہ کے سامنے ہے...... المَحْمِلُ: وہ چیز جس میں کوئی چیز اٹھائی جائے، وہ قصہ یا کلام جس میں کسی اجمال کی تفصیل ہو مصداق، توجیہ...... رَكَضَ (ن) رَكْضًا: دوڑنا، رَكَضَ الفرسَ برِجْلَيْهِ: گھوڑے کو ایڑ لگانا، گھوڑے کو دوڑانا...... جِيادٌ؛ جَوَادٌ کی جمع ہے: تیز رفتار گھوڑا...... حُكْمًا فَصْلاً: قطعی فیصلہ، صحیح حکم...... حَاشَا: کلمہ استثناء ہے جس کے ذریعہ مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے حکم سے تنزیھًا خارج کیا جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

اسرائیلی روایتوں کو بیان کرنا ایک سازش ہے جو دین میں در آئی ہے

اسرائیلی روایتوں کو تفسیر میں نقل کرنا ایک خفیہ سازش ہے جو ہمارے دین میں در آئی ہے، جبکہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ: "اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو، نہ ان کی تکذیب کرو" لہٰذا اس مسلمہ قاعدہ کے پیش نظر دو باتوں کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

پہلی بات: جب حدیث میں قرآن کریم کے اشارہ کی تفصیل موجود ہو، تو اسرائیلی روایت کو تفسیر میں نقل نہیں کرنا چاہئے، مثلاً جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ ، وَأَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا، ثُمَّ أَنَابَ﴾ (سورۂ ص آیت ۳۴) کی تفسیر حدیث نبوی میں موجود ہے، اور وہ ان شاء اللہ نہ کہنے کا، اور اس پر مواخذہ کا واقعہ ہے، تو صخر مارد کا قصہ ذکر کرنے کی کیا

ضرورت ہے؟ چنانچہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں:

"حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی تمام عورتوں کے پاس جاؤں گا، (جو تعداد میں ستر، یا نوے یا سو کے قریب تھیں) اور ہر ایک عورت ایک بچہ جنے گی، جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا، فرشتہ نے القاء کیا کہ ان شاء اللہ کہہ لیجئے، مگر (باوجود دل میں موجود ہونے کے) زبان سے نہ کہا، خدا کا کرنا کہ اس مباشرت کے نتیجے میں ایک عورت نے بھی بچہ نہ جنا، صرف ایک عورت سے ادھورا بچہ ہوا —— بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دایہ نے وہ ہی بچہ ان کے تخت پر لا کر ڈال دیا، کہ لو! یہ تمہاری قسم کا نتیجہ ہے (اُسی کو یہاں "جسد" (دھڑ) سے تعبیر کیا ہے) یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہوئے، اور ان شاء اللہ نہ کہنے پر استغفار کیا، نزدیکاں رابیش بود حیرانی —— حدیث میں ہے کہ اگر ان شاء اللہ کہہ لیتے، تو بیشک اللہ تعالیٰ ویسا ہی کردیتا جو ان کی تمنا تھی" (فوائد عثمانی) یہ بخاری و مسلم شریف کی روایت ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۵۰۸ باب بدء الخلق وذکر الانبیاء علیہم السلام)

دوسری بات: قرآن کریم میں جس واقعہ کی طرف اشارہ آیا ہو، اس کی تفصیل ضرورت کے بقدر ہی بیان کرنی چاہئے تاکہ قرآن کریم کی گواہی سے اس کی تصدیق ہوسکے، نیز قاعدہ بھی ہے کہ: "ضروری بات بقدر ضرورت ہی ثابت مانی جاتی ہے" لہٰذا ضرورت سے زیادہ گفتگو نہیں کرنی چاہئے، مثلاً ایوب علیہ السلام کے ابتلاء کا جو واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے، اور جس کے بارے میں سورۂ صٓ میں ہے کہ شیطان نے آپ کو "رنج و آزار" پہنچایا تھا اور سورۃ الانبیاء میں ہے کہ آپ نے دعا کی کہ: "اے میرے رب! مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں" (آیت ۸۳) اس ابتلاء کی تفصیل بقدر ضرورت ہی کرنی چاہئے، اور بائبل کے صحیفہ ایوب میں ابتلاء کی جو تفصیلات مذکور ہیں، وہ ہرگز بیان نہیں کرنی چاہئیں، وہ شان نبوت کے ہرگز سزاوار نہیں۔

دوسری مثال: سورۂ بقرۃ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ، نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَايَعْلَمُوْنَ، وَاتَّبَعُوْا مَاتَتْلُوْا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى

مُلْكِ سُلَيْمٰنَ، وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ، وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ، وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ، وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَا: اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَاتَكْفُرْ، فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَايُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَاهُمْ بِضَارِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلاَّ بِاِذْنِ اللّٰهِ ، وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَايَضُرُّهُمْ وَلَايَنْفَعُهُمْ، وَلَقَدْعَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ، وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ ، لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ، وَلَوْ اَنَّهُمْ آمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ، لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (۱۰۱-۱۰۳)

ترجمہ: اور جب ان (یہود) کے پاس ایک عظیم المرتبت پیغمبر (حضرت ﷺ) آئے، اللہ کی طرف سے، جو تصدیق کر رہے ہیں اس کتاب (تورات) کی جو ان کے پاس ہے (تو) اہل کتاب میں سے ایک فریق نے اللہ کی کتاب (قرآن کریم) کو پس پشت ڈال دیا، جیسے کہ ان کو گویا اصلاً علم ہی نہیں (حالانکہ اس نبی کی اور اس کی کتاب کی اطلاعات پیشین گوئی کے طور پر ان کی کتابوں میں موجود تھیں) اور انھوں نے اس چیز (جادو) کا اتباع کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سلطنت میں اور حضرت سلیمان نے کفر نہیں کیا (یعنی جادو کو رواج نہیں دیا) بلکہ شیاطین کفر کیا کرتے تھے سکھلاتے تھے۔ وہ (شیاطین) لوگوں کو جادو اور وہ بات جو بابل شہر میں ہاروت وماروت نامی دو فرشتوں پر اتاری گئی تھی، اور وہ دونوں فرشتے کسی کو نہیں سکھلاتے تھے جب تک یہ نہ جتلا دیتے کہ ہمارا وجود ایک امتحان ہے سو تو کافر مت بن جانا، پس لوگ ان دونوں فرشتوں سے سیکھتے تھے وہ (تعویذ) جس کے ذریعہ تفریق پیدا کر دیتے تھے کسی مرد اور اس کی بیوی کے درمیان، اور وہ اس کے ذریعہ ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو مگر باذن الٰہی اور (یہود) سیکھتے ہیں وہ چیز جو ان کو ضرر رساں ہے اور جو کسی طرح بھی ان کے لئے نافع نہیں ہے، اور ضرور یہ (یہودی) یہ بات جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے گا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بے شک بہت بری ہے وہ چیز جس میں وہ لوگ اپنی جان کھپا رہے ہیں، کاش ان کو عقل ہوتی! اور اگر وہ لوگ ایمان و تقوی اختیار کرتے تو خدا تعالیٰ کے ہاں کا معاوضہ بہتر تھا، کاش وہ لوگ سمجھتے!

تشریح: ان آیات میں وَمَآاُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ کا عطف السِّحْرَ پر ہے اور ما موصولہ کا بیان آگے خود قرآن کریم میں آرہا ہے یعنی ﴿يَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَايُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ﴾ پھر بعید پر یعنی ﴿مَا تَتْلُوْا الشَّيَاطِيْنُ﴾ پر عطف کرنے کی اور زہرہ کے لغو قصہ کو

بیان کرنے کی کیا حاجت ہے؟ بلکہ آیت کریمہ کی صحیح تفسیر اس طرح ہے:

جس زمانہ میں بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کر کے بیت المقدس کو برباد کر دیا تھا، اور بنی اسرائیل کو ہانک کر شہر بابل لے گیا تھا، جو اس کی سلطنت کا پایۂ تخت تھا اور بنی اسرائیل کو غلام باندی بنا کر لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا اس زمانہ میں اہل بابل بنی اسرائیل پر ظلم وستم ڈھاتے تھے، اور ان کو دشوار ترین کام کرنے پر مجبور کرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر مہربانی فرمانے کا ارادہ کیا، اور ہاروت وماروت نامی دو فرشتوں کو شہر بابل میں بھیجا، جو فرداً فرداً بنی اسرائیل سے ملاقات کرتے تھے اور چونکہ وہ فرشتے تھے اس لئے بابلی ان کو نہیں دیکھتے تھے، وہ فرشتے بنی اسرائیل کو ایسا عمل سکھلاتے تھے جس سے میاں بیوی میں جھگڑا اور تفریق ہو جائے اور آقا گھریلو خرخشوں میں پھنس کر رہ جائے، مگر فرشتے پہلے بنی اسرائیل کو فرداً فرداً نصیحت کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو تمہاری آزمائش کے لئے بھیجا ہے، لہٰذا اس عمل اور تعویذ کو صرف اس آقاء کے خلاف استعمال کرنا جو تمہیں پریشان کرتا ہو، اور تم پر سختی کرتا ہو، اپنے بھائیوں کے خلاف استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری مت کرنا مگر بعد میں شیاطین نے جب یہ عمل تفریق یہود کو سکھلایا تو انھوں نے جادو کی طرح اس عمل کو بھی ذریعہ معاش بنالیا، جیسا کہ آج بھی بعض مسلمان عامل یہ کفریہ حرکت کرتے ہیں۔

النقلُ عن بنی إسرائیلَ دَسِیْسَةٌ دخلتْ فی دینِنا

النکتةُ الثانیةُ: هی أن النقلَ عن بنی إسرائیلَ دسیسةٌ دخلت فی دینِنا بعدَ ما کانت قاعدةُ: "لاتُصَدِّقوا أهلَ الکتابِ ولاتکذِّبوهم" مقررةً؛ فلزم لأجلِ ذلك أمران:

الأولُ: أن لایُرْتکبَ النقلُ عن أهلِ الکتابِ إذا وُجِدَ فی سنةِ نبینا صلی اللہ علیه وسلم بیانٌ لتعریضِ القرآنِ؛ مثلاً حینما وُجِدَ لقوله تعالی: ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَاَلْقَیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّهٖ جَسَدًا، ثُمَّ اَنَابَ﴾ محمِلٌ فی السنةِ النبویةِ ــــ وهو قصةُ ترکِ "إن شاء اللہ" والمؤاخذةِ علیه ــــ فأیُّ حاجةٍ إلی ذکرِ قصةِ صَخْرِ المارِدِ؟!.

والثانی: أن یُتکلَّم بقدر اقتضاءِ التعریضِ نظرًا إلی قاعدةِ: "الضروریُ یَتقدَّر بقدرِ الضرورةِ"، لِیُمْکن تَصدیقُه بشهادةِ القرآنِ، ولْیَکُفَّ لسانَه عن الزیادةِ علیه.

ترجمہ: بنی اسرائیل سے نقل کرنا ایک خفیہ سازش ہے جو ہمارے دین میں در آئی ہے:

دوسرا نکتہ: وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے نقل کرنا ایک خفیہ سازش ہے جو ہمارے دین میں داخل ہوگئی ہے، جبکہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ: ''اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو، نہ ان کی تکذیب کرو'' (اور اسرائیلی روایت کو ذکر کرنا اور اس کی تردید نہ کرنا اس کی تصدیق ہے) لہٰذا اس (قاعدہ) کی وجہ سے دو باتیں ضروری ہیں:

پہلی بات: یہ ہے کہ اہل کتاب سے نقل کرنے کا ارتکاب نہ کیا جائے، جب ہمارے نبی ﷺ کی حدیث میں قرآن کریم کی تعریض کی وضاحت موجود ہو، مثلاً جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ، وَأَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا، ثُمَّ أَنَابَ﴾ کا محمل (وضاحت) حدیث نبوی میں موجود ہے، اور وہ ان شاء اللہ ترک کرنے اور اس پر مواخذہ کا قصہ ہے، تو صخر مادر کا قصہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟!

اور دوسری بات: یہ ہے کہ تعریض کے تقاضے (چاہت) کے بقدر گفتگو کی جائے، اِس قاعدہ کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ: ''ضروری بات ضرورت کے بقدر ثابت مانی جاتی ہے'' تاکہ قرآن کریم کی گواہی سے اس کی تصدیق ہو سکے، اور ضرورت سے زیادہ (گفتگو کرنے) سے اپنی زبان کو روکنا چاہئے۔

لغات:

دَسِيْسَةٌ: خفیہ سازش، دَسَّ عَلَيْهِ (ن) دَسًّا: حیلہ و مکر کرنا، سازش کرنا...... تَقَدَّرَ الثَّوْبُ عليه: کپڑے کا مقدار کے مطابق ہونا...... كَفَّهُ عن الأمْرِ (ن) كَفًّا و كَفَافَةً: باز رکھنا، روکنا۔

﴿فائدہ﴾ لَاتُصَدِّقُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَاتُكَذِّبُوْهُمْ، یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے، اور بخاری شریف میں مروی ہے (مشکوٰۃ شریف، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۲۸ ——— الضروری يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضرورة، یہ فقہی قاعدہ ہے، اور شیخ زرقاء نے ''شرح القواعد الفقهية'' میں ذکر فرمایا ہے، (قاعدہ ۲۱، ص ۱۳۳ بحوالہ العون الکبیر)

☆ ☆ ☆

قرآن کی قرآن سے تفسیر

بسا اوقات قرآن کریم میں ایک جگہ ایک بات مبہم انداز میں ذکر کی جاتی ہے، اور دوسری

جگہ اس کی تفصیل موجود ہوتی ہے، مثلاً سورۂ فاتحہ میں ارشاد ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ہمیں سیدھا راستہ بتایئے، ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے، اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی وضاحت نہیں فرمائی جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، لیکن سورۂ نساء میں ان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ والشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ، وَحَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا (سورۂ نساء آیت ۶۹) ترجمہ: اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں۔

اسی طرح سورۂ بقرہ آیت ۳۷ میں ارشاد ہے: ﴿فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے، پس اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، یہاں اللہ نے ان کلمات کی وضاحت نہیں فرمائی جو آدم علیہ السلام نے سیکھے تھے، لیکن سورۂ اعراف میں ان کلمات کی تفصیل آئی ہے:

قَالَا: رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا، وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (سورۂ اعراف آیت ۲۳)	ان دونوں (آدم وحوا) نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ فرمائی، نہ ہم پر مہربانی فرمائی تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

نیز سورۂ بقرہ آیت ۳۰ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ارشاد فرمایا ہے: ﴿اِنِّيْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ﴾ میں اس بات کو جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے، پھر چند آیتوں کے بعد ارشاد ہے: ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ: اِنِّيْ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَاَعْلَمُ مَاتُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ بیشک میں آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتیں جانتا ہوں، اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو، اور جس کو تم (دل میں) پوشیدہ رکھتے ہو اس کو بھی جانتا ہوں، اس ارشاد میں پہلے ارشاد کی قدرے تفصیل ہے۔

اسی طرح سورۂ ذاریات آیت ۴۳ میں ارشاد ہے: ﴿وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ﴾ اور ثمود کے قصہ میں عبرت ہے جبکہ ان سے کہا گیا کہ کچھ دن اور مزے اڑالو، اس ارشاد

میں اللہ نے جو بات مبہم انداز میں بیان فرمائی ہے، سورۂ ہود میں اس کی تفصیل ہے:

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ: تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ، ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (سورۂ ہود آیت ۶۵)	پھر انھوں نے اس (اونٹنی) کو مار ڈالا، تو صالح (علیہ السلام) نے فرمایا: تم اپنے گھروں میں تین دن اور بسر کرلو، یہ ایسا وعدہ ہے جس میں ذرا جھوٹ نہیں۔

یہ تفسیر القرآن بالقرآن کی چند مثالیں ہیں بعض حضرات نے اس موضوع پر مستقل تفسیریں لکھی ہیں، اس قسم کی ایک تفسیر علامہ ابن جوزی نے بھی لکھی تھی، علامہ سیوطی نے "الاتقان" میں اس کا تذکرہ کیا ہے، اور اسی انداز کی ایک گرانقدر تفسیر مدینہ طیبہ کے ایک عالم شیخ محمد امین بن محمد مختار شنقیطی رحمہ اللہ نے چند سال پہلے لکھی ہے، جو " أضواء البيان في ايضاح القرآن بالقرآن " کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

تفسيرُ القرآن بالقرآنِ

وههنا نكتةٌ لطيفةٌ إلى الغايةِ، لابد من معرفتِها، وهي: أنها قد تُذكر في القرآن العظيمِ قصةٌ في موضعٍ بالإجمالِ، وفي موضعٍ آخرَ بالتفصيلِ، كما قال تعالى: ﴿إِنِّيْ اَعْلَمُ مَالاَ تَعْلَمُوْنَ﴾ ثم قال بعد ذلك: ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَكُمْ: إِنِّيْ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ والأَرْضِ، وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَاكُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ فهذا القولُ الثاني هو القولُ الأولُ بنوعٍ من التفصيلِ، فيمكن أن يُعلَم به تفسيرُ ذلك الإجمالِ، ويَرْكُض من الإجمال إلى التفصيل.

ومثلاً: ذَكَرَ في سورةِ مريمَ قصةَ سيدِنا عيسى عليه السلام إجمالاً، فقال تعالى: ﴿وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا،وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًا﴾، وذُكرتْ في سورةِ آلِ عمرانَ تفصيلاً، فقال تعالى ﴿وَرَسُوْلاً إِلىٰ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ: اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ﴾ الآية، ففي هذه المقولةِ بشارةٌ تفصيليةٌ، وتلك المقولةُ بشارةٌ إجماليةٌ؛ فَمِنْ ثَمَّ استنبط العبدُ الضعيفُ أن معنى الآية: "ورسولا إلى بني إسرائيل، مُخبِرًا بأني قد جئتُكم" وهذا كلُّه داخل في حيِّز البشارةِ، ليس بمتعلقٍ بمحذوفٍ، كما أشار إليه السُيوطي، حيثُ قال: "فلما بعثه الله تعالى إلى بني إسرائيل قال لهم: "إني رسولُ الله إليكم،بأني قد جئتُكم" والله أعلم.

ترجمہ: قرآن کی قرآن سے تفسیر کرنا: اور یہاں ایک نہایت عمدہ نکتہ ہے جس کا جاننا ضروری ہے، اور وہ (نکتہ) یہ ہے کہ کبھی قرآن عظیم میں کوئی قصہ (یعنی کوئی بات) ایک جگہ میں ابہام کے ساتھ ذکر کی جاتی ہے، اور دوسری جگہ میں تفصیل کے ساتھ، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے'' پھر اس کے بعد فرمایا ہے: ''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ: بیشک میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتیں، اور جانتا ہوں جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو تم (دل میں) پوشیدہ رکھتے ہو'' پس یہ دوسرا ارشاد وہی پہلا ارشاد ہے قدرے تفصیل کے ساتھ، لہٰذا اس (دوسرے ارشاد) سے اس اجمال کی تفسیر جانی جاسکتی ہے، اور اجمال سے تفصیل کی طرف پیش رفت ہوسکتی ہے۔

اور مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ اجمالی طریقہ پر ذکر فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور تاکہ ہم ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو لوگوں کے لئے ایک نشانی اور باعث رحمت بنائیں، اور یہ ایک طے شدہ بات ہے'' (سورۂ مریم آیت ۲۱) اور سورۂ آل عمران میں یہ مضمون تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَرَسُوْلاً اِلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ: اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِآیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ﴾ (سورۂ آل عمران آیت ۴۹) پس اس ارشاد میں تفصیلی بشارت ہے اور وہ ارشاد اجمالی بشارت ہے، اسی وجہ سے بندہ ضعیف نے آیت کے یہ معنی نکالے ہیں: ﴿وَرَسُوْلاً اِلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ مُخْبِرًا: بِاَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِآیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ﴾ اور ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بناکر بھیجیں گے اس حال میں کہ وہ خبر دینے والے ہوں گے کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں'' اور یہ پوری آیت بشارت کے تحت داخل ہے۔ محذوف سے متعلق نہیں ہے، جیساکہ اس کی طرف علامہ سیوطی نے (تفسیر جلالین میں) اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ انھوں نے فرمایا ہے: پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا، تو انھوں نے بنی اسرائیل سے کہا: بیشک میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بایں طور کہ میں لایا ہوں الخ۔ واللہ اعلم۔

استدراک: شاہ صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں جو نکتہ بیان فرمایا ہے وہ نہایت عمدہ ہے، اور اس کی پہلی مثال بالکل درست ہے، مگر دوسری مثال میں کلام ہے، کیونکہ جمہور مفسرین

نے سورۂ مریم کی آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا قدرت خداوندی کی ایک عظیم نشانی ہے، چنانچہ مفسر قرآن حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں:

''ہماری حکمت اسی کو مقتضی ہے کہ بدون مس بشر کے محض عورت کے وجود سے بچہ پیدا کیا جائے اور وہ دیکھنے اور سننے والوں کے لئے ہماری قدرت عظیمہ کی ایک نشانی ہو'' (فوائد عثمانی)

پس سورۂ مریم کی آیت میں جس نشانی کا ذکر ہے وہ اور ہے، اور سورۂ آل عمران کی آیت اور ہے، پس اس کو تفصیلی بشارت قرار دینا جمہور کی تفسیر کے خلاف ہے (العون الکبیر)

☆ ☆ ☆

شرح غریب میں اختلاف کی وجہ، اور مفسر کی ذمہ داری

جو آثار تفسیروں میں مروی ہیں ان میں سے کچھ غریب الفاظ کی تشریح پر مشتمل ہیں، اور غریب الفاظ کی تشریح میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کے آثار واقوال مختلف ہیں، اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ غریب الفاظ کی تشریح کا مدار کبھی تو لغت عرب کی جستجو اور چھان بین پر ہوتا ہے اور کبھی آیت کے سیاق وسباق کو سمجھنے پر، اور لفظ جس جملہ میں واقع ہوا ہے اس کے اجزاء سے لفظ کی مناسبت کے پہچاننے پر ہوتا ہے، اور لغت عرب میں ایک لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اس لئے عربوں کے استعمالات کی چھان بین اور جستجو میں لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں، اسی طرح آیت کے سیاق وسباق کے سمجھنے، اور لفظ کی اجزائے جملہ سے مناسبت کے پہچاننے میں بھی لوگوں کی عقلیں متفاوت ہیں، اور ہر مفسر اپنی چھان بین اور سمجھ کے مطابق تفسیر وتشریح کرتا ہے، اس لئے غریب الفاظ کی تشریح وتفسیر میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال باہم مختلف ہوئے ہیں، لہٰذا انصاف پسند مفسر کے لئے ضروری ہے کہ:

پہلے غریب لفظ کی تشریح میں اسلاف سے جو مختلف آثار واقوال مروی ہیں ان کو اچھی طرح تلاش کرے، اور عربوں کے استعمالات ومحاورات کی خوب چھان بین کرے، اور آیت کے سیاق وسباق کو سمجھنے کی پوری کوشش کرے، اور لفظ کی اجزاء جملہ سے جو مناسبت اور تعلق ہے اس

کو پہچانے، پھر غریب لفظ کی تشریح کو دو مرتبہ جانچے:

پہلی مرتبہ: عربوں کے استعمالات و محاورات کی روشنی میں جانچے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ پیش نظر غریب لفظ کی تشریح میں عربوں کے استعمالات میں سے کونسا استعمال راجح اور قوی تر ہے۔

اور دوسری مرتبہ: آیت کے سیاق وسباق کی روشنی میں پرکھے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ پیش نظر غریب لفظ کی کونسی تشریح وتوجیہ آیت کے مضمون سے قریب تر اور بہتر ہے۔

وجهُ اختلافِ السلفِ فی شرحِ غریبِ القرآنِ

وکیف یَخرجُ المُفسرُ مَن العهدةِ فی ذلك؟

ومن جملةِ ذلك: شرحُ الغریبِ؛ ومبناه علی تَتَبُّعِ لغةِ العربِ، أو التفطُّنِ بسیاقِ الآیة وسباقِها ومعرفةِ مناسبةِ اللفظِ بأجزاءِ الجملةِ التی وقع هوفیها؛ فههنا أیضًا للعقلِ مَدْخَلٌ، وللاختلافِ مجالٌ؛ لأن الکلمةَ الواحدةَ تأتی فی لغةِ العربِ لمعانٍ شتّی، وتختلف العقولُ فی تتبُّعِ استعمالاتِ العربِ، والتفطُّنِ بمناسبةِ السابقِ واللاحقِ؛ ولهذا اختلفت أقوالُ الصحابةِ والتابعین رضی اللّٰه عنهم فی هذا البابِ، وسلك کلٌّ منهم مسلکًا.

فلا بد للمفسر المُنْصِفِ: أن یَزِنَ شرحَ الغریب مرتین:

- مرةً فی استعمالاتِ العربِ حتی یَعْرِفَ: أیُّ وجهٍ من وجوهِها أقوی وأرجحُ.
- ومرةً أخری فی مناسبةِ السابقِ واللاحقِ، حتی یَعلَمَ: أیُّ الوَجْهین أولی وأقعدُ بعدَ إحکامِ المقدّمات، وتتبعِ مواردِ الاستعمالِ، وتفحُّصِ الآثارِ.

ترجمہ: قرآن کریم کے غریب الفاظ کی تشریح میں اسلاف کے اختلاف کی وجہ اور مفسر اس (تشریح) میں اپنی ذمہ داری سے کیسے سبکدوش ہو سکتا ہے؟ اور (جو آثار تفسیر کی کتابوں میں مروی ہیں) ان میں سے کچھ غریب الفاظ کی تشریح (پر مشتمل) ہیں، اور اس (شرح غریب) کا مدار لغت عرب کی تلاش وجستجو پر ہے، یا آیت کے سیاق وسباق کے سمجھنے، اور لفظ کی اس جملہ کے اجزاء سے

مناسبت کے پہنچاننے پر ہے، جس (جملہ) میں وہ (لفظ) واقع ہوا ہے پس یہاں بھی عقل کا دخل ہے اوراختلاف کی گنجائش ہے، اس لئے کہ ایک کلمہ لغت عرب میں مختلف معنوں کے لئے آتا ہے اور عقلیں مختلف ہوتی ہیں عربوں کے استعمالات کی تلاش وجستجو میں اور سابق ولاحق کی مناسبت کے سمجھنے میں، اوراسی لئے صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف ہوگئے ہیں اس باب میں، اوران میں سے ہرایک نے ایک راہ اختیار کی ہے۔

لہٰذاانصاف پسند مفسر کے لئے ضروری ہے کہ غریب الفاظ کی تشریح کودومرتبہ جانچے:

ایک مرتبہ عربوں کے استعمالات (کی روشنی) میں، تاکہ پہچان لے کہ استعمالات عرب کے طریقوں میں سے کونسا طریقہ راجح اور قوی تر ہے۔

اور دوسری مرتبہ سابق ولاحق کی مناسبت میں تاکہ معلوم ہوجائے کہ دووجہوں میں سے کونسی وجہ بہتر ہے اور قریب تر ہے، مقدمات (جستجو) کو مضبوط کرنے، اور موارد استعمال کی تلاش وجستجو کرنے، اور آثار کی کھود کرید کرنے کے بعد۔

لغات:

العُهْدَة: کفالت، ذمہ داری...... تَتَبَّعَ الأمْرَ: دیر تک تلاش وجستجو کرنا، کہا جاتا ہے: تَتَبَّعْتُ احوالَه: میں اس کے احوال کوٹٹولتارہا...... تَفَطَّنَ لکلامه: سمجھنا، کہاجاتا ہے: تَفَطَّنْ لِمَا اقولُ لَكَ: جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں اس کو سمجھو...... السِیاق: مابعد، کلام لاحق، قرینہ لاحقہ، سَاقَ الماشیةَ یَسُوْقُ سَوْقًا وَسِیَاقًا: جانور کو پیچھے سے ہانکنا، سیاق الکلام: اسلوب کلام، مضمون کلام...... السِبَاقُ: ماقبل، کلام سابق، قرینۂ سابقہ، سَبَقَهُ (ن، ض) سَبْقًا الی کذا: آگے بڑھ جانا، عام طور پر سیاق وسباق دونوں لفظ ایک ساتھ استعمال ہوتے ہیں اور سباق سے مراد قرینہ سابقہ اور سیاق سے مراد قرینۂ لاحقہ ہوتا ہے، اوریادرکھنے کا فارمولہ یہ ہے کہ "با" حروف ہجا میں مقدم ہے پس سباق مقدم قرینہ ہے اور "یا" موخر ہے پس سیاق مؤخر قرینہ ہے...... وَزَنَ یزِنُ وَزْنًا وزِنَةَ الشیئ: تولنا، جانچنا، پرکھنا...... اَقْعَدُ: قریب تر، یہ قَعَدَ (ن) قُعُوْدًا سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے...... اَحْكَمَ الشیئَ اِحْكَامًا: مضبوطی سے کرنا...... تَفَحَّصَ عنه تَفَحُّصًا: کھود کرید کرنا، چھان بین کرنا۔

☆ ☆ ☆

شرح غریب میں شاہ صاحب کی چند تحقیقات

شاہ صاحب قرآن کریم کے غریب الفاظ کی کچھ نئی اور تازہ تحقیقات پیش کرتے ہیں جو نہایت عمدہ ہیں:

(۱) ارشاد خداوندی ہے: ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۷۸) جمہور مفسرین نے "قصاص" کے مشہور اصطلاحی معنی مراد لئے ہیں، یعنی قصاص سے "قَوَد" مراد لیا ہے، مگر شاہ صاحب "قصاص" کو لغوی معنی پر محمول کرتے ہیں، اور قصاص سے "برابری کرنا" مراد لیتے ہیں، تاکہ اَلْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی کے مفہوم مخالف میں نسخ کی مشقت نہ اٹھانی پڑے، اور ایسی تاویلات کی ضرورت پیش نہ آئے جو معمولی توجہ سے لغو ہو جاتی ہیں چنانچہ شیخ الہند رحمہ اللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق کو اختیار کرتے ہوئے آیت کا ترجمہ اور تفسیر اس طرح کرتے ہیں:

> "اے ایمان والو! فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں ـــــ زمانۂ جاہلیت میں یہود اور اہل عرب نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ شریف النسب لوگوں کے غلام کے بدلے رذیل لوگوں کے آزاد کو، اور عورت کے بدلے مرد کو، اور ایک آزاد کے بدلے دو کو قصاص میں قتل کرتے تھے، حق تعالیٰ نے اس آیت میں حکم دیا کہ: اے ایمان والو! ہم نے تم پر مقتولین میں برابری اور مساوات کو فرض کر دیا، قصاص کے معنی لغت میں برابری اور مساوات کے ہیں، تم نے جو یہ دستور نکالا ہے کہ شریف اور رذیل میں امتیاز کرتے ہو، یہ لغو ہے، جانیں سب کی برابر ہیں، غریب ہو یا امیر، شریف ہو یا رذیل، عالم و فاضل ہو یا جاہل، جوان ہو یا بوڑھا اور بچہ، تندرست ہو یا بیمار قریب المرگ، صحیح الاعضاء ہو، یا اندھا لنگڑا" (فوائد عثمانی)

(۲) ارشاد خداوندی ہے: ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّةِ، قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ (سورۂ بقرہ آیت ۱۸۹) اس آیت کے معنی شاہ صاحب کے نزدیک یہ ہیں:

> "لوگ آپ سے حج کے مہینوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہ (مہینے) میعاد ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے (تاکہ لوگ ان ہی مہینوں میں حج کا احرام باندھیں)"

> فتح الرحمٰن میں ہے: می پرسند ترا از ماہہا یعنی از اشہر حج، بگو اینہا میعاد اند برائے مردماں

وبرائے حج (تامردماں احرام حج بندند در آنہا (قرآن مجید مترجم بالتراجم الثلاث ص ۳۹)

الغرض یہ شاہ صاحب کی بالکل نئی تحقیق ہے کہ یہاں "الاَهِلَّة" سے "اشہر حج" مراد ہیں، اور سوال کا مقصد "اشہر حج" کی تعیین کی حکمت دریافت کرنا ہے، مگر جمہور مفسرین کے نزدیک سوال کا مقصد چاند کے گھٹنے بڑھنے کی وجہ اور فائدہ دریافت کرنا ہے اور "الاَهِلَّة" سے نئے چاند مراد ہیں، چنانچہ الفوز الکبیر کے شارح حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے جمہور کی رائے کو اختیار کرتے ہوئے آیت کی نہایت عمدہ تفسیر فرمائی ہے، جو اس کتاب کے دوسرے باب کی چوتھی فصل میں "الزیادۃ فی الکلام" کی بحث میں گذر چکی ہے۔

(۳) ارشاد خداوندی ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ (سورۂ حشر آیت ۲) اس آیت میں بعض مفسرین "اول الحشر" سے بنو نضیر کی پہلی جلاوطنی مراد لیتے ہیں، مگر شاہ صاحب کے نزدیک "لِاَوَّلِ الْحَشْرِ" کے معنی یہ ہیں کہ: اسلامی فوجوں کے جمع ہوتے ہی وہ مکان اور قلعے چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، کیونکہ ارشاد خداوندی: ﴿وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حَاشِرِیْنَ﴾ (سورۂ شعراء آیت ۳۶) اور ﴿وَحُشِرَ لِسُلَیْمَانَ جُنُوْدُهٗ﴾ (سورۂ نمل آیت ۱۷) میں "حشر" کے یہی معنی ہیں۔ اور یہ معنی بنو نضیر کے واقعہ سے زیادہ موافقت رکھتے ہیں اور مسلمانوں پر احسان جتانے میں قوی تر ہیں، چنانچہ شیخ الہند اور علامہ عثمانی رحمہما اللہ شاہ صاحب کی اس تشریح و تحقیق کو اختیار کرتے ہوئے آیت کا ترجمہ اور تفسیر اس طرح کرتے ہیں:

> "وہی ہے جس نے نکال دیا ان کو جو منکر ہیں کتاب والوں میں سے ان کے گھروں سے پہلے ہی اجتماع پر لشکر کے ـــــ یعنی ایک ہی ہلہ میں گھبرا گئے، اور پہلی ہی مڈبھیڑ پر مکان اور قلعے چھوڑ کر نکل بھاگنے کو تیار ہو بیٹھے، کچھ بھی ثابت قدمی نہ دکھائی۔

تنبیہ: "اول الحشر" سے بعض مفسرین کے نزدیک یہ مراد ہے کہ اس قوم کے لئے اس طرح ترک وطن کرنا یہ پہلا ہی موقع تھا، قبل ازیں ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا ـــــ یا "اول الحشر" میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان یہود کا پہلا حشر یہ ہوا کہ مدینہ چھوڑ کر بہت سے خیبر وغیرہ چلے گئے اور دوسرا حشر وہ ہے جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیش آیا" (فوائد عثمانی)

استنباطاتُ العبدِ الضعیفِ فی شرحِ الغریبِ

وقد استنبطَ الفقیرُ فی ھذا البابِ استنباطاتٍ طازجةً لاتخفی لطافتُھا إلا علی المتعسّفِ غلیظِ الطبعِ، مثلاً:

● قولُه تعالی: ﴿کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلیٰ﴾ حملتُه علی معنی: "تکافُؤُ الْقَتلیٰ، ومشارکةِ بعضِھم مع بعضٍ فی حکمٍ واحدٍ" لئلا یحتاجَ فی تفسیرِ قولِه تعالی ﴿الأُنْثیٰ بِالأُنْثیٰ﴾ إلی مؤُوْنَةِ النسخِ، ولایضطرُ إلی توجیھاتٍ تضمحِلُ بأدنی التفاتٍ.

● وکذلك حملتُ قولَه تعالی: ﴿یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الأَھِلَّةِ﴾ علی معنی: "یسئلونك عن الأشھُر" أی أشھُرالحج؛ فقال تعالی: ﴿ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾

● وھکذا قولُه تعالی: ﴿ھُوَ الَّذِیْ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ مِنْ دِیَارِھِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ أی: لأولِ جمعِ الجنودِ، لقولِه تعالی: ﴿ وَابْعَثْ فِی الْمَدَائِنِ حٰشِرِیْنَ﴾ وقولِه تعالی: ﴿وَحُشِرَ لِسُلَیْمَانَ جُنُوْدُہٗ﴾؛ وھذا أوفقُ بقصةِ بنی النضیرِ، وأقوی فی بیانِ المِنَّةِ.

ترجمہ: شرح غریب میں کمزور بندہ کے استنباطات: اور فقیر نے اس باب (یعنی شرح غریب) میں کچھ تازہ استنباطات کئے ہیں، جن کی لطافت (عمدگی) مخفی نہیں، مگر ہٹ دھرم سخت طبیعت پر، مثلاً:

۱- ارشاد خداوندی: ﴿کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلیٰ﴾ کو میں نے محمول کیا ہے تکافُؤُ القتلیٰ (مقتولوں کے برابر ہونے) پر اور مقتولوں کے باہم ایک ہی حکم میں شریک ہونے کے معنی پر، تاکہ ارشاد خداوندی: ﴿الأُنْثیٰ بِالأُنْثیٰ﴾: کی تفسیر میں نسخ کی مشقت کی حاجت پیش نہ آئے، اور ایسی توجیہات کی طرف مجبور نہ ہونا پڑے جو ادنی توجہ سے مضمحل ہوجاتی ہیں۔

۲- اسی طرح ارشاد خداوندی: ﴿یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الأَھِلَّةِ﴾: کو میں نے محمول کیا ہے اس معنی پر کہ: لوگ آپ سے مہینوں یعنی حج کے مہینوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، چنانچہ اللہ نے جواب دیا کہ: وہ (مہینے) میعاد ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے۔

۳-اور اسی طرح ارشاد خداوندی: ﴿هُوَ الَّذِیْ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ﴾: کے معنی ہیں: فوجوں کے اکٹھا ہوتے ہی اس لئے کہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حٰشِرِيْنَ﴾: بھیج دے شہروں میں جمع کرنے والے، اور اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُوْدُه﴾: اور جمع کیا گیا سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ان کا لشکر، اور یہ (معنی) بنو نضیر کے واقعہ سے زیادہ ہم آہنگ ہیں، اور احسان جتانے میں زیادہ قوی ہیں۔

لغات:

طَازِجَةٌ: تازہ...... المُتَعَسِّفُ: ہٹ دھرم، ناانصافی کرنے والا، ظالم...... غليظ الطبع: سخت جان، سخت مزاج...... تَكَافَأَ القومُ: ایک دوسرے کے برابر ہونا...... مَؤُوْنَةٌ: مشقت، بوجھ، سختی جمع مُؤَنٌ...... اِضْمَحَلَّ: نیست ونابود ہونا...... حَشَرَ (ن) حَشْرًا الناسَ: جمع کرنا...... المِنَّةُ: احسان، مَنَّ (ن) مَنًّا و مِنَّةً علیه بما صَنَعَ: احسان جتانا۔

☆ ☆ ☆

منسوخ آیات کی تعداد میں اختلاف "نسخ" کے معنی میں اختلاف پر مبنی ہے

صحابہ کرام اور تابعین عظام لفظ "نسخ" کو اصطلاحی معنی کے بجائے ایسے معنی میں استعمال کرتے ہیں جو لغوی معنی یعنی "ازالہ" سے قریب ہیں، اور وہ معنی یہ ہیں: آیت سابقہ کے بعض اوصاف کو آیت لاحقہ کے ذریعہ زائل کرنا، چاہے اس ازالہ کے ذریعہ کسی حکم شرعی کی انتہاء بیان کی گئی ہو، یا کلام کو متبادر معنی سے غیر متبادر معنی کی طرف پھیرا گیا ہو، یا کسی قید کے اتفاقی ہونے کو واضح کیا گیا ہو، یا عام کی تخصیص کی گئی ہو، یا منصوص اور اس پر جس کو بظاہر قیاس کیا گیا ہے اس کے درمیان وجہ فرق بیان کی گئی ہو، یا جاہلی رسموں میں سے کسی رسم کو باطل کیا گیا ہو، یا سابقہ شریعتوں میں سے کسی شرعی حکم کو ختم کیا گیا ہو —— اس کی تفصیل دوسرے باب کی دوسری فصل کے شروع میں گذر چکی ہے۔

الغرض اسلاف نسخ کو جس معنی میں استعمال کرتے تھے، اس کے اعتبار سے نسخ کی بحث بہت وسیع ہے، اور اس میں عقل کا دخل اور اختلاف کی گنجائش ہے، اسی لئے اسلاف نے منسوخ آیتوں

کی تعداد پانچ سو تک پہنچادی ہے۔

اختلافُ المتقدمين والمتأخرين فى معنى " النسخِ"

مما أوجب الاختلافَ فى عددِ الآياتِ المنسوخةِ

ومن جملة ذلك: بيانُ الناسخِ والمنسوخِ؛ وينبغى ان تُعرَفَ هنا نكتتان:

الأولى: أن الصحابةَ والتابعين رضى الله عنهم كانوا يستعملون " النسخَ" بغيرِ المعنى الاصطلاحى المعروفِ بين الأصوليين؛ ومعناهم قريبٌ من المعنى اللغوى الذى هو " الإزالةُ".

فمنى النسخ عندهم: إزالةُ بعضِ أوصافِ الآيةِ المتقدِّمةِ بالآيةِ المتأخرةِ، سواءٌ كان ذلك ببيانِ انتهاءِ مدةِ العملِ ، أو بصرفِ الكلامِ عن المعنى المتبادرِ إلى غيرِالمتبادرِ،أو ببيانِ كونِ قيدٍ من القيودِ مُلْحَمًا، أو بتخصيصِ عامٍ، أو ببيانِ الفارقِ بين المنصوصِ وبين ما قيس عليه ظاهرا،أوما أشبه ذلك.

وهذا بابٌ واسعٌ، وللعقل فيه مَجالٌ، وللاختلافِ فيه مَساغٌ،ولهذا أبلغوا الآياتِ المنسوخةَ إلى خمسِ مِائةِ آيةٍ.

ترجمہ: نسخ کے معنی میں متقدمین اور متأخرین کے درمیان اختلاف نے منسوخ آیتوں کی تعداد میں اختلاف کو پیدا کیا ہے:اور (جو آثار تفسیر کی کتابوں میں مروی ہیں) ان میں سے کچھ ناسخ ومنسوخ کی وضاحت (پر مشتمل) ہیں، اور یہاں (یعنی ناسخ ومنسوخ آثار کے سلسلہ میں) دو نکتے جان لینا مناسب ہے۔

پہلا نکتہ: یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم "نسخ" کو استعمال کرتے تھے اس اصطلاحی معنی کے علاوہ میں جو اصولیوں کے درمیان مشہور ہیں، اور ان (کے نزدیک نسخ) کے معنی، لغوی معنی سے قریب ہیں، اور وہ (لغوی معنی) زائل کرنا ہیں۔

پس ان کے نزدیک نسخ کے معنی ہیں: آیت سابقہ کے بعض اوصاف کو آیت لاحقہ کے ذریعہ

زائل کرنا، چاہے وہ (ازالہ) مدت عمل کی انتہا کی وضاحت سے ہو، یا کلام کو متبادر معنی سے غیر متبادر معنی کی طرف پھیرنے سے ہو، یا قیود میں سے کسی قید کے اتفاقی ہونے کی وضاحت سے ہو، یا عام کی تخصیص سے ہو، یا منصوص اور اس پر بظاہر جس چیز کو قیاس کیا گیا ہے اس کے درمیان وجہ فرق کی وضاحت سے ہو، یا اس کے مانند (اور امور کی وضاحت سے ہو)

اور یہ نہایت وسیع باب ہے، اور عقل کے لئے اس میں جولان گاہ ہے اور اختلاف کی اس میں گنجائش ہے، اور اسی لئے انھوں نے منسوخ آیتوں کو پانچ سو تک پہنچادیا ہے۔

☆ ☆ ☆

کبھی اجماع کو نسخ کی علامت بنایا جاتا ہے

اصطلاحی معنی کے اعتبار سے کسی آیت کو منسوخ کہنا اس وقت صحیح ہے جب ناسخ و منسوخ کے نزول کی تاریخ معلوم ہو، لیکن بسا اوقات متأخرین سلف صالحین کے اجماع کو، یا جمہور علماء کے کسی مسئلہ پر اتفاق کو نسخ کی علامت بناتے ہیں، اور نسخ کے قائل ہو جاتے ہیں، اور ایسا بہت سے فقہاء نے کیا ہے، مثلاً ارشاد خداوندی: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۸۰) کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

والتحقيقُ اَنَّ الايةَ منسوخةُ الحكم للاجماع على عدم جواز الوصيةِ لوارثٍ إلا عند رضاءِ الوَرَثَةِ، ولاتفاقِ الأئمةِ الاَرْبَعَةِ وجمهورِ العلماءِ علىٰ عدمِ وجوبِ الوصيةِ لغير الوارثِ من الأقاربِ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۸٦)	اور تحقیقی بات یہ ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہے، ورثاء کی رضامندی کے بغیر کسی وارث کے لئے وصیت کے عدم جواز پر اجماع کی وجہ سے، اور ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کے اس مسئلہ پر اتفاق کرنے کی وجہ سے کہ رشتہ داروں میں سے غیر وارث کے لئے وصیت کرنا واجب نہیں ہے۔

مگر سلف صالحین کے اجماع کو اور جمہور علماء کے کسی مسئلہ پر اتفاق کو نسخ کی علامت قرار دینا اور کسی آیت کو منسوخ کہنا صحیح نہیں، کیونکہ ایسے مواقع میں اس بات کا امکان ہے کہ آیت کا مصداق وہ نہ ہو جس پر اجماع منعقد ہوا ہے، بلکہ کوئی اور صورت ہو۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو آثار ناسخ و منسوخ کی وضاحت پر مشتمل ہیں ان میں اس قدر گہرائی ہے کہ اس کی تہہ تک پہنچنا دشوار ہے۔

ربما يُجعل الإجماعُ علامةً للنسخ

والثانيةُ: أن الأصلَ في بيانِ النسخِ بالمعنى الاصطلاحي هو معرفةُ تاريخِ النزولِ؛ ولٰكنهم ربما يجعلون إجماعَ السلفِ الصالحِ، أو اتفاقَ جمهورِ العلماءِ على شيءٍ علامةً للنسخِ، فيقولون به؛ وقد فعل ذلك كثيرٌ من الفقهاءِ؛ ويمكن أن يكونَ في مِثْلِ هذه المواضعِ، ما تصدُق عليه الآيةُ غيرَ ما يَنطبِقُ عليه الإجماعُ.

وبالجملة: ففي الآثارِ التي تُنْبِيءُ عن النسخِ غَمْرٌ عظيمٌ، يصعب الوصولُ إلى غَورِه..

ترجمہ: کبھی اجماع کو نسخ کی علامت بنایا جاتا ہے:

اور دوسرا نکتہ: یہ ہے کہ اصطلاحی معنی کے اعتبار سے (کسی آیت کو) منسوخ کہنے میں اصل (ناسخ و منسوخ کے) نزول کی تاریخ کا پہچاننا ہے، لیکن متاخرین کبھی سلف صالحین کے اجماع کو، یا جمہور علماء کے کسی مسئلہ پر اتفاق کو نسخ کی علامت بناتے ہیں، اور اس کے قائل ہو جاتے ہیں، اور ایسا بہت سے فقہاء نے کیا ہے، حالانکہ ہو سکتا ہے کہ ایسی جگہوں میں آیت جس (صورت مسئلہ) پر صادق آتی ہو، وہ اس (صورت) کے علاوہ ہو جس پر اجماع منطبق ہوتا ہے۔

الحاصل ان آثار میں جو نسخ کی خبر دیتے ہیں اتنی گہرائی ہے کہ اس کی تہ تک پہنچنا دشوار ہے۔

لغات:

أَنْبَأَ فُلانًا الخبَرَ وبالخبر: خبر دینا...... الغَمْرُ: بہت پانی، سمندر کا بڑا حصہ۔ جمع غِمارٌ وغُمورٌ...... الغَوْرُ: تہ، پست زمین، نیچے اترا ہوا پانی، غَارَ الماءُ يَغُوْرُ غَوْرًا: گہرائی میں جانا۔

☆ ☆ ☆

کچھ اور باتیں جو محدثین کی تفسیروں میں مذکور ہیں

محدثین کی تفسیروں میں جو آثار مروی ہیں ان میں شان نزول، شرح غریب، ناسخ و منسوخ

اور قرآن کریم کے اشاروں کی وضاحت کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ہوتی ہیں، مثلاً کبھی محدثین اپنی تفسیروں میں صحابہ کرام کے علمی مذاکروں کا تذکرہ کرتے ہیں، تو کبھی کسی آیت سے ان کے استدلال اور تمثیل کو بیان کرتے ہیں، اسی طرح اگر کسی مسئلہ میں آنحضرت ﷺ نے کوئی آیت استدلال کے طور پر تلاوت فرمائی ہے تو اس کا بھی تذکرہ کرتے ہیں، یا ایسی حدیث بیان کرتے ہیں جو آیت کے بنیادی مضمون سے موافقت رکھتی ہے، یا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسی کلمہ کے تلفظ کا جو طریقہ منقول ہے اس کو ذکر کرتے ہیں —— ان امور کی وضاحت دوسرے باب کی تیسری فصل کے آغاز میں گذر چکی ہے۔

أمورٌ أُخَرُ يذكرونها في التفاسير

وللمحدثين أشياءٌ أخرُ خارجةٌ عن هذه الأقسامِ، يوردونها أيضًا في تفاسيرِهم، كمناظرةِ الصحابةِ رضي الله عنهم في مسئلةٍ واستشهادِهم بآيةٍ، أوتمثيلِهم بآيةٍ من الآياتِ، أو تلاوةِ النبي صلى الله عليه وسلم آيةً من الآياتِ، أو روايةِ حديثٍ يوافق الآيةَ في أصلِ معناها، أو طريقِ التلفظِ بالنقلِ عن النبي صلى الله عليه وسلم أو الصحابةِ رضي الله عنهم أجمعين.

ترجمہ: دیگر امور جن کو محدثین تفسیروں میں ذکر کرتے ہیں: اور محدثین کے یہاں کچھ دوسری چیزیں ہیں، جو ان (سابقہ) اقسام کے علاوہ ہیں، وہ ان کو بھی اپنی تفسیروں میں ذکر کرتے ہیں، مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی مسئلہ میں مذاکرہ، اور ان کا کسی آیت سے استدلال کرنا، اور ان کا کسی آیت کو نظیر کے طور پر پیش کرنا، یا نبی کریم ﷺ کا کسی آیت کو (استدلال کے طور پر) تلاوت کرنا، یا ایسی حدیث کو نقل کرنا جو آیت کے موافق ہے آیت کے بنیادی مضمون میں، یا نبی کریم ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول تلفظ کا طریقہ۔
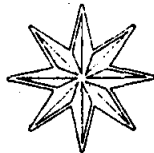
فصل دوم

باب چہارم کی باقی عمدہ باتیں

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے باب رابع کی فصل اول میں محدثین کی تفسیروں میں جو آثار مروی ہیں، ان کے بارے میں کچھ کار آمد باتیں بیان فرمائی ہیں۔ اب اس فصل دوم میں دیگر مفسرین کی تفسیروں کے بارے میں کچھ کار آمد باتیں بیان فرماتے ہیں۔

استنباط احکام کے سلسلہ میں ضروری بات

فنون تفسیر میں ایک فن استنباط احکام کا ہے۔ اور یہ فن بھی ایک نہایت وسیع فن ہے، کیونکہ آیات کے فحاوی ایماء ات اور اقتضاء ات سے واقف ہونے میں عقلاء میں بہت کچھ اختلاف ہوسکتا ہے، بلکہ ہوا ہے، اور اس باب میں صرف جزئیات میں اختلاف نہیں ہے بلکہ اصولی اختلاف بھی ہے، مثلاً کوئی مفہوم مخالف کو معتبر مانتا ہے، کوئی فاسد کہتا ہے، کوئی مطلق کو ہر جگہ مقید پر محمول کرتا ہے، کوئی عموم کا قائل نہیں، کسی کے نزدیک خبر واحد اور قیاس کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے، کسی کے نزدیک جائز نہیں، اسی طرح اور بہت سی اصولی اور کلی باتوں میں اختلاف ہوا ہے۔ چنانچہ مذاہب اربعہ کے اصول فقہ علیحدہ علیحدہ مرتب ہوگئے ہیں، غرض جو شخص اس نکتہ کو یاد رکھے گا وہ تفسیروں میں مفسرین کے درمیان استنباط احکام میں جو اختلافات ہوئے ہیں ان کی وجہ سمجھ لے گا اور اس اختلاف کی حقیقت تک پہنچنے میں اس کو کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

اس کے بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں استنباط احکام کے دس طریقے ڈالے ہیں بس انہیں دس طریقوں سے احکام مستنبط کئے جاتے ہیں، اور وہ دس طریقے ترتیب وار ہیں، اگر آپ ان دس طریقوں کو سمجھ لیں تو احکام مستنبطہ کو تولنے کی بڑی ترازو آپ کے ہاتھ میں آجائے گی، اور وہ دس طریقے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی عظیم

کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے باب کیفیۃ فھم المراد من الکلام (ج ۱ ص ۱۳۶) میں بیان کئے ہیں ۔ مبتدی طلباء کے لئے ان کو نا قابل فہم سمجھ کر تفصیل سے گریز کیا گیا ہے، جو فضلاء ان کو جاننا چاہیں وہ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ حدیث دار العلوم دیوبند کی تازہ تصنیف "رحمۃ اللہ الواسعۃ" اردو شرح حجۃ اللہ البالغہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

الفصلُ الثانی

فی

بقيةِ لطائفِ هذاالبابِ

الكلامُ حولَ استنباطِ الأحكامِ:

ومن جملةِ ذلك: استنباطُ الأحكامِ ــــــ وهذا البابُ واسعٌ جدًا، وللعقلِ مَجَالٌ فسيحٌ في الاطلاع على فَحَاوَى الآياتِ، وإيماء اتِها، واقتضاء اتها؛ والاختلافُ بحذافيرِه حاصلٌ فيه؛ وقد ألقى اللهُ تعالى في رُوعِ الفقيرِ حَصْرَ الاستنباطاتِ في عَشْرةِ أقسامٍ، والترتيبَ فيما بينها؛ وتلك المقالةُ ميزانٌ عظيمٌ لوزنِ كثيرٍ من الأحكامِ المُستَنْبَطَةِ.

ترجمہ: دوسری فصل: اس باب کے بقیہ نکات (کی وضاحت) میں: استنباط احکام کے بارے میں گفتگو: اور ان (فنون تفسیر) میں سے ایک احکام کا استنباط ہے ــــــ اور یہ باب نہایت وسیع ہے اور عقل کے لئے وسیع میدان ہے آیتوں کے فحوی، ان کے ایماء اور ان کے تقاضوں پر مطلع ہونے میں، اور اس (باب) میں اختلاف بتمامہ موجود ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فقیر کے دل میں استنباطات کے دس اقسام میں منحصر ہونے کا القاء فرمایا ہے، اور ان کے درمیان ترتیب کا (بھی) القاء فرمایا ہے، اور وہ مقالہ (بات) عظیم میزان (معیار) ہے بہت سے مستنبط کردہ احکام کو تولنے (جانچنے اور پرکھنے) کے لئے۔

لغات:

مَجال: جولان گاہ، چکر لگانے کی جگہ، جَالَ (ن) جَوْلاً وَجَوَلاَنًا فی المکانِ: چکر لگانا،

گھومنا...... حَذَافِیْر؛ حِذْفَار وحُذْفُور کی جمع ہے: جانب ، تمام، کہا جاتا ہے:اَخَذَہٗ بِحِذْفَارِہٖ وَبِحَذَافِیْرِہٖ:اس نے اس کو بتمامہ لے لیا...... رُوْع (راء کاضمہ):دل کا سیاہ نقطہ،مراد دل ہے، کہا جاتا ہے: اَفْرِغْ رُوْعَكَ:اپنے دل کو مطمئن رکھو...... فَحَاوَی؛ فَحْویٰ کی جمع ہے، مضمون کلام، مفہوم موافق ، فَحَايَفْحُوْ فَحْوًا بکلامِہٖ الی کذا:اپنے کلام سے کسی مضمون کی طرف اشارہ کرنا...... الاِیْماءُ:اشارہ، اَوْمَأَ اِیْمَاءً الی کذا:اشارہ کرنا، یہاں " ایماء" سے مفہوم مخالف مراد ہے...... الاقتضاء: چاہنا، تقاضا، مقتضیٰ،وہ بات جس کو کلام نے چاہا ہو اور جس پر کلام کی صحت موقوف ہو،مثلاً ارشاد خداوندی ہے:﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ای مَمْلُوْكَةٍ﴾(سورۂ نساء آیت ۹۲)اس میں "مملوکۃ" مقتضیٰ ہے، کیونکہ کلام مذکور نے اس کو چاہا ہے،اور تحریر (غلام آزاد کرنے)کی صحت اس پر موقوف ہے۔

احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کرام کے نزدیک کلام جس معنی پر دلالت کرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں (۱)منطوق (۲)اور مفہوم ــــــ منطوق اس کو کہتے ہیں جس پر کلام محل نطق میں دلالت کرے، جیسے ارشاد خداوندی:﴿ فَلاَتَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ﴾(سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۳) والدین کو اُف کہنے کی حرمت پر دلالت کرتا ہے، یہ منطوق ہے ــــــ مفہوم اس کو کہتے ہیں جس پر کلام غیر محل نطق میں دلالت کرے، پھر مفہوم کی دو قسمیں ہیں (۱) مفہوم موافق (۲)اور مفہوم مخالف ــــــ مفہوم موافق اس کو کہتے ہیں جو منطوق کے موافق اور مطابق ہو، جیسے ارشاد مذکور والدین کو مارنے کی حرمت پر دلالت کرتا ہے، یہ مفہوم موافق ہے،احناف اس کو "دلالۃ النص" کہتے ہیں ــــــ اور مفہوم مخالف اس کو کہتے ہیں جو منطوق کے مخالف ہو، مثلاً ارشاد خداوندی:﴿ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ﴾(سورۂ بقرۃ آیت ۱۷۸) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے قتل کرنا صحیح نہیں، یہ مفہوم مخالف ہے، احناف نصوص میں اس کا اعتبار نہیں کرتے۔

☆ ☆ ☆

توجیہ کی حقیقت اور اس کے درجات

فنون تفسیر میں سے ایک فن توجیہ ہے،اور صحابہ کرام کے زمانہ میں اگرچہ توجیہ کے اصول

منقح اور واضح نہیں تھے، مگر پھر بھی انھوں نے نظم قرآن کی بہت جگہ توجیہ فرمائی ہے ——
توجیہ کے معنی ہیں: کسی مصنف کا کلام سمجھنے میں جب دشواری پیش آئے تو اس کو حل کرنا، یہ بہت پہلودار فن ہے، شارحین اس کو کسی دقیق کتاب کی شرح میں استعمال کرتے ہیں، اور اس سے ان کی ذکاوت وذہانت کا اندازہ کیا جاتا ہے اور ان کے درجات کا تفاوت ظاہر ہوتا ہے۔

اور کتاب پڑھنے والوں کی ذہنی صلاحیت چونکہ یکساں درجہ کی نہیں ہوتی، اس لئے توجیہ بھی یکساں درجہ کی نہیں ہوتی، بلکہ اس کے مختلف درجات ہوتے ہیں، چنانچہ مبتدی قراء کی طرف نظر کرتے ہوئے جو توجیہ کی جاتی ہے، وہ اس توجیہ سے مختلف ہوتی ہے، جو منتہی قراء کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے، کیونکہ بسااوقات منتہی قاری کو جو شبہ اور اشکال پیش آتا ہے اس سے مبتدی غافل ہوتا ہے، بلکہ اس شبہ اور اشکال کے سمجھنے کی بھی اس میں صلاحیت نہیں ہوتی، اس کے برخلاف مبتدی کو جہاں کلام سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے اور اشکال ہوتا ہے، وہاں منتہی کو کوئی دشواری پیش نہیں آتی، نہ اس کو کوئی شبہ اور اشکال ہوتا ہے، اسی لئے جو مبتدی قراء کے لئے شرح لکھتا ہے، وہ ان کی ذہنی صلاحیت کو سامنے رکھ کر توجیہ کرتا ہے، اور جو منتہی قراء کے لئے شرح لکھتا ہے وہ ان کی ذہنی پرواز کا خیال رکھ کر توجیہ کرتا ہے اور بعض شارحین تمام قراء کی ذہنی صلاحیت کو پیش نظر رکھ کر کلام کی توجیہ کرتے ہیں، اور ہر چھوٹے بڑے اشکال کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ ان کی شرح سے ہر شخص اپنی صلاحیت اور لیاقت کے مطابق فائدہ اٹھائے۔

التوجيهُ فی تفسير القرآنِ الكريمِ

ومن جملةِ ذلك: التوجيهُ —— وهو فنّ كثيرُ الشُّعَبِ، يستعملُه الشراحُ فی شرحِ المتونِ، ويُختبرُ به ذكائُهم، ويَظهرُ به تفاوتُ درجاتِهم.

وقد تكلّم الصحابةُ رضی الله عنهم —— وإن لم تكن أصولُ التوجيهِ منقّحةً فی عصرِهم —— فی توجيهِ الآياتِ الكريمةِ، وأكثروا منه.

وحقيقةُ التوجيهِ: أنه إذا وقعت صعوبةٌ فی فهمِ كلامِ مؤلِّفٍ، يَقِفُ الشارحُ

هناك، فيحُلُّ تلك الصعوبةَ.

ولمالم تكن أذهانُ قُرّاءِ الكتابِ فى مرتبةٍ واحدةٍ، لم يكن "التوجيهُ" أيضًا فى مرتبةٍ واحدةٍ؛ فالتوجيهُ بالنسبةِ إلى المبتدئين غيرُالتوجيهِ بالنسبةِ إلى المنتهين: إذربما يخطرُ ببالِ المنتهى صعوةُ فَهمٍ، فيحتاجُ إلى حلّها، والمبتدى غافلٌ عنها، بل لا يقدرُ أن يُحيطَ بها؛ وكثيرٌ من الكلامِ يستصعبُه المبتدى، ولا يحصلُ فى ذهن المنتهى شيءٌ من الصعوبةِ هناك؛ فالذى أحاط بجوانبِ العقولِ، يراعى حالَ جمهورِ القراءِ، ويتكلمُ على قدرِ عقولِهم.

ترجمہ: قرآن کریم کی تفسیر میں توجیہ: اور ان (فنون تفسیر) میں سے ایک توجیہ ہے، اور یہ بہت شاخوں والا (پہلو دار) فن ہے، شارحین اس کو متون کی شرح میں استعمال کرتے ہیں، اور اس سے ان کی ذکاوت کو آزمایا جاتا ہے، اور اس سے ان کے درجات کا تفاوت ظاہر ہوتا ہے۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گفتگو فرمائی ہے ـــــ اگرچہ توجیہ کے اصول منقح (نکھرے ہوئے) نہیں تھے ان کے زمانے میں ـــــ آیات کریمہ کی توجیہ میں، اور بہت توجیہ فرمائی ہے ـــــ اور توجیہ کی حقیقت یہ ہے کہ جب کسی مصنف کے کلام کے سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے تو شارح وہاں ٹھہرتا ہے، پھر اس دشواری کو حل کرتا ہے۔

اور جب کتاب پڑھنے والوں کے ذہن ایک درجہ کے نہیں ہیں، توجیہ بھی ایک درجہ کی نہیں ہے، چنانچہ جو توجیہ مبتدیوں کی بہ نسبت کی جاتی ہے، وہ اس توجیہ کے علاوہ ہے جو منتھیوں کی بہ نسبت کی جاتی ہے، کیونکہ بسا اوقات منتہی کے دل میں سمجھنے کی دشواری پیش آتی ہے، پس وہ اس کے حل کا محتاج ہوتا ہے، اور مبتدی اس سے غافل ہوتا ہے، بلکہ وہ اس کے احاطہ کرنے (سمجھنے) کی بھی قدرت نہیں رکھتا، اور بسا اوقات کلام کو مبتدی دشوار سمجھتا ہے اور منتہی کے ذہن میں وہاں کوئی دشواری نہیں ہوتی، پس جو تمام عقلوں کا احاطہ کرتا ہے، وہ جمہور قراء کی حالت کی رعایت کرتا ہے، اور ان کی عقلوں کے بقدر گفتگو کرتا ہے (یعنی مبتدی اور منتہی دونوں کے شبہات واشکالات کو حل کرتا ہے)

☆ ☆ ☆

بہترین توجیہات

گذشتہ عبارت میں شاہ صاحب نے تمہید کے طور پر توجیہ کی حقیقت اور اس کے مختلف درجات کی وضاحت فرمائی ہے اب اصولی طور پر علوم خمسہ کی توجیہات ذکر فرماتے ہیں۔

(۱) آیات جدل میں یعنی جن آیتوں میں گمراہ فرقوں کی تردید کی گئی ہے، ان میں عمدہ توجیہ یہ ہے کہ مفسر تفسیر کے دوران ان گمراہ فرقوں کے عقائد و نظریات اور ان کی رسوم و عادات کی اچھی طرح وضاحت کرے، اور تردید کے طریقوں کو خوب نکھار کر بیان کرے، اسی لئے شاہ صاحب نے پہلے باب کی پہلی فصل میں جن گمراہ فرقوں کی قرآن کریم میں تردید کی گئی ہے، ان کے عقائد و نظریات اور گمراہیوں کو وضاحت سے بیان کیا ہے، پھر ان گمراہیوں کو قرآن کریم نے جن جن طریقوں سے رد کیا ہے ان کی خوب تشریح فرمائی ہے۔

(۲) آیات احکام میں یعنی جن آیتوں میں احکام بیان کئے گئے ہیں، ان کی عمدہ توجیہ مسائل کی صورتوں کو بیان کرنا ہے، اور فوائد قیود کو واضح کرنا ہے کہ فلاں قید احترازی ہے، اور فلاں قید اتفاقی ہے، مثلاً ارشاد خداوندی: ﴿ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ﴾ (سورۂ نساء آیت ۱۰۱) کی عمدہ توجیہ یہ ہے کہ مفسر نماز قصر کرنے کی صورت کو اچھی طرح بیان کرے اور یہ بتائے کہ " اِنْ خِفْتُمْ " کی قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے۔

(۳) آیات تذکیر بآلاء اللہ میں یعنی جن آیتوں میں اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ ہے، ان کی عمدہ توجیہ یہ ہے کہ مفسر ان نعمتوں کی تفصیل بیان کرے پھر یہ بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں سے کس کو نوازا ہے، مثلاً ارشاد خداوندی: ﴿ وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ، فَآوٰكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ، وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (سورۂ انفال آیت ۲۶) کی عمدہ توجیہ یہ ہے کہ مفسر ان نعمتوں کی وضاحت کرے جن کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، پھر یہ بتائے کہ ان نعمتوں سے اللہ تعالیٰ نے کس کو نوازا تھا۔

(۴) آیات تذکیر بایام اللہ میں یعنی جن آیتوں میں فرمان برداروں کو نوازنے اور نافرمانوں کو سزا دینے کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں، ان کی عمدہ توجیہ ان واقعات کا باہمی ربط و تعلق بیان

کرنا ہے جو ایک دوسرے پر مرتب ہوتے ہیں، مثلاً ارشاد خداوندی: ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ٦٧) میں بنی اسرائیل کو ذبح بقرہ کا جو حکم دیا گیا تھا اس کے بارے میں بتائے کہ اس کا تعلق اس ناحق قتل سے تھا جس کے قاتل کے بارے میں بنی اسرائیل آپس میں اختلاف کر رہے تھے۔

نیز آیات تذکیر بایام اللہ کی عمدہ توجیہ ان واقعات کی مختصر وضاحت کرنا بھی ہے جن کی طرف قرآن کریم میں اشارے کیے گئے ہیں، ان کی مثالیں پہلے باب کے بالکل آخر میں گذر چکی ہیں۔

(۵) آیات تذکیر بالموت ومابعدہ میں یعنی جن آیتوں میں موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات وحالات کا تذکرہ ہے، ان کی عمدہ توجیہ ان واقعات وحالات کی منظر کشی کرنا اور ان کی خوب وضاحت کرنا ہے، ان واقعات کی تفصیل بھی پہلے باب کی دوسری فصل میں گذر چکی ہے۔

فعمدةُ التوجيهِ:

- فی آیاتِ الجَدَلِ: تحریرُ مذاهبِ الفِرَقِ الباطلةِ، وتنقیحُ وجوهِ الإلزامِ.
- وفی آیاتِ الأحکامِ: تصویرُ صورةِ المسئلةِ، وبیانُ فوائدِ القیودِ، من الاحترازِ أو غیرِه.
- و فی آیاتِ التذکیرِ بآلآءِ اللّٰه: تصویرُ تلك النِّعَمِ وبیانُ مواضِعِها الجزئیةِ.
- وفی آیاتِ التذکیرِ بأیامِ اللّٰه: بیانُ ترتُّبِ بعضِ القِصَصِ علی البعضِ، وإیفاءُ حقِّ التعریضِ الذی یَرِدُ فی أثناءِ سَرْدِ القصةِ.
- وفی التذکیرِ بالموتِ وما بعدَه: تصویرُ تلك الأمورِ، وتقریرُ تلك الحالاتِ.

ترجمہ: پس عمدہ توجیہ: آیات جدل میں باطل فرقوں کے مذاہب (یعنی ان کے عقائد اور اعمال) کی اچھی طرح وضاحت کرنا ہے اور رد کے طریقوں کو نکھارنا ہے۔

اور آیات احکام میں (عمدہ توجیہ) مسئلہ کی صورت کو واضح کرنا اور فوائد قیود کو بیان کرنا ہے، یعنی احترازی اور غیر احترازی (ہونے کی وضاحت کرنا ہے)

اور آیات تذکیر بالآء اللہ میں (عمدہ توجیہ) ان نعمتوں کی اچھی طرح وضاحت کرنا ہے، اور ان کی جزوی جگہوں کو بیان کرنا ہے۔ (یعنی وہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے کن مخصوص افراد کو عطا فرمائی ہیں)

اور آیات تذکیر بایام اللہ میں (عمدہ توجیہ) بعض واقعات کے بعض پر مرتب ہونے کی وضاحت کرنا ہے، اور اس تعریض کا پورا حق ادا کرنا ہے، جو واقعہ کے تذکرہ کے درمیان میں واقع ہوئی ہے۔

اور آیات تذکیر بالموت ومابعدہ میں (عمدہ توجیہ) ان امور کی اچھی طرح وضاحت کرنا اور ان حالات کو بیان کرنا ہے۔

لغات:

حَرَّرَ الکتابَ: خوبصورت ودرست لکھنا، حَرَّرَ المعنی: حشو وزوائد سے پاک کرنا...... الجَدَلُ: جھگڑا، جھگڑے کی مہارت، جَدِلَ الرجلُ (س) جَدَلاً: سخت جھگڑالو ہونا...... نَقَّحَ الکلامَ تَنْقِیْحًا: اصلاح کرنا، درست کرنا، نکھارنا...... صَوَّرَہٗ تَصْوِیْرًا: تصویر بنانا، نقشہ کھینچنا، خوب کھول کر بیان کرنا...... سَرَدَ الحدیثَ (ن ض) سَرْدًا: اچھی طرح بیان کرنا...... قَرَّرَ الکلامَ تَقْرِیْرًا: کلام کو ثابت کرنا، وضاحت کرنا۔

☆ ☆ ☆

توجیہ کی دیگر صورتیں

توجیہ کی سابقہ صورتوں کے علاوہ کچھ اور صورتیں بھی ہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) عدم مناسبت کی وجہ سے جو بات عام قاری کی سمجھ سے بالاتر ہو اس کو قریب الفہم کرنا۔

(۲) دو دلیلوں یا دو تعریضوں یا معقول اور منقول کے درمیان اگر تعارض ہو تو اس کو دفع کرنا۔

(۳) دو مشتبہ چیزوں کے درمیان فرق کرنا۔

(۴) دو مختلف باتوں میں تطبیق دینا۔

(۵) اس وعدہ کی صداقت کو واضح کرنا جس کی طرف آیت میں اشارہ آیا ہے۔

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم میں جو حکم دیا گیا ہے، اس پر آپ نے کس طرح عمل

کیا اس کو بیان کرنا۔

ان قسموں میں سے بعض کی مثالیں اور توجیہ کی مزید وضاحت دوسرے باب کی تیسری فصل کے آخر میں گذر چکی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرام کی تفسیروں میں نظم قرآن کی توجیہات بہت ہیں، اور توجیہ کا حق اس وقت ادا ہو سکتا ہے جب مفسر دشواری کی مفصل وجہ بیان کرے، اور دشواری کو اچھی طرح حل کرے، پھر اپنی بیان کردہ وجہ اور حل کو انصاف کے ساتھ تولے اور جانچے کہ اس میں کتنا وزن اور کتنی صحت ہے۔

أنواعُ التوجیه:

ومن فنونِ التوجیهِ:

١ ـ تقریبُ ما کان بعیدا عن الفَهْمِ، بسببِ عدمِ الأُلفةِ به.

٢ـ ودفعُ التعارضِ بین الدلیلین، أو التعریضین، أو فیما بین المعقولِ والمنقولِ.

٣ـ والتفریقُ بین الملتَبِسَیْن.

٤ ـ والتطبیقُ بین المختلفَین.

٥ـ وبیانُ صدقِ الوعدِ الذی أشیرَ إلیه فی الآیةِ.

٦ـ وبیانُ کیفیةِ عملِ النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بما أُمِرَ به فی القرآنِ العظیمِ.

وبالجملةِ: فالتوجیهُ کثیرٌ فی تفسیرِ الصحابةِ؛ ولایُقضٰی حقُّه حتی یُبَیِّنَ المفسرُ وجهَ الصعوبةِ مفصلاً، ثم یتکلمُ فی حَلِّ الصعوبةِ بالتفصیلِ، ثم یَزِنُ تلك الأقوالَ وزنا عَدْلاً.

ترجمہ: توجیہ کی صورتیں: اور توجیہ کی شاخوں میں سے ہے:

۱- اس بات کو قریب کرنا جو فہم سے دور ہو، اس کے ساتھ الفت (اور مناسبت) نہ ہونے کی وجہ سے۔

۲- اور دو دلیلوں، یا دو تعریضوں، یا معقول اور منقول کے درمیان تعارض کو دور کرنا۔

۳- اور دو مشتبہ چیزوں کے درمیان فرق بیان کرنا۔

۴- اور دو مختلف باتوں کے درمیان تطبیق دینا۔

۵-اور اس وعدہ کی صداقت بیان کرنا جس کی طرف آیت میں اشارہ آیا ہے۔
۶-اور نبی کریم ﷺ کے عمل کی کیفیت بیان کرنا اس کام کے بارے میں جس کا آپ کو قرآن عظیم میں حکم دیا گیا ہے۔

الحاصل توجیہ صحابہ کرام کی تفسیر میں بہت ہے، اور اس کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ مفسر دشواری کی وجہ مفصل بیان کرے، پھر دشواری کو حل کرنے میں مفصل گفتگو کرے، پھر ان باتوں کو انصاف کے ساتھ تولے۔

متکلمین کا غلو

نظم قرآن کی توجیہ کرنا، یعنی جہاں پڑھنے والوں کو کوئی دشواری پیش آسکتی ہو اس کو واضح کر کے حل کرنا مفسر کی ذمہ داری ہے، اور کامیاب مفسر وہ ہے جو تمام مشکل مقامات کو حل کرتا ہے، مگر متکلمین اسلام متشابہات کی تاویل اور صفات خداوندی کی حقیقت بیان کرنے میں جو غلو کرتے ہیں، وہ صحیح نہیں صحیح طریقہ وہی ہے جس کو امام مالکؒ، سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور دیگر متقدمین نے اپنایا ہے، اور وہ یہ کہ متشابہات کے ظاہر پر ایمان رکھا جائے، اور اس کی تاویل میں غور و خوض نہ کیا جائے، چنانچہ جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے "استواء" کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ: "استواء" کے لغوی معنی معلوم ہیں، اور اس کی کیفیت نامعلوم ہے، اور اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس کی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے، اسی طرح امام مالکؒ سے جب "استواء" کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ام سلمہؓ نے دیا تھا، اور مزید فرمایا کہ جو شخص دوبارہ یہ سوال کرے گا، میں اس کی گردن اڑا دوں گا (العون الکبیر)

غلوُّ المتکلمین

وأما غُلُوُّ المتکلمین فی تأویلِ المتشابهاتِ وبیانِ حقیقةِ الصفاتِ، فلیس هذا من مذهبی، بل مذهبی مذهبُ مالكٍ والثوریِ وابنِ المبارَكِ وسائرِ المتقدمین؛ وهو: إمرَارُ المتشابهاتِ علی ظواهرِها، وتركُ الخوضِ فی تأویلِها۔

ترجمہ: متکلمین کا غلو: رہا متکلمین کا غلو متشابہات کی تاویل اور صفات خداوندی کی حقیقت بیان کرنے میں، تو یہ میرا مذہب (طریقہ) نہیں ہے، بلکہ مذہب (وہی ہے جو) امام مالکؒ، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور دیگر متقدمین کا مذہب ہے، اور وہ: متشابہات کو ان کے ظاہر پر جاری رکھنا ہے، اور ان کی تاویل میں غور وخوض ترک کرنا ہے۔

☆ ☆ ☆

قرآن کریم میں جھگڑا کرنا

جس طرح متشابہات کی تاویل اور صفات خداوندی کی حقیقت بیان کرنے میں غلو کرنا صحیح نہیں، اسی طرح قرآن کریم سے مستنبط کردہ احکام میں جھگڑا کرنا، اور اپنے مذہب کے اثبات اور دوسروں کے مذہب کے انہدام کی کوشش کرنا، اور قرآنی دلائل کو دفع کرنے کی تدبیریں کرنا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں تدارُؤ بالقرآن (قرآن کو باہم ٹکرانے اور رد کرنے) کا اندیشہ ہے، اور تدارُؤ بالقرآن آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے حرام ہے، حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ:

سَمِعَ النبیُ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قومًا یَتَدَارَؤُنَ فی القرانِ، فقال: انما ھلك مَن کان قبلکم بھذا، ضربوا کتابَ اللّٰہ بعضَہ ببعضٍ وانما نزل کتابُ اللّٰہ یُصَدِّقُ بعضُہ بعضًا، فلا تکذبوا بعضَہ ببعضٍ، فما علمتم منہ فقولوا، وما جھلتم فکِلوہ الی عالِمہ رواہ احمد وابن ماجہ (مشکوٰۃ شریف، کتاب العلم ص ۳۵)

نبی کریم ﷺ نے کچھ لوگوں کو (دیکھا اور) سنا کہ وہ قرآن کریم میں جھگڑ رہے ہیں، تو آپؐ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انھوں نے اللہ کی کتاب کو باہم ٹکرایا، حالانکہ اللہ کی کتاب اس طرح نازل ہوئی ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے، لہٰذا تم ایک حصہ کی دوسری حصہ کی وجہ سے تکذیب نہ کرو، بلکہ اللہ کی کتاب میں سے جس کو تم جانتے ہو اس کو مان لو، اور جس کو نہیں جانتے اس کو اس کے جاننے والے کے حوالہ کرو۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

یحرُم التدارُؤ بالقرآن، وھو ان یستدلَ واحدٌ بایۃ ، فیردہ آخرُ بایۃ أخری، طلبا لاثباتِ مذھب نفسہ، وھدمِ وضع صاحبِہ، اوذھابا الی نصرۃِ مذھبِ بعض الائمۃ علی مذھبِ بعض، ولایکون جامعُ الھِمَّۃِ علی ظھور الصواب، والتدارُؤُ بالسنۃ مثلُ ذلك (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۷۲)

تدارؤ بالقرآن حرام ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص ایک آیت سے استدلال کرتا ہے اور دوسرا شخص اس کو دوسری آیت سے رد کرتا ہے، اپنے مذہب کو ثابت کرنے اور اپنے مخالف کے مذہب کو معدوم کرنے کی غرض سے، یا کسی امام کے مذہب کی دوسرے امام کے مذہب کے مقابلہ میں نصرت کرنے کی غرض سے، اور ظہور صواب کا پورا خیال نہ رکھتا ہو، اور تداروٴ بالسنۃ بھی اس کے مانند (حرام) ہے۔

الغرض قرآن کریم کو باہم ٹکرانا اور اس کے دلائل کو دفع کرنا صحیح نہیں، بلکہ آیت کے مدلول اور مفہوم کی جستجو کرنا اور اس کو اپنا مذہب بنانا ضروری ہے، چاہے وہ مدلول اور مفہوم اس کے مذہب کے موافق ہو یا مخالف۔

الجدالُ فی القرآنِ

والنِزاعُ فی الأحکامِ المستنبطۃِ، وإحْکامُ مذھبِ نفسِہ، وھَدْمُ مذھبِ الآخرین، والاحتیالُ لدفعِ الأدلۃِ القرآنیۃِ، کلُّ ذلك لیس بصحیحٍ عندی، وأخشیٰ أن یکونَ ذلك من قبیلِ "التَّدَارُؤُ بالقرآنِ" وإنما اللازمُ أن یَطْلُبَ مدلولَ الآیاتِ، ویتخذَہ مذھبالہ، سواءٌ ذھب إلیہ الموافقُ أو المخالفُ.

ترجمہ: قرآن کریم میں جھگڑا کرنا: اور استنباط کردہ احکام میں جھگڑا کرنا، اور اپنے مذہب کو مستحکم (اور مضبوط) کرنا، اور دوسروں کے مذہب کو منہدم کرنا، اور قرآنی دلائل کو دفع کرنے کے لئے تدبیر کرنا، یہ سب (باتیں) میرے نزدیک صحیح نہیں، اور مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تدارؤ بالقرآن کے قبیل سے ہو، اور آیت کے مدلول کو تلاش کرنا، اور اس کو اپنا مذہب بنانا ہی لازم اور ضروری ہے، خواہ

اس کی طرف موافق گیا ہو یا مخالف (یعنی خواہ اس سے اس کے امام نے استدلال کیا ہو جس کی وہ تقلید کرتا ہے یا اس کے مخالف نے)

☆ ☆ ☆

لغات قرآن کے سلسلہ میں اہم ہدایت

لغات قرآن یعنی قرآن کریم کے الفاظ کے معانی عام لغت کی کتابوں میں تلاش نہیں کرنے چاہئیں، بلکہ قدیم عربوں کے استعمالات و محاورات سے اخذ کرنے چاہئیں، اور لغات قرآن کے بارے میں صحابہ کرام اور تابعین عظام سے جو آثار و اقوال مروی ہیں ان پر پورا اعتماد کرنا چاہئے۔

لغةُ القرآنِ

واما لغةُ القرآنِ فينبغي اخذُها من استعمالاتِ العربِ الأولين، وأن يعتمدَ كلّيًا على آثارِ الصحابةِ والتابعين رضى الله عنهم.

ترجمہ: لغت قران: رہا لغت قرآن تو اس کو متقدمین عرب کے استعمالات سے اخذ کرنا، اور صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے آثار (اقوال) پر پورا اعتماد کرنا مناسب ہے۔

☆ ☆ ☆

نحوی ترکیب کے بارے میں اہم ہدایت اور انوکھی تحقیق

قرآن کریم کی ترکیب کرنے میں عجیب خلل واقع ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت نے سیبویہ کے مذہب کو اتنا مضبوطی سے تھام لیا ہے کہ جو بات قرآن کریم کی ترکیب میں سیبویہ کے مذہب کے خلاف ہوتی ہے، اس کی تاویل کرتے ہیں، چاہے وہ کتنی ہی بعید کیوں نہ ہو، حالانکہ یہ طریقہ صحیح نہیں، صحیح اور سیدھا راستہ یہ ہے کہ جو مذہب سب سے زیادہ قوی اور آیت کے سیاق وسباق سے زیادہ موافقت رکھتا ہو، اس کو اختیار کیا جائے، چاہے وہ سیبویہ کا مذہب ہو یا فراء کا۔

نیز یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ قرآن کریم کی بعض آیتوں میں مشہور نحوی قاعدے کی خلاف ورزی کی گئی ہے، مثلاً سورۂ نساء کی آیت ۱۶۲ میں ہے: ﴿وَالمُقِيمِينَ الصَّلاَةَ وَالمُؤْتُوْنَ الزَّكوةَ﴾ حالانکہ یہاں نحوی قاعدے کے اعتبار سے ﴿وَالْمُقِيْمُوْنَ الصَّلوٰةَ﴾ ہونا چاہئے تھا، اسی طرح سورۂ طٰہٰ کی آیت ۶۳ میں ہے: ﴿إِنَّ هٰذٰنِ لَسَاحِرَانِ﴾ حالانکہ یہاں نحوی قاعدے کے اعتبار سے اِنَّ هٰذَيْنِ ہونا چاہئے تھا، نیز سورۂ مائدہ کی آیت ۶۹ میں ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ﴾ حالانکہ یہاں وَالصَّابِئِيْنَ ہونا چاہئے تھا —— ان ارشادات خداوندی کے بارے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

سَتُقِيْمُهَا الْعَرَبُ بِأَلْسِنَتِهَا — عرب عنقریب اپنی بول چال سے ان کو درست کر دیں گے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا مطلب شاہ صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ: مشہور تعبیرات و محاورات کی مخالفت کرنا بھی ایک تعبیر اور محاورہ ہے، چنانچہ قدیم عرب خطبوں اور عام گفتگو کے دوران بسا اوقات ایسے جملے استعمال کرتے تھے جو مشہور قاعدے کے خلاف ہوتے تھے، مثلاً مسلم شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

اِنَّ مِنْ اَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فی صحبتِه و مالِه ابو بکر (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴) — بیشک لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والے اپنی رفاقت اور مال میں ابوبکر ہیں۔

اس ارشاد نبوی میں "ابو بکر" اِنَّ کا اسم ہے، مگر مرفوع ہے، یہ مشہور قاعدہ کی خلاف ورزی ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری کو جو جاگیر عطا فرمائی تھی اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول مروی ہے: شَهِدَ بِهِ ابو بكرِبنُ ابو قُحافةَ وعلى بنُ ابو طالب ومعايةُ بنُ ابو سفيان (برحاشیہ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول میں ابوقحافہ، ابوطالب اور ابوسفیان تینوں مضاف الیہ ہونے کے باوجود مرفوع ہیں، یہ بھی مشہور قاعدہ کی خلاف ورزی ہے۔

اور قرآن کریم چونکہ قدیم عربوں کی زبان و لغت میں نازل ہوا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ کہیں "واو" کی جگہ "یاء" اور "یاء" کی جگہ "واو" آئے، یا تثنیہ کی جگہ مفرد، اور مذکر کی جگہ مؤنث آئے، لہٰذا وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلوٰةَ کو مرفوع سمجھ کر تفسیر کرنی چاہئے، اور اِنَّ هٰذٰان اور وَالصَّابِئُوْنَ کو منصوب مان کر تفسیر کرنی چاہئے، کیونکہ یہی تفسیر صحیح اور راجح ہے۔

نحوُ القرآن

وقد وقع فى نَحْوِ القرآن خللٌ عجيبٌ، وهو أن طائفةً من المفسرين اختاروا مذهبَ سيبويهِ، فيؤولون كلَّ ماخالف مذهبَه، وإن كان التأويلُ بعيدًا؛ وهذا لايصحُ عندى، بل ينبغى اتباعُ الأقوى، والأوفقِ بالسِياقِ والسِباقِ، سواءٌ كان مذهبَ سيبويهِ أو مذهبَ الفرَّاءِ.

وقد قال عثمانُ بن عفَّانَ رضى الله عنه فى مِثْلِ قوله تعالى:﴿وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾: "ستُقِيْمُهَا العربُ بأَلْسِنَتِهَا"؛ وتحقيقُ هذه الكلمةِ عندى: أن مخالفةَ التعبيراتِ المشهورةِ أيْضًا تعبيرٌ صحيحٌ؛ وكثيرا ما يتفقُ للعربِ الأولين: أن يجرىَ على ألسنتِهم فى أثناءِ الخُطَبِ والمحاوراتِ ما يخالفُ القاعدةَ المشهورةَ؛ ولما نزل القرآنُ الكريمُ بلغةِ العربِ الأولين ، فلا عجبَ: أن جاءتِ " الياءُ " فى موضع " الواوِ" أحيانا، أو وقع المفردُ مقامَ التثنيةِ، أو ورد المؤنثُ مقامَ المذكرِ؛ فالمحقَّقُ عندى: أن يُفسَّرَ" والمقيمين الصلاة " بمعنى المرفوع ، والله أعلم.

ترجمہ: قرآن کریم کا نحو: اور قرآن کریم کے نحو میں عجیب خلل واقع ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت نے سیبویہ کا مذہب اختیار کیا ہے، چنانچہ وہ ہر اس بات کی جو سیبویہ کے مذہب کے خلاف ہے تاویل کرتے ہیں، اگرچہ تاویل بعید ہو، اور یہ میرے نزدیک صحیح نہیں، بلکہ مناسب ہے قوی تر اور (آیت کے) سیاق وسباق سے زیادہ موافق کی اتباع کرنا، چاہے وہ سیبویہ کا مذہب ہو، یا فراء کا مذہب ہو۔

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے ﴿وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ﴾ جیسے ارشاد خداوندی کے بارے میں کہ: "عرب عنقریب اپنی زبانوں سے ان کو درست کردیں گے، اور (حضرت عثمانؓ کے) اس قول کی تحقیق میرے نزدیک یہ ہے کہ مشہور تعبیرات کی مخالفت کرنا بھی صحیح تعبیر ہے، اور بارہا قدیم عربوں کے سامنے اتفاقا ایسا موقع آگیا ہے کہ خطبوں اور عام گفتگو کے درمیان میں ان کی زبانوں پر ایسی بات جاری ہوگئی ہے جو مشہور قاعدے کے خلاف ہے، اور جب قرآن کریم قدیم عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے، تو کوئی تعجب نہیں کہ کبھی "یا" (منصوب) آجائے "واو" (مرفوع) کی جگہ میں، یا مفرد واقع ہو تثنیہ کی جگہ میں، یا مؤنث وارد ہو مذکر کی جگہ میں، لہٰذا میرے نزدیک حق

(ثابت شدہ) بات وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ کو مرفوع مان کر تفسیر کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔

☆ ☆ ☆

تفسیر میں علم معانی اور بیان کی حیثیت

علم معانی اور بیان کی تدوین چونکہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں نہیں ہوئی تھی بلکہ بعد میں ہوئی ہے، اس لئے علم معانی اور بیان کے وہ نکات جن سے جمہور عرب واقف ہیں، اور ان کے عرف میں رائج ہیں، وہ قرآن کریم کی تفسیر میں معتبر ہیں، اور وہ نکات جن کو صرف گہری نظر رکھنے والے ارباب فن ہی سمجھ سکتے ہیں، وہ قرآن کریم کی تفسیر میں مطلوب نہیں ہیں۔

علمُ المعانی والبیان

وأما المعانی والبیانُ فهو علمٌ حادثٌ بعدَ انقراضِ عصرِ الصحابةِ والتابعین رضی اللّٰه عنهم. فما كان منه مفهوما فی عرفِ جمهورِ العربِ فهو علی الرأسِ والعینِ؛ وأما ماکان منه مخفیا لایدرکُه إلا المتعمقون من أربابِ الفنِ، فلا نسلمُ أنه مطلوبٌ فی القرآنِ الکریمِ.

ترجمہ: علم معانی اور بیان: رہا علم معانی اور بیان تو وہ ایسا علم ہے جو صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا دور ختم ہونے کے بعد وجود میں آیا ہے، اس لئے اس (علم معانی اور بیان) میں سے جو باتیں جمہور عرب کے عرف میں معروف ہیں، وہ سر اور آنکھ پر ہیں، (یعنی معتبر ہیں) اور اس میں سے جو باتیں ایسی (دقیق) ہیں کہ ان کو نہیں سمجھتے مگر ارباب فن میں سے گہری نظر رکھنے والے، تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وہ (باتیں) قرآن کریم (کی تفسیر) میں مطلوب ہیں۔

☆ ☆ ☆

تفسیر میں صوفیاء کے رموز کی حیثیت

جس طرح علم معانی اور بیان کے وہ نکات جو جمہور عرب کے عرف میں معروف ہیں، وہ تفسیر میں معتبر ہیں، اور جو غیر معروف ہیں وہ تفسیر میں مطلوب نہیں، اسی طرح تصوف کے وہ رموز و مسائل جن کا استخراج استدلال واستنباط کے ان طریقوں سے کیا گیا ہے جو جمہور فقہاء کے

نزدیک معتبر ہیں، وہ رموز و مسائل تفسیر میں معتبر ہیں، اور ان کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسی فقہاء کے استنباط کردہ احکام کی، اور تصوف کے وہ رموز و نکات جن کا استخراج جمہور فقہاء کے نزدیک استدلال واستنباط کے جو طریقے معتبر ہیں ان کے علاوہ کسی گہری مناسبت کی بناء پر کیا گیا ہے، وہ رموز و نکات تفسیر میں مطلوب نہیں، کیونکہ ان رموز و نکات سے نظم قرآن کی وضاحت نہیں ہوتی، بلکہ ان میں سالک یا عارف باللہ کے مخصوص احوال اور نظم قرآن دونوں کی ملی جلی تشریح ہوتی ہے، جو سالک کے دل میں اس وقت منکشف ہوتی ہے جب وہ قرآن کریم سنتا ہے، اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عاشق لیلیٰ و مجنون کا قصہ سن کر اپنی معشوقہ کو یاد کرتا ہے، اور اس کو اپنی آپ بیتی یاد آتی ہے۔

إشاراتُ الصوفيةِ

وأما إشاراتُ الصوفيةِ واعتباراتُهم فإنها ليست في حقيقةِ الأمرِ من علمِ التفسيرِ؛ بل يحدُث عند استماع القرآنِ الكريمِ أشياء في قلبِ السالكِ، وتتولّد تلك الأشياءُ في قلبِه بينَ النظمِ القرآني، وبينَ الحالةِ التي يتّصفُ بها، أو بين المعرفةِ التي يَمْلِكُها؛ كَمَثَلِ رجلٍ يسمعُ قصةَ ليلى والمجنونِ، فيتذكر عشيقتَه، ويستعيد الذكرياتِ التي كانت بينَه وبينَها.

ترجمہ: صوفیاء کے رموز: اور رہے صوفیاء کے رموز اور ان کے نکات، تو وہ حقیقت میں علم تفسیر میں سے نہیں ہیں، بلکہ سالک کے دل میں قرآن کریم سننے کے وقت کچھ باتیں پیدا ہوتی ہیں، اور وہ باتیں اس کے دل میں جنم لیتی ہیں نظم قرآن کے درمیان اور اس حالت کے درمیان جس کے ساتھ وہ متصف ہوتا ہے، یا اس معرفت کے درمیان جس کا وہ مالک ہوتا ہے، اس مرد کے حال کے مانند جو لیلیٰ اور مجنون کا قصہ سنتا ہے تو اپنی معشوقہ کو یاد کرتا ہے، اور ان یادوں کو دہراتا ہے جو اس کے اور اس کی معشوقہ کے درمیان پیش آئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

فن اعتبار اور اس کی اہمیت

"اعتبار" کے لغوی معنی ہیں: عبور کرنا، پار کرنا، آگے بڑھ جانا۔ ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہونا، اور اصطلاحی معنی ہیں: جمہور فقہاء کے نزدیک استدلال اور استنباط کے جو طریقے

معتبر اور رائج ہیں، ان کے علاوہ کسی گہری مناسبت کی بناء پر نصوص سے کوئی نکتہ مستنبط کرنا، حضرت تھانوی قدس سرہ "مسائل السلوک" میں تحریر فرماتے ہیں: مَسَائِلُ التصوفِ قِسْمَانِ: قسمٌ دَلَّ علیه القرآنُ بوجوهِ الدلالاتِ المعتبرةِ عند اهل العلم والاجتهاد تنصیصًا، ویُسَمّٰی تفسیرًا واستِنباطًا ویُسَمّٰی فِقْهًا............ وقسمٌ لادلالةَ للقرآن علیه بعینه، ولا علی ما یشارکُه فی العلة الشرعیة، لکن له دلالة علی ما یناسبه بنحوٍ مِنَ المناسبة، ویُسَمّٰی "اعتبارًا" (بحوالہ العون الکبیر)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ تصوف کے وہ رموز ونکات جن کا استخراج وجوہ معتبرہ کے علاوہ کسی گہری مناسبت کی بناپر کیا جاتا ہے، اگرچہ وہ تفسیر میں مطلوب نہیں، مگر شرعاًان کے معتبر ہونے میں کوئی کلام بھی نہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فن اعتبار کو معتبر گردانا ہے، اور آنحضرت ﷺ نے خود یہ راہ اپنائی ہے، تاکہ وارثین انبیاء اس راہ کو اپنائیں، اور لوگوں کو اپنے وہبی علوم کے ظاہر کرنے کا موقعہ ملے۔

(۱) مثلاً آنحضرت ﷺ نے ارشاد خداوندی: ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی﴾ (سورۂ لیل آیت ۵) کو تقدیر کے مسئلہ میں مثال کے طور پر پیش کیا ہے، حالانکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ: جو شخص راہ خدا میں خرچ کرتا ہے، اللہ سے ڈرتا ہے، اور اچھی بات کی تصدیق کرتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ جنت کا راستہ دکھاتے ہیں، اور جو شخص راہ خدا میں خرچ نہیں کرتا، اللہ سے نہیں ڈرتا، اور اچھی بات کی تکذیب کرتا ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ جہنم کا راستہ کھول دیتے ہیں ـــــ لیکن فن اعتبار کی رو سے یہ بات جانی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو مخصوص کام اور مخصوص مقام کے لئے پیدا فرمایا ہے، اور ہر شخص کو اسی کام کی توفیق عطا فرماتے ہیں، اور اسی مقام تک پہنچاتے ہیں جس کے لئے اس کو پیدا کیا ہے، چاہے اس کو اس بات کا ادراک ہو یا نہ ہو، اس اعتبار سے اس آیت کریمہ کا تقدیر کے مسئلہ سے گہرا ربط ہو جاتا ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس آیت کریمہ کو تقدیر کے مسئلہ میں دلیل کے طور پر تلاوت فرمایا ہے۔

(۲) ارشاد خداوندی: ﴿وَنَفْسٍ وَّمَاسَوّٰاهَا، فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا﴾ (سورۃ الشمس آیات ۷ و ۸) کا بھی اسی طرح تقدیر کے مسئلہ سے ربط ہے، اگرچہ آیت کریمہ کے وہ معنی جس کے لئے آیت مسوق ہے یہ ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھلائی اور برائی میں فرق کرنے کی سمجھ

دے دی ہے۔ لیکن چونکہ تقدیر کے پہلے اور چوتھے مرحلہ میں مشابہت ہے اس لئے اس آیت کریمہ سے تقدیر کے مسئلہ میں استدلال کرنا صحیح ہے۔ شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ کے باب الایمان بالقدر میں تقدیر کے پانچ مدارج و مظاہر ذکر کئے ہیں۔ جن کی تفصیل "رحمۃ اللہ الواسعہ" میں ہے۔ ان میں سے پہلا مرحلہ ہے: دور ازل میں جبکہ اللہ کے سوا کچھ بھی نہ تھا اللہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ عالم کو تمام مصالح کی رعایت کرتے ہوئے بہتر سے بہتر ممکن صورت میں پیدا کریں گے اس وقت ہر چیز تفصیل سے علم الٰہی میں طے پائی گئی تھی۔ نیکی اور گناہ کی جملہ تفصیلات بھی اس وقت اللہ کے علم ازلی میں طے پائی گئی تھیں، صورت علمیہ پیدا کرنے سے یہی مراد ہے، اور تقدیر کا چوتھا مرحلہ ہے: جب شکم مادر میں روح پھونکنے کا وقت آتا ہے اس وقت چوتھی بار تقدیر الٰہی کا ظہور ہوتا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو مشکوٰۃ شریف کے باب الایمان بالقدر میں مذکور ہے اس کا ذکر ہے کہ فرشتہ اس وقت چار باتیں لکھتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مولود بدبخت ہوگا یا نیک بخت؟ اس وقت میں اجمالاً نیکی اور گناہ کا ظہور ہوتا ہے غرض ان دونوں مرحلوں میں مشابہت ہے، کیونکہ یہ دونوں تقدیر ہی کے ظہور ہیں، اور وَنَفْسٍ وَّمَاسَوّٰاهَا میں چوتھے مرحلہ کا ذکر ہے اس لئے اس مرحلہ کی آیت کو تقدیر کے پہلے مرحلہ کے ثبوت کے لئے پیش کرنا درست ہے۔

﴿نوٹ﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات کریمہ سے تقدیر کے مسئلہ میں جو مذکورہ دونوں استدلال فرمائے ہیں وہ مشکوٰۃ شریف باب الایمان بالقدر کی فصل اول صفحہ ۲۰ میں مذکور ہیں۔

فنُ الاعتبار

وهُنا فائدةٌ مهمةٌ، ينبغي الاطلاعُ عليها، وهي: أن النبي صلى الله عليه وسلم جَعَلَ "فنَ الاعتبارِ" معتبرًا، وسلَكَ ذلك المنهجَ ليكونَ سنةً لعلماءِ الأمةِ، وفتحًا لبابِ العلومِ الموهوبةِ لهم:

● كما أن النبي صلى الله عليه وسلم تمثَّلَ بقولِه تعالى: ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى﴾ في مسئلةِ القدرِ، وإن كان منطوقُ الآيةِ: أن من عَمِلَ بهذه الأعمالِ نُهديه إلى طريقِ الجنةِ والنعيمِ، ومن عمل بضدِها نفتحُ له طريقَ النارِ والتعذيبِ؛ ولكن

يمكن أن يُعلمَ بطريقِ" الاعتبارِ": أن الله تعالى خلق كلَّ أحدٍ لحالةٍ خاصةٍ، ويُجرى عليه تلك الحالةَ من حيث يدرى أو لا يدرى؛ فبهذا الاعتبارِ كان لهذه الآيةِ الكريمةِ ارتباطٌ بمسئلةِ القدرِ.

●وكذلك قوله تعالى: ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوَّاهَا، فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ فالمعنى المنطوقُ لهذه الآيةِ الكريمةِ: أن الله تعالى عرَّف كلَّ نفسٍ بالبر والإثم؛ ولكن لما كانت بين خلقِ الصورةِ العلميةِ للبرِ والإثمِ، وبين البر والإثم الموجودَيْنِ بالإجمال وقتَ نفخِ الروحِ مشابهةٌ فيمكن الاستشهادُ بهذه الآيةِ في مسئلةِ القدرِ أيضًا من طريقِ الاعتبارِ؛ والله أعلم.

ترجمہ: فن اعتبار کا بیان: اور یہاں ایک اہم فائدہ ہے، جس سے واقف ہونا مناسب ہے، اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے "فن اعتبار" کو معتبر گردانا ہے، اور آپ نے یہ راہ اپنائی ہے، تاکہ وہ علمائے امت کے لئے سنت بن جائے، اور ان کے علوم وھبیہ کا دروازہ کھولنے کا ذریعہ ہو جائے۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد خداوندی: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى﴾ سے تقدیر کے مسئلہ میں استدلال کیا ہے، اگرچہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو یہ کام کرے گا ہم اس کو جنت اور نعمت کا راستہ دکھائیں گے، اور جو ان کاموں کی ضد کو اپنائے گا ہم اس کے لئے آگ اور عذاب کا راستہ کھول دیں گے، لیکن اعتبار کے طور پر یہ جانا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خاص حالت کے لئے پیدا فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس پر وہ حالت جاری فرماتے ہیں، چاہے وہ جانے یا نہ جانے، پس اس اعتبار سے اس آیت کریمہ کا گہرا ربط ہے، تقدیر کے مسئلہ کے ساتھ۔

اور اسی طرح ارشاد خداوندی: ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوَّاهَا، فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ (کا تقدیر کے مسئلہ سے گہرا ربط) ہے، کیونکہ اس آیت کریمہ کے معنی منطوق (یعنی ماسیق لاجلہ الکلام) یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو نیکی اور گناہ کی پہچان کرادی ہے، لیکن جب نیکی اور گناہ کی صورت علمیہ پیدا کرنے کے درمیان، اور اس نیکی اور گناہ کے درمیان جو دونوں نفخ روح کے وقت اجمالی طور پر موجود تھے، مشابہت ہے، تو اس آیت سے بھی تقدیر کے مسئلہ میں استدلال کرنا ممکن ہے فن اعتبار کے طور پر، واللہ اعلم۔

☆☆☆

فصل سوم

غرائب قرآن کی وضاحت

غَرَائب؛ غریبۃ کی جمع ہے، اور غریبۃ کے معنی ہیں: نادر چیز، انوکھی بات، اور غرائب القرآن کے معنی ہیں: نادر اور انوکھی آیتیں اور سورتیں؛ یعنی وہ آیتیں اور سورتیں جن کی احادیث میں خصوصی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ اور خاص اہتمام کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ غرائب القرآن کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) علم التذکیر بآلاء اللہ میں غریب وہ آیت یا سورت ہے، جو صفات خداوندی کی وافر مقدار کو حاوی ہو، جیسے آیت الکرسی، سورۂ اخلاص، سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں اور سورۂ مؤمن کی تیسری آیت۔

(۲) اور علم التذکیر بایام اللہ میں غریب وہ آیت یا سورت ہے، جس میں کوئی نادر قصہ بیان کیا گیا ہو، جیسے اصحاب کہف کا قصہ، اسی لئے اس کو "عَجَبًا" کہا گیا ہے ـــــ یا کوئی معلوم قصہ تمام تفصیلات کے ساتھ بیان کیا گیا ہو، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ، اسی لئے اس کو "احسن القصص" کہا گیا ہے ـــــ یا کوئی ایسا قصہ بیان کیا گیا ہو جس میں عظیم فوائد اور بہت سی عبرتیں ہوں۔ جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ہماری تمنا تھی کہ موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے، تاکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مزید خبریں بتاتے۔

(۳) اور علم التذکیر بالموت ومابعدہ میں غریب وہ آیت یا سورت ہے، جو مثال کے طور پر قیامت کے احوال کو حاوی ہو، اسی لئے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ: جو شخص آنکھوں سے روز قیامت کو دیکھنا چاہئے وہ ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ پڑھے

(۴) اور علم الاحکام میں غریب وہ آیت ہے جو حدود شرعیہ کی وضاحت اور مخصوص احکام شرعیہ کی تعیین پر مشتمل ہو، مثلاً سورۂ نور کی دوسری آیت، جو حد زنا میں سو کوڑوں کی وضاحت اور تعیین پر مشتمل ہے، اور سورۂ بقرۃ کی آیت ۲۲۸، جو مطلقہ کی عدت کی وضاحت اور تین حیض یا تین

طہر کی تعیین پر مشتمل ہے، اور سورۂ نساء کی گیارہویں، بارہویں، اور آخری آیت جو میراث میں ورثاء کے حصوں کی وضاحت اور تعیین پر مشتمل ہیں۔

(۵) اور علم الجدل والمخاصمہ میں غریب وہ آیت ہے، جس میں گمراہ فرقوں میں سے کسی فرقہ کی گمراہی اور غلط نظریہ کا واضح اور مؤثر رد پیش کیا گیا ہو، جیسے الوہیت مسیح کے نظریہ کو رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی آیت ۷۵ میں فرمایا ہے: ﴿كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ﴾ وہ دونوں (یعنی حضرت مسیح اور ان کی والدہ) کھانا کھاتے تھے، مفسر قرآن علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ: یہ ایسی قوی اور واضح دلیل ہے جسے عالم و جاہل یکساں طور پر سمجھ سکتے ہیں، یعنی کھانا پینا الوہیت کے منافی ہے (فوائد عثمانی)

اسی طرح علم الجدل میں غریب وہ آیت ہے، جس میں گمراہ فرقوں میں سے کسی فریق کا حال واضح مثال سے سمجھایا گیا ہو، جیسے منافقین کا حال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۷)

اسی طرح علم الجدل میں غریب وہ آیات ہیں، جن میں بت پرستی کی قباحت، اور خالق و مخلوق اور مالک و مملوک کے مراتب کا فرق انوکھی مثالوں سے واضح کیا گیا ہو، یا ریاکاروں اور شہرت پسندوں کے اعمال کے رائیگاں ہونے کو نادر مثال سے واضح کیا گیا ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج کی آیت ۷۳ میں بت پرستی کی قباحت کو، اور سورۂ نمل کے پانچویں رکوع میں خالق و مخلوق کے درمیان فرق مراتب کو، اور سورۂ نحل کی آیت ۷۵ میں مالک و مملوک کے درمیان فرق مراتب کو، اور سورۂ بقرۃ کی آیت ۲۶۴ میں ریاکاروں اور شہرت پسندوں کے اعمال کے رائیگاں ہونے کو نادر اور انوکھی مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔

نیز یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ غرائب القرآن مذکورہ قسموں میں منحصر نہیں ہیں، بلکہ غرائب القرآن کی ان کے علاوہ اور بھی قسمیں ہیں، چنانچہ کبھی کوئی سورت اپنی بلاغت اور تعجب خیز اسلوب بیان کی وجہ سے غریب ہوتی ہے، جیسے سورۂ رحمٰن، اسی لئے حدیث شریف میں اس کو "عروس القرآن" (قرآن کی دلہن یعنی زینت) کہا گیا ہے، اور کبھی کوئی آیت نیک بخت اور بدبخت کی صورت حال کا نقشہ کھینچنے کی وجہ سے غریب ہوتی ہے، جیسے سورۂ احقاف کی آیات ۱۵ تا ۱۸ میں نیک بخت اور بدبخت کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

الفصل الثالث
في
بيانِ غرائبِ القرآنِ الكريمِ

لِيُعلم أن غرائبَ القرآنِ الكريمِ التي خُصِّصت في الأحاديثِ بمزيدٍ من الاهتمامِ وببيانِ الفضلِ أنواعٌ:

١ـ فالغريبةُ في فنِ التذكيرِ بآلاءِ الله: هي آيةٌ جامعةٌ لجملةٍ عظيمةٍ من صفاتِ الحقِ تعالى، مثلُ آيةِ الكرسي، وسورةِ الإخلاصِ، وآخرِ سورةِ الحَشْرِ، وأولِ سورةِ المؤمنِ.

٢ـ والغريبةُ في فنِ التذكيرِ بأيامِ الله: هي آيةٌ يبيِّنُ فيها قصةٌ نادرةٌ، أوقصةٌ معلومةٌ بجميعِ تفاصيلِها، أوقصةٌ جليلةُ الفوائدِ التي تكونُ محلاً للاعتباراتِ الكثيرةِ؛ ولهذا قال النبي صلى الله عليه وسلم في قصةِ موسى والخَضِرِعليهما السلام: "وَدِدْنا أن موسى كان صَبَرَحتى يَقُصَّ اللهُ علينا من خَبْرِهمَا"

٣ ـ والغريبةُ في فنِ التذكيرِ بالموتِ وما بعدَه: هي آيةٌ تكونُ جامعةً لأحوالِ القيامةِ مثلاً ، ولذا ورد في الحديثِ الشريفِ: " من سَرَّه أن ينظرَ إلى يومِ القيامةِ كأنه رَأيُ عينٍ، فليقرأ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾و﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾ و﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾.

ترجمہ: تیسری فصل: قرآن کریم کی غریب آیتوں اور سورتوں کی وضاحت میں: جاننا چاہئے کہ قرآن کریم کی غریب آیتوں اور سورتوں کی ـــــ جن کو احادیث میں مزید اہتمام کے ساتھ، اور فضیلت کی وضاحت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے ـــــ کئی قسمیں ہیں:

۱- چنانچہ علم التذکیر بآلاء اللہ میں غریب وہ آیت ہے، جو حق تعالیٰ کی صفات کی عظیم مقدار کو حاوی ہو، جیسے آیت الکرسی، سورۂ اخلاص، سورۂ حشر کی آخری اور سورۂ مؤمن کی ابتدائی آیتیں۔

۲- اور علم التذکیر بایام اللہ میں غریب وہ آیت ہے، جس میں کوئی نادر قصہ بیان کیا گیا ہو، یا کوئی

معلوم قصہ اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہو، یا ایسا عظیم فوائد والا قصہ بیان کیا گیا ہو، جو بہت سی عبرتوں کا محل ہو؛ اور اسی لئے نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہماری تمنا تھی کہ موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے، تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے ان دونوں کی کچھ اور خبریں بیان فرماتے۔

۳-اور علم التذکیر بالموت ومابعدہ میں غریب وہ آیت ہے جو مثلاً قیامت کے احوال کو حاوی ہو، اور اسی لئے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جس کو آنکھوں سے دیکھنے کی طرح روز قیامت کا دیکھنا خوش کرتا ہے (یعنی جو مشاہدہ کی طرح روز قیامت کو دیکھنا چاہتا ہے) تو وہ پڑھے: ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ﴾

٤- والغريبةُ في فنِ الأحكامِ: هي آيةٌ تكونُ مشتملةً على بيانِ الحدودِ، وتعيينِ الأوضاعِ الخاصةِ، كَمِثْلِ تعيينِ مائةِ جَلْدةٍ في حَدِّ الزنا، وتعيينِ ثلاثِ حِيَضٍ أو ثلاثةِ أطهارٍ لعدةِ المطلقةِ، وتعيينِ أنصباءِ المواريثِ.

٥- والغريبةُ في فنِ الجَدَلِ: هي آيةٌ يَرِدُ فيها سَوْقُ الجوابِ بِنَهْجٍ غريبٍ، يقطعُ الشبهةَ بأبلغِ وجهٍ، أو يُبَيِّنُ فيها حالُ فريقٍ من تلك الفِرَقِ بمثَلٍ واضحٍ، كقولِه تعالى: ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾؛ وكذا يبيِّن فيها شناعةُ عبادةِ الأصنامِ، والفرقُ بين مرتبةِ الخالقِ والمخلوقِ، والمالكِ والمملوكِ بأمثلةٍ عجيبةٍ؛ أو إحباطُ أعمالِ أهلِ الرياءِ والسُّمعةِ بأبلغِ وجهٍ.

٦- وغرائبُ القرآنِ ليست بمحصورةٍ في الأبوابِ المذكورةِ، فأحيانا تكون غريبةً من جِهَةِ بلاغةِ القرآنِ، وإنافةِ أسلوبِه، مِثْلُ سورةِ الرحمٰنِ؛ ولهذا سميت في الحديثِ بعَروسِ القرآنِ؛ وأحيانا تكون غريبةً من جهةِ تصويرِ صورةِ سعيدٍ وشقيٍ.

ترجمہ: ۴-اور علم الاحکام میں غریب وہ آیت ہے، جو حدود (شرعیہ) کی وضاحت پر، اور احکام خاصہ کی تعیین پر مشتمل ہو، جیسے مثلاً حد زنا میں سو کوڑوں کی تعیین، اور مطلقہ کی عدت کے لئے تین حیض یا تین طہر کی تعیین، اور میراثوں کے حصوں کی تعیین۔

۵-اور علم الجدل میں غریب وہ آیت ہے، جس میں ایسے انوکھے انداز سے (کسی شبہ کا) جواب دیا گیا ہو، جو شبہ کو مکمل طریقہ پر ختم کر دیتا ہو، یا اس میں ان (گمراہ) فرقوں میں سے کسی فریق کا حال

واضح مثال سے بیان کیا گیا ہو، جیسے ارشاد خداوندی ہے ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾، اور اسی طرح اس میں بت پرستی کی قباحت کو، اور خالق و مخلوق، اور مالک و مملوک کے مرتبہ کے درمیان فرق کو انوکھی مثالوں سے واضح کیا گیا ہو، یا ریاکاروں اور شہرت پسندوں کے اعمال کا مکمل طریقہ پر رائیگاں ہونا بیان کیا گیا ہو۔

۶- اور غرائب القرآن مذکورہ اقسام میں منحصر نہیں ہیں، چنانچہ کبھی (کوئی سورت) غریب ہوتی ہے، قرآن کریم کی بلاغت اور اس کے پسندیدہ اسلوب کی وجہ سے، جیسے سورۂ رحمٰن، اور اسی لئے حدیث شریف میں اس کو عروس القرآن (قرآن کی زینت) کہا گیا ہے، اور کبھی (کوئی آیت) نیک بخت اور بدبخت کی صورت کا نقشہ کھینچنے کی وجہ سے غریب ہوتی ہے۔

لغات:

حدود؛ حد کی جمع ہے، اور اوضاع؛ وضع کی جمع ہے، اور حدود اور اوضاع دونوں سے یہاں "احکام شرعیہ" مراد ہیں...... اِنَاقَةٌ و اَنَاقَةٌ: پسندیدہ، تعجب انگیز، آنَقَهُ اِينَاقًا: تعجب میں ڈالنا اَنِقَ الشيئُ (س) اَنَقًا: خوبصورت اور تعجب انگیز ہونا...... العَرُوْسُ: دولہا، دلہن، مجاز از زیب وزینت، حسن وجمال۔

☆ ☆ ☆

قرآن کریم کا ظہر وبطن

امام طبرانی نے "معجم کبیر" میں، علامہ بغوی نے "شرح السنۃ" میں، اور علامہ سیوطی نے "الجامع الصغیر" میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

اُنْزِلَ القرآنُ علىٰ سبعةِ اَحْرُفٍ، لِكُلِّ حرفٍ، وفي رواية لِكُلِّ آيةٍ منها ظَهْرٌ وَبَطْنٌ، ولكل حَرْفٍ حَدٌّ، ولِكُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ (مشکوۃ شریف ص ۳۵)	قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، ان میں سے ہر حرف یا ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے، اور ہر حرف کی ایک حد ہے، اور ہر حد کی ایک جائے اطلاع ہے۔

اس ارشاد نبوی کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: قرآن کریم میں جو پانچ علوم صراحۃً بیان کئے گئے ہیں ان کا ظاہر وہ مفہوم اور مدلول ہے جس پر کلام الٰہی صراحۃً دلالت کرتا ہے، اور ان علوم خمسہ کا باطن الگ الگ ہے، چنانچہ آلاء اللہ کے تذکرہ کا باطن: اللہ کی نعمتوں

میں خوب غور کرنا، اور دل میں اللہ تعالیٰ کا ہر وقت دھیان رکھنا ہے ـــــ اور ایام اللہ کے تذکرہ کا باطن، ایام اللہ سے مدح وذم اور ثواب وعقاب کے اسباب کو پہچاننا، اور ان سے نصیحت حاصل کرنا ہے ـــــ اور جنت اور جہنم کے تذکرہ کا باطن: دوزخ کا خوف اور جنت کا شوق ابھارنا، اور دوزخ کے دردناک عذابوں، اور جنت کی پرلطف راحتوں کو آنکھوں کے سامنے رکھنا ہے ـــــ اور آیات احکام کا باطن: کلام الٰہی کے مضامین اور مفاہیم سے مخفی احکام کا استنباط کرنا ہے ـــــ اور گمراہ فرقوں کے مباحثہ کا باطن: ان کی گمراہیوں اور قباحتوں کی بنیاد پہچاننا، اور اسی جیسی گمراہیوں اور قباحتوں کو ان کے ساتھ ملانا ہے۔

اور ظاہر کی جائے اطلاع: عربی زبان جاننا، اور ان آثار کو پہچاننا ہے جن کا تعلق فن تفسیر سے ہے ـــــ اور باطن کی جائے اطلاع: ذہن کا رسا اور فہم کا درست ہونا، اور دل کا نور ایمان سے روشن اور پرسکون ہونا ہے، یعنی جس کا ذہن عمدہ، فہم درست اور دل اعمال صالحہ اور ایمان کی روشنی سے منور ہوگا، اور فاسد خیالات اور پریشانیوں سے خالی ہوگا، وہ بطن قرآن کو بخوبی سمجھے گا، اور جس میں یہ خوبیاں نہیں ہوں گی اس کے لئے بطن قرآن کا سمجھنا دشوار ہوگا۔

ظَهْرُ القرآنِ وبَطْنُه

لقد ورد في الحديثِ الشريفِ: " لكلِ آيةٍ منها ظَهْرٌ وبطنٌ، ولكل حرفٍ حدٌّ ولكلِّ حدٍّ مُطَّلَعٌ" فينبغي أن يُعْلَم أن ظهرَ هذه العلومِ الخمسةِ: هو مدلولُ الكلامِ ومنطوقُه؛ والبطنُ:

●في التذكيرِ بآلآءِ اللهِ: هو التفكُّرُ في آلاءِ الله، ومراقبةُ الحقِ سبحانه وتعالى.

●وفي التذكيرِ بأيامِ اللهِ: هو معرفةُ مناطِ المدحِ والذمِ، والثوابِ والعقابِ، من تلك القصصِ، والاتِّعاظُ بها.

●وفي التذكيرِ بالجنةِ والنارِ: هوظهورُ الخوفِ والرجاءِ، وجَعْلُ تلك الأمورِ كأنها بمَرْأًى منه.

●وفي آياتِ الأحكامِ: هو استنباطُ الأحكامِ الخفيةِ بالفَحَاوَى والإيماء اتِ.

●وفي مُحَاجَّةِ الفِرَقِ الباطلةِ: هو معرفةُ أصلِ تلك القبائحِ، وإلحاقُ مثلِها بها.

ومُطَّلَعُ الظهرِ: هو معرفةُ لغةِ العربِ والآثارِ المتعلقةِ بعلمِ التفسيرِ.

ومطلعُ البطنِ: هو لطفُ الذهنِ واستقامةُ الفهمِ، مع نورِ الباطنِ وسكينةِ القلبِ والله أعلم.

ترجمہ: قرآن کریم کا ظہر و بطن: بیشک حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ: ان (حروف سبعہ) میں سے ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے، اور ہر حرف کی ایک حد ہے، اور ہر حد کی ایک جائے اطلاع ہے، لہٰذا یہ جاننا مناسب ہے کہ ان علوم خمسہ کا ظاہر: کلام الٰہی کا مدلول اور اس کا منطوق ہے، اور باطن: آلاء اللہ کی تذکیر میں: اللہ کی نعمتوں میں خوب غور کرنا، اور حق سبحانہ وتعالیٰ کا دل میں دھیان رکھنا ہے۔

اور ایام اللہ کی تذکیر میں: ان قصوں سے مدح وذم اور ثواب وعقاب کی علت پہچاننا، اور ان (قصوں) سے نصیحت حاصل کرنا ہے۔

اور جنت اور جہنم کے ذریعہ تذکیر میں: (دوزخ کا) خوف، اور (جنت کی) امید ظاہر ہونا، اور ان امور کو ایسا بنانا ہے کہ گویا ان کو دیکھ رہا ہے۔

اور آیات احکام میں: (کلام الٰہی کے) مضامین اور مفاہیم سے مخفی احکام کا استنباط کرنا ہے۔

اور فرق باطلہ کے مباحثہ میں: ان قباحتوں (گمراہیوں) کی بنیاد پہچاننا، اور اسی جیسی قباحتوں کو ان کے ساتھ ملانا ہے۔

اور ظاہر کی جائے اطلاع: عربی زبان کو جاننا اور ان آثار کو پہچاننا ہے جو علم تفسیر سے تعلق رکھتے ہیں ——— اور باطن کی جائے اطلاع: ذہن کا عمدہ اور فہم کا درست ہونا ہے، نور باطن اور دل کے سکون کے ساتھ، واللہ اعلم۔

لغات:

البَطْنُ: کسی چیز کا اندرونی حصہ، پوشیدہ ...... **الظَهْرُ**: کسی چیز کا بالائی حصہ، واضح، ظاہر ...... **مُطَّلَعٌ**: واقف ہونے کی جگہ، اونچے سے جھانکنے کی جگہ، **اِطَّلَعَ طِلْعَ العَدُوِّ**: دشمن کی حقیقت حال سے واقف ہونا ...... **مُرَاقَبَة**: گردن جھکا کر سوچنا، دل جمعی سے خدا کا دھیان کرنا **رَاقَبَهُ مُرَاقَبَةً**: نگہبانی کرنا ...... **مَنَاطٌ**: لٹکانے کی جگہ، علت، سبب ...... **المَرْأى**: منظر، کہا جاتا ہے: **هُوَ مِنِّیْ بَمَرْأى وَمَسْمَعٍ**: وہ ایسی جگہ ہے کہ میں اس کو دیکھ سکتا ہوں اور اس کی بات سن سکتا ہوں ...... **لُطْفُ الذِهْنِ**: ذہن کا رسا اور عمدہ ہونا، **لَطُفَ (ک) لُطْفًا وَلَطَافَةً**: باریک ہونا، عمدہ ہونا ...... **السَكِيْنَةُ**: اطمینان، سکون۔

فصل چہارم

بعض وہبی علوم کا بیان

شاہ صاحب نے چوتھے باب کے شروع میں، فنون تفسیر کی وضاحت کے بعد فرمایا تھا کہ:
اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں مذکورہ فنون کے علاوہ دو تین فنون تفسیر کا القاء فرمایا ہے، اس فصل میں اُن وہبی علوم کی وضاحت فرماتے ہیں کہ فن تفسیر میں اللہ تعالیٰ نے جن وہبی علوم سے مجھے نوازا ہے ان میں سے:

(۱) انبیائے کرام کے قصوں کی تاویل کا علم ہے؛ شاہ صاحب کی اس موضوع پر ایک کتاب بھی ہے جس کا نام "تاویل الاحادیث" ہے، اس کتاب میں شاہ صاحب نے انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے تمام واقعات کی تاویل فرمائی ہے، یہاں صرف تاویل الاحادیث کا مطلب بیان کرنے پر اکتفا فرمایا ہے جو درج ذیل ہے:

تاویل الاحادیث کے معنی ہیں: باتوں کو ٹھکانے پر لگانا، واقعات کی تہ تک پہنچنا، یعنی انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے جو واقعات قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں، اور جن کو معجزات کہا جاتا ہے، اور خارق عادت خیال کیا جاتا ہے، ان میں سے ہر واقعہ کا نبی اور اس کی قوم کی استعداد کے مناسب ایک مبدأ اور سبب ہوتا ہے، جو اللہ کی تدبیر کے مطابق اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوتا ہے، مگر وہ مبدأ اور سبب نہایت مخفی ہوتا ہے، اس لئے اس واقعہ کو خارق عادت کہتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ واقعہ خارق عادت نہیں ہوتا، بلکہ اس کا ایک مخفی سبب اور مبدأ ہوتا ہے، اسی مبدأ اور سبب کو واضح کرنے کا نام "تاویل الاحادیث" ہے، اور اسی معنی کی طرف اس ارشاد خداوندی میں اشارہ کیا گیا ہے: ﴿وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ (سورۂ یوسف آیت ۶) اور سکھلائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا (ترجمہ شیخ الہند) یعنی خواب سن کر اس کے اجزاء کو ذہانت و فراست

سے ٹھکانے پر لگادینا، یا ہر بات کے موقع و محل کو سمجھنا، اور معاملات کے عواقب و نتائج کو فوراً پرکھ لینا، یا خدا اور پیغمبروں کے ارشادات، اقوام و امم کے قصص، اور کتب منزلہ کے مضامین کی تہ تک پہنچ جانا، یہ سب چیزیں "تاویل الاحادیث" کے تحت میں مندرج ہو سکتی ہیں (فوائد عثمانی)

اس کے بعد شاہ صاحب کی تاویلوں میں سے صرف ایک تاویل نمونہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے، جو حضرات مزید تاویلیں دیکھنا چاہیں وہ شاہ صاحب کی کتاب "تاویل الاحادیث" کا مطالعہ کریں، جو قدیم زمانہ سے چھپی ہوئی ہے، اور حال میں پاکستان سے شیخ غلام مصطفیٰ قاسمی کی تحقیق کے ساتھ چھپی ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی چھپا ہوا ہے، مگر وہ اچھا ترجمہ نہیں ہے۔

شاہ صاحب حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں جو واقعہ پیش آیا تھا، اس کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو قوانین نازل کئے گئے تھے ان میں یوم السبت کے احترام کا حکم تھا، مگر حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں کچھ لوگ یوم السبت کا احترام نہیں کرتے تھے، اور مچھلیوں کا شکار کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر بنادیا —— اس کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن مچھلیوں کا مزاج فاسد کر دیا، اور ان میں سرانڈ پیدا کر دی جن کو وہ ہفتہ کے روز پکڑتے تھے، پھر جب انھوں نے وہ سڑی ہوئی خراب مچھلیاں کھائیں، تو ان کا مزاج بھی خراب ہو گیا، اور ان کے بدن میں غیر ضروری بال نکل آئے، اور رفتہ رفتہ ان کے بدن متغیر ہو کر بالکل بندروں جیسے ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ نے قانون خداوندی کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے ان پر ذلت اور خواری مسلط فرمادی، تو وہ ذلیل بندر ہو گئے، اور یہ سزا ان کے احوال سے قریب ترتھی، اس لئے ان کو یہی سزا دی گئی (تاویل الاحادیث ص ۵۰ بحوالہ العون الکبیر)

(۲) اور ان وہبی علوم میں سے ایک: ان علوم خمسہ کو نکھارنا ہے، جن پر قرآن کریم صراحۃً دلالت کرتا ہے، اس کی تفصیل پہلے باب کے آغاز میں گذر چکی ہے، لہٰذا وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) اور ان وہبی علوم میں سے ایک: قرآن کریم کا فارسی زبان میں ترجمہ کرنا ہے، جو کلمات کی تعداد اور تخصیص و تعمیم وغیرہ امور میں نظم عربی سے قریب ہے، البتہ جہاں اندیشہ تھا کہ تفصیل کے بغیر قاری قرآن کریم کا مطلب نہیں سمجھے گا، وہاں اس شرط کو ترک کر دیا گیا ہے، اس ترجمہ کا نام "فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن" ہے، اور قدیم زمانہ سے چھپا ہوا ہے۔

(۴) اور ان وہبی علوم میں سے ایک: قرآن کریم کی خاصیتوں کا علم ہے، جس میں مخصوص

آیتوں، مبارک دعاؤں، اور اسمائے حسنیٰ کی خاصیتوں اور برکتوں سے بحث کی جاتی ہے، متقدمین میں سے کچھ حضرات نے قرآن کریم کو دعا اور وظیفہ کی طرح پڑھنے کی خاصیتیں بیان فرمائی ہیں، اور کچھ لوگوں نے قرآن کریم کو سحر اور جادو کی طرح استعمال کرنے کی خاصیتیں بیان کی ہیں، مثلاً بعض کتابوں میں ہے کہ اگر کسی کی نکسیر بہتی رہتی ہو تو قرآن کریم کی فلاں آیت مریض کی پیشانی پر نکسیر کے خون سے لکھنا، یا پیشاب سے لکھنا، باعث شفا ہے، یہ طریقہ بالکل حرام ہے، اس سے بچنا چاہئے، اور اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہئے۔

البتہ پہلا طریقہ صحیح ہے، اور اس طرح مزید خاصیتیں بیان کرنا جائز ہے، چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی منقول خاصیتوں کے علاوہ ایک دروازہ ناچیز بندہ پر کھول دیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے تمام اسمائے حسنیٰ، آیات عظمیٰ اور مبارک دعاؤں کو میری گود میں رکھ دیا، اور فرمایا کہ یہ (ضرورت کے موقع پر دعا کی طرح) استعمال کرنے کے لئے ہمارا عطیہ ہے۔

لیکن ہر اسم خداوندی، آیت قرآنی اور مبارک دعا چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، جن کو کسی قاعدہ کے تحت میں نہیں لایا جاسکتا، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی حاجت اور ضرورت پیش آئے، یا کوئی حاجت مند درخواست کرے، تو غیبی اشارہ کا انتظار کرے، جس طرح استخارہ میں غیبی اشارہ کا انتظار کیا جاتا ہے، پھر دل میں عالم غیب سے جو اسم خداوندی یا آیت ڈالی جائے، اس کو اس طریقہ پر پڑھے جو اہل فن کے نزدیک مقرر ہے، مثلاً مریض پر یا پانی پر یا شیرنی پر پڑھ کر دم کرنا، یا حاجت مند کو خاص وقت میں خاص تعداد کے ساتھ پڑھنے کی ہدایت کرنا، یا تعویذ کے طور پر لکھ کر دینا، یا زعفران سے تشتری اور رکابی پر لکھ کر مریض کو پلانا وغیرہ۔

یہ نہایت قیمتی باتیں اور کار آمد نکات ہیں، جن کو شاہ صاحب نے اس رسالہ میں جمع فرمادیا ہے، ان سے استفادہ کرنا قارئین کا کام ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس رسالہ سے استفادہ کرنے کی اور قرآن کریم کو کماحقہ سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں! اور علوم قرآن کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی راہ ہموار فرمائیں! آمین! یا رب العالمین! وسلام علی المرسلین! والحمد للہ رب العالمین۔

الفصل الرابع
فی
بیانِ بعضِ العلومِ الوهبیةِ

من العلومِ الوهبیةِ فی علمِ التفسیرِ التی سبقت الإشارةُ إلیها:

١- تأویلُ قِصَصِ الأنبیاءِ علیهم السلام؛ وللفقیرِ فی هذا الموضوع رسالةٌ مسماةٌ بتأویلِ الأحادیثِ. والمرادُ من التأویلِ: هو أن یکونَ لکلِ قصةٍ وقعت مبدأ من استعدادِ الرسولِ واستعدادِ قومِه بحسبِ تدبیرِ اللّٰهِ الذی أراده فی ذلك الوقتِ؛ وکأنه أشار إلی هذا المعنی فی قولِه تعالی: ﴿وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾

٢- ومنها: تنقیحُ العلومِ الخمسةِ التی هی منطوقُ القرآنِ العظیمِ؛ وقد مَرَّ تفصیلُها فی أولِ الرسالةِ، فَلْیُرْجَعْ إلیه.

٣- ومنها: ترجمةُ القرآنِ الکریمِ باللغةِ الفارسیةِ، بوجهٍ قریبٍ من النَصِّ العربی فی مقدارِ الکلماتِ، وفی التخصیصِ والتعمیمِ، وغیرِ ذلك؛ وسمیتُها بـ "فتح الرحمٰنِ فی ترجمةِ القرآنِ" وقد ترکتُ هذا الشَرْطَ فی بعضِ المواضع خوفا من عدمِ فهمِ القارئ بدونِ تفصیلٍ.

٤- ومنها: علمُ خواصِّ القرآنِ الکریمِ؛ وقد تکلَّم جماعةٌ من المتقدمین فی خواصِ القرآنِ من وجهین: وجهٍ کالدعاءِ، ووجهٍ کالسِّحرِ، أعوذُ باللّٰه منه؛ وقد فتح اللّٰهُ علی الفقیرِ بابًا وراءَ ما نُقِلَ من خواصِ القرآنِ، ووَضَعَ فی حِجْرِیْ جمیعَ الأسماءِ الحسنی، والآیاتِ العظمی، والأدعیةِ المبارکةِ مرةً واحدةً، وقال: "هذاعطاؤُنا للاستعمالِ"؛ ولکنَّ کلَّ آیةٍ واسمٍ ودعاءٍ مشروطٌ بشروطٍ، لاتضبطها قاعدةٌ؛ بل قاعدتُها: انتظارُعالَمِ الغیبِ؛ کمایکون فی حالةِ الاستخارةِ، حتی ینظرَ بأیِّ آیةٍ أو اسمٍ یُشارُ إلیه من عالَمِ الغیبِ؛ فیقرأُ تلك الآیةَ أو الاسمَ علی طریقةٍ مقررةٍ عند أهلِ الفنِ.

وهذا ماقصدتُ إیرادَه فی هذه الرسالةِ، والحمدُ للّٰه أولاً وآخرًا، وظاهرًا وباطنًا.

ترجمہ: چوتھی فصل: بعض وہبی علوم کے بیان میں:

علم تفسیر کے ان وہبی علوم میں سے جن کی طرف پہلے اشارہ کیا گیا ہے۔

۱-انبیاء علیہم السلام کے قصوں کی تاویل (کا علم) ہے، اور فقیر (شاہ ولی اللہ) کا اس موضوع پر ایک رسالہ ہے، جس کا نام "تاویل الاحادیث" ہے، اور تاویل سے مراد یہ ہے کہ ہر قصہ جو پیش آیا ہے، اس کا ایک مبدأ (سبب) ہوتا ہے، رسول کی استعداد اور اس کی قوم کی استعداد سے، اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر کے مطابق جس کا اللہ نے اس وقت میں ارادہ فرمایا ہے، اور گویا کہ اسی معنی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے اپنے (اس) ارشاد میں ﴿وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾

۲-اور ان (وہبی علوم) میں سے ایک: پانچ علوم کو نکھارنا ہے، جو قرآن کریم کا منطوق (صریح مفہوم) ہیں، اور ان کی تفصیل رسالہ کے شروع میں گذر چکی ہے، لہٰذا اس کی طرف مراجعت کی جائے۔

۳-اور ان (وہبی علوم) میں سے ایک: قرآن کریم کا فارسی زبان میں ایسا ترجمہ ہے جو نظم عربی سے قریب ہے، کلمات کی مقدار میں، اور تخصیص و تعمیم وغیرہ میں، اور میں نے اس کا نام رکھا ہے: **فتح الرحمن فی ترجمة القرآن** اور میں نے اس شرط کو ترک کر دیا ہے بعض جگہوں میں، تفصیل کے بغیر قاری کے نہ سمجھنے کے خوف کی وجہ سے۔

۴-اور ان (وہبی علوم) میں سے ایک: قرآن کریم کی خاصیتوں کا علم ہے، اور متقدمین کی ایک جماعت نے گفتگو کی ہے، قرآن کریم کی خاصیتوں کے بارے میں، دو طریقے سے، ایک طریقہ دعا کی طرح ہے، اور ایک طریقہ جادو کی طرح ہے، اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں اس سے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فقیر پر ایک دروازہ کھولا ہے، قرآن کریم کی جو خاصیتیں منقول ہیں ان کے علاوہ، اور (وہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ میری گود میں تمام اسمائے حسنیٰ، اور آیات عظمیٰ اور مبارک دعائیں رکھ دیں، اور فرمایا کہ: یہ (ضرورت کے موقع پر دعا کی طرح) استعمال کرنے کے لئے ہمارا عطیہ ہے لیکن ہر آیت، ہر اسم خداوندی اور ہر دعا چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، جن کو کوئی قاعدہ ضبط نہیں کرسکتا، بلکہ اس کا قاعدہ: عالم غیب (کے اشارہ) کا انتظار کرنا ہے، جیسا کہ استخارہ میں (عالم غیب کے اشارہ کا انتظار) ہوتا ہے، یہاں تک کہ دیکھے کونسی آیت یا اسم خداوندی کا عالم غیب سے اشارہ کیا جاتا ہے، پھر اس آیت یا اسم خداوندی کو اس طریقہ پر پڑھے جو اہل فن کے نزدیک مقرر ہے۔

اور یہ وہ باتیں ہیں جن کو اس رسالہ میں ذکر کرنے کا میں نے ارادہ کیا تھا (اور مقدمۃ الکتاب میں وعدہ کیا تھا) اور اللہ تعالیٰ کا شکر اول میں بھی ہے اور آخر میں بھی، ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی۔

تمت بالخیر